urdukutabkhanapk.blogspot.com

آخر شب کے ہمسفر

urdukutabkhanapk.blogspot

اردو کتب خانہ
URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT

urdukutabkhanapk.blogspot.com

آخرِ شب کے ہمسفر

قرۃ العین حیدر

پبلشر
علوی بک ڈپو
۴۹ - محمد علی روڈ - بمبئی ۴۰۰۰۰۳

"آخرِ شب کے ہمسفر" کا پاکستان میں
حقِ اشاعت شیخ غلام علی اینڈ سنز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی - لاہور
کے پاس محفوظ ہے۔

جوز رداراوالا نے اجمل پریس، جے جے اسپتال
کا ناکہ، بمبئی ۳ سے چھپوا کر علوی بک ڈپو ــــ
۴۹ محمد علی روڈ، بمبئی ۳ سے شائع کیا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ ہیں

سالِ اشاعت مئی ۱۹۷۹ء

طباعت اجمل پریس
جے جے اسپتال کا ناکہ بمبئی ۳

قیمت تیس ۳۰ روپے

زیرِ اہتمام
صابر دت
مدیر "فن اور شخصیت"

پیش لفظ

بنگال کی دہشت پسند اور انقلابی تحریک، ۱۹۴۲ء کا اندولن، مطالبۂ پاکستان، تقسیم ہند اور قیام بنگلہ دیش کے تناظر میں لکھے ہوئے اس ناول کے تمام کردار قطعی فرضی ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں ولیم کینٹ ویل نام کا کوئی انگریز ڈھاکہ کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نہیں تھا۔ نہ اس کے بعد "چارلس بارلو، بنگال سویلین"۔ اسی طرح سر ایڈورڈ سے لے کر نوجوان رچرڈ تک سارا بارلو خاندان، دیپالی سرکار، ریحان الدین احمد، پادری بنرجی، اُما رائے، نواب قمرالزماں چودھری، جہاں آرا بیگم، ناصرہ نجم السحر، یاسمین بلمونٹ، وغیرہ وغیرہ سارے کردار اور ان سے منسوب واقعات خیالی اور محض افسانہ ہیں۔ اور کسی ہندوستانی، پاکستانی یا بنگلہ دیشی شخصیات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

اس ناول کے اٹھائیس ابواب ۱۹۶۶ء۔ ۱۹۶۷ء میں رسالہ "گفتگو" (بمبئی) میں شائع ہو چکے ہیں۔

سرورق کی تصویر اسمبلاژ میں ناچیز نے بنائی ہے۔ کسان کا جھونپڑا، مسجد، کالی باڑی، آبی راستے اور نوکائیں، عہد ایسٹ انڈیا کمپنی کا جارجین کولونیل مکان اور دخانی جہاز مشرقی بنگال کا مخصوص نظارہ ہے۔ کولونیل مینشن انگریز حاکم یا پلانٹر یا بڑے بنگالی زمیندار کی جائے رہائش، مشرقی بنگال کے عظیم دریاؤں پر چلنے والا اور مشرقی بنگال کے "سنہرے ریشے" پٹ سن کو کلکتہ اور اسکاٹ لینڈ لے جانے والا جہاز بنگال کے تین سو سالہ سیاسی، ذہنی اور تہذیبی کشمکش کی علامت بھی ہے۔

قرۃ العین حیدر

بمبئی: مئی ۱۹۷۹ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ابواب

	نمبر صفحہ
۱۔ چندر کنج	۹
۲۔ طوفان سے پہلے	۱۷
۳۔ وُوڈلینڈز	۲۰
۴۔ جوار بھاٹا کا گیت	۲۴
۵۔ کماری اُدما دائے	۲۸
۶۔ ریورنڈ پال میتھیو بنرجی	۴۸
۷۔ نیا عبرنامہ	۶۲
۸۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا بنگلہ	۶۶
۹۔ کلثوم آپا	۷۱
۱۰۔ ویشنو بیراگی	۷۵
۱۱۔ ریلی کا تیج	۸۲
۱۲۔ شانتی نکیتن	۹۱
۱۳۔ مس ر دزی بنرجی اور سولیڈرٹی	۹۴
۱۴۔ آمار پرانیر آرام سونیر آخند۔	۹۴
۱۵۔ [illegible]	۱۰۱
۱۶۔ ارجمند منزل	۱۲۵
۱۷۔ گوڑ ملہار	۱۳۷
۱۸۔ میگھ رنجنی راگنی	۱۵۲
۱۹۔ بھیرین کا خواب	۱۵۴
۲۰۔ ہرے بنگال کا "آنند کانن"	۱۶۳
۲۱۔ اگست اندولن اور پیلز وار	۱۶۸
۲۲۔ بدردی	۱۷۱
۲۳۔ گنگا اور برہمپتر	۱۸۰
۲۴۔ چارلس بارلو، "بنگال سولین"	۱۸۹
۲۵۔ نواب قمر الزماں چودھری	۲۳۲
۲۶۔ ریحان الدین احمد	۲۳۷
۲۷۔ جہاں آرا بیگم	۲۶۱
۲۸۔ رونگیلا نائیر مانجھی	۲۶۷
۲۹۔ شریمتی رادھیکا سانیال	۲۷۳
۳۰۔ ڈاکٹر بنوئے چندر سرکار	۲۷۹
۳۱۔ دلہن کی پالکی	۲۹۱
۳۲۔ کمل اور اکمل	۲۹۹

urdukutabkhanapk.blogspot.com

۳۳۔ برڈز آف پیراڈائز ۳۰۹
۳۴۔ ایستھر گری بالا بنرجی ۳۲۳
۳۵۔ یاسمین بلمونٹ، "ڈارک ڈانسر" ۳۲۶
۳۶۔ پائلٹ آفیسر اکمل مرشدزادہ ۳۲۷
۳۷۔ شنکری کا ناچ ۳۳۴
۳۸۔ گڈ لک، ڈائری ۳۳۵
۳۹۔ شہزاد کرسٹینا بلمونٹ ۳۵۰
۴۰۔ سوامی آتم آنند شنکر پریمی ۳۵۳
۴۱۔ جلسہ گھر ۳۵۶
۴۲۔ ناصرہ نجم السحر قادری ۳۷۰
۴۳۔ رچرڈ بارلو ۳۷۶
۴۴۔ آتمار شانتی ۔ ؟ ۳۸۲
۴۵۔ ذنگالہ راگنی ۳۸۷
۴۶۔ بھیرو راگ ۳۹۲

۱

چندر کنج

ڈھاکہ شہر کے ایک درمیانی درجے کے رہائشی علاقے میں آم اور کیلے کے درختوں میں چھپی وہ ایک پرانی وضع کی سفید کوٹھی ہے۔ اس کی دیواریں کائی سے سبز ہو چکی ہیں اور روشن دانوں اور کھڑکیوں میں کئی جگہ پر شیشوں کی جگہ ٹین کے کنستر کے ٹکڑے اور دفتیاں لگی ہیں۔ سامنے کے برآمدے میں ایک سرے پر بانس کی مضبوط چٹائیاں کھڑی کر کے ایک کمرہ بنا دیا گیا ہے۔ کمرے کے دروازے پر نیلے رنگ کی آدھی ساری کا پردہ ٹنگا ہے۔ اندر ایک بنچ، ایک میز اور طبی معائنے کا اونچا سا پلنگ بچھا ہے، جس کے گدّے کا نیلا چمڑا جگہ جگہ سے اُدھڑ گیا ہے۔ دواؤں کی الماریاں اور تام چینی کی چلمچی کا اسٹینڈ ایک دیوار کے برابر لگا ہوا ہے۔ میز کے پیچھے بڑا کیلنڈر آویزاں ہے۔

برآمدے اور کشادہ ہوادار کمروں کے سرخ روغنی فرش بافراط پانی سے دھوئے جانے کی وجہ سے صاف ستھرے اور چمکیلے ہیں۔ برآمدے میں ایک بنچ اور دو چمن مونڈھے پڑے ہیں اور دو سائیکلیں کھڑی ہیں۔ برآمدے میں سے اندر "بیٹھک خانہ" صاف دکھلائی دیتا ہے۔ اس میں بید کا ایک صوفہ اور چند بے جوڑ کرسیاں رکھی ہیں۔ کونے کی ایک میز پر کاسنی غلاف سے ڈھکا ہارمونیم اور دیوار کے سہارے ایک ایسراج بھی موجود ہے۔ بیٹھک کی دیواروں پر آمنے سامنے ایک مرد اور ایک عورت کے دو بڑے پورٹریٹ آویزاں ہیں۔ ان پر ایسی دھندلی دھندلی سی کیفیت طاری ہے، جو کسی پُراسرار نامعلوم کیمسٹری کے ذریعے ان لوگوں کی تصویروں پر آپ سے آپ چھا جاتی ہے، جو مر چکے ہیں۔ عورت نوعمر اور دلکش، ریشمی ساری سے سر ڈھانپے اور ایک انگلی اپنی ٹھوڑی پر رکھے۔ خاصی خوابناک آنکھوں سے کیمرے کو دیکھ رہی ہے۔ دوسری تصویر میں سفید شال لپیٹے ایک خوش شکل نوجوان سر جھکائے غور سے ایک موٹی سی کتاب پڑھ رہا ہے۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

چند ضخیم کتابیں مخملیں میز پوش پر مکی اس کی ایک کہنی کے نزدیک رکھی ہیں۔ دونوں تصویروں پر گوٹے کے ہار پڑے ہیں، جن کا جھوٹا گوٹا تقریباً کالا پڑ چکا ہے۔

"بیٹھک خانے" کے دروازے پہلو کے دو کمروں میں کھلتے ہیں۔ دائیں جانب والے کمرے میں کھانے کی میز اور نعمت خانے کے نزدیک برابر برابر تین چارپائیاں۔ کونے میں بید کی تپائی میزوں پر اسکول کی کتابوں کے انبار۔ کھونٹی پر نیکریں اور قمیصیں۔ کینوس کے نئے اور پرانے جوتوں کا ڈھیر ایک کونے میں پڑا ہے۔ اَدھ کھلے ٹین کے بکس چارپائیوں کے نیچے ٹھنسے ہیں۔ کھانے کی میز کھڑکی کے پاس بچھی ہے۔ یہ کھڑکی پہلو کے ہرے بھرے احاطے میں کھلتی ہے۔ اسی کمرے کے برابر میں ایک اور چھوٹا کمرہ ہے جس کی ایک دیوار پر لکڑی کے تختے لگا کر کارنس سی بنا دی گئی ہے۔ اس پر دواؤں کی شیشیاں، پُرانے خط پتّر، قلم دوات، چند زنانہ بنگالی رسالے اور سلائی کی ٹوکری رکھی ہے۔ کارنس کے نیچے پتلے سے تخت پر شفاف بستر لگا ہے۔ ایک کونے میں مختصر سا مندر ہے۔ صندل کی چوکی پر رکھی ہوئی مورتیوں پر گیندے کے تازہ ہار پڑے ہیں۔ مورتیوں کے سامنے انجلی رکھی ہے۔ ایک پہلو میں ایک چھوٹی تصویر، جس میں ایک وکیل صاحب گاؤن پہنے بیٹھے ہیں۔ اس تصویر پر بھی تازہ ہار پڑا ہوا ہے۔ چوکی کے سامنے سیتل پاٹی بچھی ہے جس کے ایک کنارے پر کھڑاؤں کی جوڑی رکھی ہے۔ کمرے کے دوسرے کونے میں سُتلی کی الگنی پر بغیر کنّی کی چند سفید ساریاں پڑی ہوئی ہیں۔ اس کمرے کا دروازہ پچھلے برآمدے میں رسوئی گھر کے عین مقابل میں کھلتا ہے۔

"بیٹھک خانے" کے بائیں جانب والے کمرے میں جو مطب سے ملحق ہے، صرف ایک پلنگ اور ایک آرام کرسی پڑی ہے۔ کونے میں دو ٹرنک رکھے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کمرے کا مکین دنیادی ضروریات سے خاصا بے نیاز اور لے پروا ہے۔

اس کمرے کے پیچھے ایک اور کمرہ ہے۔ اس میں سلاخوں والی کھڑکی کے نیچے کھادی کی چادر سے ڈھکا پلنگ بچھا ہے۔ سرہانے ایک الماری ایک میز۔ ۔ ۔ ۔ پائینتی کی دیوار کے ساتھ ایک بڑا ٹرنک اور اس کے اوپر ایک چمڑے کا اٹیچی کیس۔ کھونٹی پر چند سوتی ساریاں۔ الماری کے ایک خانے میں آئینہ، کنگھی، ناریل کے تیل کی کٹوری فرش پر ایک کونے میں بچھی خوش

رنگ دری پر کتابوں اور کاپیوں کا ڈھیر۔

پچھلے برآمدے کے ایک سرے پر رسوئی گھر اور دوسرے پر گودام ہے، جس کے دروازے میں بھاری تالا پڑا ہے۔ غسلخانے برآمدے سے باہر آنگن میں ایک قطار میں بنے ہیں جن تک پہنچنے کے لئے ایک چوبی تختے پر سے گزرنا پڑتا ہے۔ غسلخانوں کے برابر میں سے زینہ کوٹھی کی چھت پر بنے کمرے اور ٹین کے سائبان کی طرف جاتا ہے۔ سرسبز آنگن کے وسط میں تالاب، جس میں رو ہو مچھلیاں پلی ہیں۔ تالاب کے سامنے تلسی کا منقش گملا اور دور ایک گوشے میں آم کے گھنے درخت کے نیچے جھلمیوں والی بند گاڑی کھڑی ہے۔ جس کی کھڑکیوں میں چڑیوں نے گھونسلے بنا لئے ہیں۔ آنگن کے تین طرف سُرخ اینٹوں کی دیوار ہے۔ ڈیوڑھی کے چوڑے دروازے کے باہر اونچی اونچی گھاس میں سے گزرتی ایک پگڈنڈی آگے جا کر پچھواڑے کی سنسان سڑک سے جا ملتی ہے۔ آنگن میں کپڑوں کی خالی الگنی پر کوّے آن بیٹھے ہیں۔

بہادوٹ ابھی برس کر کھُلی ہے۔ کوٹھی میں بڑا سنّاٹا ہے۔ خالی کمروں میں بھیگی ہوئی ہوا کھُلے دروازوں میں سے گزرتی منڈلاتی پھر رہی ہے۔ ایک غسلخانے میں سے پانی گرنے کی آواز آ رہی ہے اور پھاٹک کے باہر ایک کہار اکڑوں بیٹھا چلم پی رہا ہے۔ جھُٹ پٹے کی نیم تاریکی میں اس کی چلم کی روشنی کبھی کبھی تیزی سے چمک اُٹھتی ہے۔ پھاٹک کے اِک ستون پر جو برسہا برس کی بارشوں کی بوچھاڑ سے ترچھا ہو کر ایک طرف کو دھنس سا گیا ہے "ڈاکٹر بنوئے چندر سرکار ایم بی۔ بی۔ ایس" کا بورڈ لگا ہے۔ دوسرے ستون پر سنگ مرمر کے ٹکڑے پر بنگالی میں "چندر کنج" نقش ہے۔

اندر مطب کی دیوار پر لگے چرخہ کاتتے گاندھی جی اور متبسم جواں سال نہرو کی بھدی رنگین تصویروں والے کیلنڈر کے ورق بوڑھی گنگا پر سے آتی ہوئی اس بھیگی ہوا میں آہستہ آہستہ پھڑپھڑا رہے ہیں۔

اس روز، دسمبر ۱۹۴۳ء کی اس تاریک شام، جب سارا گھر سنسان پڑا تھا۔ چندر کنج کے پچھلے برآمدے والے گودام میں چوری ہو گئی۔

سیندھ لگانے والی، اس گھر کی انیس سالہ بیٹی دیپالی تھی۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ڈاکٹر بنوئے چندر سرکار مطب بند کر کے حسبِ معمول ہوا خوری کے لئے باہر جا چکے تھے۔ اُن کے تینوں لڑکے کھوکھو، شونُو اور ٹونو ابھی فٹ بال کے میدان سے نہیں لوٹے تھے۔ اور غسلخانے میں پانی گرنے کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ ڈاکٹر سرکار کی بیوہ بہن بھوتارنی دیبی اشنان کے چند منٹ بعد پوجا میں مصروف ہونے والی ہیں۔

اس وقت ڈاکٹر سرکار کی اکلوتی لڑکی دیپالی لالٹین ہاتھ میں لئے زینے سے نیچے باغ میں اُتری، اُس کے دوسرے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ اور وہ اندھیرا پڑنے تک کوٹھے والے کمرے میں جہاں بجلی کی روشنی نہیں تھی "ہوم ورک" کرتی رہی تھی نیچے آ کر اس نے لالٹین تلسی کے گملے کے پیچھے چھپا دی اور دبے پاؤں برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں گئی۔ جو بیٹھک خانے کے بائیں جانب تھا۔ دروازے کی آڑ سے اس نے دیکھا کہ اس کی پھوپھی بھوتارنی دیبی غسلخانے سے نکل کر کھڑاؤں پہنے کھٹ کھٹ کرتی چوبی پُل پر سے گزر کے اپنے کمرے کی طرف جا رہی ہیں۔

دیپالی دم سادھے کواڑ کے پیچھے کھڑی رہی اور چند منٹ بعد پنجوں کے بل چلتی بھوتارنی دیبی کے کمرے میں گئی جو سیتل پاٹی پر آلتی پالتی بیٹھ کر لوبان سلگانے کے بعد آنکھیں بند کر کے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو چکی تھیں۔ ان کی پُشت دروازے کی طرف تھی۔ دیپالی نے چند لحظوں کی ہچکچاہٹ کے بعد آگے بڑھ کر کنجیوں کا موٹا گچھا ان کی پُشت پر پڑے پلّو سے کھولا اور باہر آ گئی۔ تلسی کے پیچھے سے لالٹین نکال کر گودام تک پہنچی اور ڈرتے ڈرتے تالا کھولا۔ اندر جا کر لالٹین ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر رکھ دی اور چاروں طرف دیکھا۔ گودام میں شدت کا حبس اور سیلن تھی۔ آنگن کے رخ والی مقفل کھڑکی کے شیشوں پر امرت بازار پتریکا کے میلے کاغذ چپکے ہوئے تھے۔ متفرق فالتو سامان کے علاوہ کوٹھری میں ایک بہت بڑا چوبی صندوق اینٹوں کے اوپر رکھا تھا۔ اس صندوق میں بنارسی اور بالوچر بوٹے دار ساریاں اور دوسرا قیمتی سامان مقفل تھا۔ ہر سال جاڑوں میں بھوتارنی دیبی صندوق کھول کر بڑے اہتمام سے بالوچر ساریاں باہر نکالتیں اور آنگن میں چارپائیوں پر پھیلا کر اُن کو دھوپ میں سُکھایا جاتا۔ اس کے بعد یہ بالوچر ساریاں پھر نیم کے پتوں کی تہہ دے کر اسی احتیاط سے بکس میں واپس رکھ دی جاتیں۔

دیپالی نے سانس روک کر صندوق کا تالا کھولا۔ اس کے کپڑوں پر رکھی کشمیری شال سرکا کر تہہ میں سے ساریاں نکالیں اور اُن کو جلدی جلدی فرش پر رکھتی گئی۔ بنارسی اور جامدانی کی ساریاں ایک طرف

کر کے اس نے "بالوچر بوٹے دار" ساریاں علیحدہ کیں جو تعداد میں تین تھیں۔ باہر کی آواز پر کان لگاتے ہوئے اس نے لالٹین کی لَو اونچی کر کے ساریوں پر ہاتھ پھیرا۔ ساریاں بیحد پرانی ہونے کے باوجود بالکل نئی معلوم ہو رہی تھیں۔ جیسے ابھی ابھی نوابی کے مرشد آباد کے کرگھوں سے اتری ہوں۔ موقع کی نزاکت کے باوجود وہ ان کے آنچلوں پر بنے نقش و نگار کو دیکھنے میں محو ہو گئی۔ کاسنی، نارنجی، فیروزی ۔۔ کاسنی ساری سب سے بیش قیمت تھی۔ اس کے آنچل پر ایک قطار میں مرشد آباد کے نواب پیچوان نوش کر رہے تھے۔ نارنجی ساری کے پلّو پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز ناؤ میں بیٹھے تھے۔ فیروزی ساری کے آنچل پر مغل بیگمات ہاتھی کے ہودے پر بیٹھی گلاب کا پھول سونگھنے میں مصروف تھیں۔ وقت ریشم کے اس تانے بانے میں الجھ کر ختم ہو چکا تھا۔

اچانک برآمدے میں آہٹ ہوئی۔ دیپالی نے پھرتی سے تینوں ساریاں سفید ململ کے ٹکڑے میں لپیٹیں۔ باقی سامان صندوق میں واپس رکھا، اور سہم کر دروازے کے پاس جا کر کھڑی ہوئی۔ مگر پھر خاموشی چھا چکی تھی۔ صحن میں کیلے اور سیتا پھل کی ڈالیاں سرسرا رہی تھیں۔ بہت دور سڑک پر ایک گھوڑا گاڑی کھڑکھڑاتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ اس گھپ اندھیرے میں نجانے کہاں جا رہی تھی۔

دیپالی نے لمبا سانس لیا اور ساریوں کا بنڈل اپنے آنچل میں چھپا کر باہر نکلی۔ گودام میں تالا لگایا۔ بنڈل برآمدے کی سیڑھیوں پر ڈال دیا اور بھوتارنی دیبی کے کمرے میں جا کر نہایت صفائی سے کنجیاں اُن کے پلّو میں باندھ دیں۔ بھوتارنی دیبی چڑچڑی اور تنک مزاج ہونے کے علاوہ کنجیوں کے معاملے میں حد سے زیادہ سخت گیر اور محتاط تھیں۔ وہ ڈولی تک کا تالا صرف اپنے ہاتھ سے کھولتی تھیں۔ کنجیاں ان کے پلّو میں باندھنے کے بعد دیپالی نے پوری طرح آنکھیں کھول کر بھگوتی کی مورتی کو دیکھا اور دروازے سے نکلی۔ سیڑھیوں پر سے بنڈل اُٹھا کر آنگن میں سے بھاگتی ڈیوڑھی سے تیر کی طرح نکل کے پچھلی سڑک پر پہنچ گئی۔ پھاٹک پر بیٹھا کہار چلم ختم کر کے کہیں غائب ہو چکا تھا۔ دیپالی نے چاروں طرف دیکھا اور چند قدم آگے بڑھی۔ سڑک کی پلیا کے نزدیک ایک نوجوان سائیکل سنبھالے کھڑا بے نیازی سے آسمان کو تک رہا تھا۔ دیپالی کو دیکھ کر اس نے ہاتھ کا ہلکا سا اشارہ کیا۔

دیپالی دوڑ کر اُس کے قریب پہنچی اور اچک کر سائیکل کے پیچھے کیریر پر بیٹھ گئی۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

نواب پورے کی ایک گلی کے سرے پر ایک قدیم مکان کی بیٹھک میں چند نوجوان فرش پر بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں اُن میں سے ایک نے نظر اٹھا کر دیکھا دیپالی سرکار سامنے کھڑی تھی۔ اس نے جھک کر بنڈل نوجوانوں کے سامنے رکھ دیا۔ ایک نوجوان نے بنڈل کھولا۔

"دادا۔ اس سے زیادہ قیمتی چیز میرے گھر میں نہیں ہے۔"

اس نوجوان نے جسے دیپالی نے مخاطب کیا تھا۔ ساریاں الٹی پلٹیں۔ "بالوچر ساریاں" اُس کے منھ سے نکلا۔ اس نوجوان نے اپنے شانوں پر زلفیں چھٹکا رکھی تھیں۔

"بالوچر ــــ!" دوسرے نوجوانوں نے حیرت اور اشتیاق سے ساریوں پر ہاتھ پھیرا۔

"مگر بھائی ان کو خریدے گا کون ۔۔ ؟ ہمیں تو فوراً چھ سو روپے چاہئیں۔"

"چار سو تک میں نہیں بک جائیں گی؟" دیپالی نے متفکر ہو کر پوچھا۔

"بالوچر ساریاں؟ آج کل دیپالی اپر کلاس لیڈیز انگریزی جارجٹ پہنتی ہیں۔"

"مگر یہ ــــ یہ تو بے مثال چیز ہے اور نایاب۔" دوسرے نوجوان نے کہا۔

"ہندوستان کا بیشتر پرانا فن نایاب اور بے مثال ہے۔" پہلے نے چڑ کر جواب دیا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" پھر وہ دیپالی سے مخاطب ہوا۔ "تمہارے پاس اور کچھ نہیں؟"

دیپالی نے تاسف سے سر ہلایا۔ دفعتاً اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ "ان کو بیچنے یا گروی رکھنے کی کوشش تو کیجئے اکشے دادا۔"

زلفوں والا نوجوان گہرا سانس لے کر فرش پر سے اٹھا۔ "اچھا۔ تھینک یو۔ دیپالی۔ اب تم واپس بھاگ جاؤ فوراً ــــ" اور دفعتاً وہ تینوں نوجوان، جن میں سے تیسرا بالکل خاموش رہا تھا۔ بنڈل سمیت کوٹھڑی کے پچھلے دروازے سے نکل کر باہر اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

اب رات کے نو بج رہے تھے اور میز پر کھانا چنا جا چکا تھا۔ بھوتارنی دی حسب عادت بڑبڑاتی ہوئی رسوئی گھر اور کھانے کے کمرے کے پھیرے کر رہی تھیں۔ کھوکھو، شونو اور ٹونو میچ سے واپس آکر شدت سے کھیل پر بحث کرنے میں مشغول تھے۔ ڈاکٹر سرکار چہل قدمی سے لوٹ آئے تھے اور اپنے کمرے میں آرام کرسی پر نیم دراز حسب عادت ایک پاؤں ہلاتے ہوئے سوچ بچار میں مصروف تھے۔

"دیپالی ــــ" انہوں نے آواز دی۔

دیپالی اپنے کمرے سے نکلی۔ ڈاکٹر سرکار آرام کرسی سے اُٹھ کر بیٹھک خانے سے گذرتے کھانے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ وہ ایک بھاری جسم کے متین چہرے اور سوچتی ہوئی آنکھوں والے انسان تھے۔ ان کے چہرے کے سکون سے ظاہر ہوتا تھا کہ خاموشی اور صبر کی دو سرا تھ میں زندہ رہنا انہوں نے سیکھ لیا ہے۔

کھانے کی میز پر جا کر اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے دیپالی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ وہ اسی وقت اندر آ رہی تھی۔ ڈاکٹر سرکار نے ذرا تعجب سے اس کا جائزہ لیا۔

"کیا بات ہے؟ طبیعت خراب ہے؟ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو۔"

"جی نہیں ــــ بابا ــــ میں روزی ــــ روزی کے گھر گئی تھی۔ واپس آ رہی تھی تو۔ پلیا کے پاس ایک بھینسہ مل گیا ــــ اُس کے ڈر سے دوڑتی دوڑتی آ رہی ہوں۔" اس نے گلے پر ہاتھ رکھ کر ہنسنا چاہا۔

"اتنی رات گئے روزی کے گھر سے اکیلی آ رہی ہو؟" ڈاکٹر سرکار نے ذرا درشتی سے اُسے ڈانٹنے کی کوشش کی۔

"جی۔ جی نہیں۔ جو نتُ ساتھ آیا تھا۔" وہ دھم سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس کے تینوں چھوٹے بھائی شور مچاتے ہوئے کھانا کھانے میں جُٹ چکے تھے۔

"ایک خوش خبری تمہارے لئے۔" کھانے کے دوران میں ڈاکٹر سرکار نے دیپالی سے کہا۔

وہ دھک سے رہ گئی۔ "کیسی خوش خبری ــــ بابا؟"

"اشیت بابو ــــ" ڈاکٹر سرکار نے کرسی پیچھے سرکا کے جواب دیا۔ "میں ابھی اشیت بابو کے یہاں گیا تھا۔ وہاں ان کے بہنوئی آئے ہوئے ہیں۔"

"کلکتے والے ــــ؟ جیوتی بابو۔؟"

"جیوتی بابو۔ وہ تمہارے ریکارڈ بھرنا چاہتے ہیں۔ ایچ۔ ایم۔ وی ریکارڈ۔"

"میرے ریکارڈ! سچ بابا۔ سچ بتائیے ــــ!؟"

تینوں لڑکوں نے کھانا چھوڑ کر غل مچانا شروع کر دیا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"ڈیڈی کے ریکارڈ بجیں گے ۔ گھر گھر ڈیڈی کے ریکارڈ بجیں گے ۔" گھوگھو نے گمبھیرتا سے اعلان کیا۔

"ڈیڈی امیر ہو جائے گی ۔" منجھلا شوٹو زور سے چلّایا۔

"ڈیڈی ہم کو پیسے دے گی ۔" ٹونو نے سر جھکا کر نرمی سے کہا۔

"ہمارے سائنس ماسٹر شنتیل بابو کی بڑی دیدی کے ریکارڈ سارے انڈیا میں بجتے ہیں ۔ وہ اتنی امیر ہو گئی ہیں ۔ اُن کے پاس تو موٹر بھی ہے ۔" شوٹو بولا ۔

"ڈیڈی ریڈیو سے جتنے پیسے ملتے ہیں لا کر تم لوگوں پر خرچ کر دیتی ہے ۔" گھوگھو نے ڈانٹ بتائی ۔

"ڈیڈی اتنے پیسے کیا کرے گی ؟" سب سے چھوٹے ٹونو نے جو سب سے لاڈلا تھا مطالبہ کیا۔

"اپنا جہیز بنائے گی ، اور کیا تمہارا سر کرے گی ۔" بھوتارنی دیبی نے جواب تک تیوری پر بل ڈالے چپ چاپ کھانا کھانے میں مشغول تھیں ، گرج کر کہا ۔

دیپالی ذرا سی سرخ ہو گئی اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی ۔ اس سارے ہنگامے میں وہ شام کی مہم کو تقریباً بھول چکی تھی ۔ وہ میز پر سے اٹھنے لگی تو ڈاکٹر سرکار نے اس سے کہا ۔ "جیوتی بابو ۔۔۔ انھوں نے تم سے کل ریڈیو اسٹیشن پر ملنے کو کہا ہے ۔ تم کو ریکارڈنگ کے لئے کلکتہ جانا ہوگا ۔ تم ریڈیو اسٹیشن کل کس وقت جاؤ گی ؟"

"صبح کو بابا ۔۔۔ دس بجے ۔"

"کالج پھر ناغہ ۔۔ ؟"

"بابا ۔ اب تو چھٹیاں شروع ہونے والی ہیں ۔ اور (لڑکے اب ہڑا مچاتے ہاتھ دھونے کیلئے باہر جا چکے تھے ۔ بھوتارنی دیبی چپ چاپ برتن سمیٹنے میں مصروف تھیں) بابا ۔۔۔ پروگرام کے پیسے جمع کر کے بچوں کے کپڑے بنا دیئے تھے ۔۔" وہ ٹھٹھک گئی ۔ "بابا ۔ میری ساریاں بھی بالکل پھٹنے والی ہو رہی ہیں ۔" اُس نے جھینپ کر بات ختم کی ۔

ڈاکٹر سرکار نے سر جھکا لیا ۔ پھر وہ آہستہ سے اٹھ کر باہر چلے گئے ، اور گودام کے نزدیک والے نیم کے پاس کھڑے ہو کر ٹہلا کرنے لگے ۔ دیپالی چپکے چپکے پیچھے آئی اور گودام کے بند کواڑوں کو غور سے دیکھا جن میں لگا لوہے کا وزنی تالا بیحد ساکت اور پُراسرار معلوم ہو رہا تھا ۔

۲

طوفان سے پہلے

"ابانی گنگوپادھیائے ۔"

"پریذنٹ ۔"

"مولینا گھوشال ۔"

"پریذنٹ ۔"

"روزی بنرجی ۔"

"پریذنٹ ۔"

"جہاں آرا چودھری ۔"

"پریذنٹ ۔"

"دیپالی سرکار ۔"

"ایبسنٹ ۔"

سوکس (civics) کی لیکچرر مسز بوس نے سیکنڈ ایر آرٹس کی حاضری لیتے ہوئے روزی بنرجی اور جہاں آرا چودھری کے برابر والی تیسری خالی کرسی پر نظر ڈالی ۔

"دیپالی پھر غائب ہے ۔" انہوں نے کہا۔

"دیکھئے کرونا دی ۔" جہاں آرا نے پلّو منھ پر رکھ کر ہمی ہمی کرتے ہوئے مسرور ہنسی چھپانے کی کوشش کی ۔ "دیپالی بیمار ہے ۔"

"تم کو کیسے معلوم ۔ تم تو اس کے گھر سے اتنی دور رہتی ہو ۔۔ ؟"

"وہ کل ۔۔ میرا مطلب ہے ، کل مجھے معلوم ہوا تھا کہ بیمار پڑ گئی ہے بے چاری ۔"

"لڑکیو ۔" مسز بوس نے کلاس کو بڑے دکھ سے مخاطب کیا ۔ "فائنل امتحان سر پر ہیں اور

urdukutabkhanapk.blogspot.com

تم سب کی سب ہوگی فیل ۔ اور روزی ۔"

"یس گرونادی ۔"

"تم دونوں ۔ تم اور دیپالی ہر وقت ڈرامے کرنے میں جُٹی رہتی ہو ۔ ہر وقت ۔ ایکٹریس بنوگی؟"

"کبھی کبھی ۔" روزی اور جہاں آرا نے ہنسی روکی ۔

"کہہ دوں ۔؟" روزی نے چپکے سے جہاں آرا سے پوچھا ۔

"کہہ دو ۔"

"گرونادی ۔ دیکھئے گرونادی ۔ اصل میں دیپالی کلکتے جا رہی ہے ۔ ایچ ۔ ایم ۔ وی ریکارڈ بھروانے"

"ایچ ۔ ایم ۔ وی ریکارڈ ۔" ساری کلاس نے نعرہ لگایا ۔

"آج وہ گراموفون کمپنی کے ڈائرکٹر سے ملنے جا رہی تھی تو راستے میں میرے گھر پر چھٹی کی عرضی چھوڑ گئی ۔" روزی نے کہا ۔

"کہاں ہے عرضی ۔؟"

"بھول آئی گرونادی ۔ کبھی کبھی ۔"

مسز لوکس ایک نیک دل اور شریف خاتون تھیں ۔ انہوں نے ذرا جھلا کر روزی کو گھورا اور باقیماندہ کلاس کی حاضری لگانے کے بعد فوراً اپنا کلاس روم والا بے رنگ لہجہ اختیار کر کے سامنے دیکھتے ہوئے کہا ۔ "صفحہ ۱۸۳ کھولو ۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء ۔"

"اوہ ۔ ہو ۔ ہو ۔ اوہ ۔ دیپالی کی خوشی میں گرونادی ۔ آج جلدی چھٹی پلیز ۔ پلیز ۔ پلیز ۔"

"جاؤ ۔ بھاگو ۔ منہ جلی چڑیلیں ۔" آدھ گھنٹہ پڑھانے کے بعد مسز لوکس نے مصنوعی غصے کے ساتھ کتاب زور سے بند کی ۔ لڑکیاں بھد بھد کرتی کمرے سے نکل کر باہر گھاس پر بکھر گئیں ۔

روزی اور جہاں آرا نے ٹک شاپ پر جا کر چاٹ خریدی ۔

اپانی نے قریب آکر چپکے سے روزی سے کہا: "پھاٹک پر کوئی لڑکا دیپالی کو پوچھ رہا ہے ۔"

"وہی ۔؟"

"ہاں ۔"

"میں جاتی ہوں ۔"

روزی بھاگتی ہوئی دور پھاٹک پر پہنچی ۔ نوجوان جو کل شام دیپالی کو سائیکل پر بٹھا کر نواب پورے گیا تھا، اطمینان سے درخت کی آڑ میں کھڑا پان چبا رہا تھا ۔ قریب ہی ایک گائے گھاس پر بکھرے چاٹ کے خالی دونوں پر منہ مارنے میں مصروف تھی ۔

"دیپالی نہیں آئی ہے ۔ کوئی پیغام ۔؟"

"ہاں ۔" لڑکے نے کہا ۔ "اس سے کہنا ۱۹ تاریخ کی شام کو ریڈیو اسٹیشن کی برساتی میں ٹھیک سات بجے ضرور پہنچ جائے ۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ جس کام کے لئے کل گئی تھی وہ امید ہے ایک دو دن میں ہو جائے گا ۔"

"اور کچھ ۔؟"

"بس ۔ نومشکار ۔" لڑکا سائیکل کے پیڈل پر پاؤں مارتا ہوا ہوا ہو گیا ۔

روزی جو بے حد تیزی سے دوڑتی پھاٹک پر آئی تھی اب سر جھکائے سوچ میں ڈوبی ٹک شاپ واپس پہنچی ۔ جہاں بہت سی لڑکیاں اکٹھی ہو کر کسی نئی خبر پر زور زور سے تبصرہ کر رہی تھیں ۔

"اور سُنا تم نے روزی ۔" سندھیا نے کہا ۔ "مس ہیڈ لے آج کہہ رہی تھیں کہ مس اُوما رائے لندن سے واپس آگئی ہیں اور شاید پھر یہاں پڑھانا شروع کر دیں ۔"

"مارے گئے ۔ دیدی کو انہوں نے پڑھایا تھا ۔ دیدی کہتی ہیں کہ بس جان نکال لیتی تھیں ۔" شکنتی نے کہا ۔

"ہائے تو بھیا مزے ہیں ۔ ہم تو انٹر کے بعد گھر بیٹھ جائیں گے ۔ ابا نے حکم دے دیا ہے!" جہاں آرا نے کہا ۔ "تم لوگ اپنے مرتی رہو ۔"

"تیرا تو ۔ اس کا جہاں آرا کا تو کسی ڈھیل مولوی سے بیاہ ہوگا ۔ جناب مولوی بے نو جیرالدین احمد صاحب ۔!" موتی مسخری رومولا نے منہ پھاڑ کر ہاہا کرتے ہوئے کہا ۔ اور چنے پھانکتی رہی ۔

"ارے ہٹ بھاگ ۔"

"تو خود بھاگ ۔"

سہ منزلہ عمارت میں پانچویں پیریڈ کی گھنٹی بجی ۔

"چلو بھائی ۔ آگئیں مس گرین فیلڈ کا گھنٹہ ۔" روزی نے منہ بنا کر کہا ۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"وین وین وین۔" رو تولا منہ بسورتے ہوئے مس گرین فیلڈ کی نقل کرتی، چنے پھانکتی آگے آگے چلنے لگی۔ اس کے پیچھے پیچھے روزی بنرجی اور جہاں آرا چودھری لڑکیوں کے غول میں شامل ہو کر عمارت کی سمت روانہ ہو گئیں۔

اس وقت جاڑوں کی سہانی دھوپ ساری زندگی پر بکھری ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ ایڈن گرلز کالج کی بلند عمارات پڑھائی کی سنجیدہ خاموشی میں ڈوب گئیں۔ جس طرح جہاز آہستہ آہستہ گہرے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ ان عمارتوں کے روشن کمروں کی دیواروں پر ٹنگی برطانیہ کے شاہی خاندان اور بنگال کے سابق گورنروں کی منجمد آنکھیں چپ چاپ سامنے کے منظر کو دیکھتی رہیں۔ جہاں بھانت بھانت کے سماجی اور اقتصادی پس منظر سے آئی ہوئی، قدیم بنگال کی نئی بیٹیاں اپنی اپنی کتابوں پر جھکی حصولِ علم میں منہمک تھیں اور کون کہہ سکتا تھا کہ باہر بیکراں فضا، پرانی جنگوں کی جھنکار سے گونج رہی ہے۔ ان جنگوں میں لڑنے والے جو زبانیں بولتے تھے، وہ بھلا دی گئیں، وہ قومیں اور نسلیں ختم ہو چکیں۔ جن وجوہات پر اور جن مقاصد کے لئے وہ لڑائیاں لڑی گئیں۔ وہ فراموش کر دیے گئے۔ پرانے فیصلوں پر نظرِ ثانی کرنے کی مہلت دنیا کو نہیں۔ لیکن بیکراں زندگی میں ہر آواز، ہر کرب اور وقت کا ہر عکس موجود ہے اور زندہ ہے اور باقی ہے۔

دفعتاً کالج پر پھیلا ہوا سناٹا اتنا گہرا ہو گیا کہ اُسے بآسانی سنا جا سکتا تھا۔ طوفان سے پہلے چھانے والا سناٹا۔

۳

ووڈلینڈز

رمنا کی ایک عالیشان کوٹھی کے ایک پہلو کے کمرے کے فرانسیسی دریچے میں سے سرو، باغ اور نیلا آسمان نظر آ سکتا تھا۔ کیونکہ حدِ نظر تک ہریالی کے علاوہ وہاں کچھ اور نہیں تھا۔ اکّا دکّا پوربی مالی

پھولوں کے تختوں میں چھپے چپ چاپ اپنے کام میں مصروف تھے۔ دریچے کی سیٹ پر، جو سُرخ گلاب کے پھولوں والے جھالردار غلاف سے ڈھکی ہوئی تھی، ایک نوجوان خاتون عینک لگائے محویت کے عالم میں بیٹھی خط لکھ رہی تھیں۔ سیزر ان کے قدموں میں بیٹھا تھا۔ دریچے کے قریب برمی لکڑی کی رائیٹنگ ٹیبل پر چھوٹے چھوٹے بیضوی فریموں میں چند اور رار سٹوکریٹک بنگالی خواتین کی تصاویر جھلملا رہی تھیں۔ کمرہ جو انگریزی اصطلاح میں مارننگ روم کہلاتا تھا۔ اُس کی دیواروں پر گلاب کی بیل کے ہلکے گلابی اور زرد، اور کاسنی اور سبز پیٹرن والا وال پیپر منڈھا تھا۔ اس طرح کا وال پیپر ایک زمانہ میں امرائے کلکتہ خاص طور پر ولایت سے منگوا کر اپنے کمروں میں لگواتے تھے۔

دیواروں پر سنہری فریموں والی بڑی بڑی تصویریں تھیں۔ لارڈ بائرن یونان کے ساحل پر کشتی سے اتر رہے ہیں۔ کانسٹیبل کا ایک دیہاتی منظر۔ آبری بیرڈزلے کی مشہور سلومے آسکر وائلڈ والی۔ جو سیاہ کپڑوں میں ملبوس، تھالی میں دھرے یوحنا پیغمبر کے بریدہ سر کے بال پکڑ کر آہیں بھر رہی ہے۔ ایک تصویر مسٹر پک وک کی تھی۔

دروازوں پر اور دریچوں میں موٹی ریشمی ڈوریوں سے بندھے پھُندنوں والے دبیز ریشمی پردے پڑے تھے۔ آتش دان پر وڈ لیسٹرن چائنا کی چرواہی بیٹھی تھی۔ اس کمرے کا اور سارے گھر کا طرزِ آرائش مکمل طور پر مغربی اور وکٹورین تھا۔

لیکن جو خاتون اس مارننگ روم میں موجود تھیں وہ وکٹورین نہیں تھیں۔ وہ ایک جوشیلی اور باشعور اور سنجیدہ سیاسی کارکن تھیں۔ جس پیڈ پر وہ خط لکھ رہی تھیں اس کے اوپر کے ایک کونے میں "ووڈلینڈز، رمنا، ڈھاکہ" گوتھک پرنٹ میں ثبت تھا۔ مگر مکتوب الیہ لندن اسکول آف اکنامکس کا ایک برطانوی یہودی، کمیونسٹ پروفیسر تھا۔

خط لکھتے لکھتے دفعتاً انہوں نے غصّے سے توڑ مروڑ کر اسے دور پھینک دیا۔ فرید سیزر۔ ذرا دقّت سے اٹھ کر اخلاقاً اس کی طرف لپکا۔ لیکن خاتون اسی طرح دل گرفتہ اور جھنجھلائی ہوئی بیٹھی رہیں۔ کیونکہ ان کو یاد آ گیا تھا کہ یہ خط سارا کا سارا سنسر کی نذر ہو جائے گا۔

چند منٹ بعد سر ہاتھوں میں لے کر وہ دریچے سے باہر دیکھنے لگیں اور بعد کرب سے انہوں نے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

سوچا۔ اب مجھ پر دورہ پڑنے والا ہے۔ انہوں نے عینک اتار کر آنکھیں زور سے میچ لیں۔ اور اسی طرح ساکت بیٹھی رہیں۔ اب وہ دانتے گیبریل روزیٹی کی داموزیل معلوم ہوسکتی تھیں۔

جب بیرسٹر پری توش کمار رائے نے اپنی وسیع و عریض کوٹھی کا نام "ووڈلینڈز" رکھا تو وہ اس رواج کی تقلید کر رہے تھے جس کے تحت ہندوستان کا نیا مغربی تعلیم یافتہ اوپری طبقہ تقریباً سو برس سے اپنی کوٹھیوں کے انگریزی نام رکھنے میں مصروف تھا۔ مہاراجہ کوچ بہار کے کلکتے والے محل کا نام بھی ووڈلینڈز تھا۔ مگر بیرسٹر رائے کو یہ نام اس قدر پسند تھا کہ انہوں نے اسے تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

بیرسٹر رائے برہمو تھے۔ بنگال کے رائے اور ٹھاکر خاندان چودھری پریواروں کی مانند زمیندار تھے۔ اور مذہبی لحاظ سے قدامت پسند ہندو۔ زیادہ تر دت، سین اور گپتا۔ غیر برہمن جاتیاں برہمو ہوچکی تھیں۔ لیکن بیرسٹر رائے کے دادا کیشب چندر سین کے چیلے بن گئے تھے اور ان کا خاندان اب تقریباً پون صدی سے برہمو اور آزاد خیال تھا۔ بیرسٹر رائے کی والدہ اور پھوپھیوں تک نے اسکول اور کالج میں پڑھا تھا۔ بیرسٹر رائے کی بیوی مشہور "سوشل فگر" تھیں۔ اُن کا بھائی اَرکاز مینڈو، برڈ اینڈ کمپنی کلکتہ میں اعلیٰ ایگزیکٹیو اور "کنفرمڈ بیچلر" تھا۔ اور زیادہ وقت ریس کورس پر اور شراب نوشی میں گزارتا تھا۔ بیرسٹر رائے کو فکر تھی کہ ان کی لڑکی بھی کہیں کنفرمڈ اسپنسٹر نہ بن جائے۔ آثار یہی نظر آتے تھے۔ مگر اس صورت حال کا مداوا اُن کے پاس نہیں تھا۔ اُن کے باپ کی نسل نے بچپن کی شادی اور دوسری سماجی خرابیوں کے خلاف جہاد کیا تھا۔ اور آزادیٔ نسواں کا پرچار کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہے تھے۔ اور اب اوما اُن کی لڑکی اٹھائیس سال کی ہونے کو آئی تھی اور شادی سے منکر تھی۔ اور وہ اور ان کی بیوی اُوما کی خلاف مرضی اسے شادی پر مجبور نہ کرسکتے تھے۔ انقلاب اپنے ہی بچوں کو کھاتا ہے۔ بیرسٹر رائے اکثر دکھ سے سوچتے۔ ہماری ان "پائنیر" خواتین کا جن میں اوما بھی شامل ہے، کیا انجام ہوگا؟ نیا بنگال سو برس سے ایک ترقی یافتہ سماج ہے، مگر پرانی اور نئی اقدار کی اس آویزش کی زد خود اپنی زندگی پر پڑے تو کیا کرنا چاہیے؟

اوما کی شکل بہت معمولی تھی۔ باپ کی دولت و ثروت کی وجہ سے اچھے رشتے اس کے لئے آ سکتے تھے۔ لیکن وہ سیاست کے چکر میں مبتلا تھی۔ اوما دیبی ایک گول مٹول چہرے والی گڑیا سی لڑکی تھی۔ خلیق اور متواضع۔ گمبھیر اور تیز بین۔ لیکن اسے غصہ بہت جلد آجاتا تھا۔ اور ماں باپ سمیت کوئی بھی اس کی خلاف مرضی کوئی بات اس سے کہتا تو وہ فوراً آگ بگولہ ہوجاتی تھی۔ میری بیٹی اپنی زندگی میں ایک "بیک بنچر" کبھی نہیں بنے گی۔ بیرسٹر رائے اکثر سوچتے اور مزید فکر مند ہوتے رہتے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کرنے کے بعد اس نے کچھ عرصہ گرلز اسکول میں پڑھایا تھا اور اسی زمانے میں صوبے کی کمیونسٹ تحریک میں شامل ہوگئی تھی۔ پھر بیرسٹر رائے نے اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھیج دیا تھا۔ وہاں کرشنا مینن کی انڈیا لیگ اور رجنی پام دت کی برطانوی کمیونسٹ پارٹی کی وجہ سے کڑوا کریلا نیم چڑھ چکا تھا۔ لندن اسکول آف اکنامکس سے ڈگری حاصل کر کے اوما چند روز قبل ہی ڈھاکہ واپس آئی تھی اور بیرسٹر رائے کی ملاقات ایک قدرے اجنبی لڑکی سے ہوئی تھی۔ بیرسٹر رائے یکلخت بے حد پریشان ہو گئے تھے۔ اب تک انہوں نے ایک "مغربی ذہن پرست رویہ" سمجھ کر اوما کے سیاسی مشاغل پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ کیونکہ بیٹی کی محبت کے علاوہ وہ خود چالیس برس قبل کے انگلستان سے لبرل ازم کا سبق سیکھ کر آئے تھے (زندگی میں کتنے بہت سے رویے آپس میں گڈمڈ رہتے ہیں) مگر اب حالات بے حد مختلف تھے۔ جنگ چھڑ چکی تھی اور ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی غیر قانونی تھی۔ بیرسٹر رائے کے سالے اور اوما کے ماموں دھریندر موہن سین ڈی آئی جی پولس نے کئی بار اپنی بہن اور بہنوئی کو سمجھایا تھا کہ لڑکی کو قابو میں رکھیں۔ مسز رائے عرصہ ہوا قیصرِ ہند کا تمغہ حاصل کر چکی تھیں۔ اور بیرسٹر رائے کو سر کا خطاب ملا چاہتا تھا۔ عنقریب ہائی کورٹ جج بننے والے تھے۔

اوما کی سرگرمیاں اب ذہنی تفریح کی حدود سے آگے بڑھ کر بڑی خطرناک صورت اختیار کرسکتی تھیں۔

اومارائے نے موورننگ روم کے دریچے کی سفید چوکھٹ پر سے سر اٹھا کر زور سے کنپٹیاں دبائیں اور دوبارہ عینک لگا کر باہر جھانکا۔ دو کانسٹیبل آپس میں باتیں کرتے گھاس پر سے گزر کر سامنے برساتی کی سمت جا رہے تھے۔ اوما صرف تین روز قبل لندن سے ڈھاکے واپس

urdukutabkhanapk.blogspot.com

پہنچی تھیں۔ اُن کے ماموں دھریندر موہن سین ڈی آئی جی پولس، بھانجی کے سواگت کے لئے شمالی بنگال سے ووڈ لینڈز ڈھاکہ آئے ہوئے تھے۔ اور اُن کے عملے کے کانسٹیبل اور پولس انسپکٹر ووڈ لینڈز کے احاطے میں ہر طرف ٹہلتے پھر رہے تھے۔

ابھی ڈائننگ روم میں لنچ کا سریلا گھنٹہ بجے گا۔ ماں اور بابا اور ماما کھانے کی طویل میز پر بیحد شائستگی سے آکر بیٹھیں گے اور کھڑکھڑاتے سفید نیپکن کھولتے ہوئے اس سے بحری سفر کے حالات دریافت کریں گے۔ جنگ چھڑنے کے بعد آدما کے بخیریت وطن واپس آجانے کی سالگرہ کی خوشیاں منائی جائیں گی۔ آدما آدھے سر کے درد کی مریض تھیں۔ لندن جانے سے قبل اکثر و بیشتر جب درد سر کا دورہ پڑتا تھا تو وہ تبدیلِ آب و ہوا کے لئے رائے خاندان کے گارڈن ہاؤس چلی جاتی تھیں۔ جو دریائے میگھنا کے ایک خوبصورت جزیرے پر ناریل کے درختوں میں چھپا کھڑا تھا۔ آج صبح بریک فاسٹ کی میز پر ماموں نے ان کی مضمحل صورت دیکھ کر تجویز کیا تھا کہ وہ سفر کی تھکان دور کرنے کے لئے چند روز کو گارڈن ہاؤس چلی جائیں، لیکن خود آدما رائے کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بہت سخت بیمار پڑنے والی ہیں۔ اور بہت سی متوقع اور غیر متوقع مصیبتوں، کلفتوں اور پریشانیوں کا انھیں بہت جلد سامنا کرنا ہے۔ سفید کشمیری شال کندھوں سے اچھی طرح لپیٹ کر وہ ونڈو سیٹ پر سے اٹھیں اور آہستہ آہستہ قدم رکھتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

۴

جوار بھاٹا کا گیت

ڈھاکہ کے ایک مسلمان رئیس کی دو منزلہ کوٹھی کرائے پر لے کر حکومت نے حال ہی میں اس میں ریڈیو اسٹیشن قائم کیا تھا۔ یہ کوٹھی بھی ڈھاکے کی ساری عمارتوں کی طرح قدیم، دقیانوسی اور دھندلی میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جب دیپالی نے ریڈیو پر گانا شروع کیا۔ ڈاکٹر سرکار بڑی باقاعدگی سے اس کے ساتھ آتے تھے اور چھڑی کی موٹھ پر ہاتھ دھرے برآمدے کی ایک کرسی پر چپ چاپ بیٹھے

رہتے تھے۔ لیکن تین چار بار آنے کے بعد وہ اُکتا گئے تھے۔ مطلب کے حرج کی پرواہ انہیں نہیں تھی۔ مگر انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ریڈیو اسٹیشن غیر اخلاقی شے نہیں ہے۔ کلکتہ شہر میں بڑی آزادی تھی لیکن نیوڈل ڈھاکہ ابھی بیحد قدامت پسند اور پسماندہ تھا۔ اور خود ڈاکٹر سرکار غفار گاؤں ضلع میمن سنگھ کے جس مفلوک الحال زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس میں لڑکیوں کا تنہا گھر سے باہر نکلنا بہت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مگر اب دیپالی اکیلی ریڈیو اسٹیشن آتی تھی یا کبھی کبھار کھوکھو اس کے ساتھ آجاتا تھا ــــ وہ عباس الدین احمد کی شاگردی میں مشرقی بنگال اور بالخصوص میمن سنگھ کی لوک سنگیت کی ماہر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے نشریہ پروگرام بیحد مقبول ہو چکے تھے۔

۱۹ دسمبر کی شام، وہ اپنا پروگرام ختم کر کے اسٹوڈیو سے نکل رہی تھی کہ برابر کے ایک دروازے پر ڈاکٹر سرکار کے پرانے دوست اور شانتی نکیتن کے پروفیسر، ماہر لسانیات سید مرتضےٰ حسین اس سے ٹکرا گئے۔ انہوں نے تیوری پر بل ڈال کر اور چھڑی اُٹھا کے گویا ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "تمہارے بابا کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں کاکا!" وہ تیزی سے پھر آگے بڑھی۔ لیکن سید مرتضےٰ حسین اس کے پیچھے لپکے۔

"اور سنو لڑکی، تم نے ہمارے ہاں آنے کے متعلق کیا فیصلہ کیا؟" سید مرتضےٰ حسین نے چھڑی ہوا میں لہرائی۔ دیپالی نے غیر یقینی انداز میں سر ہلا دیا اور گیلری کے سرے پر آویزاں کلاک پر نظر ڈالی شام کے سات بج رہے تھے۔ اب وہ دونوں صدر دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ چاروں طرف ایک تارا اور ایسراج اٹھائے فن کاروں اور ریڈیو کے اراکین کی آمد و رفت جاری تھی۔

پروفیسر سید مرتضیٰ حسین جو ہندوستان اور یوروپ کی قدیم و جدید بیشتر پچیس زبانوں کے ماہر تھے۔ برآمدے میں پہنچ کر ٹھٹھک گئے۔ "بیوقوفوں کی طرح سر کیوں ہلا رہی ہو؟" انھوں نے درشتی سے مطالبہ کیا۔

اندر عباس الدین احمد نے گانا شروع کر دیا تھا اور ان کی خوبصورت جان لیوا آواز پدما کی لہروں کی طرح سارے میں پھیلتی جا رہی تھی ـــ پدما کے مانجھی کا گیت ـــ جوار بھاٹا کا نغمہ۔ عباس الدین احمد کی امر سنگیت ـــ بھٹیالی ـــ!!

دیپالی نے برآمدے کے ایک در سے ٹیک لگا کر پل کی پل کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

"تم خوش قسمت ہو دیپالی کہ تم کو عباس الدین احمد کی شاگردی میسر ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ غنیمت جانو"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

دھرپدما کی تاریک پُرسکون لہروں پر سے بہتی سیّد مرتضیٰ حسین کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ یہ میرا دیس، یہ پدما اور میگھنا اور برہم پتر — یہ سنگیت۔ یہ مہان کلاکار۔ یہ سب اسی طرح رہے گا۔ مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تاریک راتوں میں اہم سازشیں ہو رہی ہیں۔ پروفیسر مرتضیٰ حسین کو بھی شاید پوری طرح معلوم نہیں کہ ہم کیا کرنے والے ہیں! وہ خود اور ہم سب کہاں ہیں۔

اس کی ہمّت دوبارہ عود کر آئی اور اس نے ذرا بشاشت سے کہا۔ "کاکا اب فرنچ میں ڈانٹئے تو — یا —"

"کیا بات ہے۔ اتنی جلدی میں کیوں ہو —؟" پروفیسر نے دریافت کیا۔ اور اسے بڑے غور سے دیکھا — "کبھی ایسا موقع زندگی میں نہ آنے دینا کہ بعد میں پچھتاؤ کہ تم نے اپنے خواب کیوں نہ پورے ہونے دیئے۔" انہوں نے باہر نظر ڈالی — "وہ دیکھو تم کو کوئی بُلا رہا ہے شاید۔ جاؤ — جاؤ —" اتنا کہہ کر وہ جھپاک سے برابر کے کمرے میں گھس گئے۔

دیپالی سرعت سے برساتی میں اُتری۔ پیغامبر نوجوان نیم تاریک لان پر مزے سے ٹہل رہا تھا اُسے دیکھ کر وہ سڑک پر آگیا۔ وہ دونوں عمارت کے پھاٹک سے نکل کر باہر سڑک پر پہنچے۔ نوجوان نے کرتے کی جیب سے ایک لمبا، موٹا لفافہ نکال کر اُسے تھما دیا۔ "ریحان دا — ریحان دا نے کہا ہے یہ خط دیپالی سرکار کے ذریعے کماری اُدما رائے کو پہنچا دیا جائے۔ جلد از جلد —"

"اُدما رائے —؟" دیپالی نے چپکے سے پوچھا۔ "لیکن میں تو ان کو جانتی بھی نہیں۔"

"جان جاؤ گی۔" نوجوان نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ سڑک پر کچھ دور نکل آئے۔

"اُدما دیدی۔ بیمار پڑی ہیں۔ ان کے ڈی۔ آئی۔ جی ماموں اُن کے یہاں مقیم ہیں۔ اس وجہ سے وہاں رات دن پولس کا پہرہ ہے۔ اُدما دیدی کے بیڈ روم تک دیپالی صرف تمہاری رسائی ہو سکتی ہے —" نوجوان نے پھر بات شروع کی۔ "چلو تم کو سریندر دا سے ملواؤں۔ میری جگہ یہ اب تم سب سے رابطہ رکھیں گے۔ میں باریسال جا رہا ہوں۔"

وہ دونوں تنگ اور نیم تاریک سڑک پر ذرا اور آگے بڑھے۔ ایک دیوار کے سائے میں ایک اور نوجوان اُن کا منتظر تھا۔ "ہلو دیپالی —!" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"سریندر دا —!" دیپالی نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "آپ کھلے خزانے گھوم رہے ہیں! کیا معافی مانگ لی —؟" اُس نے غصے سے پوچھا۔

نوجوان ہنس پڑا۔ "تم نے دیپالی میرے متعلق غلط افواہ سنی تھیں۔ میں ابھی بلیک لسٹ پر نہیں ہوں۔ تم وہی کلاسیکل ریولیوشنریز (REVOLUTIONARIES) کے زمانے کی بات کرتی ہو! اب تکنیک بدل چکی ہے۔"

"میرے کاکا کلاسیکل ریولیوشنری تھے۔" دیپالی نے اُداسی سے کہا۔

وہ تینوں سر جھکائے تیز تیز چلتے گھوڑا گاڑی اسٹینڈ کی طرف بڑھنے لگے۔

"وہ ساڑیاں تمہاری — بک گئیں۔ پورے ساڑھے پانچ سو میں۔" سریندر مکرجی نے سگریٹ سلگانے کے بعد دیا سلائی جھٹک کر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔" دیپالی کا دل ڈوب گیا۔

"ہاں —" سریندر مکرجی نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "جن صاحب کے پاس ہم یہ ساڑیاں لے کر گئے وہ تو ان کو دیکھ کر بالکل اُچھل پڑے۔ کہنے لگے بھائی یہ تو میوزیم پیس ہیں۔ فوراً کلکتہ میوزیم کے لئے خریدوا تا ہوں۔ اور مزے کی بات یہ —" سریندر مکرجی نے سگریٹ کی راکھ جھٹک کر بات جاری رکھی — "مزے کی بات یہ کہ قیمت — جانتی ہو — کس نے ادا کی —؟ خود ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے —"

"مسٹر کینٹ ویل نے —؟"

"مسٹر کینٹ ویل آئی۔ سی۔ ایس نے —!" سریندر نے جواب دیا۔

"او — ماں —!" خاندانی یادگاروں کے بکنے کا وقتی غم بھول کر دیپالی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"روپیہ ریحان دا کو وقت پر پہنچ گیا۔ کام شروع ہو چکا ہے۔" سریندر مکرجی نے بات ختم کی۔ وہ پالکی گاڑیوں کے اڈّے پر جو راہ کے مدھم لیمپ کے نیچے پہنچ چکے تھے۔ سریندر مکرجی یک لخت چھلاوے کی مانند رات کے کہرے میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ دیپالی سرکار جو اس کی طرح چھلاؤوں کی عادی ہو چکی تھی، سکون سے ایک گھوڑا گاڑی کا دروازہ کھول کر اس میں سوار ہوئی۔ پیغامبر نوجوان مقابل کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مسلمان کوچوان نے نحیف و نزار گھوڑے پر چابک لہرایا۔ گاڑی چرخ چوں کرتی کچی سڑک کے گڑھوں پر سے گزرتی دیپالی کے گھر کی سمت روانہ ہو گئی۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

۵

کماری اُوما رائے

دُور ڈاب کے شُبک پیڑوں کی لامتناہی قطار سے مزین نارنجی افق پر بعید سرخ سورج بہت آہستہ آہستہ اس طرح ڈوب رہا تھا۔ گویا شاہ باغ کی سنسان، سایہ دار سڑک پر سے گزرتی بند گاڑی میں بیٹھی دیپالی سرکار کے مسرور چہرے کا اچھی طرح نظارہ کرنا چاہتا ہو۔ کیونکہ شاید ایسا بے فکر چہرہ اسے دوبارہ دیکھنے کو نہیں ملے گا۔

سال، شیشم اور نیم کے پتے رمنا کی چوڑی سڑکوں پر نرم روی سے اُڑتے پھر رہے تھے۔ فضا میں خنکی آگئی تھی۔ پگڈنڈیوں پر گلہریاں دوڑ رہی تھیں۔ پھاٹکوں کی سفید بلیوں پر بیٹھے اکا دکا ملازم بیڑیاں پینے میں مصروف تھے۔ کچھ دیر بعد ان سڑکوں پر مدھم مدھم لیمپ جھلملا اٹھیں گے۔ مکان، گھاس اور درختوں اور ہواؤں اور چاندنی رات کی سمفنی سنتے سنتے آرام سے سو جائیں گے۔

گھوڑے کی ٹاپیں سڑک کی کنکریلی سطح پر ایک پرسکون سا شور پیدا کر رہی تھیں۔ عبدالقادر کوچوان سر جھکائے نہ جانے ان بہت ساری دنیاؤں میں سے کون سی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔ اُس کی دنیا کون سی تھی؟ (ایک باشا کا جھونپڑا یا شہر کی غلیظ گلی میں ایک تنگ و تاریک مکان، یا ایک شکستہ شاگرد پیشہ۔ دس آدمیوں کا کنبہ اور مسلسل فکرِ معاش اور مسلسل غمِ زیست) عبدالقادر کوچوان جو محکمہ مردم شماری کے لئے ایک عدد اور اہلِ سیاست کے لئے ایک ووٹ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اَن دیکھے طوفانوں میں گھرا دیپالی سرکار کو ووڈ لینڈز لئے جا رہا تھا۔

موڑ پر پہنچ کر جھلملیوں والی بند گاڑی دوسری سڑک پر اس طرح نمودار ہوئی جیسے کہانی کا نیا باب کھلتا ہو۔ (چاروں طرف زندگی کی کہانیوں کے باب کھلتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں اور کردار صفحات میں سے نکل کر قبروں میں جا لیٹتے ہیں۔ چتاؤں میں پھونک دیے جاتے ہیں۔ نیا صفحہ پلٹ کر قاری آگے بڑھتا ہے)

اب دیپالی نے کھڑکی کی جھلملی چڑھا کر باہر جھانکا۔ اسی راستے پر آگے جا کر ارجمند منزل تھی جس میں جہاں آرا رہتی تھی۔ جہاں آرا بیگم، جو اس دھندلی داستان کے آخری صفحات پر زندہ تھی جس کے مصنفوں نے جہانگیر نگر[۱] آباد کیا تھا۔ اسی راستے پر، اونچے اونچے مغرور درختوں کے پیچھے ڈی ایم کا بنگلہ تھا۔ اس بنگلے میں رہنے والا ولیم کینتھ ویل اس داستان کا ایک اہم کردار تھا جس کے مصنفوں نے جہانگیر نگر اجاڑا تھا۔ اسی راستے کے اختتام پر "ووڈ لینڈز" تھا۔ نئی داستان کے مصنفوں نے جہانگیر نگر کے فاتحین کے تعاون سے اپنے لئے کیسے کیسے "ووڈ لینڈز" تعمیر کئے تھے۔

دیپالی شاداں و فرحاں تھی کہ ایک نئے ڈرامے میں حصہ لے رہی تھی۔ جس کے سیکھک ارجمند منزل اور ڈی ایم ہاؤس اور ووڈ لینڈز کی بنیادیں ہلانے والے تھے۔ دیپالی کی آدرش وادی زندگی اس وقت بڑی مکمل تھی۔ جس زندگی میں مہربان، سمجھدار، درد مند رفیق اور ساتھی موجود تھے۔ سب مل کر خطروں کا چیلنج قبول کر رہے تھے۔ آگے قدم بڑھا رہے تھے۔ اوما دیدی سے ملنے کی خوشی میں وہ رات بھر سو نہیں سکی تھی۔ ان دیکھے ریحان دا نے ایک اہم پیغام رسانی اُس کے سپرد کی تھی۔ ریحان دا جیسے بڑے نیتا اسے اب گویا اپنے اندرونی حلقے میں شامل کر چکے تھے۔ خوشی کے مارے اس کا بس نہ چلا کہ پر لگا کر اوما رائے کے پاس پہنچ جائے۔

لیکن ووڈ لینڈز کے پھاٹک پر کانسٹیبل کھڑا دیکھ کے وہ دھک سے رہ گئی۔ بیگ مضبوطی سے تھام کر وہ جلدی سے نیچے اتری اور کانسٹیبل سے کہا کہ اوما رائے کی پرانی شاگرد ہے۔ کانسٹیبل نے بے پروائی سے سر ہلا دیا۔ غالباً دیپالی کو اتنا گھبرانے کی ضرورت نہ تھی۔ عبدالقادر کو کرایہ ادا کرنے کے بعد وہ چند لحظوں کے لئے پھاٹک پر ٹھٹکی اور گاڑی کو واپس جاتے دیکھتی رہی۔ دفعتاً اسے محسوس ہوا جیسے وہ اس اجنبی جگہ پر غیر محفوظ اور تنہا رہ گئی ہے۔ عبدالقادر کوچوان، حکام اور امراء کی اس انجانی دنیا میں اسے اکیلا چھوڑ کر سر جھکائے جھٹ پٹے کی نیم تاریکی میں ٹخ ٹخ کرتا دور چلا جا رہا تھا۔ وہ پلٹ کر باغ کی سرخ سڑک پر آئی تو سامنے گھاس پر پولیس کا وردی پوش اعلیٰ افسر (ہندوستانی) اور ایک وردی پوش اعلیٰ افسر (انگریز) باتوں میں منہمک گھاس پر ٹہلتے نظر آئے۔ تیز تیز چلتی برساتی میں پہنچی تو سیتر اس پر جھولتا۔ اس نے سراسیمگی سے "اوماں" کا ہلکا سا نعرہ لگایا تو ایک عالی شان پیڑ کی اسی سمت لپکا۔ اس نے اپنے الفاظ دہرائے: اوما دیدی کی [illegible]

---

[۱] ڈھاکہ کا پرانا مغل نام

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کے لئے آئی ہے ۔

چپراسی اندر گیا۔ اور چند منٹ بعد سفید چکن اور سبز پٹی والا بیرہ باہر آیا اور منہ سے کچھ بولے بغیر سر کی جنبش سے اس نے دیپالی کو اندر آنے کا اشارہ کیا ۔ وہ ذرا جھجکتے ہوئے طویل گیلری میں داخل ہوئی، جس کی دیواروں پر دو رویہ بارہ سنگھوں کے سر اپنی کانچ کی آنکھوں سے ہر آنے جانے والے کو گھور رہے تھے۔ سیاہ اور سفید ٹائیلوں کے فرش پر سے گزرتے ہوئے دیپالی کو یاد آیا۔ بیرسٹر رائے کے متعلق مشہور تھا کہ ان کے موکل اشرفیوں سے بھری تھیلیاں لا لا کر ان کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں اور ان کی بیوی مسز ارچنا رائے اپنی سینڈلز میں ہیرے جڑواتی ہیں۔۔ دیپالی سوچنے لگی۔ اتنی دولت مند اوما دیبی تحریک کی مالی مدد کیوں نہیں کرتیں۔ جب ضرورت پڑتی ہے تو ہم جیسے غریب کارکنوں کو اپنے گھر میں سیندھ لگانا پڑتی ہے۔ اکٹھے ڈیوٹیشن کرتے ہیں۔ سیتندر مزدور ہے۔ محمود الحق پریس میں پروف ریڈر ہے اور دن رات اپنی کمر دہرا آنکھیں پھوڑتا ہے۔ اس طرح جو کچھ بن پڑتا ہے یہ سب لا کر تحریک کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں۔ اوما رائے ایک محل میں رانیوں کی طرح رہتی ہیں اور ریحان دا کسی پُراسرار دیوتا کی طرح کہیں چھپے بیٹھے ہیں اور "اوپر" سے ریحان دا کی طرف سے جو حکم ملتا ہے۔ ہم سب اسے بجا لانے کے لئے مستعد ہیں۔

اب وہ بیرے کے پیچھے پیچھے ایک ہال میں داخل ہوئی۔ جس کے وسط میں سنگ مرمر کی گول میز پر کسی یونانی دیبی کا مرمریں مجسمہ استادہ تھا۔ فرش پر شیر کی کھالیں اور بخارا کے قالین بچھے تھے۔ دیواروں کے برابر برابر لحیم شحیم صوفے رکھے ہوئے تھے۔ دیپالی نے ایسی شان و شوکت پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ارجمند منزل میں بھی نہیں۔ ارجمند منزل بھی بڑی عالیشان کوٹھی تھی۔ مگر وہاں کی ہر چیز بوسیدہ اور مضمحل سی معلوم ہوتی تھی۔ اوما دیبی سے ملاقات کی خوشی نے اسے راستے میں جس قدر مضطرب کیا تھا اس پُرکیف اور جگمگاتے ماحول کو دیکھ کر وہ یک لخت اتنی ہی دل گرفتہ ہوگئی۔

کریم خان' بیرے نے اسے ہاتھ سے اشارہ کیا تھا کہ یہیں ٹھہر جائے (بیرا ملاقاتیوں کی اوقات پہچان کر بات کرتا تھا۔ اور ہما شما کو اشاروں ہی پر ٹرخاتا تھا) وہ ایک دروازے کا عنابی پردہ اٹھا کر اندر چلا گیا۔ دیپالی ایک کرسی کے کنارے پر ٹک گئی! اور ہال کی آرائش کو غور سے دیکھنے لگی۔ انسانوں کی زندگیوں میں اتنا شدید تفاوت بھلا ممکن ہے۔ اسے عبدالقادر کوچوان کا شکستہ قبر ایسا مکان یاد آیا، جو چندر گنج کے کھنڈر ایسے شاگرد پیشے میں ٹاٹ اور ٹین کے ٹکڑوں اور بانس کی بوسیدہ چٹائیوں کی مدد

سے رہنے کے قابل بنایا گیا تھا۔ اس نے اپنے آبا چندر گنج کا تصور کیا۔ جس کے خالی مطب میں بابا ان مریضوں کے انتظار میں صبر سے بیٹھے ہوں گے، جو کبھی کبھار اس طرف آنکلتے تھے۔ ڈھاکہ شہر کے ہزاروں لاکھوں نیم تاریک مفلس مکان اور جھونپڑے، جن میں لالٹین اور مٹی کے دیئے ٹمٹما رہے تھے۔ دور غفار گاؤں میں اس کا آبائی مکان جو تقریباً ڈھے چکا تھا۔ ایسا افلاس، ایسی ویرانی اس ملک پہ اس ہندوستان پر طاری ہے۔

مگر وہ دفعتاً ایک نئے جوش اور خود اعتمادی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی ۔۔ انقلاب آنے والا ہے۔ اس انقلاب کے لانے والے ہم خود ہیں اور ہم کامران ہوں گے۔ اس انقلاب ہی کی عظمت ہے جس کی وجہ سے دوڈلینڈز کے مالک کی بیٹی دھارے میں شامل ہو چکی ہے۔ جواہر لال نہرو بھی تو آنند بھون میں پروان چڑھے تھے۔

بیرے نے باہر آکر پہلی بار اس سے بات کی: "مس صاحب پلنگ میں تھیں۔ اب اندر جائیے۔"

"کس طرف ۔؟" اس نے دریافت کیا۔

"مس صاحب مارننگ روم میں ہیں۔ اِدھر۔"

دیپالی کی سمجھ میں نہ آیا ۔ شام کے وقت اگر مارننگ روم میں ہیں تو اسے ایوننگ روم کیوں نہ کہنا چاہیئے۔ خیر بہر حال۔

بیرے نے بھاری عنابی پردہ اٹھایا۔ وہ اندر گئی۔ پردہ اس کے پیچھے برابر ہوگیا۔ اب وہ اس بڑے کمرے میں کھڑی تھی، جس کے فرانسیسی دریچے کے نزدیک ایک کوچ پر کمکاری اوما رائے شال اوڑھے آنکھیں بند کئے کشنوں کے سہارے نیم دراز تھیں۔

ارے تو یہ ہیں اوما دیبی ۔۔ اسے ذرا سی مایوسی ہوئی۔ مگر فوراً اس نے اپنے آپ کو سمجھایا۔ یہ میری بورژوا رومانیت ہے۔ میں کسی ناول کی ہیروئن کی متوقع کیوں تھی ۔۔ اوما دیبی ایک فالتو، رومانی ہیروئن کی بجائے نئے ہندوستان کی نئی عورت ہیں۔ ہمیں اپنے لیڈروں کو خواہ مخواہ گلیمرائز نہیں کرنا چاہیے۔

آہٹ سن کر اوما دیبی نے آنکھیں کھولیں اور نظر اٹھا کر سامنے دیکھا۔

بڑے بڑے دریچوں والے کمرے میں شفق کی سنہائی روشنی پھیل گئی تھی۔ کمرہ ایسا لگتا تھا،

urdukutabkhanapk.blogspot.com

جیسے باہر باغ میں شامل ہوگیا ہے۔ ہر شے ساکت اور متحیر اور منتظر تھی۔

"نومشکار۔ اُوما دیدی۔"

"نومشکار۔ آؤ۔ آؤ۔ بیٹھو۔"

دیپالی کوچ کے مقابل ایک کرسی پر ٹک گئی۔

تب اومارائے نے تپائی پر سے اُٹھا کر عینک لگائی اور نووارد اجنبی لڑکی کو تیکھی، گہری ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ کی طبیعت اب کیسی ہے اُوما دیدی؟"

"کیا نام بتایا تھا تم نے — دیپالی سرکار —؟"

"جی۔"

"تم — اسکول میں کون سی کلاس میں تھیں؟" اومارائے نے عینک اتار کر ساری کے پلو سے صاف کرنے کے بعد دوبارہ ناک پر جمائی۔ "سوری — میں تم کو پہچان نہیں سکی۔"

"جی — میں — اُوما دیدی — مجھے سریندر دا نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ سریندر مکرجی نے۔" اس نے اپنے بیگ پر ہاتھ رکھ کر نچی آواز میں کہا۔

"اوہ —" اومادیدی چونک کر اٹھ بیٹھیں۔ ہاتھ بڑھا کر کیوپڈ اور سائیکی کے سروں پر پھیلے بجر تھا لمروار شیڈ والا بڑا لیمپ روشن کیا۔ شفق کا اُجالا تیز برقی روشنی میں ڈوب گیا۔ اب باغ میں پرندے بسیرا لینے کے لئے چہچہا رہے تھے۔

"بڑی سردی ہے۔" اومادیدی نے شال لپیٹتے ہوئے کہا۔ "یہ کھڑکی بند کردو۔"

دیپالی نے اٹھ کر فرانسیسی دریچے کے سلسلے وار پٹ بند کر دیے۔ اور واپس آکر کرسی پر بیٹھ گئی۔ اُومادیدی اسے بڑے دھیان سے دیکھ رہی تھیں۔

"تم کون ہو —"

"دیپالی سرکار۔"

"صرف نام دُہرانے سے کام نہیں چلے گا — اس نام کے میرے لئے ابھی تک کوئی معنی نہیں ہیں۔ تفصیل سے بتاؤ۔" اُومارائے نے جھنجھلا کر کہا اور انگلیوں سے کنپٹیاں دبائیں۔ دیپالی جو کالج

جن اُومارائے کی سخت گیری کی حکایتیں سن چکی تھی۔ اس انداز گفتگو سے زیادہ نہیں گھبرائی اور اطمینان سے دوبارہ مزاج پُرسی شروع کی — "آپ کی طبیعت کیسی ہے اُومادیدی؟"

وہ خاموش رہیں۔ پھر کہا۔ "کوئی پیغام لائی ہو —؟"

"جی — سریندر دا میرا کو نٹیکٹ ہیں — میں کالج میں سیکنڈ ایئر میں پڑھتی ہوں۔ میرے بابا نیو کے چندر سرکار پرائیویٹ پریکٹس کرتے ہیں۔" اس نے اپنے گھر کا پتہ بتایا۔

"کیا پیغام ہے —؟" اومادیدی نے پوچھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"ریحان دا نے آپ کو خط بھجوایا ہے۔"

"ریحان —" وہ اب چونک کر پھر سیدھی ہو بیٹھیں۔ "ریحان کا خط ہے تو اتنی دیر سے فضول باتوں میں وقت کیوں ضائع کر رہی ہو۔ لاؤ۔"

دیپالی نے بڑے اطمینان سے بیگ کھولا۔

عین اسی وقت عنابی پردے کو جنبش ہوئی۔ سفید ساری میں ملبوس ایک باوقار معمر خاتون نے اندر جھانکا۔ اور آواز دی۔ "ہاؤ آر یو اُوما۔"

"آئی ایم فائن۔" اُوما نے خاصی بیزاری سے جواب دیا۔ "میری ایک پرانی شاگرد آئی ہوئی ہے ذرا چائے بھجوا دیجئے۔"

"اچھا۔" لیکن واپس جانے کے بجائے مسز رائے اندر آگئیں۔ دیپالی نے تعظیماً کھڑے ہو کر ان کو نمسکار کیا۔

"جیتی رہو۔" دیپالی پر سرسری سی نظر ڈال کر انہوں نے اوما کو فکرمندی سے دیکھا۔ "دوا پی لی —؟ ڈاکٹر چٹرجی کہہ رہے تھے، جب تک مرض کی تشخیص نہیں ہو جاتی —"

"کتنی بار کہوں گی ماں —" اُوما نے چڑ کر مسز رائے کی بات کاٹی۔ "مجھے کوئی مرض ورض نہیں۔ خالی سفر کی تکان ہے۔ آپ سب جانے کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

مسز رائے نے اس تلخ لہجے کی پرواہ کیے بغیر پھر کہا۔ "ہم لوگ کلب جا رہے ہیں۔ وقت پر کھانا کھا لینا۔" اوما نے کوئی جواب نہیں دیا۔

مسز رائے چند سیکنڈ تک اسی طرح کھڑی رہیں اور پھر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"اوہ ـــــ والدین ـــــ!" اوما نے پہلی بار مسکرا کر دیپالی کو دیکھا۔ "تمہارے والدین بھی اتنے صبر آزما ہیں ـــ؟"

دیپالی اوما دیبی کے مزاج کی اس تبدیلی سے خوش ہوئی اور ہنس پڑی۔

"اچھا۔ اٹھو اور دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دو۔"

"لیکن ابھی تو اوما دی آپ نے چائے منگوائی ہے۔"

"ارے ہاں ـــــ بہت سمجھدار بچی ہو واقعی!"

"بچی ـــــ! اوما دی، میں اس اپریل میں انیس ۱۹ برس کی ہو جاؤں گی۔"

"صرف انیس برس!"

"ذرا میری پشی ماں سے پوچھیے۔ اُن کو یہی غم کھائے جا رہا ہے کہ میری بیاہ کی عمر ہی نکل گئی۔[1]"

دیپالی اپنی رَو میں کہے گئی۔ اوما دفعتاً پھر تیوری پر بل ڈال کر سنجیدہ ہو گئیں اور سُرعت سے لفافہ چاک کیا۔

سائے کی طرح بیرے نے اندر آ کر چائے کی کشتی میز پر رکھی اور واپس چلا گیا۔ دیپالی نے چائے بنائی اور دروازہ اندر سے بند کیا۔ اوما پیالی سے ایک گھونٹ بھر کر طول طویل خط پڑھنے میں محو ہو گئیں۔

اپنی پیالی ختم کر کے دیپالی کرسی سے اٹھی اور ٹہل ٹہل کر دیواروں پر لگی تصویریں دیکھنے لگی۔ لارڈ بائرن، جن کے عقب میں طوفانی سمندر تھا۔ اور ملّاح ان کی کشتی کنارے سے باندھ رہا تھا۔ اور وہ فاتح قلوپ اپنی مغرور اور توانا مسکراہٹ کے ساتھ گویا اپنے قدموں پر جھکی ہوئی دنیا کا نظارہ کرنے میں مصروف تھا۔ وینس اور ایڈونس ـــ مسٹر پک وک ـــ اور سیاہ پوشاک میں ملبوس ایک لرزہ خیز عورت جو ایک بادشاہ مرد کا بریدہ سر ہاتھوں میں لیے چیخیں مار رہی تھی۔ یہ بڑی بھیانک تصویر تھی۔

دیپالی چند لمحوں تک اس تصویر کو دیکھتے رہنے کے بعد ذرا خوفزدہ سی ہو کر اپنی کرسی پر واپس آ بیٹھی۔ اوما دیبی خط ختم کر کے گہری فکر اور پریشانی میں مبتلا آنکھیں بند کر چکی تھیں۔ باہر گھپ اندھیرا چھا گیا تھا اور دریچے کے نزدیک املتاس کی ڈالیاں سرسرا رہی تھیں۔ دور سے سیٹرز کے بھونکنے کی آواز آئی۔ اوما دیبی نے آنکھیں کھولیں اور دیپالی کو بڑی سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"یہ کس کی تصویر ہے اوما دی ـــ؟" دیپالی نے پوچھا۔

---

[1] پھوپھی

"کون سی؟"

"یہ والی ـــ" اُس نے اشارہ کیا۔

"نہیں جانتیں؟ انٹرمیڈیٹ میں انگریزی پڑھتی ہو یا گھاس کھودتی ہو؟"

اس ڈانٹ سے واقعی وہ سہم گئی۔

"یہ آسکر وائلڈ کی سلومے ہے۔" اوما دیبی نے تُرشی سے کہا۔

"یہ کر کیا رہی ہے اوما دی؟"

"تم مجھے بہت بے وقوف معلوم ہوتی ہو۔" اوما دیبی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ "یا بیوقوف ہو، یا بن رہی ہو۔ مجھے اترانے والی، چبتی لڑکیاں بہت ہی بُری معلوم ہوتی ہیں۔" انہوں نے دل میں اضافہ کیا اور کہا۔ "کیا تم کو نظر نہیں آیا کہ یہ کیا کر رہی ہے؟"

"مگر اس کی کہانی کیا تھی اوما دی۔"

"مجھے یاد نہیں۔ مجھے مذہبی اساطیر سے مطلق دلچسپی نہیں ہے۔" وہ کوچ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم مجھ سے ڈیکیڈنٹ تصاویر پر گفتگو کرنے آئی ہو یا کچھ کام کرنا ہے؟"

"جی اوما دی! ـــ" دیپالی پھر ہنس دی۔

یہ لڑکی خوبصورت ہے اور بیوقوف ہے۔ اس لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اوما دیبی نے خط کو جوہر اکر کے مٹھی میں بھینچا۔ مگر حصولِ مقصد کے لیے رسک لینے ناگزیر ہیں۔ انہوں نے ایک گہری سانس لی اور رونڈ و سیٹ پر جا بیٹھیں۔

"اِدھر آؤ۔ اور غور سے جو کچھ میں کہنے والی ہوں سنو۔" انہوں نے درشتی سے کہا۔

یکایک دیپالی کو اسی کیفیت نے آن دبوچا جو اس پر ہال میں طاری ہوئی تھی۔ یہ میری اُستانی کبھی نہیں رہیں۔ عمر میں بہت بڑی البتہ ہیں۔ مگر مجھ پر اس طرح حکم کیوں چلا رہی ہیں ـــ؟ اس لئے کہ رئیس زادی ہیں؟ اُس نے بڑی بے خوفی سے جواب دیا۔ "جی ہاں۔ اوما دی، مگر پہلے میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"کہو۔"

"آپ تو بے تحاشا دولتمند ہیں۔ چھپکے چھپکے تحریک کی مالی مدد کیوں نہیں کرتیں؟"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

بیوقوف ہے۔ اسی لئے نڈر اور منہ پھٹ بھی ہے۔ اُوما نے دل میں سوچا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر اُسے جواب دیا۔ "دیپالی۔ یہاں آن کر بیٹھو۔ ایک ایک منٹ بہت قیمتی ہے" یہ لوگ ابھی تک میرے ساجی لیس منظر کو معاف نہیں کر سکے۔ انہوں نے دل میں کہا) تمہارے سوال کا سیدھا سا جواب دیپالی یہ ہے کہ میں تین برس سے لندن میں تھی اور چند روز قبل ڈھاکے واپس پہنچی ہوں۔ اور آتے ہی بیمار پڑ گئی۔ ساتھیوں سے میرا پہلا رابطہ اس وقت تمہارے ذریعے قائم ہوا ہے اور ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں۔ چنانچہ غور سے سنو۔"

"اوہ — "دیپالی نے بے حد نادم ہو کر کہا۔ "آئی ایم سوری اُوما دیدی۔" وہ شرم سے پانی پانی ہوتی ونڈو سیٹ پر جا بیٹھی۔

"اب میں چند سوال تم سے کرتی ہوں۔ سوچ سمجھ کر جواب دینا کیونکہ ایک بڑی خطرناک مہم ہمارے سامنے ہے جس میں برسوں کی جیل کے علاوہ جانیں بھی جا سکتی ہیں۔" پھر وہ چند لحظوں کیلئے چپ ہو کر پیشانی پر انگلیاں پھیرتی رہیں۔

"بتائیے اوما دی۔"

"بہت جلد اس علاقے میں کمیونسٹوں کی عام گرفتاری شروع ہونے والی ہے۔ گرفتاریوں کے متعلق اور دوسرے خفیہ احکام کی خبر لگانے کے لئے ریحان الدین احمد نے لکھا ہے کہ۔ کہ دیپالی سرکار کی مدد لی جائے۔"

"میری — میری مدد —؟" دیپالی ہکا بکا رہ گئی۔ "مگر ریحان دا تو مجھے جانتے بھی نہیں۔ شاید میرے نام سے بھی واقف نہیں ہوں گے وہ — اور — میں کیا کر سکتی ہوں بھلا — اوماں۔"

"تم یہ سارا کام کس طرح کرو گی۔ اس کی تفصیل ریحان نے مجھے لکھ بھیجی ہے۔" اُوما نے لفافے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "پہلے یہ بتاؤ انگریزی بولنی آتی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"انگریز جب آپس میں تیز تیز بولیں تو سمجھ لو گی —؟"

"جی ہاں۔ مس جنگز اور مس ہیڈلے ہم کو انگریزی پڑھاتی ہیں۔ اس لئے عادت ہو گئی ہے۔"

"گڈ۔ ہمت ہے —؟"

"جی ہاں۔ کافی ہمت ہے۔"

"ابھی تم یہاں آئیں تو تم کو کس کس نے دیکھا تھا — میرے اور میری والدہ کے علاوہ —"

"ایک کانسٹیبل اور ایک چپراسی نے۔"

"میرے ماما کو پہچان سکتی ہو؟"

"شاید وہی باہر ٹہل رہے تھے۔ ایک انگریز کے ساتھ۔"

"ہاں۔ اسپیشل آرمڈ کانسٹیبلری والا کرسٹفر ہیگ بھی ان سے ملنے آیا ہوا ہے۔ لو یہ خط پڑھو۔ بہت غور سے پڑھنا۔"

دیپالی نے اُوما کے ہاتھ سے خط لیا اور پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔ اوما دیبی دریچے سے باہر دیکھنے لگیں۔ باغ پر جاڑوں کی دھند چھا چکی تھی۔ دیپالی نے خط ونڈو سیٹ پر رکھ دیا۔ اور چپکی بیٹھی رہی۔ اوما نے مڑ کر اس پر نظر ڈالی۔

"مجھے خود تعجب ہے کہ ایک ناتجربہ کار اور کمسن لڑکی پر اتنی بڑی ذمہ داری ریحان نے کس طرح ڈال دی۔ ریحان کے اس خط سے ظاہر ہے کہ وہ تم کو اچھی طرح جانتا ہے اور اسے یقین ہے کہ صرف تم ہی یہ کام بآسانی کر سکتی ہو۔"

"مگر اوما دی — ریحان دا مجھے بالکل نہیں جانتے — میں نے تو آج تک ان کی شکل کیا تصویر بھی نہیں دیکھی۔"

"تم کو مجھ سے جھوٹ بولنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔"

"اوما دی۔ میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ ریحان دا کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

اوما پھر جھلا گئیں۔ "تم مجھے سکھلاؤ گی کہ انڈر گراؤنڈ کا کام کس طرح کیا جائے۔ بیدیریحان کس طرح کی ہدایات کس کو دے۔ میں ریحان کو بہت قریب سے جانتی ہوں۔ یہ کبھی مت سوچ بیٹھنا کہ وہ کوئی رومینٹک ہیرو ہے۔ گو میں جانتی ہوں کہ سارے بنگال میں کالج کی لڑکیاں بہت دنوں سے اس پہ زہر کھا رہی ہیں — خیر — تو یاد رکھو کہ وہ رومینٹک نہیں ہے۔ بیحد پریکٹیکل اور انتہائی سمجھدار انسان ہے۔ وہ کوئی ڈرامہ نہیں کھیل رہا ہے۔ دو مرتبہ اس کے عزیز دوست اس کو شدید دھوکا دے چکے ہیں۔ اس لئے وہ بے انتہا محتاط ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود اس نے تم پر بھروسہ کیا ہے۔ سارے بنگال کی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

نوجوان لڑکیاں۔" انھوں نے سپاٹ، مضبوط آواز میں دہرایا ۔۔۔ "ریحان الدین احمد پر عاشق ہیں۔ مگر اس کو جانتی صرف میں ہوں۔ صرف میں اس کی رفیق اور دوست ہوں۔ مجھ سے زیادہ کوئی اسے نہیں جانتا۔ وہ ڈھاکہ یونیورسٹی میں مجھ سے جونیئر تھا۔ مگر لندن میں بھی ہم دونوں ایک ہی کالج میں تھے۔ اکٹھے ہم نے وہاں کی تحریک میں کام کیا ہے۔ وہ رپورٹر کی حیثیت سے اسپین بھی گیا۔ مجھے یہی افسوس مرتے دم تک رہے گا کہ میں محاذ پر نہ جاسکی۔ خیر۔ تو اس نے لکھا ہے کہ تم سیدھی اور قابل اعتماد ہو ۔۔۔ ریحان انسان کو خوب پہچانتا ہے۔ پہلی نظر میں آدمی کو پہچان لیتا ہے۔ امید ہے کہ اس نے تم کو پہچاننے میں بھی غلطی نہ کی ہوگی ۔۔۔"

"مگر وہ تو مجھ سے کبھی ۔۔۔" دیپالی نے کہنا شروع کیا اور پھر ڈر کر چپ ہوگئی۔

"وہ تم کو پہچان سکتا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ تمہارا اسے پہچاننا قطعی ضروری نہیں۔" اوما دیبی نے بات ختم کی۔ کمرے کے ریشمی پردے آبشاروں کی طرح سرسرانے لگے۔ دفعتاً دیپالی کو بڑا بے تکا خیال اس وقت آیا۔ اوما دی کے پاس بھی بالتو چرچوں کے انبار ہوں گے۔ ایک سے ایک نایاب ۔۔۔ ذہن کیا بھٹکتا ہے۔ اور میں ایک پُرخطر مہم پر جا رہی ہوں۔

"مجھے اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔" اوما کی آواز دور سے اس کے کان میں آئی۔

"کلاس کی بیک گراؤنڈ ۔۔۔؟"

"ہاں۔"

"مڈل کلاس۔"

"اوما دیبی نے غور سے سننا شروع کیا۔ گویا ہسپتال میں کیس ہسٹری سن رہی ہوں۔

"تم نے کیا عمر بتائی تھی۔؟"

"انیس سال اور اب تک سکنڈ ایئر ہی میں ہوں۔" دیپالی نے تاسف سے کہا۔

"وجہ ۔۔۔؟"

"میں بارہ سال کی تھی جب ماں مرگئیں۔ ان کو ۔۔۔ کینسر ہو گیا تھا۔ بابا پٹنہ لے کر گئے۔ وہیں ہسپتال میں مرگئیں۔ میں سب سے بڑی تھی۔ تینوں بھائی چھوٹے ہیں۔ اُن کی دیکھ بھال کے لئے میں نے اسکول چھوڑ دیا۔"

"ہاں۔ ہاں۔ کہے جاؤ۔" اوما دیبی کشنوں پر کہنیاں رکھ کر غور سے سنتی رہیں۔

"بابا ماں پر عاشق تھے۔ ان کے مرنے کے بعد بجھ کر رہ گئے۔"

"پُور مَین۔"

یک لخت دیپالی نے اوما پر نظر ڈالی۔ اور اسے خیال آیا۔ بابا کی بقیہ عمر بھی اسی طرح تنہا اور اداس گذر جائے گی۔ کاش انہیں اوما دی جیسی سمجھ دار اور دردمند عورت کی رفاقت میسر ہوسکتی۔ پھر اس نے بے ساختہ بڑے فخر اور پیار سے کہا۔ "میرے بابا بہت خوبصورت ہیں۔ دکھوں نے انھیں وقت سے بہت پہلے بوڑھا کر دیا ہے۔ مگر اب بھی بہت اچھے لگتے ہیں ۔۔۔ اور میرے کاکا ۔۔۔ میرے کاکا تو بابا سے بھی زیادہ ۔۔۔" پھر اس کی آواز رندھ گئی۔

"اتنی جذباتیت سے کام نہیں چلے گا۔ دیپالی سرکار ۔۔۔" اوما رائے نے درشتی سے کہا۔

"تمہارے کاکا کو کیا ہوا ۔۔۔؟"

"پھانسی ۔۔۔" دیپالی نے مضبوطی سے جواب دیا۔

"اوہ ۔۔۔ آئی ایم سوری۔" اوما دیبی نے آہستہ سے کہا۔

"کیا نام تھا تمہارے چچا کا ۔۔۔؟"

"دنیش چندر سرکار۔"

"گڈ گاڈ۔ اوما دیبی سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ "تم ۔۔۔ تم دنیش چندر سرکار کی بھتیجی ہو؟"

"جی ہاں۔ وہ بابا کے اکلوتے چھوٹے بھائی تھے۔ جب ۱۹۳۱ء میں ماں ریڈیم ہسپتال میں تھیں تب کاکا کو دہشت پسندوں کے اس مشہور کیس میں پکڑ لیا گیا۔ بابا نے ۔۔۔ بابا نے پٹنے سے عفار گاؤں جاکر ساری آبائی کھیتی باڑی بیچ کھونچ پٹنے کا ایک بڑا بیرسٹر کھڑا کیا (اسے یاد آیا بابا کہتے تھے کہ وہ شری پری توش کمار رائے کو کھڑا کرنا چاہتے تھے مگر ان کی فیس زیادہ تھی) مقدمہ چلتا رہا۔ چلتا رہا۔ مگر وہ بیرسٹر کاکا کو بچا نہ سکا۔ اور ان کو پھانسی ہوگئی۔ جس سال ماں مری ہیں، اس کے چھ مہینے بعد ہی کاکا کو پھانسی ہوگئی۔"

"تم کو یاد ہیں ۔۔۔؟"

"خوب اچھی طرح یاد ہیں۔ چھ سال پہلے ہی کی تو بات ہے۔" دیپالی کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ کمرے کا کلاک ٹِک ٹِک کرتا رہا۔ چند لمحوں بعد دیپالی نے کہا۔ "اوما دی بعض دفعہ صبح منہ اندھیرے میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ جب ابھی پوری طرح اجالا نہیں پھیلتا۔ اور پلنگ پر پڑے پڑے کھڑکی سے باہر اندھیرے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

آسمان کو دیکھ کر سوچتی رہتی ہوں، بالکل ایسے ہی وقت میں، پو پھٹنے کے وقت میں، کاکا انقلاب اور ہندوستان کی آزادی کے نعرے لگاتے تختے پر چڑھ گئے تھے ـــــ اور میں خوب روتی ہوں اور سوچتی ہوں کاکا اور ان کے ہزاروں ساتھیوں کا خون رائیگاں نہ ہونے دوں گی ـــــ" وہ خاموش ہو گئی۔

سوئس کاٹج کی شکل کا کلاک ٹِک ٹِک کرتا رہا۔ اب رات کے پونے دس بج رہے تھے۔ دیپالی نے وقت پر نظر ڈالی اور جلدی جلدی کہنا شروع کیا: "کاکا کی شہادت کے بعد بابا کا دل دنیا سے بالکل اچاٹ ہو گیا۔ اگر ہم بچوں کا بکھیڑا نہ ہوتا تو وہ شاید سنیاس لے لیتے۔ مگر وہ مذہبی بھی نہیں ہیں۔ وہ کانگریس میں شامل تھے اور جیل بھی کاٹ چکے تھے، مگر لاڈلے بھائی کی موت کے بعد سے ان کو ایک عجیب طرح کا ری ایکشن ہو گیا۔"

"سیاست سے نفرت ہو گئی؟"

"تقریباً۔ اب وہ دن بھر چپ چاپ کمرے میں بیٹھے رہتے ہیں۔ غریبوں کا مفت علاج کرتے پھرتے ہیں۔ پریکٹس چلتی نہیں۔ بس اتنا کما لیتے ہیں کہ گھر چل جائے۔"

"تم ابھی کھیتی باڑی کی کیا بات کر رہی تھیں؟"

"غفار گاؤں کے نزدیک ہمارے یہاں مغلوں کی دی ہوئی زمینداری تھی۔ وہ بابا کے پُرکھوں نے ناچ گانے اور شراب پینے میں اڑا دی۔ اس غصّے میں کہ نو دولتے بنیوں کے آگے نہیں جھکیں گے۔"

"فیوڈل ڈکیڈنس جو انیسویں صدی کے برطانوی بورژوا نظام سے ٹکرا کر ہار گیا۔" اوما رائے نے سر ہلا کر کہا۔ دیپالی نے ذرا آنکھیں پھیلا کر انھیں دیکھا۔

"اب تمہارے کنبے میں کون کون باقی ہے؟"

"تھوڑے سے رشتہ دار ہیں، وہ غفار گاؤں میں چھوٹی موٹی سرکاری ملازمتیں کرتے ہیں۔ بابا کے ایک چچازاد بھائی ہیں۔ وہ بھی ڈاکٹر ہیں۔ چند سال ہوئے وہ ٹری نیڈاڈ ہجرت کر گئے۔ وہاں ہزاروں کما رہے ہیں۔ بس اور کوئی نہیں۔ ٹھاکرماں[1] کا پچھلے سال انتقال ہو گیا۔ میری ماں کا میکہ سراج گنج میں ہے۔ وہ بھی ملازمت پیشہ لوگ ہیں۔ اور کیا بتاؤں۔ ہاں۔ یہ "چندر کنج" ہماری کوٹھی کہنے کی کوٹھی

[1] دادی

کے زمانے میں ٹھاکر دا[2] نے بنوائی تھی۔ ٹھاکر دا کی زندگی ہی میں بابا اور کاکا قومی تحریک میں شامل ہو کر جیل یاترا کے لیے چلے گئے تھے۔ اس زمانے میں ہمارے یہاں ایسی غربت چھائی کہ بعض دفعہ رات کو مٹی کا تیل خریدنے کے پیسے بھی نہیں ہوتے تھے۔ صرف اسی امید نے ہم سب کو زندہ رکھا کہ انگریز سے چھٹکارا ملنے کے بعد دیس کے ان سارے اندھیرے گھروں میں اجالا ہو جائے گا۔"

"ایسا ضرور ہوگا۔ دیپالی۔ ایسا ضرور ہوگا۔" اوما رائے نے آہستہ سے کہا۔ "تم مایوسی کا شکار کبھی نہ ہونا۔"

"میں مایوس بالکل نہیں ہوں اُومادی۔" دیپالی نے دفعتہً ہنس کر کہا۔

"تم نے دوبارہ پڑھائی کیسے شروع کی؟"

"بابا کی ایک ہی سگی بہن ہیں۔ عمر میں اُن سے بہت بڑی۔ چار سال ہوئے وہ بیوہ ہو گئیں۔ اُن کے شوہر فرید پور میں وکالت کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد پشی ماں ہمارے یہاں آ گئیں۔ وہ لاولد ہیں۔ انہوں نے آن کر گھر سنبھال لیا تو میں نے ہائی اسکول پاس کیا اور کالج میں داخل ہو گئی۔ ساتھ ہی عباس الدین احمد کے ہاں جا کر سنگیت بھی سیکھتی رہی۔ میں بابا کی مدد کے لیے ڈاکٹری پڑھنا چاہتی تھی۔ لیکن بابا جانتے ہیں کہ ڈاکٹری کی تعلیم میں میرا جی بالکل نہیں لگے گا۔ اس لیے انھوں نے سائنس نہیں لینے دیا۔ اب اس جولائی میں وہ مجھے شانتی نکیتن بھیج رہے ہیں۔ ان کے دوست پروفیسر مرتضیٰ حسین کا بھی سخت اصرار ہے کہ میں شانتی نکیتن چلی جاؤں ـــــ" دیپالی نے پھر کلاک پر نظر ڈالی۔

"تحریک میں کس طرح شامل ہوئیں؟" اوما رائے کے سوالات ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔

دیپالی پھر کھِل کھِلا کر ہنس پڑی۔

"پھر وہ اسکول گرل گگلز ـــــ" اوما رائے نے غصّے سے کہا۔

دیپالی نے گلے پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکی۔ "اس کا قصہ بہت دلچسپ ہے اومادی۔ ایک روز ـــــ ایک روز شام کے وقت ـــــ"

دفعتاً اوما رائے نے اس کی بات کاٹی۔ "تمہیں معلوم ہے، کہ تمہارے کاکا اگر زندہ رہ جاتے تو ہندوستان کے بہت بڑے موسیقار بنتے؟"

[2] دادا

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"جی ہاں ۔ میں نے ان کی کتاب کئی بار پڑھی ہے ۔ مگر سمجھ میں نہیں آتی ۔ بابا کہتے ہیں ابھی میرے سمجھنے کے لئے وہ موضوع ہی بہت ٹھوس ہے ـــــ بنگال کی اقتصادی تاریخ ۔"

"تم تحریک میں کس طرح شامل ہو گئیں ؟" اوما دیبی نے سوال دہرایا ۔

"پچھلے سال میں ایک روز شام کو برآمدے میں اکتائی ہوئی کھڑی اپنے بھائیوں کا انتظار کر رہی تھی ، جو رات کے کھانے سے ذرا قبل فٹ بال کھیل کر لوٹتے ہیں ۔ پشی ماں رسوئی میں تھیں اور بابا مطلب بند کر کے نہانے کے لئے غسل خانے میں جا چکے تھے ۔ اتنے میں برآمدے میں سے کیا دیکھتی ہوں کہ ایک مسلمان فقیر پھاٹک پر کھڑا ہے ایک تارہ لئے ۔ مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس نے جھٹ سے ایک تارہ چھیڑا اور بڑی دلدوز آواز میں باؤل گانا شروع کر دیا ۔ پشی ماں فقیروں اور سنیاسیوں کو بڑی عقیدت سے دیتی دلاتی رہتی ہیں ، اس لئے میں نے اُسے آواز دی کہ پچھواڑے آنگن کی ڈیوڑھی پر چلا جائے ۔ مگر میری بات سن کر وہ پھاٹک سے برآمدے میں آگیا اور کہنے لگا کہ ڈاکٹر سرکار سے ملنا چاہتا ہے ۔ میں ابھی کوئی جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ اس کی نظر اندر بیٹھک خانے میں لگی کاکا کی بڑی تصویر پر پڑ گئی ۔ اور اس نے جلدی سے کہا کہ اسے اس تصویر کی مدتوں سے تلاش تھی ۔ اور میری گھبراہٹ اور احتجاج کی مطلق پروا کئے بغیر جھٹ سے کمرے میں گھس گیا ۔ اور دیوار کے پاس جا کر بڑی محویت سے پورٹریٹ کو دیکھنے لگا ۔ میں ہڑبڑا کر اندر گئی تو اس نے پوچھا "اس تصویر کی ایک کاپی مل سکتی ہے ؟" اور پھر اطمینان سے کرسی پر بیٹھ گیا ۔ اپنے جھولے میں سے کچھ کاغذ نکالے اور چاروں طرف دیکھ کر بولا ۔

"تم کون ہو ؟ دنیش بابو کی لڑکی ہو ؟"

"میں ان کی بھتیجی ہوں ۔ ان کی شادی نہیں ہوئی تھی ۔" میں نے کہا ۔ تو کہنے لگا ـــ "اچھا اپنے بابا کو بلاؤ ۔" میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ۔ میں ایک دم بہت ڈر گئی ۔ اور پچھلے برآمدے میں جا کر بابا کو آواز دی ۔ بابا جلدی آئیے ، ایک عجیب سا فقیر آ کر بیٹھک خانے میں بیٹھ گیا ہے ۔ جلدی آئیے ۔ بابا تولیہ کندھے پر ڈالے جلدی سے باہر نکلے اور کمرے میں گئے تو وہ فقیر فوراً کھڑا ہو گیا ۔ اور چپکے چپکے ان سے باتیں کرنے لگا ۔ بابا اسے دیکھتے رہے پھر اداسی سے مسکرا دئے ۔ میں دروازے میں سے اندر جھانک رہی تھی ۔ انہوں نے مجھے آواز دی کہ چائے بناؤں ۔ میں چائے بنا کر لے گئی ۔ اب وہ اور بابا پرانے دوستوں کی طرح صوفے پر بیٹھے باتوں میں منہمک تھے ۔ جب میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے تو اس نے اپنا نام نور الرحمٰن میاں بتلایا ۔ اور کہنے لگا کہ باریسال میں اس کا تکیہ ہے ۔ جب میں اس کا مطلب نہ سمجھی تو ہنس پڑا ۔ اور کہنے لگا کہ وہ ایک بنگالی ویکلی کا ایڈیٹر ہے ۔ اور کاکا کے متعلق ایک خاص نمبر نکال رہا ہے اور اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے آیا ہے ـــ کاکا کے نجی حالات ، ان کے پرانے مسودے جیل سے لکھے ہوئے خط ۔ پرانی تصویریں ، یہی سب ۔ مجھے اس کی جھاڑ جھنکار داڑھی پر بڑی ہنسی آئی ۔ کہ ایڈیٹر لوگ تو باؤل فقیروں کا حلیہ بنا کر ایک تارہ نہیں بجاتے پھرتے ۔"

"پھر کیا ہوا ـــ ؟" اوما نے جواب بڑے غور سے یہ داستان سن رہی تھیں ، سوال کیا ۔

"تو بابا نے اس سے کہا کہ وہ ساری چیزیں بکسوں میں سے تلاش کر کے اس کے لئے نکال رکھیں گے اور اسے دو دن بعد آنے کے لئے کہا ۔ اتنے میں میرے تینوں بھائی آ گئے اور ایک عجیب سے مہمان کو اندر بیٹھا دیکھ کر کھڑکی میں سے جھانکنے لگے ۔ تو فقیر نے یعنی نور الرحمٰن میاں نے مجھ سے کہا کہ میں دروازے بند کر کے کھڑکیوں کے پردے گرا دوں ۔ میں نے ایسا ہی کیا ۔ اور بچوں کو بھگانے کے لئے باہر گئی ۔ اتنی دیر میں نور الرحمٰن میاں یعنی باؤل فقیر بھی ایک تارہ بجاتا باہر آ کر پھاٹک سے پھاٹک پر پہنچ گیا ۔ ہمارے برآمدے اور پھاٹک کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہے ـــــ دو دن بعد وہ کاغذات اور تصویریں لینے کیلئے اسی وقت اندھیرا پڑے آیا ۔ بابا کو کسی مریض کو دیکھنے کے لئے باہر جانا پڑ گیا تھا ۔ اور وہ ساری چیزیں میرے حوالے کر گئے تھے ۔ فقیر پھر بڑی بے تکلفی سے بیٹھک خانے میں آ گیا ۔ اور میں نے جلدی سے دروازے بند کر کے کھڑکیوں کے پردے گرا دئے ۔ صوفے پر بیٹھ کر وہ مجھے اس طرح دیکھتا رہا گویا بہت محظوظ ہو رہا ہو ۔" اتنا قصہ سنا کر دیپالی پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی ۔

"اس قدر ہنستی کیوں ہو ؟" اُوما نے ناگواری سے کہا ۔ وہ بھول چکی تھیں کہ اس عمر میں بات بے بات ہنسی کے فوارے چھوٹتے ہیں ۔

"سوری اُوما دی ۔"

"تم نے کتنے دکھ اٹھائے ہیں پھر بھی اتنی مسرور اور بشاش ہو ۔" اوما رائے کے لہجے میں رشک کی تلخی کے علاوہ بڑی عجیب سی آزردگی تھی جو دیپالی نے محسوس نہیں کی ۔ وہ اپنی بشاشت پر نادم نظر آنے کی کوشش میں مصروف ہو گئی ۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"پھر کیا ہوا ـــــ" اُوما نے سختی سے پوچھا۔

"بس پھر میں نے بابا کا دیا ہوا ڈرافائیل اس کے حوالے کر دیا۔ اور وہ کہنے لگا کہ مجھے جو کچھ کاکا کے بارے میں یاد ہو اسے بتاؤں۔ میں نے کاکا کا ذکر کیا تو ایک دم رونے لگی۔ وہ بہت گھبرا گیا۔ خیر پھر اس نے جلدی جلدی نوٹ لئے۔ اور اپنے رسالے میں میری دلچسپی دیکھ کر اس نے کہا کہ اگلے مہینے سے پرانا پلٹن کے فلاں مکان میں ایک اسٹڈی سرکل قائم ہو رہا ہے میں اس میں ضرور جایا کروں۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے ایک باؤل گیت سکھا دے۔ کیونکہ میں نے عباس دا سے بہت سے باؤل گیت سیکھے ہیں۔ مگر یہ والا باؤل جو وہ گا رہا تھا میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ اس نے کہا آج تو دیر ہو جائے گی۔ اگر میں اجازت دوں تو وہ کل شام کو اسی وقت آ سکتا ہے۔ میں بے حد خوش ہوئی۔"

"چنانچہ وہ تیسرے روز بھی آیا" اوما دیبی نے آنکھیں بند کر کے سپاٹ آواز میں کہا۔

"جی ہاں اوما دی۔ اور میں نے حسبِ معمول جلدی جلدی دروازے بند کئے اور پردے گرا دیئے۔ مجھے بڑی ہنسی آ رہی تھی۔ اس نے مجھے باؤل گیت سکھایا۔ اور مجھ سے بھی دو تین گانے سنے۔ اور کہنے لگا کہ وہ ریڈیو پر ہمیشہ جب موقعہ ملتا ہے تو میرے گانے ضرور سنتا ہے۔ بہت ہی سُوئیٹ فقیر تھا اوما دی۔ میرا مطلب ہے ـــــ فقیر نہیں ـــــ نورالرحمٰن میاں ـــــ"

"ہُوں ـــــ"

"بابا اتفاق سے اس روز بھی باہر گئے ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کے مریض کی حالت خطرناک ہو چکی تھی۔ خیر جب وہ واپس آئے تو میں نے ان کو بتایا۔ وہ اچانک ایک دم اداس ہو گئے اور کہنے لگے۔ دیپالی ـــــ اپنے عزیز از جان بھائی کا بلیدان دے چکا ہوں۔ اب تم تو اس خطرناک راستے پر نہیں چلو گی؟ میں نے دل میں کہا۔ ماں[1] مجھے معاف کر دینا۔ میں بابا سے جھوٹ بول رہی ہوں۔ اور میں نے بڑی صفائی سے جواب دیا کہ میں اس راستے پر ہرگز نہیں چلوں گی۔ وہ مطمئن ہو گئے۔

"اس کے بعد نورالرحمٰن میاں ایک مرتبہ اور آئے تھے۔ رات کے وقت۔ یہ بتانے کے لئے وہ کہیں اور جا رہے ہیں۔ انہوں نے جاتے جاتے مجھے ایک مرشدی گان اور ایک ودیاپتی کا گیت بھی سکھا دیا۔ جو میتھلی میں ہے۔

"دیدی میں اگلے مہینے بابا کے ساتھ کلکتے جاؤں گی اپنے گانے ریکارڈ کرنے۔ وہاں وہ مرشدی

---

[1] کالی

گان اور ودیاپتی کا گیت بھی ریکارڈ کرواؤں گی۔ آپ کو سناتی مگر اب بہت دیر ہو جائے گی۔ او ـــــ ہاں ـــــ دس بج گئے ـــــ"

"بہت خوب ـــــ" اوما دیبی نے کچھ اور سوچتے ہوئے بے دھیانی سے جواب دیا۔

"مگر وہ رسالہ تو شائع ہوا نہیں اور نورالرحمٰن میاں بھی غائب ہو گئے۔ اس کے بعد میں پرانا پلٹن اسٹڈی سرکل میں جانے لگی۔ وہاں نورالرحمٰن میاں کبھی نظر نہیں آئے۔ مگر دوسرے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی۔ میں بابا سے کہہ کر جاتی تھی کہ روزی کے گھر جا رہی ہوں اور میں اور روزی سیدھے پہنچتے تھے پارٹی آفس۔ جب سے میں ہمدردی کی حیثیت سے تحریک میں ہوں۔ اور تھوڑا بہت کام جو مجھ سے بن پڑتا ہے۔ کرتی رہتی ہوں۔

"پچھلے مہینے سر سید دا نے تشویشناک خبر دی کہ اس غیر قانونی رسالے اور اس کے پریس پر چھاپہ مار کر پولس نے سارے اسٹاک پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ریحان دا اور ان کے ساتھی راتوں رات اپنے خفیہ مستقر سے فرار ہونا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے انھیں فوری دو ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ روپیہ فوراً فراہم کیا گیا۔ اس میں پانچ سو کی کمی پڑ رہی تھی ـــــ تو میں نے ـــــ میں نے اپنی ماں کی چھوڑی ہوئی بالو چر بوٹے دار ساریاں بکوا دیں۔ اب ریحان دا نے جانے کون سے گاؤں میں جا کر نیا ہینڈ پریس لگا لیا ہے اور کسانوں کی تنظیم کے لئے پرچے اور پمفلٹ چھاپ رہے ہیں۔ اب جا کر وہ کاکا والا نمبر بھی شائع ہو جائے گا۔ مگر دیدی ـــــ مجھے تعجب تو یہی ہے کہ ریحان دا مجھ سے آج تک نہیں ملے۔ انھوں نے آپ کو یہ کیسے لکھ دیا کہ مجھ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور اتنا ذمہ داری کا کام آج میرے اوپر ڈال دیا۔ کمال ہے۔"

اوما نے بیزاکتاہٹ کے ساتھ ونڈو سیٹ پر نیم دراز ہو کر کروٹ بدلی۔ اور چند لمحوں تک خاموش رہنے کے بعد بیزاری سے کہا۔

"دیپالی سرکار۔ تم ایک برس سے انڈر گراؤنڈ کے لئے کام کر رہی ہو اور تم کو یہ تک پتہ نہیں کہ انڈر گراؤنڈ کے لیڈر طرح طرح کے بھیس بدلتے رہتے ہیں ـــــ وہ مسلمان بزرگ جنہوں نے تم سے خلوص بڑھایا۔" اوما کی آواز پر اب شدید تکان غالب تھی ـــــ "ریحان الدین احمد تھے ـــــ"

"او ـــــ ماں ـــــ" دیپالی گم سم رہ گئی۔ چند لمحوں تک بالکل حواس باختہ رہنے کے بعد اس نے آہستہ سے کہا "لیکن انہوں نے تو اپنا نام نورالرحمٰن بتلایا تھا ـــــ"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"اکثر کام پڑے، موقع پڑنے پر باری باری ایک فرضی نورالرحمٰن میاں بنتے رہتے ہیں۔"

"اوماں ـــــ" دیپالی مزید کچھ نہ کہہ سکی۔ اسے لگا، جیسے اس کی زبان گنگ ہوگئی ہو۔ اوما نے کروٹ بدلی۔ بڑے دھیان سے اس کی صورت دیکھی اور خستگی سے انگڑائی لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور دفعتاً کاروباری اور کرخت آواز میں پوچھا "تم نے اپنی اس ہمراز سہیلی کا کیا نام بتایا جو تمہارے ساتھ تحریک میں شامل ہوگئی ہے۔؟"

"روزی بنرجی۔"

"قابل اعتماد ہے؟"

"بےحد قابل اعتماد۔ ریحان دا ـــــ اس کے متعلق جانتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے انہوں نے یہ اسکیم بنا کر آپ کو بھیجی ہے۔"

"ہُوں ـــــ اچھا آئینے کے سامنے جاؤ۔"

دیپالی نے تعمیل حکم کی۔

اوما رائے نے سر نیہوڑا کر اس کے سراپا کا جائزہ لیا۔

"اب اپنے میمن سنگھ کے دیہاتی لہجے میں بولو تو ـــــ میں شام کو تمہیں سب سمجھا چکی ہوں۔ ریحان نے لکھا ہے تم بہت بڑھیا ایکٹرلیس ہو۔ یہ مہم کامیابی سے سر کرو گی۔"

وہ چپ رہی۔ کوئی تعجب نہیں کہ باؤل فقیر نے کسی اور بھیس میں جا کر اس کے کالج کے ڈرامے بھی دیکھے ہوں۔ آئینے میں اس نے دیکھا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔

"کیا نام ہے ـــــ؟" اوما رائے نے اسٹیج ڈائرکٹر کی طرح ڈپٹ کر دریافت کیا۔

"جی ـــ جی ـــ ہم ـــ؟ ہم کلثوم بی بی۔"

"کہاں سے آئی ہو ـ؟"

"جی ـ میمن سنگھ ضلعے سے ـــ"

"ـــ سرٹیفکٹ ہیں؟"

"جی نہیں ـ ہمارے خالو نواب صاحب بوگرہ کے خانساماں ہیں۔ انہوں نے بھیجا ہے۔"

"شاباش ـ! مگر نواب صاحب بوگرہ نہ کہہ دینا ـ آفت آجائے گی ـ" اوما رائے نے

دفعتاً ہنس کر کہا۔

"سوری ـــــ کچھ اور سوچ لوں گی۔ آگے پوچھیے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ ریحان ـــــ نے غلط نہیں کہا۔ ہاں ـ اور برقعہ ـــ؟"

"کل حاصل کر لوں گی ـــــ عبدالقادر کی بی بی سے ـــ"

"عبدالقادر کون ہے؟"

"گاڑی والا ـــــ ہمارا کوچوان نہیں۔ ہماری گاڑی تو کب کی ٹوٹ پھوٹ کے برابر ہو گئی۔ بابا نے اسے بچارا شاگرد پیشہ دے رکھا ہے۔ مجھے کہیں جانا ہو تو بڑے خیال سے لاتا لے جاتا ہے۔"

"جولی گڈ ـ فائن ـ اوہو ـ بہت رات ہوگئی ـ بابا سے کیا کہہ کر آئی تھیں؟"

"بابا روزی اور جہاں آرا کے گھر سے میرے دیر سے لوٹنے پر کچھ نہیں کہتے۔ اور ہمیشہ وہاں کا ملازم مجھے گھر پہنچا آتا ہے۔ ڈھاکے میں میری یہی دو عزیز سہیلیاں ہیں۔ اوما دی ـــ میں ان کے علاوہ اور کسی کے گھر نہیں جاتی۔"

"رائٹ ـــ" اوما نے برقی گھنٹی کا سوئچ دبایا۔ "یہ بھی اچھا ہوا کہ یہاں سب لوگ اس وقت کلب گئے ہوئے ہیں۔" بیرے نے بند دروازے پر دستک دی۔ اوما دی نے آگے بڑھ کر چٹخنی کھولی اور جھک کر بیرے سے باتیں کرنے لگیں۔ بیرہ آیا۔ "ڈرائیور سے کہو ـ ٹھہرو ـ کون سی موٹر ہے؟"

"میم صاحب کی۔"

"اچھا۔ گوپال سے کہو برساتی میں لگا دے جلدی۔ ایک دم۔" سلوٹ کی تصویر پر فیراوری طور سے ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر دیپالی اوما کے ساتھ ڈرائنگ روم سے باہر نکلی۔ ہال کے دروازے پر پہنچ کر اوما رائے نے کہا۔ "موٹر اپنے گھر سے کچھ فاصلے پر رکوانا۔" پھر انہوں نے دیپالی کی پیٹھ تھپک کر کامیابی کی امید ظاہر کی اور سر جھکائے گیلری میں چلی گئیں۔

دیپالی برآمدے میں نکلی۔ اور برساتی میں اتر کر موٹر میں بیٹھ گئی۔ موٹر ایک جھونک کے ساتھ ہوٹل ڈرائیو کا چکر کاٹ کر پھاٹک پر پہنچی۔ اب اس لمحے سے میں ایک نئی ذمے داری کی معیت میں بالکل تنہا ہوں۔ اس نے سوچا۔ موٹر تیزی سے رمنا کی چوڑی سنسان سڑک پر آئی۔ روشن وڈ لینڈز اچانک اندھیرے میں ڈوب گیا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

دیپالی نے آگے جھک کر ڈرائیور سے کہا۔ "ذرا مشن کمپاؤنڈ کی طرف سے ہوتے چلو۔"

۶

ریورنڈ پال متھیو بنرجی

مشن کمپاؤنڈ کے وسیع گرجا گھر کے اندر کرسمس کی تیاریوں کے سلسلے میں تیز رفتاری ہو رہی تھی۔ بڑے دن میں صرف چار روز رہ گئے تھے۔ کمپاؤنڈ میں سخت گہما گہمی اور رونق تھی۔ کرسمس ویک کے دوران میں دیسی مشنریوں کی سالانہ کانفرنس منعقد ہونے والی تھی۔ جس میں شرکت کے لئے الہ آباد، سیتاپور، آگرہ، شاہجہاں پور، لدھیانہ، انبالہ، لاہور اور دوسرے بڑے بڑے مشنری مراکز سے نمائندہ مبلغین ڈھاکے آن پہنچے تھے اور کمپاؤنڈ میں لگے خیموں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس وقت گرجا گھر میں نمائندوں کی ٹولیاں اپنے اپنے کرسمس کیرل کی مشق میں جٹی تھیں۔ ڈھاکہ مشن کمپاؤنڈ کے انچارج ریورنڈ پال متھیوز منوموہن بنرجی گرجا کے اندر اپنے دفتر میں بیٹھے دوات میں نب ڈبو ڈبو کر کرسمس کا وعظ لکھنے میں مصروف تھے۔ گرجا کے عقب میں ان کا مکان جو "ریلی کاٹیج" کہلاتا تھا غباروں، کاغذی ربنوں اور مصنوعی ستاروں سے سجایا جا رہا تھا۔ مسز بنرجی کچن میں فرش پر بیٹھی کرسمس کیک اور کرسمس پڈنگ کے لئے خشک میوہ صاف کرنے میں منہمک تھیں۔ باہر باغ میں باغیچہ کے سائبان کے نیچے کمپاؤنڈ کی عورتیں اور لڑکے بالے سب مل کر ننھا سا اصطبل تیار کرنے میں لگے تھے۔ ولادت مسیح کے ٹیبلو کے لئے حضرت مریم، سینٹ جوزف، چرواہوں اور بیلوں گاؤ یوں کی ننھی منی صورتیاں سنواری جا رہی تھیں۔ ربڑ کا بچہ یعنی یسوع مسیح بڑی احتیاط سے بھوسے کے تختے سے ڈھیر پر رکھ دیا گیا تھا۔

اچانک گرجا کے ہال میں لدھیانہ مشن کی ٹولی نے اونچی باریک آواز میں ایک پنجابی حمد شروع کر دی "سبھ خداوند بادشاہ ہے —— او جلال دا بادشاہ ہے۔ اے خداوند —— اپنی راہ اپنے بندے نوں وکھا۔ آ —— آ"

پادری بنرجی نے اپنے دفتر میں وعظ لکھتے لکھتے قلم ایک طرف رکھ دیا اور میز کر ماتھے پر

چڑھا کر چھت کو دیکھنے لگے۔ الماریوں میں مشن کے رجسٹر اور موٹی موٹی کتابیں رکھی تھیں۔ سامنے دیوار پر ایک بڑی سی سیاہ صلیب آویزاں تھی۔ میز پر پھولوں سے بھرا گلدان رکھا تھا۔ باہر سے گانوں اور ہارمونیم اور بچوں کے ہنسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بڑا پرسکون اور سہانا وقت تھا۔ خدا کے خوف سے ہر وقت ڈرنے والے، نیک دل پادری بنرجی نے آنکھیں بند کیں اور زندگی کی نعمتوں کے لئے خدا باپ کا شکر ادا کیا۔ پھر انھوں نے اٹھ کر الماری میں سے ایک رجسٹر نکالا اور وعظ کے کاغذات ایک طرف رکھ کر مشنری کانفرنس میں پیش کرنے کے لئے رپورٹ مکمل کرنے کا ارادہ کیا۔ پچھلے چند برسوں میں بپتسمہ لینے والوں کی تعداد میں کمی آتی جا رہی تھی۔ بہت عرصے سے قحط نہیں پڑا تھا اور ہندو تجدیدیت اور مسلم تجدیدیت نے الگ اودھم مچا رکھی تھی۔ مسلمان تو خیر یوں بھی شاذ و نادر ہی عیسائی ہوتے تھے۔ یہ بھی بڑی ہٹیلی اور خود پسند قوم تھی۔

پچھلی صدی میں سیرام پور مشن نے کلکتے میں بڑا عہد آفریں کام کیا تھا۔ وہ جغادری، دھن کے پکے عظیم مشنریوں کا دور تھا۔ بشپ ریجنالڈ ہیبر۔ ولیم ٹیٹس۔ کیری اور مارش مین۔ ان لوگوں نے اس دیس کی کتنی خدمت کی۔ پریس کھولے۔ کتابیں چھاپیں۔ تعلیم پھیلائی۔

جواں مرگ بشپ ہیبر پادری بنرجی کا محبوب کردار تھا۔ وہ انگلستان سے آیا ہوا روحوں کا جیالا رکھوالا، جو اسی سنہرے بنگال کی دھرتی پر گھوما تھا۔ رجسٹر کی ورق گردانی کرتے ہوئے پادری بنرجی کو دفعتاً خیال آیا کہ وہ کرسمس کے وعظ میں بشپ ہیبر کی مختصر لیکن درخشندہ زندگی کی مثال پیش کریں۔ انھوں نے جنگل میں تحریر شدہ اپنے وعظ کے کاغذات اپنی طرف سرکا کر دوبارہ لکھنا شروع کیا۔ "وہ مبارک زمانہ جب آج سے سوا سو سال قبل، مادر کلیسا کا لاڈلا سپوت بہ نفس نفیس ڈھاکے آیا تھا۔ وہ جواں سال، خوبصورت، پادری شاعر پدما کے کنارے کنارے ٹہل کر، میرے بچو، تمھاری روحانی نجات کی دعائیں مانگتا تھا۔ اور تمھارے غم میں گھلتا تھا۔"

پادری بنرجی نے اٹھ کر ایک اونچی الماری میں سے "ہیروز آف آور انڈین ایمپائر" نکالی۔ بشپ ہیبر کا باب کھولا اور اس شاعر پادری کی تحریر کا ایک اقتباس پڑھنے لگے —— "دریا کے کنارے سے ہندو میری ناؤ —— رات میں مہکنے والے پھول —— تاڑ کے پتوں کی مدھم سرسراہٹ۔ کوئل کی پکار۔ بانس کے تاریک جنگلوں میں جگمگاتے جگنو —— عظیم دریا کی سطح پر منعکس استوائی چاند ——

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور میں نے محسوس کیا کہ اس دیس میں موجود ہونا بہت خوب ہے۔

پادری بنرجی نے ورق اُلٹا ـــــ اور ان کی نظر بشپ ہیبر کی ایک نظم پر پڑی۔ "اپنی بیوی سے:

اگر تم میرے ساتھ ہو

تو سرسبز بنگال کے آنند کانن میں

شام کا اندھیرا بڑی تیزی سے چھا جائے

پادری بنرجی نے کتاب ایک طرف سرکا دی اور بھنووں پر انگلیاں رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔
بشپ ہیبر کو بھول کر وہ یکایک دور شمال کے رنگ پور ضلع میں اپنے دور افتادہ گاؤں پہنچ گئے تھے۔ جہاں بانس کے جھنڈ میں چھپے کالی کے مندر کے پیچھے کوئلیں چلا رہی تھیں۔ اور ان کی پڑوسن اور محبوبہ شونا اُن کی ماں کے ساتھ پوجا کے لئے مندر آتی تھی اور وہ سامنے دریا پر اپنے نوکے میں چھپے اس کے منتظر رہتے تھے۔

وہ وقت اور یہ آج کی رات ـــــ یہ مطمئن بڑھاپا ـــــ یہ محفوظ خانۂ خدا ـــــ سکونِ قلب۔
انہوں نے پرانے خواب جھٹک کر اپنی ماں کو یاد کیا۔ نجات جس کی قسمت میں نہ تھی۔ ماں۔ تو تو بت پرستی کی گمراہی میں مبتلا ہی دوسری دنیا کو چلی گئی۔ اب تیری روح اس اندھیرے میں۔ اس اندھیرے میں جانے کہاں ہوگی۔ یہ سب کیا ہے؟

اسرارِ الٰہی۔

پادری بنرجی پھر کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر مشن کے الفاظ اور سالانہ رپورٹ کے اعداد و شمار میں ان کا دل نہ لگا ـــ روحوں کے اعداد و شمار۔ نجات یافتہ روحیں۔ گمشدہ روحیں ـــ انہوں نے رجسٹر بند کر دیا اور قریب کی الماری میں سے ایک اور پرانی کتاب اپنی طرف کھینچی۔ "انگلستان میں راجہ رام موہن رائے کے آخری ایام۔ از میری کارپینٹر" انہوں نے بے دھیانی سے ورق گردانی کرتے ہوئے ضمیمے کے آخری صفحات کھولے

"چار قابلِ قدر ہندو کرسچین۔

۱۔ شری گوکار چکربرتی۔ اونچی ذات کا برہمن۔ خود اپنی درخواست پر لندن میں بپتسمہ حاصل کیا۔ لندن یونیورسٹی سے ڈگری لینے کے بعد کلکتہ میڈیکل کالج سے وابستہ ہوا۔ ۱۸۵۵ء میں لندن واپس گیا۔ وہ پہلا ہندو تھا جو کمپنی کی انڈین میڈیکل سروس میں شامل کیا گیا۔ ۲۔ بھولوناتھ داس۔ مونگیر ستلج کے موقع پر لیفٹنی کی افواج کا اسسٹنٹ سرجن تھا۔ بعد میں ڈھاکہ کا سول سرجن بنا۔ ۳۔ دوارکا ناتھ بوس۔ کلکتہ میں ڈاکٹر رہا تھا۔

۴۔ گوپال چندر سیل۔"

آخری نام پر پہنچ کر پادری بنرجی ٹھٹھک گئے۔ اور گذشتہ صدی میں مس کارپینٹر کی لکھی ہوئی کتاب (جس میں مصنفہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ رام موہن بابو دراصل عیسائی ہو گئے تھے) آہستہ سے بند کر دی۔

یہ محض اتفاق تھا یا اسی کو ہندو کرم اور سنسکار کہتے ہیں اور مسلمان نوشتۂ تقدیر۔ لیکن ہم عیسائی اُس حسنِ اتفاق کو گریس آف گاڈ کہیں گے۔

لیکن ـــــ زندگی کا دھارا اچانک، ایک دم کس طرح اپنا رُخ بدل لیتا ہے۔ ایک انسان کے کسی ایک مخصوص سمت قدم اٹھانے سے اُس کی ساری آنے والی نسلوں کا مستقبل مختلف ہو جاتا ہے۔ اور مستقبل کیا ہے؟

اس غیر اہم، بھولے ہوئے نام "گوپال چندر سیل" کو دیکھو۔ یہ آج سے سو برس قبل میرے گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ وہ عیسائی ہو کر ڈاکٹری پڑھنے ولایت گیا۔ اور وطن واپس آ کر بیچارہ نوجوان دریا میں ڈوب کر مر گیا۔

اور ایک روز میں، منوموہن بنرجی ـــ ایک مفلس سولہ سالہ طالب علم لال منیر ہاٹ سے اپنے گاؤں جا رہا تھا۔ جب اسٹیمر پر ایک بوڑھا انگریز مشنری مجھے ملا۔ اور اس نے مجھ سے میرے گاؤں کا نام پوچھا اور بڑی مسرت سے بتایا کہ اسی گاؤں کے ایک قابلِ فخر ہندو نوجوان گوپال چندر سیل کو اس کے باپ نے بپتسمہ دیا تھا۔ لیکن میں نے اس نوجوان کا کبھی نام بھی نہ سنا تھا۔ (پادری بنرجی عادتاً دل میں اس انداز میں سوچنے لگے، جس طرح وہ منبر پر وعظ کہتے تھے) برہمپتر کے طویل سفر کے دوران اس مہربان مشنری نے پہلے صفحہ پر اپنا پتہ لکھ کر انجیل مقدس مجھے دی اور جب میں گاؤں پہنچا، میری ماں بسترِ مرگ پر پڑی تھی ـــــ اور دیکھو اس کے بت اسے نہ بچا سکے۔ اور میں، جو انجیل مقدس سے بیحد متاثر ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے باپ کو بنگلہ انجیل پڑھنے کو دی۔ اور سال بھر بعد میں، میرا باپ، چچا، بہن بھائی، سارا کنبہ رنگ پور اس انگریز مشنری کے ہاں پہنچ کر اس کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ چنانچہ (پادری بنرجی نے کرسی پر پہلو بدلا! اور اپنے غیر مرئی سامعین سے مخاطب رہے) ایک سچا ہندو کرسچین، جو آج سے مدتوں قبل مُوا، ایسے اَن دیکھے اور بالواسطہ طریقہ سے میرے خاندان کے یسوع تک پہنچنے کا وسیلہ بنا۔

اگر میں اس روز اس اسٹیمر پر اس مشنری سے نہ ملتا۔ یہ کرم تھا ـــ یا محض اندھا اتفاق ـــــ

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ریورنڈ بنرجی نے سر ہلایا اور متحیر سے بیٹھے دروازے سے باہر مشن کمپاؤنڈ کا نظارہ کرنے لگے۔

ہندوستان کے ہر ضلع میں ایک مشن کمپاؤنڈ موجود ہے۔ بلکہ مختلف کلیساؤں کے مختلف مشن کمپاؤنڈ موجود ہیں۔ جس میں ڈیڑھ دو سو سال سے سفید فام مشنری خواتین سفید سائے اور سفید سولا ہیٹ پہنے ہاتھ میں بائبل لئے نیٹو لوگوں کی روحوں کو بچانے کے لئے دن رات کوشاں رہی ہیں۔ اور کالا پادری ہندوستانی معاشرے کے ایک کنارے پر اپنی انجیل لئے کھڑا ہے۔

شروع شروع میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت مشنریوں کو ایک نیوسنس سمجھتی تھی۔ سیرام پور میں بپٹسٹ مشن کی طرف سے شائع ہونے والا انتہائی دلآزار لٹریچر پہلے فورٹ ولیم میں سنسر کیا جاتا تھا کہ ابھی ہندوستان میں مسیحی مشن کو یونین جیک کی سرپرستی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ لارڈ منٹو نے سیرام پور کے لٹریچر کے متعلق کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کو مطلع کیا تھا۔ کہ یہ ہندوؤں کے لئے بیحد اشتعال انگیز ثابت ہو رہا ہے۔ اس کے جواب میں سیرام پور کے مشہور مشنری ڈاکٹر مارش مین نے لکھا تھا کہ ہندوستانی انتہائی کمزور اور احمق کردار کا مالک ہے۔ اور اس کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ کسی نہ کسی غیر قوم کا محکوم رہے گا۔ اور اس کے اس بودے پن کو عیسائیت بھی دور نہیں کر سکتی۔ لیکن برطانیہ کے زیر سایہ زندہ رہنا اس کے لئے برکت الٰہی کا موجب ہے۔ اس وجہ سے جو ہندو یا محمڈن عیسائی ہو جائے وہ اپنے تحفظ کی خاطر برطانیہ کا انتہائی وفادار ثابت ہوگا۔ کیونکہ محض اس ایمپائر کی سلامتی اور توسیع پر اس کے وجود کا انحصار ہے۔

سیرام پور والوں کو راجہ رام موہن رائے کی طرف سے بڑی امیدیں تھیں۔ مگر انھوں نے عیسائی ہونے کے بجائے اُلٹے اُن سے مناظرے شروع کر دیئے کہ آخر گوڈ کو تریبا ہی کیوں نہ کہا جائے، مشنری اُن کی روح کو بالآخر نہ بچا سکے۔

یہ انگریز مشنری۔ واقعی بہت بھولے تھے۔ بشپ ہیبر ۱۸۲۶ء میں ہندوستان کے دورے کے بعد لنکا گئے اور کینڈی کے شاہی محل کے دربار ہال میں ڈیوائن سروس منعقد کی۔ اور ان کے ساتھی مسٹر روبنسن نے اس موقع کے متعلق بعد میں لکھا۔ "سروس کے بعد میں اور بشپ ہیبر گھر لوٹے اور میں نے بشپ سے کہا۔ عبادت کے دوران میں مجھے خیال آیا کہ صرف چند سال قبل اسی ہال میں ایک جابر الشیائی بادشاہ اپنی مظلوم رعایا کو درشن دیتا تھا۔ اور آج اس میں ایک عیسائی بشپ سچے دین کا پیغام سنا رہا تھا،

جب میں نے یہ کہا تو بشپ ہیبر نے سر جھکا لیا۔ اور رو پڑے۔"

ان مشنریوں نے کالے مبلغ اور پادری تیار کئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد عیسائیت کو حکومت کا مکمل تعاون حاصل ہو چکا تھا۔ (انگریزوں کا عبادت خانہ ۔ گر۔ جا۔ بے چارے مسلمان جل کر کہتے تھے) کالا پادری چوراہوں اور سڑکوں پر تبلیغ کرتا پھر رہا تھا۔ اور مولویوں سے مناظرے کر رہا تھا۔ ہندو اور مسلمان، دیسی عیسائیوں کو کالے کرسچین اور پلیلی صاحب کہہ کر خوش ہو لیتے تھے۔ لیکن تبدیلی مذہب کے بعد مظلوم اچھوتوں اور افلاس زدہ تعلیم یافتہ افراد کی زندگی بدل جاتی تھی۔ سری رام کرشن کے چیلے اور سوانح نگار مہندر ناتھ گپتا نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ ایک مرتبہ انھوں نے مائیکل مدھو سودن دت سے دریافت کیا کہ وہ عیسائی کیوں ہو گئے۔ تو انہوں نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا ۔۔ اس کی خاطر۔

بھوک کے علاوہ ذہنی بے چینی بھی بنگال میں، عیسائیت کے فروغ کی ایک وجہ تھی۔ اٹھارویں صدی میں بنگال کا اور سارے ہندوستان کا ہندو سماج تنزل کی آخری حدود تک پہنچ چکا تھا۔ رام موہن رائے نے ۱۸۱۶ء میں ہندو کالج قائم کیا۔ اس کے طلباء اپنے مذہب سے برگشتہ ہوتے جا رہے تھے۔ متعدد انگریزی تعلیم یافتہ برہمن خاندان عیسائی ہو گئے۔ عیسائیت ایک فاتح، عقلیت پرست، حیرت انگیز، شاندار قوم کا بڑا معقول مذہب تھا۔ نئے بنگالی مصلحین، ہندو، برہمو، عیسائی سبھی انگریز کے حامی تھے، جو اس اندھیرے ملک میں نئی روشنی پھیلا رہا تھا۔ صرف بنگالی مسلمان، جن کو انگریز نے کچل دیا تھا، اور جو اس کے باوجود مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو کر اس سے لڑتے جا رہے تھے انگریزی دور اور انگریزی تعلیم کے دشمن تھے اور بنگال کا پسماندہ طبقہ بن چکے تھے۔

کلکتہ میں بھدر لوگ، کرانی اور بابو لوگ کی ایک نئی دنیا آباد ہو چکی تھی۔ اور انگریز بنگالی بابو کا بے طرح مذاق اڑاتا تھا۔ انیسویں صدی کے آخر میں ایک انگریز طنز نگار نے انڈین ایمپائر کے متعلق اپنی ایک کتاب "سر علی بابا کا سفرنامہ" میں لکھا تھا۔ "ہم بابوازم کو ایمپائر میں کتنا ہی فروغ دیں۔ بابو کے وجود پر ہمیں آنسو بہانا چاہئیں کہ بابو ایک سخت قابلِ رحم شے ہے۔ یہ بابو نئے مذہب، نئی موسیقی، آرٹ اور سائنس سے خوب پیٹ بھر کر جب موٹا ہو جائے گا تو ایسی دولتی جھاڑے گا کہ ہم اس کا مذاق اڑانا بھول جائیں گے۔ اس کے پیٹنٹ لیدر جوتے، اس کی ریشمی چھتری۔ اس کے دس ہزار ہارس پاور کے انگریزی الفاظ اور جملے ۔ اس کی مغربی خیالات کی جگالی ۔۔ یہ سب ایک روز بے حد خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

سائنس، مغربی فلسفے اور مشنریوں نے اس کے دماغ کو اتنا چکا چوند کر دیا ہے کہ اب اس کا اپنی پرانی حیثیت پر واپس جانا مشکل ہے ۔"

"سرجی بابا کے سفرنامے" کا یہ مضمون پادری بنرجی کو ایک مرتبہ ارجمند منزل میں نواب قمرالزماں چودھری نے اپنے کتب خانے کی ایک الماری میں سے نکال کر دکھلایا تھا ۔

"یہ دیکھئے بنرجی بابو ـــــ ہمارا صاحب بہادر ہم ہندوستانیوں کا کس بے پناہ حقارت سے ذکر کرتا ہے ۔" نواب صاحب نے کہا تھا ۔

ارجمند منزل ـــــ

پادری بنرجی ارجمند منزل میں سیاسی بحث مباحثے سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے ۔ لیکن جب کبھی وہاں جاتے ڈرائنگ روم میں مسلم لیگ اور صوبجاتی سیاست کا تذکرہ چھڑا ملتا ، اور ریورنڈ بنرجی چپکے بیٹھے سنا کرتے ۔ ارجمند منزل ڈھاکے کی پرانی مسلم تہذیب ، اردو شاعری ، تھیٹر ، راگ رنگ کے جلسوں ، قدامت پرستی اور مسلم سیاست کا مرکز تھی ۔ اور پادری بنرجی کو مسلم سیاست یا ہندو سیاست سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ وہ صدق دل سے انگریزی حکومت کے وفادار تھے ۔

ارجمند منزل ـــــ یہ بھی کیا اتفاق تھا کہ ان کی قابلِ قدر لائقِ احترام اور نیک بخت بیوی ایستھر اُن کو ارجمند منزل کے وسیلے سے ملی ۔ خداوند خدا کے وسیلوں کے اسرار کوئی نہیں سمجھ سکتا ۔

نواب قمرالزماں چودھری ضلع فریدپور کے زمیندار تھے ۔ اور گری بالا چٹوپادھیائے ان کے علاقے کی ایک غریب برہمن کی لڑکی تھی لیکن پانچ برس کی عمر میں بیوہ ہو گئی تھی ۔ باپ کے مرنے کے بعد پندرہ سال کی عمر تک اس نے سسرال میں ہر طرح کے ظلم سہے ۔ اور ایک رات چپکے سے ناؤ میں بیٹھ کر ڈھاکے بھاگ آئی ۔ اور ارجمند منزل پہنچ کر نواب قمرالزماں کی والدہ بیگم نورالزماں سے فریادی ہوئی ۔ بڑی بیگم صاحبہ نے اسے فوراً اپنی پناہ میں لے لیا ۔ اور کچھ عرصے تک اسے ارجمند منزل کے زنانخانے میں رکھا ۔ جب نوجوان نواب زادوں نے اس میں دلچسپی لینا شروع کی تو بیگم صاحبہ نے سوچا کر کلمہ پڑھا کر زمینداری کے کسی اہلکار کے ساتھ اس کا نکاح کروا دیں ۔ مگر تقسیم بنگالہ کے بعد ہندو مسلم تعلقات بیحد کشیدہ ہو چکے تھے ۔ اور گری بالا کے تبدیلِ مذہب سے فوراً فرقہ وارانہ فساد کا خدشہ تھا ۔ (اگر یہ بات بیحد دلچسپ تھی کہ عیسائی ہو جانے پر ہندو عیسائی فساد نہیں ہوتے تھے) اس موقع پر ڈھاکے کے انگریز بڑے پادری رائٹ ریورنڈ والفرڈ براؤن کی میم آ رہے

آئیں ۔ میم صاحب ہفتے میں دو مرتبہ نواب زادیوں کو انگریزی پڑھانے ارجمند منزل آیا کرتی تھیں ۔ بڑی بیگم نے گری بالا کو میم صاحب کے ذریعہ اُن کے مشن اسکول میں داخل کروا دیا ۔ بڑے پادری والفرڈ براؤن صاحب نے اسے بپتسمہ دے کر اپنی بیوی کے نام پر اس کا نام ایستھر میرین رکھا اور جب اس نے میٹرک کر لیا تو اس کی شادی پال میتھیو من موہن بنرجی سے کر دی ۔ پال بنرجی ایستھر سے عمر میں بیس برس بڑے تھے ۔ مگر ایستھر بے حد خوش تھی کیونکہ اسے عمر میں پہلی بار عزت اور آرام ملا تھا ۔ اور ایسا شریف شوہر ۔

رنگ پور میں بپتسمہ لینے کے بعد من موہن بنرجی ایک ہونہار مبلّغ ثابت ہوئے تھے ۔ اور انھیں مشن کی طرف سے برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی میں ٹریننگ کے لئے لندن بھیجا گیا تھا ۔ اور واپس آ کر وہ صوبے کے مختلف دیسی پروٹسٹنٹ گرجاؤں میں کیوریٹ رہے تھے اور اب ڈھاکہ میں اس دیسی گرجا کے پادری تھے ۔

ریورنڈ بنرجی نے کھڑکی کے شیشے میں اپنا عکس دیکھا ۔ شمالی بنگال کے ایک گاؤں کا وہ سوکھا سا برہمن لڑکا ۔ گھسا ہوا سیاہ کوٹ پتلون پہنے ، بغیر فریم کی عینک لگائے ، سنجیدہ ، نوجوان مبلّغ ۔ جو کبھی اپنی سائیکل پر مسلمان بستیوں کی طرف نکل جاتا تو لونڈے اس کے پیچھے دوڑ کر تالیاں بجاتے اور وہ یسوع کی خاطر یہ سب ذلتیں سہتا ـــــ اور آج ، ۲۰ دسمبر ۱۹۳۹ء کی رات ، ڈھاکہ چرچ کا یہ بزرگ پادری ـــــ خداوند خدا کی برکتوں کا مشکور پال میتھیو بنرجی ـــــ راستہ طے کرتے کرتے ایک وقت ایسا آتا ہے ، جب انسان پیچھے مڑ کر اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہے ۔ اور اپنے ماضی کو سکھ اور دکھ کے ترازو میں تولتا ہے اور کتنے لوگ ہیں ، جن کے ہاں سکھ کا پلڑا بھاری ہو ؟

ریورنڈ بنرجی نے عینک اتار کر پلکوں پر انگلیاں پھیریں ۔ خداوند خدا نے مجھے کیا کچھ نعمتیں نہیں دیں ۔ ایک سعادت مند کلّہ ۔ ایک محبّت شعار بیوی ۔ ایک پیاری اور فرماں بردار بیٹی ۔

اُنھوں نے ایک گہرا سانس لے کر دوبارہ قلم اُٹھایا اور نب دوات میں ڈبو کر کرسمس کا وعظ لکھنا شروع کر دیا ۔

پادری بنرجی کی اکلوتی لاڈلی بیٹی روزی بِلی کالج کے سٹنگ روم میں بیٹھی مریمؑ کی مورتی کیلئے منّی سی نیلی ساری پر ستارے ٹانک رہی تھی ۔ جو وہ کالج سے لوٹتے میں جہاں آرا کے گھر سے لیتی آئی تھی کہ

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ارجمند منزل کے زنان خانے کی الماریوں میں سچے گوٹے پچکے کی افراط تھی — یوں وہ ارجمند منزل بہت کم جاتی تھی۔ وہ جہاں آرا کی بڑی "بکّی سہیلی" تھی۔ مگر جب سے وہ بڑی ہوئی تھی اور اس کی ایک پھوپھی نے اُسے اس کی ماں کی زندگی کی داستان سنائی تھی اُسے ارجمند منزل جاتے ہوئے جھینپ سی آتی تھی — جہاں آرا نے کبھی اس سے اس داستان کا ذکر نہیں کیا تھا اور وضعداری کی وجہ سے کالج میں بھی اس نے روزی کی ماں کا وہ المناک پس منظر کسی کو نہیں بتایا۔ اس کے باوجود روزی کو لاشعوری طور پر نوابوں اور زمینداروں کے مسلمان معاشرے اور قدیم وحشیانہ رسوم سے جکڑے تنگ نظر ہندو سماج سے نفرت تھی۔ ساتھ ہی اسے اپنے دیسی عیسائی طبقے کی مضحکہ خیز حیثیت کا بھی خاصا احساس تھا۔ ہندو سماج نے اُس کی بھولی ماں کو تین سال کی عمر میں بیاہ کر اور پانچ سال کی عمر میں بال ودھوا بنا کر اس پر ظلم توڑے تھے۔ مسلمان زمینداروں کے نوابوں نے یعنی خود جہاں آرا کے باپ اور چچاؤں نے اس کی بے سہارا ماں کو اپنا کھلونا بنانا چاہا تھا۔ لیکن اس کے برعکس عیسائی سوسائٹی نے اُس کی ماں کو عزت، تعلیم و تربیت اور گھر عطا کیا تھا۔ ان سارے آپس میں اُلجھے ہوئے حقائق کے باوجود بیس سالہ حساس اور ذہین روزی بنرجی جذباتی اور ذہنی طور پر خود کو ایک دوراہے پر موجود پا رہی تھی۔ وہ خود کو خالص ہندوستانی کلچر اور قومی سیاسی عوام سے مائل کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا عیسائی سماج انگریز کا تخلیق کردہ تھا اور انگریز کا نمک حلال تھا۔ اور یہ باتیں وہ اپنے شفیق اور نیک طینت باپ سے کسی طرح نہ کر سکتی تھی۔ کسی سے نہ کہہ سکتی تھی۔ اور اس کی ماں ایستھر گری بالا بنرجی عیسائی ہونے کے باوجود ایک خالص بنگالی تپی ورتا گھریلو عورت تھی۔ جسے ان مسائل سے کوئی دلچسپی نہ تھی —

تبدیلیِ مذہب کے باوجود جنوبی ہند کے عیسائیوں کی مانند بنگالی عیسائیوں پر بھی اپنے صوبے کے کلچر کا گہرا اثر باقی تھا۔ مسز ایستھر بنرجی کی سسرالی عورتیں بنگال کی بیشتر برہمن اور دوسری اونچی ذات کی عیسائی خواتین کی طرح مانگ میں سیندور لگاتی تھیں اور مذہبی رسوم کے علاوہ ساری پرانی ریت رسموں کی پابند تھیں۔

روزی، سکول کی آٹھویں کلاس سے دیپالی سرکار کی ہم جماعت تھی۔ بڑی ہونے پر چھٹی کے گھنٹوں میں درختوں کے نیچے بیٹھ کر وہ سینئر لڑکیوں سے سیاسی گفتگو سنتی۔ تحریکِ آزادی کا ہر طرف چرچا تھا۔ بہت سی باتیں ابھی پلّے نہیں پڑتی تھیں لیکن بنگال انقلابی تحریک کا پرانا گڑھ تھا۔ اور ان نوعمر لڑکیوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی تھی کہ انگریز کو مار مار کر بھوسہ بھر کے دیس سے نکال دو۔

پرانی دہشت پسند پارٹی انوشیلن کے ہیڈ کوارٹرز بردوان ضلع سے آئی ہوئی آیا نی اپنے ماں باپ سے سُنے ہوئے اور بندو گھوش اور سوامی وویکانند کے انقلابی بھائی بھوپندر دت کے قصّے چھیڑتی۔ اس صدی کے شروع میں ہندوستانی انقلابی آئرلینڈ کے SIN FEIN روس کے سوشل ڈیموکریٹس اور بنزنی کے "ینگ اٹلی" سے متاثر ہوئے تھے۔ جنہوں نے اسی زمانے میں تہلکہ مچا رکھا تھا۔ وہ ڈبلیو بی ایٹس آئرلینڈ — ایٹس جو اپنے ملک کی آزادی کا نقیب تھا اور ساتھ ہی عارفانہ نظمیں لکھتا تھا — اور جو ہندوستانی روحانیت کا مدّاح تھا۔ وویکانند۔ ٹیگور۔ ایٹس — وہ بھی کیا زمانے تھے۔ رومینٹک اور ولولہ خیز اور دلکش۔ روزی ان سب باتوں کو سن کر سوچا کرتی — اور ۱۹۰۵ء کے ان انقلابیوں نے لیفٹیننٹ گورنر کو مارنے کے ارادے سے ریلوے لائن پر ایک چھوڑ تین تین بار بارود بچھائی تھی۔ اور علی پور سازش شروع ہوئی تھی اور سی۔ آر۔ داس نے اور بندو گھوش کا مقدمہ لڑا تھا۔ اور اسی وقت برین گھوش نے کہا تھا۔ ہم انگریزوں کو مار کر آزادی حاصل کرنے کے خواب نہیں دیکھ رہے۔ ہم صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم میں مارنے اور مرنے کی ہمت ہے — یورپ میں ہندوستانی طلبا نے انقلابی گروہ بنائے تھے۔ سکھ کسانوں نے امریکہ اور کینیڈا میں غدر پارٹی قائم کی تھی۔ ۱۹۰۹ء میں سر کرزن وِلی کو جو ہندوستان کے خلاف قانون بنا رہا تھا لندن میں ایک ہندوستانی طالب علم مدن لال نے گولی کا نشانہ بنا دیا تھا اور پھانسی پر چڑھا تھا۔ دلی میں لارڈ ہارڈنگ پر بم پھینکا گیا تھا اور چار نوجوان دار پر چڑھائے گئے تھے۔ آج سے پچیس سال پہلے مغربی سامراجیوں نے آپس میں اسی طرح کی ایک بھیانک جنگ لڑی تھی۔ اور اس زمانے میں ہندوستانی انقلابیوں نے برلن کمیٹی بنائی تھی۔ جس میں سروجنی دیوی کے بھائی ویریندر چٹوپادھیائے، اور راجہ مہندر پرتاپ اور بھوپندر ناتھ دت اور سوہن سنگھ اور برکت اللہ اور چمپک رمن پلّے اور ایم۔ این رائے شامل تھے۔ بنگالی۔ پنجابی۔ مدراسی۔ ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ کون کہتا ہے کہ ہندوستانی قوم متحد نہیں ہو سکتی۔ — اور غدر پارٹی کے اراکین امریکہ سے ہندوستان پہنچے تھے۔ اور ۲۱ فروری ۱۹۱۵ء غدر کی تاریخ مقرر ہوئی تھی اور فوجی سپاہی یو۔ پی اور پنجاب میں غدر شروع کرنے والے تھے جب کسی میر جعفر نے پھر حکومت سے مخبری کر دی۔ پھر سینکڑوں کو پھانسی لگی۔ سینکڑوں کالے پانی گئے۔

عدم تعاون اور خلافت کی تحریک کی ناکامی کے بعد ۱۹۲۴ء میں تشدد پسند تحریک دوبارہ شروع ہوئی۔ اور پھانسی کی کوٹھریاں آباد ہوئیں۔ یو۔ پی میں انقلابیوں نے کاکوری میں سرکاری خزانہ لوٹا اور اشفاق اللہ

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور اس کے ساتھی پھانسی پر چڑھے۔ آندھرا میں الوری سیتارام راجو کے گوریلا دستے حکومت سے لڑتے پھرے اور مارے گئے۔ سردار بھگت سنگھ نے مرکزی اسمبلی میں بم پھینکا اور کہا کہ ان کا مقصد ملک میں اشتراکی حکومت قائم کرنا ہے اور پھانسی پر چڑھے۔ ہندوستانی سوشلسٹ ری پبلکن آرمی کے کمانڈر الہ آباد میں پولیس سے لڑے اور مارے گئے۔ چاٹگام میں ۱۸ اپریل ۱۹۳۰ء کو آئرلینڈ کے ایسٹر سنڈے کی طرح کی معرکہ آرائی ہوئی اور انقلابیوں کی نئی "نوجوان ترک پارٹی" جگانتر نے سرکاری اسلحہ خانے پر حملہ کیا اور جگانتر کے لیڈر سوریہ سین اور ان کے ساتھی جلال آباد کی پہاڑیوں پر برطانوی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے مشین گنوں سے شہید ہو گئے۔ نوجوان کلپنا دت کو قید کر دیا گیا اور کالج گریجویٹ پرتی لتا چاٹگام کے یورپین کلب پر مسلح حملے کی قیادت کرتی ہوئی پکڑی گئی اور پولیس کے قبضے میں آنے سے پہلے اس نے خودکشی کر لی۔ نوجوان شانتی دیبی اور سُمتی دیبی کو کومیلا کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو پستول کا نشانہ بنانے کی سزا میں کالے پانی بھیج دیا گیا ــــ کماری بینا داس نے بنگال کے گورنر پر گولی چلا دی ــــ چند سال قبل ہی کی بات ہے کہ بنگال کے انسپکٹر جنرل پولیس، انسپکٹر جنرل آف پرزنز اور سیشن جج علی پور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ضلع مدنا پور کے تین انگریز جج ایک کے بعد ایک مارے جا چکے تھے۔ یورپین ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ، اسٹیٹسمین کے ایڈیٹر اور سر چارلس ٹیگارٹ پر قاتلانہ حملے افسوس کہ ناکام رہے تھے۔

جگانتر کا ہیڈ کوارٹرز چاٹگام کے نزدیک دھول گھاٹ میں آج بھی موجود تھا۔ سوریہ سین، یعنی ماسٹر دا آج بھی بنگال کے ہیرو تھے۔ خودی رام باسو سے لے کر دیپالی کے چچا دنیش چندر سرکار کے زمانے تک ملک میں پھانسیوں کے سیاہ درختوں کا کتنا بھیانک جنگل کھڑا ہو رہا تھا۔ جس کے ایک طرف کالا پانی تھا اور دوسری طرف اونچے قید خانے ــــ اور یہ سارے انقلابی نوجوان بنگال کے ہیرو تھے۔ بھدرا لوگ۔ ! متوسط ہندو بنگالی طبقے نے ایسے ایسے بہادر نوجوان پیدا کئے تھے! بھدرا لوگ۔ !! اور روزی سوچا کرتی کیا میں کلپنا دت۔ پرتی لتا۔ شانتی۔ سمتی اور بینا داس جیسی ہیروئن نہیں بن سکتی؟ پچھلے چند برسوں میں سارے دہشت پسند انقلابی کمیونسٹ ہو گئے تھے۔ اور اب کالج میں لڑکیاں ان نئے انقلابیوں کا تذکرہ کرتیں۔ ریحان الدین احمد اور اکشے مکرجی اور آؤ مارا ئے ــــ لڑکیوں کے دل و دماغ میں ماسٹر دا کی جگہ اب ریحان الدین احمد لے چکے تھے۔

سال بھر قبل دیپالی نے بڑے مضطرب لہجے میں روزی سے کہا تھا ــــ "روزی۔ سنو تو ــــ کل میں ایک خفیہ اسٹڈی سرکل میں گئی تھی۔ اب کے سے تم بھی میرے ساتھ چلو۔ وہاں بہت اچھی اچھی باتیں

معلوم ہوتی ہیں۔" روزی چپ رہی تو دیپالی نے کہا تھا۔ "اپنے پاپا سے کہہ دینا میرے گھر جا رہی ہو۔ کالج کی پڑھائی کرنے۔"

آئندہ اتوار کو روزی دیپالی کے ہمراہ پرانا پلٹن کے اس پُر اسرار مکان میں گئی۔ اور چند ہفتوں بعد بین الاقوامی اشتراکی تحریک کی بڑی سخت حامی ہو گئی تھی۔ خود اپنے وجود کے متعلق بہت سے پریشان کن سوالوں کا جواب اُسے مل گیا تھا۔ سیدھی سی بات یہ تھی کہ برطانیہ کی اقتصادی بالادستی کی وجہ سے جب ملک میں قحط پڑتا تھا اور کساد بازاری چھاتی تھی اور بے روزگاری پھیلتی تھی تو مشنری لوگ بھوکے ننگے ہندوستانیوں کو عیسائی بنا لیتے تھے۔

پھر اس ستمبر میں جنگ چھڑی تو اسٹڈی سرکل میں اکٹھے والے روزی کو سمجھایا کہ مغربی سامراجیوں کی اس جنگ کو ہندوستان میں خانہ جنگی میں تبدیل کرنا ہمارا فرض ہے۔ تاکہ سُرخ انقلاب فی الفور آ سکے۔ اب ہم اس مقصد کے حصول کے لئے کام کریں گے اور اس جنگ کے خلاف اور خانہ جنگی کے پرچار کی خاطر خفیہ طور پر لٹریچر چھاپ کر جنتا میں تقسیم کریں گے۔ روزی اس مجوزی خانہ جنگی کے لئے بھی بخوشی تیار ہو گئی تھی۔

پادری منرجی کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ روزی اتوار کے روز کہاں غائب ہو جاتی ہے۔ "کیدو بھائی روزی تم نے شہر کے ایک محلے میں سنڈے اسکول کھولا ہے۔" پچھلی مرتبہ اکشے نے ہنس کر اس سے کہا تھا۔

لیکن ابھی چند روز قبل وہ خفیہ اسٹڈی سرکل ٹوٹ گیا۔ ساتھی پل کے پل میں انڈر گراؤنڈ ہو گئے۔ دیپالی بہت خاموش رہنے لگی۔ اب وہ روزی کو کچھ نہ بتاتی تھی۔ شاید یہ لوگ مجھ پر پوری طرح بھروسہ نہیں کرتے۔ کیونکہ میرا سارا خاندان انگریزوں کا پروردہ ہے۔ ڈھاکہ کا موجودہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ولیم کینٹ ویل پاپا کو بہت مانتا ہے۔ مسز کینٹ ویل بھی کبھی کبھی لیلی کالج آتی رہتی ہیں۔ میں ساتھیوں پر کبھی یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ میں برٹش راج کی وفادار نہیں ہوں۔ شاید وہ یہی سمجھتے ہوں کہ میں ان کی مخبری کر دوں گی۔ روزی کو پچھلے روز سے اندازہ تھا کہ دیپالی کے پاس انڈر گراؤنڈ سے اہم پیغام آ رہے ہیں۔ مگر دیپالی نے اس سلسلے میں بالکل چپ سادھ رکھی تھی۔

حضرت مریمؑ کی ساری پر لچکا ٹانک کر اور سلمیٰ ستارے کا منا سا تاج بنا کر روزی ایک لمبا سانس لے کر کوچ پر سے اٹھی۔ اور شال لپیٹ کر باہر صحن میں آ گئی۔ سائبان کے اندر ٹیبلو تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ روزی در پہ جا کر کھڑی ہو گئی۔ کہا و نڈ کی غریب بنگالی عیسائی عورتیں کتنی شردھا سے مورتیاں سجانے میں منہمک تھیں۔ اندر جا کر اس نے مریمؑ کی مورتی کو کپڑے پہنائے اور تاج سر پر رکھا۔ اور یکلخت اس نے سوچا۔ اس سائبان اور درگا پوجا کے پنڈال میں کیا فرق ہے؟ ان غریب عورتوں کے لئے کیا مریمؑ بھی لاشعوری طور پر درگا کی مانند ایک اور دیوی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

نہیں؟ اور کیا ہم عیسائی لوگ بُت پرستی نہیں کرتے؟ پھر ہندو کافر اور گمراہ کیوں ہیں؟ اگر خدا فاختہ کا روپ دھار کر دنیا میں آ سکتا ہے تو کچھوے اور مچھلی میں اوتار کیوں نہیں لے سکتا۔ میرے بے چارے پاپا۔ ہائے میرے پیارے بے چارے بوڑھے پاپا۔ تم نے ساری زندگی ان بے معنی بحثوں میں کیوں ضائع کی؟ فاختہ اور روح القدس ۔۔۔!

وہ ایک بے حال گرفتہ ہو کر آہستہ آہستہ قدم رکھتی گرجا گھر کی طرف بڑھی اور ہال میں جھانکنے لگی۔ ہال کے ایک کونے میں پنجابی ٹولی زور زور سے گا رہی تھی۔

رب خداوند بادشاہ اے۔ او جلال دا بادشاہ اے

اُچّے کرو سر دواراں جلال دا بادشاہ آوے۔

دروازے پاؤ۔ اندر پہنچی۔ لدھیانہ مشن کے پادری ریورنڈ ہنری لبواس کا نوجوان بیٹا مسٹر لوتھر لبواس پیڈل والے ہارمونیم پر بیٹھا۔ تندہی سے حمد کی سنگت کر رہا تھا۔

"لے خداوند! اپنی راہ اپنے بندے نوں دکھا۔ آ۔ آ۔" روزی کو اپنے قریب کھڑا دیکھ کر مسٹر لوتھر لبواس گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بھجن منڈلی بھی چپ ہو گئی۔ چند لڑکیاں سفید شلواروں، سرخ سویٹروں اور سفید دوپٹوں میں ملبوس شرما کر کبھی کبھی ہنس پڑیں۔

مسٹر لوتھر لبواس ذرا عجیب طرح مسکراتے ہوئے روزی کو دیکھنے لگے۔

یہ لوگ سب کسی دوسری دنیا کے باشندے تھے۔ روزی اخلاقاً مسکرائی۔ "سوری۔ میں نے آپ لوگوں کی پریکٹس کو ڈسٹرب کر دیا۔ پلیز کیری آن ۔۔۔"

"آپ ۔ آ ۔ بیٹھیں نا روزی سسٹر۔" ایک پنجابی لڑکی نے کہا۔

"نہیں بھئی ۔۔ مجھے ابھی بہت کام کرنا ہے۔ گڈ نائٹ۔"

مسٹر لوتھر لبواس کے سامنے مسکرا کر سر ذرا سا خم کرتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔ اور دروازے پر پہنچ کر اس نے محسوس کیا کہ گو بھجن منڈلی نے دوبارہ گانا شروع کر دیا تھا۔ لیکن مسٹر لوتھر لبواس کی نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی ہیں ۔۔۔ اور وہ بے طرح شرمسار ہو رہی تھی۔

اوہ مائی گاڈ ۔۔۔ اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور عمارت کا چکر لگا کر پادری ہنری کے دفتر کی کھڑکی کے نیچے پہنچی اور اندر جھانک کر دیکھا۔ پاپا عینک ناک کی نوک پر رکھے میز پر جھکے لیمپ کی روشنی میں تندہی سے

وعظ لکھنے میں مصروف تھے۔ اسے اپنے بوڑھے باپ پر بے اختیار پیار آ گیا۔ خدایا ان کو زندہ رکھ۔ خدایا ان کو میرے سر پر زندہ سلامت رکھ۔ اس نے دعا مانگی اور دروازے کی طرف جا کر چپکے سے کمرے میں داخل ہو گئی۔

قلم سرعت سے چل رہا تھا۔ سر۔ سر۔ سر۔

روزی کرسی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ اور جھانک کر پڑھنا چاہا۔ اور دل میں مسکرائی۔ گڈ اولڈ پاپا۔ پاپا اور اُن کے سالانہ کرسمس سرمن۔

"۔۔۔ کفارے کی نسبت جو ہمارے خداوند یسوع نے اے لوگو تمہارے لئے کیا ۔۔۔ اُس نے جان کھوئی کہ تم اس کو دوبارہ حاصل کرو ۔۔۔ گیہوں کا دانہ جو مرنے کے لئے ۔۔۔" قلم کی رفتار تیز ہو گئی ۔۔ "وے جو مسیح پر ایمان لائے ۔۔۔ خداوند تیری برکت تیرے بندوں پر ہے۔ اے روح القدس میں غوطہ دلائے جاویں گے کہ وہ جو ہمارے لئے مُوا اور مدفون ہوا۔ اور جی اٹھا اور وہ خداوند خدا کا اکلوتا بیٹا جو ہماری تمہاری خاطر صلیب پر لٹک گیا۔ اس کا مبارک یوم ولادت منانے ہم آج جمع ہوتے ہیں اور اس خداوند خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اس ملک میں امن و امان کی حکومت کے زیرِ سایہ ۔۔۔"

"دیدی ۔۔۔" کھڑکی کے نیچے سے کمپاؤنڈ کے ایک بچے نے اُسے آہستہ سے پکارا۔ وہ سرعت سے باہر نکلی۔ بچے نے اس سے کہا۔ "پھاٹک پر یہ بڑی کالی موٹر کھڑی ہے۔ اس میں دیپالی دیدی بیٹھی ہیں۔ آپ کو بلا رہی ہیں۔ ایک دم جلدی ۔۔۔"

"دیپالی موٹر میں بیٹھی ہے؟" روزی نے حیرت سے دُہرایا اور چاروں طرف نظر ڈال کر تیزی سے بھاگی ......

اوما رائے کی موٹر اندھیرے برگد کے نیچے کھڑی تھی۔

"روزی ۔۔ تمہارے ہاں تو بڑا ہنگامہ ہے۔" دیپالی سرکار نے کار کی کھڑکی میں سے جھانک کر گھبراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ فکر مت کرو۔ کیا بات ہے؟"

"بے حد سیریس۔ تم کل سویرے میرے گھر پہنچ جاؤ ۔۔ وقت بالکل نہیں ہے اور بالکل خاموش رہو۔ ٹوپ سیکرٹ ۔۔ گڈ نائٹ۔" دیپالی نے سرگوشی میں جواب دیا ۔۔۔ کار زن سے آگے چلی گئی۔

روزی چپ چاپ اور متفکر پھاٹک کے اندر واپس آئی اور کنکریوں کو پیروں سے ٹھکراتے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ٹی کالج کی سمت روانہ ہو گئی۔ سامنے گرجا گھر میں سے پنجابی ٹولی کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

اے خداوند میرا دل اک پاسے کر۔ تاں میں رکھاں تیرا ڈر ــــ

اور اب تو تھربسواس کی بھاری آواز حمد میں شامل ہوئی۔ ہارمونیم زور زور سے بجنے لگا ــــ

سُچّی گاؤ ثنا ــــ گاؤ ــــ ثنا تُسّی رب دی ــــ سچیاں دی ٹولی وچ دل نال گاواں ــــ ثنا ثنا دل رب دی)۔ رب خداوند بادشاہ اے۔ او جلال دا بادشاہ اے۔ اے خداوند اپنی راہ اپنے بندوں نوں دکھا ــــ آ ــــ آ ــــ آ ــــ

۷

نیا عہد نامہ

چندر گنج کے کوٹھے والے سائبان میں کھڑی دیپالی مس کار صبح کے ناشتہ کے بعد سے روزی کا انتظار کر رہی تھی۔ دور سڑک کے موڑ پر روزی کی سائیکل آتے دیکھ کر وہ تیزی سے نیچے اتری اور بیٹھک خانے کا دروازہ کھولا۔ جوں ہی روزی اندر آئی دیپالی نے اسے اپنے کمرے میں لے جا کر جھٹ پٹ دروازہ بند کیا اور چٹخنی لگا دی ــــ اور بڑے ڈرامائی انداز سے الماری پر سے بائبل اتار کر (جو ایک مرتبہ پادری بنرجی نے اسے دی تھی) روزی کے ہاتھ میں ٹھونس دی۔

"آنکھیں بند کرو روزی۔"

حیران و پریشان روزی نے آنکھیں بند کیں۔

"کہو ــــ ملک و قوم کی خاطر حلف اٹھاتی ہوں۔ گوڈ دی فادر ــــ گوڈ دی سن اور گوڈ دی ہولی گھوسٹ کے نام پر ــــ"

روزی نے ایک آنکھ کھولی ــــ "مس ہیڈلے نے پرسوں ہی بتلایا ہے کہ صحیح تلفظ گھوسٹ نہیں گوسٹ ہے۔"

"اچھا۔ اچھا۔ ہولی گوسٹ کے نام پر۔ چلو۔ بولو تو۔"

روزی نے دونوں آنکھیں کھول لیں اور ٹھٹھک کر کہا۔ "دیپالی۔ میرے پاپا پر تو کوئی آفت نہیں

آئے گی؟ وہ بہت بوڑھے ہیں۔"

دیپالی چپ ہو گئی۔ اسے بھی کچھ معلوم نہ تھا۔ "میں۔ میں مستقبل کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ روزی۔ مگر ــ مگر تم بھی ہندوستانی ہو کہ نہیں۔" اس نے لمحہ بھر کے بعد کہا۔

"ہاں ــ" (میں کالیستھ بنیٹو کرسچین بھی ہندوستانی ہوں۔ اس نے دل میں تلخی سے کہا۔ پھر اس نے فوراً اپنے آپ کو ڈانٹا۔ اس خود رحمی کی کیا ضرورت ہے۔ تحریکِ آزادی میں ان گنت عیسائی شامل ہیں۔ ایک سے ایک بڑے محبِ وطن ــ حُبِّ وطن کیا کسی ایک ہی فرقے کی میراث ہے؟) اس وقفے میں دیپالی سانس روکے متوقع نظروں سے روزی کو دیکھے جا رہی تھی۔ اگر اس نے انکار کر دیا تو ــــ؟ تو کیا ہوگا ــ؟ دیپالی کو محسوس ہوا جیسے ہندوستان کا سارا مستقبل اس وقت محض روزی بنرجی کے ہاں یا نہ کرنے پر منحصر ہے۔ دیپالی کو کپکپی سی محسوس ہوئی۔ اتنے میں روزی نے فرش پر دو زانو بیٹھ کر زیرِ لب حلف دُہرایا اور بائبل سر اور آنکھوں سے لگا کر کہا۔ "سو ہیلپ می گوڈ ــ"

دیپالی اطمینان کا گہرا سانس لے کر اپنے پلنگ پر جا بیٹھی۔

"روزی۔ ادھر آؤ۔" اب تو یادہ گرد یا لیڈر تھی۔ روزی اس کی چیلی تھی۔ "غور سے سنو روزی۔" دیپالی کی آواز میں تحکم آگیا تھا۔ اوعارائے کی طرح اقتدار اور احساس ذمہ داری انسان کو پل کی پل میں بدل دیتی ہے۔

"روزی ــ ڈی ایم کے بنگلے پر تمہارے کمپاؤنڈ کا کوئی آدمی ملازم ہے۔ تم نے ایک مرتبہ ذکر کیا تھا۔"

"مسز کینیٹ ڈیل کی آیا ہمارے ہاں کی عورت ہے۔ لیلا ــــ ممی نے ہی اُسے وہاں رکھوایا تھا۔"

"کہاں کی رہنے والی ہے؟"

"یالا تو ممی نے اسے کمپاؤنڈ میں ہے۔ مگر اُس کی نانی نرسنگھ دی میں رہتی ہے۔"

دیپالی چند لمحوں تک سوچا کی۔ پھر پوسٹ کارڈ اور قلم نکال کر روزی سے کہا۔

"میں اُس کی نانی کی طرف سے تمہاری ممی کو خط لکھ رہی ہوں۔ نانی بہت سخت بیمار ہے۔ لہٰذا لیلا ذرا ایک ہفتے کے لئے فوراً نرسنگھ دی پہنچے۔ آج لکھو کھو نرسنگھ دی جائے گا اور یہ کارڈ وہاں ڈاک میں ڈال دے گا۔ اچھا ٹھہرو۔ جونٹ بھید قابلِ اعتبار ہے نا؟"

"تم دیپالی جوزٹ کو برسوں سے دیکھ رہی ہو۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"اچھا ـــ جوزف ایک لفافہ لے کر لیلا کے نام ڈی۔ ایمز ہاؤس جائے گا اور اس سے کہے گا کہ گاؤں سے آدمی یہ چٹھی لایا ہے ـــ وہی نانی کی بیماری والی ـــ اور کہے گا کہ ہفتے بھر کی عیوضی کا انتظام بھی کرتا آیا ہے۔ یہ لیلا جو ہے تمہاری ـــ یہ میم صاحب سے چھٹی مانگے گی۔ میم صاحب کیسی آدمی ہیں؟"

"اچھی خاصی ہیں۔ شریف عورت ہیں۔" روزی نے جواب دیا۔ مگر الجھن سی محسوس ہوئی۔ میں مسز کینیٹ ویل سے واقف ہوں۔ ان سے ملتی رہتی ہوں۔ اور اب ان کو دھوکا دینے جا رہی ہوں۔ "اچھی خاصی ہیں۔" اس نے دہرایا۔

"اس کے بعد شام کو ایک برقعہ والی ملازمہ کلثوم بی بی ڈی ایمز ہاؤس پہنچ جائے گی۔ لیلا کی عیوضی۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ خط لے کر تم جاؤ اور لیلا کو چھٹی دلا دو اور بعد میں کلثوم بی بی کو پہنچا دو۔ تو منٹوں میں کام بن جائے گا۔ مگر پھر خیال آیا کہ تم کو مصیبت میں نہ ڈالوں۔"

"کیوں ـــ؟ روزی نے غصے سے پوچھا۔ "پھر حلف کس لئے اٹھوایا ہے؟"

"تم خود چلی جاؤ گی؟"

"اف کورس ـ"

"اوہ ـــ ونڈرفل ـــ روزی ـــ" دیپالی خوشی سے اچھل پڑی۔

"مگر دیپالی ـــ یہ سب کس لئے ـــ؟ تم مسز کینیٹ ویل پر بم تو نہیں پھینکو گی؟"

"روزی۔ تم کو پتہ ہے، ہم لوگ بم نہیں پھینکتے۔"

'ہم لوگ ـــ' دیپالی نے بڑی بے نیازی سے کہا۔ اور روزی مرعوب ہوئی۔ مگر اچانک اس نے کہا "ایک بڑا سخت ٹوپ ہول ہے تمہاری اسکیم میں۔ پوچھو کیا ـــ؟ لیلا ایک ہفتے کے لئے کہاں جائے گی؟ خط تو فرضی ہے۔"

"اس کا انتظام بھی کر دیا گیا ہے۔ فکر مت کرو۔ یہ بہت معمولی بات ہے۔ اچھا۔ روزی۔ آج ہے ۱۲ تاریخ ـــ ۱۷ دسمبر سے پہلے کلثوم بی بی کا ڈی۔ ایمز ہاؤس میں پہنچ جانا لازمی ہے۔"

"مگر کیوں آخر ـــ؟"

"یہ تمہیں نہیں بتایا جا سکتا۔"

"کیوں؟"

"روزی بنرجی۔ تم نے انڈر گراؤنڈ میں کام کرنے کے لئے حلف اٹھایا ہے نا۔ اب زبان بند رکھنے اور سوال نہ کرنے کی عادت ڈالو۔"

"تم تو واقعی ڈکٹیٹر بن گئیں" روزی نے منہ لٹکا کر کہا۔

دیپالی بچوں کی سی لکھائی میں لیلا بی آیا کی نانی کی طرف سے مسز الیتھر بنرجی کو پوسٹ کارڈ لکھنے میں مصروف ہو گئی۔

۱۴ دسمبر کی صبح روزی لِلی کاٹیج کے برآمدے میں بیٹھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور لاٹ پادری کے ہاں سے آئے ہوئے کھلونوں اور گرم کپڑوں کے پارسل بنانے میں مصروف تھی۔ جو کمپاؤنڈ کے یتیم بچوں میں تقسیم کئے جانے تھے۔ اسی وقت ڈاکئے نے ایک پوسٹ کارڈ لا کر دیا۔ پڑھ کر روزی نے اپنی والدہ کو آواز دی، جو کانفرنس کے نمائندوں کی صبح کی چائے کے انتظام میں سرگرداں پھر رہی تھیں۔

"ممی ـــــ بے چاری لیلا بی کی نانی کا خط آیا ہے۔ بڑی سخت بیمار ہے۔"

"ارے کیا ہوا؟" مسز الیتھر بنرجی نے پوچھا۔

"یہ نہیں لکھا۔ یہ دیہاتی لوگ تو صرف ایک ہی بات جانتے ہیں۔ پران نکلنے والے ہیں فوراً پہنچو۔"

"خدا باپ رحم کرے" الیتھر بنرجی نے کہا۔ "روزی تم خود جا کر مسز کینیٹ ویل کو خط دکھا دو۔ ورنہ وہ شاید چھٹی نہ دیں۔ لیلا مجھ سے کئی بار کہہ چکی ہے کہ گاؤں جانا چاہتی ہے۔ مگر میم صاحب ابھی چھٹی نہیں دے رہی ہیں۔"

"کیوں؟ اُن کے ہاں آیا کا کام ہی کیا ہے؟"

"نہیں، مگر اُن کے ہاں مہمان آنے والے ہیں۔ پرسوں چیرٹی بازار کے لئے آئی نہیں تھیں تو مجھے بتا رہی تھیں۔"

"کون مہمان آنے والے ہیں۔ ماما؟"

"مجھے کیا معلوم۔ مسز کینیٹ ویل سے میری اتنی بے تکلفی نہیں ہے کہ مجھے تفصیلات بتائیں۔ ہوں گے کوئی۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

روزی نے پارسل اکٹھے کر کے اندر سٹنگ روم میں کرسمس ٹری کے پاس رکھ دیے۔ چند لمحوں کے لیے چپ کھڑی رہی۔ پھر غیر ارادی طور سے عیسیٰؑ کی تصویر پر نظر ڈالی، جو آتشدان کے اوپر لگی تھی (کمرے کی ایک دیوار پر بشپ ہیبر کی تصویر بھی آویزاں تھی) باہر آکر اس نے سائیکل نکالی اور رمنا کی سمت روانہ ہو گئی۔

٨

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا بنگلہ

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پُرفضا بنگلے کا وسیع باغ موسمِ سرما کے روشن پھولوں سے جگمگا رہا تھا۔ بنگلے کے اندر چھوٹا حاضری کے بعد ملازمین بڑے دن کی تیاریوں میں سرگرمی سے مصروف ہو چکے تھے۔ روزی بنرجی نے سائیکل ایک گل مہر کے نیچے کھڑی کی اور برآمدے میں جا کر ڈرائنگ روم کے دریچے سے اندر جھانکا۔ بیرہ گول میز کی جھاڑ پونچھ کرتا نظر آیا۔ روزی نے ذرا ڈرتے ڈرتے دریچے پر دستک دی۔ غفور بیرہ روزی مس صاحب کو پہچانتا تھا۔ اُس نے باہر آکر کھیسیں نکال دیں۔ مگر جھک کر سلام نہیں کیا کہ بڑے صاحب کا بیرہ تھا۔

"میم صاحب ہیں؟" روزی نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔ اس کا حلق سوکھ رہا تھا۔

"اندر ہیں۔"

"اور صاحب۔؟"

"صاحب کچہری جانے والا ہے۔"

اندر سے بوٹوں کی چاپ اور ہلکی سی سیٹی کی آواز آئی۔ اور کسی نے پکارا۔ "ڈارلنگ۔"

"یس ڈیر۔" یہ مسز کینٹ ویل کی آواز تھی۔

بجلی کے کوندے کی طرح روزی کو خیال آیا کہ واپس چلی جائے۔ وہ کس زبردست حماقت میں پھنس گئی ہے۔ قوم پرستی وغیرہ بالکل ٹھیک ہے ـــ مگر یہ خطرناک سازشیں ـــ وہ ایک دم پیچھے ہٹی۔

کہ اتنے میں فریڈا کینٹ ویل کتے کو آواز دیتی خود ہی باہر نکل آئیں۔

"گڈ مارننگ مسز کینٹ ویل۔"

"گڈ مارننگ ـــ گڈ مارننگ۔ ہاؤ آر یو روزی۔؟"

"فائن۔ تھینک یو۔ مسز کینٹ ویل۔ ہاؤ از ڈسکی۔؟"

ڈسکی کتا تھا۔ جو بھاگتا ہوا برآمدے میں آیا۔

"یس روزی ـــ؟" مسز کینٹ ویل نے سوالیہ انداز سے اسے دیکھا۔ انہوں نے اسے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔ اُسے ڈرائنگ روم میں نہیں لے گئیں۔ وہ اس سے اس طرح مخاطب تھیں جس طرح ڈاکیے، پھیری والے یا اخبار فروش سے کھڑے کھڑے بات کی جاتی ہے۔

"ہاؤ از دی اولڈ پادرے۔؟" فریڈا کینٹ ویل نے جھک کر ڈسکی کو گود میں اٹھاتے ہوئے دریافت کیا۔ "تم کسی خاص کام سے آئی ہو۔؟"

میں۔ روزی سربالا بنرجی۔ ریورنڈ پال میتھیو بنرجی کی بیٹی۔ انسان۔ محض ایک حقیر ہندوستانی ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ حقیر ہندوستانی جہاں آرا بھی ہے۔ مگر نواب قمر الزماں چودھری اور بیرسٹر پری توش رائے اعلیٰ طبقے کے افراد ہیں اور ڈی۔ ایم سے برابری سے ملتے ہیں۔ جہاں آرا بیگم اور اوما رائے کو فریڈا کینٹ ویل اپنے ہاں ڈنر پر بلاتی ہیں اور ان کے گھر جا کر ڈنر کھاتی ہیں۔ اور میں محض ان کے پروردہ نیٹو پادری کی لڑکی ہوں۔

چند سیکنڈ قبل روزی نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ یہ کہہ کر کہ انھیں "میری کرسمس" وِش کرنے آئی تھی۔ واپس بھاگ جائے گی جہنم میں جائے انڈر گراؤنڈ ـــ مگر اب اس نے یکلخت سر اٹھا کر بڑے دھڑلے سے انہیں جواب دیا۔ "جی ہاں بہت ضروری کام ہے۔" بڑی خود اعتمادی کے ساتھ اس نے پوسٹ کارڈ سویٹر کی جیب سے نکالا اور بولی۔ "لیلا بتی کی نانی کا کارڈ ماما کے پاس آیا ہے۔ وہ بوڑھی عورت بہت سخت بیمار ہے۔"

"اوہ ـــ ڈیم ـــ عبدالغفور ـــ آیا کو بلاؤ ـــ" فریڈا کینٹ ویل نے کہا اور ٹہلتی ٹہلتی جا کر گملوں کے پاس کھڑی ہو گئیں۔

آیا باہر آئی۔ روزی نے اُسے بنگالی میں نانی کی خبر سنائی۔ اور پوسٹ کارڈ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ بے چاری عورت کا رنگ فق ہو گیا۔ اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"گھبرانے کا بات نہیں آیا۔" فریڈا کینٹ ویل نے مڑ کر کہا۔ "جیاستی بیمار ہوتا تو ٹیلی گرام دیتا تمہارا گرینڈ مدر ـــ ڈونٹ یو تھنک سو روزی؟"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"ہم کو چھٹی دے گا میم صاحب ۔؟" لیلا نے کہا۔

"جاؤ ۔ مگر عیوضی کا انتظام پہلے کرنا مانگتا ۔" کمر پر ہاتھ باندھے پیچھے کھڑے عبدالغفور نے لقمہ دیا۔ ظاہر تھا کہ عبدالغفور میم صاحب کے منہ چڑھے ملازم ہیں۔

"عیوضی ۔۔؟ اوماں ۔۔۔ مس صاحب ۔ ادھر کمپاؤنڈ میں ڈیزی یا سوشیلا ابھی ہیں گی ؟" لیلا نے گھبرا کر پوچھا۔

"ادھر بنگلے پر ڈھینڈرا آیا مانگتا مس صاحب۔ عیوضی میں ۔" عبدالغفور نے روزی سے کہا۔ مسز کینٹ ویل معاملہ عبدالغفور پر چھوڑ کر مالی کو ہدایات دینے کے لئے برآمدے کے دوسرے سرے پر چلی گئیں جو ایک آویزاں گملے کے نیچے کھرپی لئے کھڑا کچھ سٹر پٹر کر رہا تھا۔

روزی ان کے پیچھے پیچھے گئی۔ "مسز کینٹ ویل ۔ ماما نے لیلا کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے اس لئے ان کو اس کی بڑی فکر ہے۔ ابھی یہ کارڈ آیا تو ماما کو بھی عیوضی کا خیال آیا تھا۔ ہمارے درزی کی بھانجی آیا کا کام جانتی ہے۔ اگر آپ کہیں تو بھیج دوں ۔۔"

فریڈا کینٹ ویل روزی کی طرف مڑیں۔ یہ نازک ترین لمحہ تھا۔

"درزی کی بھانجی ۔۔۔ ؟ کون سا درزی ۔ ہمارا حسن علی ؟" انہوں نے پوچھا۔ ظاہر تھا کہ فریڈا کینٹ ویل ایک خالص گھریلو بی بی یعنی ہاؤس وائف تھیں اور درزیوں اور نوکروں کے سلسلے سے انھیں گہری دلچسپی تھی۔

اب روزی ہڑبڑائی ۔ "جی نہیں ۔۔۔ مشن کا ایک پرانا درزی تھا۔ کریم اللہ ۔ وہ اب چلا گیا ہے۔ اس کی بھانجی کلثوم کچھ روز ہوئے ماما کے پاس کام کی تلاش میں آئی تھی۔ انگریزی نہیں جانتی، مگر بڑی ایماندار لڑکی ہے۔ بیوہ ہے ۔" لاشعوری طور پر روزی نے اپنی ماں کی کہانی دہرائی۔

"اگر تم اُس کی ذمہ داری لیتی ہو تو بھیج دو۔ میرے کمروں میں سارا سامان کھلا پڑا رہتا ہے۔ ریتی کے بکس تک کھلے رہتے ہیں۔ ہمیں اپنے نوکروں پر اتنا بھروسہ ہے ۔"

"اچھا ۔ لیلا میں جوزف کے ساتھ کلثوم کو بھیج دوں گی۔ تم اسے سارا کام سمجھا دینا۔" روزی نے آیا کو مخاطب کیا۔

"اچھا، روزی بابا۔ گاڈ بلیس یو روزی بابا۔" لیلا نے سر ہلا کر کہا۔

فریڈا کینٹ ویل اب سیڑھیاں اُتر کر کرسنتھمم کی ایک کیاری کا معائنہ کر رہی تھیں۔ روزی نے اُن کو "بائی" کہا اور سائیکل پر بیٹھ کر فراٹے سے باہر نکلی۔

جب وہ سڑک پر پہنچی تو پسینہ پسینہ ہو رہی تھی

اُس وقت صبح کے گیارہ بجے تھے۔

چندر کنج جا کر دیپالی کو تفصیل بتانے کے بعد روزی کمپاؤنڈ واپس آ گئی اور اس کے جانے کے ایک گھنٹے بعد اوما رائے کی کار چندر کنج کے پھاٹک پر آ کر رکی۔ اوما رائے شال لپیٹے نیچے اتریں۔ وہ حسب معمول بہت مضمحل نظر آ رہی تھیں۔

ڈاکٹر سرکار برآمدے میں کھڑے اخبار پڑھ رہے تھے۔ اجنبی مہمان خاتون کو دیکھ کر ذرا گھبرا سے گئے اور نمسکار کیا ۔۔۔ اوما رائے نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا۔ اور اپنا تعارف کرایا۔

ڈاکٹر سرکار ان کو بیٹھک خانے میں لے آئے۔ دیپالی کواڑ کے پیچھے سے جھانک رہی تھی۔

اوما نے آواز دی۔

"دیپالی ۔"

"جی اوما دی ۔"

"وہ جو مضمون میں نے تم کو لکھنے کو دیا تھا۔ کچھ کامیابی ہوئی ۔؟"

"جی اُوما دی ۔ پوری کامیابی ۔"

"گڈ ۔۔" اُوما رائے نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر وہ ڈاکٹر سرکار سے مخاطب ہو گئیں۔ اور کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد بولیں۔ "بنوئے بابو ۔۔۔ میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آئی تھی ۔ دراصل ۔"

"کہیے ۔"

"میں ہفتہ بھر کے لئے کومیلا میں اپنے گاؤں جا رہی ہوں ۔۔۔ اگر آپ اجازت دیں تو دیپالی کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اس کا کالج بند ہوا ہے۔ ذرا یہ بھی سیر تفریح کر لے بے چاری ۔"

ڈاکٹر سرکار چپ ہو گئے۔ مگر اپنی قدامت پسندی کے باوجود وہ ایسی اعلیٰ خاندان اور بلند سیرت

urdukutabkhanapk.blogspot.com

خاتون سے انکار نہ کرسکتے تھے۔ انھیں یہ بھی احساس تھا کہ تنگدستی کی وجہ سے وہ دیپالی کو کسی قسم کی سیر تفریح نہیں کرا پاتے۔

اب تینوں لڑکے اندر آچکے تھے۔ اور کان لگا کر مکالمہ سُن رہے تھے۔

"ہم بھی چلیں گے۔" چھوٹے دونوں نے شور مچایا۔

"تمھارا اسکول ہے۔ کیسے جاؤ گے؟" دیپالی نے اندر سے نکل کر ڈانٹا۔

"تو گویا پروگرام پہلے سے بن چکا ہے۔" ڈاکٹر سرکار نے کہا۔

"پرسوں ترسوں اُوما دی نے ذکر کیا تھا۔" دیپالی نے ذرا گھبرا کر جواب دیا۔ "میں چلی جاؤں بابا؟"

"جاؤ — ہو آؤ — کیا آج ہی جا رہی ہو؟"

"جی ہاں — رات کے اسٹیمر سے داؤد کندی پہنچنے کا ارادہ ہے۔ اچھا۔ دیپالی تم تھوڑا سا سامان باندھ لو۔ میں تیسرے پہر کو کار بھیج دوں گی۔" اُوما نے کہا اور ڈاکٹر سرکار سے باتوں میں مصروف ہو گئیں۔

دیپالی نے اچانک اپنے باپ پر نظر ڈالی۔ بابا مدتوں بعد، خلاف معمول ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ اتنی آسانی سے اجازت دیدی۔ — بابا — ! تم پر اُوما دی کا جادو چل گیا! کومیلا کی رہنے والی ہیں۔ ضرور کوئی منتر جانتی ہوں ہوں گی۔ سارے کامریڈ ان کی غیر حاضری میں بھی ان کا وظیفہ پڑھتے تھے۔ اب دیکھو کس طرح بابا کو منتروں کے اندر شیشے میں اتار لیا ہے چالیے بابا۔ اس نے تاسف سے پوچھا۔ اوما دی کی زندگی میں سیاست کے علاوہ اور کسی بات کی گنجائش بھی ہوگی؟ اُس نے سر اٹھا کر اپنی ماں کی تصویر کو دیکھا، جس کے نیچے اوما رائے کرسی پر بیٹھی ڈاکٹر سرکار سے مخاطب تھیں اور بار بار حسب عادت عینک اتار کر آنکھیں جھپک کر ڈاکٹر سرکار کو دیکھتی تھیں اور پھر عینک پلو سے صاف کر کے لگا لیتی تھیں۔ اوما دی کی آنکھیں بڑی بڑی اور پُر مگیں تھیں۔ کاش بابا اور اُوما دی — لیکن کوئی تُک نہیں ہے۔ اوما دی بڑی سخت دل معلوم ہوتی ہیں۔ حالانکہ اتنی نرم دل بھی ہیں۔

اوما رائے کے جانے کے بعد اپنے کمرے میں اٹیچی کیس پیک کرتے ہوئے وہ دیر تک یہی سب سوچنے میں ایسی کھوئی رہی کہ آنے والے دنوں کے خطرے اور نزاکت کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آیا۔

ٹھیک ساڑھے تین بجے اُوما رائے کی کار آگئی۔ دیپالی دری کو چھوٹا سا بستر اور اٹیچی کیس اٹھائے چندر کنج سے نکلی اور کار میں جا بیٹھی۔

۹

کلثوم آپا

ساڑھے چار بجے شام مشن کمپاؤنڈ کا بوڑھا اور معتبر چوکیدار جوزف اپنے ہمراہ کلثوم آپا کو لے کر ڈی ایمز باؤس پہنچا۔ میم صاحب ابھی سو رہی تھیں۔ صاحب کچہری سے نہیں آیا تھا۔ لیلا جی سامان باندھے نرائن گنج جانے کے لئے تیار بیٹھی تھی۔ اُس نے کلثوم بی بی کو اندر بلا لیا۔ اور کام سمجھانے میں مصروف ہو گئی۔ کوٹھی کے سارے کمرے دکھائے اور اس کے فرائض سے روشناس کیا۔

"شام کے ٹیم۔" لیلا جی اپنا انگوٹھا اٹھا کر منہ تک لے گئی۔ "صاحب، میم صاحب دُھت ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد چھٹی۔ میم صاحب رات کو کبرا خو دبدلی کرتا ہے۔ بچّہ کوئی ہے نہیں۔ صاحب، میم صاحب دونوں بہت شریف آدمی ہے۔ تم خوش رہے گا۔ ہفتہ دس روز کا تو بات ہے۔" لیلا آگے پچھلے برآمدے کے سرے پر اپنی کوٹھری میں لے گئی۔ کلثوم نے اپنا اٹیچی کیس چارپائی کے نیچے سرکا دیا۔ کوٹھری میں سر کے تیل کی عجیب سی بُو بسی تھی۔ اُسے اُبکائی سی آئی۔ وہ کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی۔

شام کی چائے کے وقت میم صاحب نے طلبی کی۔ لیلا اسے اپنے ساتھ لے کر گئی۔ صاحب، میم صاحب لان پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ کلثوم نے جھک کر سلام کیا۔

"پہلے کہیں کام کیا ہے؟" میم صاحب نے انٹرویو شروع کیا۔

"کلکتے میں میم صاحب۔"

"کدھر کا رہنے والا ہے؟"

"میمن سنگھ — اِدھر لال باغ میں ہمارا اماموں ہے۔ اس کے پاس رہتا ہے۔"

"بل — پادرے کی لڑکی نے یہ آیا بھیجی ہے۔ آئی تھنک شی وِل ڈو۔" مسز کینٹ ویل نے شوہر کو مخاطب کیا۔

ولیم کینٹ ویل نے بے پرواہی سے سر خم کیا اور اسٹیٹسمین پڑھنے میں مصروف رہے۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کلثوم بی بی نے اپنی مستعدی اور خدمت گزاری سے فریڈا کینٹ ویل کو منٹوں میں رام کرلیا اور فریڈا کینٹ ویل کو خاصی سیدھی تھیں۔ فوراً اس کے آگے لیلاوتی کی شکایتیں کرنے لگیں۔ کاہل اور کام چور ہے دن بھر سوتی ہے۔ پادری کی بیوی کی سفارش پر اتنے دنوں سے رکھا ہوا ہے۔ اگر وہ گاؤں سے واپس نہ آئے تو تم یہیں رہنا کلثم۔

کلثوم نے اقرار میں سر ہلایا۔ اور میم صاحب کے پاؤں دباتی رہی۔

وہ پردے کی وجہ سے شاگرد پیشے کی طرف بالکل نہیں گئی۔ بوڑھے عبدالغفور میاں ہم مذہبی کے ناطے اس کے متعلق خاصی دلچسپی لے رہے تھے۔ اُن کا جرّار نواب پورے میں سائیکلوں کی دوکان پر نوکر تھا۔ مگر آوارہ ہوتا جا رہا تھا۔ عبدالغفور چاہتے تھے کوئی نیک لے زبان لڑکی ملے تو دو بول پڑھوا دیں۔ چنانچہ کلثوم کے گھر کے حالات اور اس کی بیوگی کی المناک داستان سن کر انھیں اس سے اور زیادہ ہمدردی ہو گئی اور وہ اس کی خاطر مدارات میں لگے رہے۔

"کرسمس ایو" کی وجہ سے وہ شام بیحد مصروف اور ہنگامہ خیز گزری۔ کلثوم رات گئے تک کام میں لگی رہی۔ دوسری صبح بڑا دن تھا سویرے ہی سے سامنے کا برآمدہ ڈالیوں سے بھر گیا۔ اور سلام کے لئے آنے والے ہندوستانیوں کا تانتا بندھ گیا۔ شام کو صاحب لوگ آئے۔ وہ دن بھی بڑا مصروف گزرا۔

تیسرے روز کلکتے سے مہمان آنے والے تھے۔ عبدالغفور بڑے دن اور مہمانوں کی آمد کی وجہ سے کام کی زیادتی کا شکوہ کرتے ہوئے بڑبڑا رہے تھے تو کلثوم نے ان سے کہا۔ "چچا لاؤ جھاڑ پونچھ میں کئے دیتی ہوں۔ اتنے میں تم کٹلری صاف کروالو۔" بنگلے پر اَن گنت ملازم تھے۔ مگر گول کمرے صاحب اور میم صاحب کے کمرے اور کھانے کے کمرے کی صفائی عبدالغفور خود کرتے تھے۔ جھاڑن کندھے پر ڈال کر عبدالغفور پیٹھ پر ہاتھ رکھے جھکے جھکے پینٹری کی طرف چلے گئے۔ پھر واپس آکر انہوں نے کلثوم سے کہا۔ "سب چیز نسبت اچھی طرح جھاڑنا۔ میم صاحب گرد کا ایک ذرہ بھی دیکھ لیں تو مار ڈالیں گی۔"

میم صاحب صبح کے میم ملنے ملانے باہر جا چکی تھیں۔ کلثوم ڈرائنگ روم کی صفائی کرنے کے بعد سب سے پہلے صاحب کے دفتر کے کمرے میں گئی۔ جس کے سب دروازے اندر سے بند تھے۔ اس نے صاحب کی میز کے کاغذات سنوارے، فائیل سلیقے سے رکھے۔ ایک آدھ دراز جو آدھ کھلی پڑی تھی اُسے

بھی ٹھیک کر دیا۔ اور آدھ پون گھنٹے تک کمرے کی جھاڑ پونچھ میں مصروف رہی۔

میم صاحب کی واپسی سے ذرا قبل وہ ان کے ڈریسنگ روم میں آ کر ان کے کپڑوں پر استری کرنے میں مشغول ہو گئی۔

مہمان کلکتے سے رات کو پہنچے۔ اس وقت کلثوم اپنی کوٹھری میں جا کر سو چکی تھی۔

بریکفاسٹ کی میز پر اس نے مسٹر گلبرٹ بلومر انسپکٹر جنرل پولس اور ان کی میم کی جھلک دیکھی۔ مگر ڈائننگ روم میں اس کا کوئی کام نہ تھا۔ ناشتے کے بعد میم صاحب نے اس سے کہا کہ مسز بلومر کے پاس چلی جائے۔

چنانچہ وہ گیسٹ روم میں پہنچی اور جھک کر سلام کیا۔ مسز بلومر ادھیڑ عمر کی خوش مزاج خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے کپڑے نکال کر کرسی پر رکھے۔ مسٹر بلومر کا اردلی ابھی کمرے میں نہ آیا تھا۔ کلثوم نے دھوبی کو بلایا۔ سفر کے کپڑے دھوبی کو دینے کے لئے مسز بلومر نے گنگناتے گنگناتے سارا سامان تلپٹ کر دیا۔ بہت سے سرکاری کاغذات تتر بتر ہو گئے۔ کلثوم نے سلیقے سے ان سب کو سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔

"گُڈ گرل —!" مسز بلومر نے کہا۔ "ہمارے ساتھ کیمل کٹا چلے گا؟" (مسز کینٹ ویل نے ان کو بتا دیا تھا کہ یہ آیا عارضی ہے)

کلثوم نے شرما کر منہ میں پلّو ٹھونس لیا۔ "میم صاحب ہمارا سادی ہونے والا ہے۔"

"سادی! ویری گڈ — کلثم — یہ صاحب کا بکسا ادھر رکھو۔ اس میں بڑا ضروری کاغج رکھا ہے۔ صاحب اس کی چابی مانگے گا تو ہم کو آ کر بولنا۔ چابی ہمارے اس نیلے بیگ میں ہے۔ ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہے میم صاحب —" کلثوم نے جواب دیا۔

رات کو کھانے کے بعد مسٹر کینٹ ویل اور مسٹر بلومر شراب کے گلاس ہاتھ میں لے کر ڈرائنگ روم کے دروازے اندر سے بند کئے آہستہ آہستہ گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ اتفاق سے کلثوم برابر والے اندھیرے کمرے میں ہی موجود تھی۔ جس کا دروازہ پہلے سے کھلا رہ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد صاحب نے پکارا — "کوئی ہائے۔ عبدل۔"

کلثوم دبے پاؤں پینٹری میں گئی — جہاں عبدالغفور عشاء کی نماز میں مصروف تھے (میم صا-

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور مسز ٹومر اپنے اپنے کمروں میں جاکر سو چکی تھیں) صاحب نے دوبارہ آواز دی تو کلثوم بھاگی بھاگی ڈرائنگ روم کے گیلری والے دروازے پر پہنچی اور دستک دی ۔ صاحب نے اٹھ کر دروازہ کھولا ۔ اور اس پر اس طرح نظر ڈالی جیسے اُسے پہلی بار دیکھ رہے ہوں ۔ وہ ذرا جھینپ گئی ۔ مگر اس نے فوراً کہا ۔ "صاحب عبدل نماز پڑھ رہا ہے ۔ کیا کام ہے ؟"

"تم اب تک کیوں جاگ رہی ہو کلثوم ۔ ؟" مسٹر کینٹ ویل نے پوچھا ۔ ان کا چہرہ تمتما رہا تھا ۔

"میں میم صاحب کے پاؤں دبا رہی تھی ۔ صاحب ۔"

"اوہ اچھا ۔"

کلثوم نے ایش ٹرے خالی کی ۔ سگرٹ کا نیا ٹن کھول کر مہمان کے قریب تپائی پر رکھا ۔ اس دوران میں دونوں صاحب لوگ پھر گفتگو میں محو ہو چکے تھے ۔ لیکن جب وہ کمرے سے باہر نکل رہی تھی تو دفعتاً مسٹر ٹومر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور شگفتگی سے کہا ۔ "آئی سے ۔ دیٹس اے پریٹی گرل" ۔ کلثوم ہڑبڑا کر گیلری میں پہنچی اور سرپٹ دوڑتے ہوئے اپنی کوٹھری میں جاکر کھاٹ پر لیٹ رہی ۔

مسٹر ٹومر صوبے کے اعلیٰ پولیس اور سول حکام کی ہنگامی کانفرنس کے لئے ڈھاکے آئے تھے ۔ ایک روز ایک اہم میٹنگ ڈی ۔ ایم کے بنگلے پر بھی ہوئی ۔ جس میں بیرسٹر رائے کے سالے دھریندر موہن سین ڈی ۔ آئی ۔ جی بھی شامل تھے ۔ بنگلے پر پولیس والوں اور سی آئی ڈی والوں کی ریل پیل تھی ۔ کلثوم مستعدی سے اس دوران میں مسز ٹومر کی حاضری میں رہی اور بڑی تندہی سے مہمانوں کی خدمت میں مصروف رہی ۔

کلکتے واپس جاتے وقت مسز ٹومر نے اس کو دس روپے بخشیش دیے ۔

دسویں دن لیلاوتی اپنے گاؤں سے واپس آگئی ۔ آتے ہی اس نے کلثوم کے کان میں کہا ۔ "نانی بیمار نہیں تھی ۔ مجھے بہانے سے بلوایا تھا ۔ ورنہ میم صاحب چھٹی نہ دیتیں ۔"

جس دن لیلاوتی ڈی ۔ ایم کے بنگلے پر اپنی ڈیوٹی بجانے واپس پہنچی ۔ اسی روز شام کو اوما رائے کی موٹر دیپالی سرکار کو چندر کنج واپس چھوڑ گئی ۔ دیپالی نے ڈاکٹر سرکار کو بتایا کہ اس نے کومیلا میں اوما رائے کے گرین ہاؤس میں بیحد خوشگوار وقت گذارا ۔

۹ جنوری ۱۹۴۲ء کو پولیس نے دریائی راستوں کی ناکہ بندی کر کے ریحان الدین احمد اور اس کے ساتھیوں کے خفیہ مستقر اور خفیہ پریس پر چھاپہ مارا ۔ مگر ریحان الدین احمد اور اس کے ساتھی وہاں سے غائب ہو چکے تھے ۔ اور اب کی مرتبہ وہ ایسے غائب ہوئے تھے کہ پانچ اضلاع کی پولیس اُن کو تلاش کرتے کرتے عاجز آگئی ۔ مگر ان کا سراغ کہیں نہ ملا ۔ یورپ میں جیسے جیسے جنگ نے زور پکڑا اور برطانیہ کمزور پڑتا گیا ۔ ہندوستان میں پولیس کی سرگرمیوں میں تیزی آگئی ۔ بنگال میں ریحان الدین احمد اور ان کے ساتھیوں کی تلاش بھی تندہی سے جاری رہی ۔ مگر وہ سب شاید فضا میں تحلیل ہو چکے تھے ۔

لیکن جنگ کے خلاف اور خانہ جنگی کے پرچار میں ان کا لٹریچر اسی طرح خفیہ ٹھکانوں سے چھپتا اور تقسیم ہوتا رہا ۔

۱۰

ویشنو بیراگی

کلپ ترو دیومالا کا وہ درخت ہے جو سمندر منتھن سے نکلا تھا اور اس کے پھولوں میں اپنی مرضی کے مطابق کوئی سی بھی خوشبو سونگھی جا سکتی تھی اور جو ہر خواہش پوری کر دیتا تھا ۔

شانتی نکیتن میں رتھو سندر کے پاس ایک پرانا برگد کھڑا ہے ۔ دیپالی سرکار اسے اپنا کلپ ترو سمجھتی ہے ۔ کیونکہ ایک روز اس درخت نے بڑے انوکھے اور غیر متوقع انداز میں اس کی ایک خواہش پوری کر دی ۔

ایسٹرن ریلوے کی صاحب گنج لوپ لائن پر کلکتے سے سو میل کے فاصلے پر سنتھال پرگنہ کے نزدیک بولپور ایک جگہ کا نام ہے ۔ بولپور آج سے سو برس پہلے اپنے ڈاکوؤں کے لئے مشہور تھا ۔ کیونکہ اس علاقے کی کنکریلی زمین میں کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی تھی ۔ اور یہاں کے باشندے ڈاکے ڈال کر اپنا پیٹ پالتے تھے ۔ وہ چھری ، جس سے یہ ڈاکو مسافروں کا گلا کاٹتے تھے بول کہلاتی تھی ۔ اور اسی وجہ سے اس ویرانہ کا نام بولپور پڑ گیا تھا ۔

ہمالیہ پر شانتی کی تلاش سے ناکام لوٹنے کے بعد ایک مرتبہ مہارشی دیویندر ناتھ ٹیگور رتینندر سنہا کے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ملنے پالکی میں بیٹھے رائے پور جا رہے تھے۔ جب بولپور کا یہ سنسان بیہڑ راستے میں پڑا۔ اس میدان میں مہارشی کو ایک بڑا سایہ دار درخت نظر آیا۔ انہوں نے پالکی وہیں رکوالی اور درخت کی چھاؤں میں قالین بچھا کر مراقبے میں مصروف ہو گئے۔ وہاں انہوں نے "یو دیو و گردیو یسو و شوم بھون ما دیویشیھ یا او شدھی شو ویو دیستی شو تسمئی دیوایہ نو نماہ" ــ والی ویدک حمد دہرائی اور مہارشی کو اس درخت کے نیچے وہ شانتی مل گئی جس کی کھوج میں وہ سارے ہندوستان میں گھومے تھے۔

انہوں نے رائے پور جا کر زمیندار سنہا سے یہ علاقہ خرید لیا۔ درخت اور باغ لگوائے۔ ڈاکوؤں نے ڈاکہ ڈالنے سے توبہ کی۔ اور ۱۸۶۳ء میں مہارشی نے اپنی آرام و آسائش کی زندگی تیاگ کر یہاں شانتی نکیتن آشرم قائم کیا۔ شانتی نکیتن ولا تعمیر کروائی اور یہاں رہنے لگے۔ برگد کے اس درخت کے نیچے انہوں نے ایک مرمریں معبد بنوا کر اس کے پھاٹک پر لکھوایا۔

آمار پرانیر آرام
مونیر آنند
آتمار شانتی

اس درخت کے نیچے مہارشی کو خدا مل گیا تھا۔

آج یہ شانتی نکیتن ہند قدیم کی جنگل کی درسگاہوں کی طرز پر بنے ہوئے دار العلوم وشوا بھارتی انٹرنیشنل یونیورسٹی کے نام سے دنیا میں مشہور ہے۔ دوسری جنگ عظیم نے گاندھی اور واردھا آشرم، نہرو اور آنند بھون اور ٹیگور اور شانتی نکیتن والے ہندوستان کو قومی جدوجہد کے ایک انتہائی نازک موڑ پر لا کھڑا کیا ہے اور گو شانتی نکیتن کی فضائیں ہمیشہ کی طرح پُرسکون اور نغمہ بار ہیں۔ اور گرو دیو ابھی زندہ ہیں۔ اور ڈاکٹر نند لال بوس اور راتھیندر ناتھ ٹیگور اور ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کے دوسرے عظیم مصور کلا بھون میں موجود ہیں۔ مگر بیرونی دنیا کے معاملات تیزی سے بدلتے جا رہے ہیں۔

آمار پرانیر آرام
مونیر آنند
آتمار شانتی

ستمبر ۱۹۴۰ء کی ایک شام شانتی نکیتن کی ایک نئی طالب علم تھرڈ ایئر کی دیپالی سرکار برگد کے نیچے بیٹھی مرمریں پھاٹک پر منقش ان سحر انگیز الفاظ پر نظر ڈال کر سوچ رہی تھی۔ کمال ہے مہارشی کو اتنی آسانی سے یہ سب کچھ حاصل ہو گیا تھا۔ مگر مہارشی کبھی بیس برس کے بھی تو رہے ہوں گے۔

اپنی نوٹ بک بند کر کے وہ برگد کے پتوں کی ناؤ بناتے بناتے سوچنے لگی۔ کلپ ترو از زندگی کے پتے گرتے جا رہے ہیں۔

"الکھ نرنجن ــ!" دور سے آواز آئی۔ اس نے چونک کر جنگل کی طرف دیکھا۔ دور ایک پگڈنڈی پر چند وشنو بیراگی نعرہ لگاتے تیز تیز چلے جا رہے تھے۔

اور دیپالی کو یاد آیا کہ یہ بیر بھوم ہے۔ چنڈی داس کی سرزمین۔ اس نے جھک کر سُرخ مٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔ چنڈی داس کی سرزمین۔

وہ کتابیں سمیٹ کر ہوسٹل واپس جانے کے ارادے سے اٹھنے لگی۔ کہ اچانک سامنے پگڈنڈی پر پتے کھڑکھڑائے۔ اس نے نظریں اٹھا کے دیکھا۔ ایک لمبی سیاہ داڑھی اور سیاہ زلفوں والا وشنو سنیاسی عین اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور سنیاسی کو پرنام کیا۔ تب اس نوجوان بیراگی نے بڑی شگفتگی سے کہا۔ "دیپالی۔ ہم یہاں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جائیں؟ ہمیں لگتا ہے تمہیں روحانیات کے درس کی اشد ضرورت ہے۔"

دیپالی کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ چبوترے پر بیٹھ گیا۔ اور چاروں طرف نظر ڈالی۔ پھر اس نے جھولے میں سے سگریٹ نکال کر جلایا مگر فوراً ہی بجھا دیا۔

"بچّے ــ ہم تجھ سے بہت زیادہ خوش ہیں۔ تو نے ہماری بہت سیوا کی ہے۔ اور ہم تیری بہادری کے سخت قائل ہو گئے ہیں۔ تو واقعی کمال کی لڑکی ہے۔"

دیپالی نے بھویں جوڑ کر کہا "آپ ــ؟"

"ہاں بٹیا!"

دیپالی سراسیمہ ہو گئی۔ "آپ کو اس قدر ریک لیس نہ ہونا چاہئے۔ اب میں کسی کی آیا وایا بننے نہیں جاؤں گی۔"

"ریک لیس ــ؟ یہ شانتی نکیتن تو اپنا پرانا اڈہ ہے بچّے۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

برگد کے نزدیک مرمریں عبادت گاہ میں کسی نے چراغ جلا دیا۔ پھر قدموں کی چاپ دور ہو گئی۔

"تو پوجا پارٹ نہیں کرتی بٹیا۔؟"

دیپالی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سنیاسی نے پھاٹک پر لکھے ہوئے الفاظ پر نظر ڈالی اور انہیں آہستہ سے دہرایا۔ پھر وہ بھی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ اب شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔

"آپ ــ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں اس وقت یہاں مل جاؤں گی؟" چند لمحوں بعد دیپالی نے سر اٹھا کر اس سے پوچھا۔

وہ اپنے خیالوں سے چونکا اور دفعتاً ہنس پڑا۔ "اپنے علم کے زور سے ــ۔" پھر کچھ توقف کے بعد اس نے کہا۔ "ہمیں تیرے متعلق سب معلوم رہتا ہے۔ بچہ ہم جانتے ہیں کہ تو روز شام کو یہاں بیٹھ کر اپنا ہوم ورک کرتی ہے۔"

"تو بتلائیے اب میرے لئے کیا کام ہے۔" دیپالی نے ذرا درشتی سے کہا۔

"کیا ہم کسی کام کے بغیر تجھ سے نہیں مل سکتے۔؟"

سنیاسی نے اطمینان سے جواب دیا اور چبوترے پر آلتی پالتی مارے بیٹھا رہا۔ اندھیرے میں اُس کی شکل صاف نظر آ رہی تھی۔

ہوا کے ایک جھونکے نے خزاں میں لگے ایک درخت کے سُرخ پھول چبوترے پر بکھیر دیئے۔ بہت دور ساکھ کے درختوں کے ایونیو میں گرودیو کسی سے باتیں کرتے ہوئے گذر رہے تھے۔

"گرودیو جا رہے ہیں۔" سنیاسی نے اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ دیپالی بھی چبوترے پر سے اٹھی۔ گرودیو اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

دفعتاً دیپالی کو محسوس ہوا کہ یہ شام منفرد ہے۔ پھر کبھی واپس نہ آئے گی۔

سنیاسی نے جھولے میں سے نکال کر گھڑی دیکھی اور پہلی دفعہ سنجیدگی سے کہا۔ "شوکتی، تو تمہیں ایک کام بتا ہی دیں۔"

دیپالی نے تیوری پر بل ڈال کر اسے دیکھا۔ "میرا نام دیپالی ہے۔"

"ہاں، لیکن تم میری شوکتی ہو۔ دیپالی۔ میں تمہیں شکتی ہی پکاروں گا۔ چلو جلدی سے ایک اور کام

کر دو تھوڑا سا۔"

دیپالی گم صم کھڑی رہ گئی۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ "کہیئے۔" اُس نے پھاٹک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں کہیں سے سگرٹ لا دو۔ ہمارے پاس یہی ایک سگرٹ بچا ہے اور بہت دور جانا ہے۔"

"بہت اچھا۔ لیکن آپ محض سگریٹ لینے ــ۔"

"ہم نے کہا تو ہم تمہیں درشن دینے آئے تھے بچہ ــ۔"

"سگریٹ کے علاوہ اور کچھ تو نہیں چاہیئے۔؟" دیپالی نے فکرمندی سے دریافت کیا۔ اور سنیاسی کے سنجیدہ لہجے سے بےحد گھبرائی۔

"فی الحال نہیں۔" وہ پھر چبوترے کے کنارے پر ٹک گیا اور بڑی گمبھیر آواز میں کہنے لگا۔

"دیپالی۔ میں اس لئے آیا تھا کہ میں تمہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اب تک تم میرے لئے محض ایک اور رابطہ محض ایک اور نام رہی ہو۔ یا دھندلکے میں سُنی ہوئی ایک اور آواز۔ تمہارے گھر پر بھی ــ۔"

"میں آپ کا سگریٹ لے آؤں۔" دیپالی نے گھبرا کر اس کی بات کاٹی۔

"ہم سے ڈرو مت بچہ۔ ہم ایک بہت شریف سادھو ہیں۔"

دیپالی ہنس پڑی اور یک لخت اسے اُومارائے کی ڈانٹ یاد آئی۔ اسکول گرل گگلز ــ اور اُومارائے کے خیال نے اسے اچانک بےحد دل گرفتہ اور پریشان کر دیا۔

"تمہارے صاحب اور میم صاحب کیسے ہیں؟"

"اُن کا تبادلہ ہو گیا۔ ان کی جگہ چارلس بارلو آئے ہیں۔ ریورنڈ بنرجی کے ان سے بھی بہت اچھے تعلقات ہیں۔ کیونکہ مسٹر بارلو کی بڑی بہن باریسال میں مشنری ہیں۔ چاٹگام سے تبدیل ہو کر آئے ہیں۔"

"روزی خیریت سے ہے؟"

"جی۔"

"کسی کو اس کے متعلق کوئی شبہ تو نہیں ہوا ہے؟"

"جی نہیں۔"

"اسے کہو کہ معلوم کرے کہ چارلس بارلو کُھلنا کس روز پہنچ رہا ہے۔ چارلس بارلو کے نام کا کوڈ یاد

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہے۔؟" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"جی ہاں۔"

"بتاؤ تو۔"

دیپالی نے بتلایا۔

"ونڈرفل۔" سنیاسی نے خوش ہو کر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ دیا۔ پھر گھبرا کر جلدی سے ہٹا لیا۔

"اُوما سے کب سے نہیں ملیں ؟" سنیاسی نے دیپالی کا رنگ بدلتے نہیں دیکھا۔ اس نے اُوما کا نام جس انداز سے لیا تھا۔

"آپ لوگوں کے غائب ہونے کے دوسرے ہفتے ہی تو وہ کلکتہ چلی گئی تھیں۔ ابھی تک وہیں ہیں۔ میں گرمیوں کی چھٹیوں میں بابا کے ساتھ کلکتہ گئی تھی۔ گانے ریکارڈ کروانے۔ مگر اُوما دی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ان کا پتہ معلوم نہیں تھا۔ اور انہوں نے مجھے کوئی خط پتر کبھی بھیجا نہیں ۔۔۔ وہ کلکتے میں کسی کالج میں پڑھا رہی ہیں۔ اپنے بھائی کے ساتھ بالی گنج میں رہتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ چونکہ پارٹی کی باقاعدہ ممبر نہیں اس لئے نہ انڈر گراؤنڈ میں گئیں نہ جیل۔ ٹھیک ہے نا ؟ اور سنا ہے کہ ان کے ڈی آئی جی ماموں نے گورنمنٹ کو ضمانت دی ہے کہ وہ گڑبڑ نہیں کریں گی۔ آپ کو تو یہ سب معلوم ہی ہوگا۔"

"ہاں۔ معلوم ہے ۔۔" پھر اس نے ذرا توقف سے کہا۔ اچھا جاؤ۔ بھاگو۔ سگریٹ لے آؤ۔ جو بھی ملیں۔"

"آپ اس راستے پر جایئے۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

"اچھا ۔۔" سنیاسی چلنے لگا۔ پھر ٹھٹھک گیا۔ "ایک بات اور۔ کینٹ ویل تازہ وارد اور ناتجربہ کار نوجوان تھا۔ بارلو پرانا گھاگ ہے۔ اس کے باپ دادا تک بنگال سوئلین تھے۔ اس چیز کا تم لوگ خیال رکھنا۔ بڑا سخت گیر افسر ہے۔ ٹرَیسٹ تحریک کے زمانے میں کئی نوجوانوں کو پھانسی کے تختے پر بھجوا چکا ہے۔"

دیپالی کو کپکپی سی آئی۔ سنیاسی کہتا رہا۔ "روزی سے کہنا بےحد احتیاط سے کام لے کر ہمیں اطلاعات پہنچوائے اور اپنے باپ کو کسی طرح ناراض یا ناخوش نہ کرے۔ یہ بےحد ضروری ہے۔"

"بہت اچھا۔" دیپالی نے جواب دیا۔ سنیاسی پگڈنڈی پر آگے بڑھ گیا۔ دیپالی بھاگتی ہوئی عمارتوں کی طرف چلی گئی۔

چند منٹ بعد وہ واپس آئی اور برگد کے سنسان چبوترے پر ایک نظر ڈال کر سال کے ایونیو پر دوڑنا شروع کر دیا۔ سنیاسی سر جھکائے آہستہ آہستہ کلا بھون کے سامنے والی سڑک پر چلا جا رہا تھا۔

دیپالی نے پھولی ہوئی سانس سے اس کے قریب جا کر کہا۔ "لیجئے۔"

سنیاسی نے پلٹ کر دیکھا۔ "اوہ تھینکس ۔!" اس نے بڑی خوشی سے سگرٹوں کے پیکٹ اپنے جھولے میں گرا دیئے اور مسکرایا۔

اب چاند طلوع ہو رہا تھا۔

بہت دور سے "الکھ نرنجن" کی آواز آئی۔ سڑک کے کنارے سمندر کے سُریلے شور کی مانند سدابہار ولایتی جھاؤ کی نازک ڈالیاں ہوا میں سرسرا رہی تھیں۔ شیشم کے جھنڈ کے پرے طلبا کے جھونپڑوں میں روشنیاں جھلملائیں۔

دیپالی سر جھکا کر سڑک کو دیکھنے لگی۔ مٹی میں کانچ کی سرخ چوڑیوں کے چند ٹکڑے چمک رہے تھے۔ اس نے انگوٹھے کی نوک سے ایک ٹکڑے کو چھوا اور ایک قدم پیچھے ہٹی۔ باڑ پر پھیلی بیل پر سے ایک گرگٹ اچھل کر پتوں کے اندر چلا گیا۔ دوسری سمت میں چند لڑکیوں نے گانا شروع کر دیا تھا۔ شانتی ڈاکے آئی آئی گور ڈا کے آئی آئی ۔۔۔

"یہاں اونل کمار داس تم سے رابطہ رکھے گا۔" سنیاسی کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

"بہت اچھا۔"

"سنتھال پرگنہ سنیاس لینے کے لئے آئیڈیل جگہ ہے۔ مگر ہم یہاں سے بھی ڈیرا ڈنڈا اٹھا کر کوچ کر گئے ہیں۔ اگر ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت پڑی تو تیار رہنا۔ شُو کتی۔"

"بہت اچھا۔"

قریب سے چند سنتھالی عورتیں سر پر ٹوکرے اٹھائے گزر گئیں۔ ان کے پیچھے طلبا کی ایک ٹولی ٹہلتی ہوئی آ رہی تھی۔

"اچھا۔ جیتی رہو۔ خوش رہو۔ ہم جاتے ہیں۔" سنیاسی نے متانت سے اسے آشیرواد دی اور تیزی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

سے آگے بڑھ گیا۔

دیپالی اُسے چاندنی کے خنک دھندلکے میں غائب ہوتے دیکھتی رہی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ واپس ہوئی برگد کا چبوترہ اب بھی سنسان پڑا تھا ــــ آج شام ــــ آج شام میں سوچ رہی تھی کہ کاش ــــ اُس نے ایک پتہ اٹھا کر ناک سے چھوا۔ اور اپنے آپ سے کہا۔ کلپ ترو!

پھر اس نے درختوں کے اس جھنڈ کا چکر لگایا۔ برہمو معبد میں چراغ سکون سے جل رہا تھا۔

آمار پرانیر آرام

مونیر آنند

آتمار شانتی

اس نے چپکے سے دل میں دہرایا۔ اور دل ہی دل میں مسکراتی مسرور روزی بنرجی کو خط لکھنے کے ارادے سے اپنے کمرے کی سمت روانہ ہوگئی۔

۱۱

لِلی کاٹج

للی کاٹج میں سہ پہر کی چائے کے انتظامات بڑے زوروں پر کئے جا رہے تھے۔ الیستھر بنرجی ایک بر سفید اور گلابی آئسنگ کر رہی تھیں۔ ڈیزی آیا سینڈوچ بنانے میں مشغول تھی۔ گلدانوں میں تازہ پھول لگے تھے۔ سٹنگ روم میں کراس اسٹیچ کی نفیس کڑھت کے ڈھکے ہوئے ٹیبل کلاتھ میزوں پر پڑے تھے۔ چائے کا نیا سیٹ سلیٹ کی بید کی کشتی میں سجا وسطی میز پر رکھا تھا اور اس پر ہری کانچ کے موتیوں کی جھالر والی جڑی جالی ڈھانپ دی گئی تھی۔ ٹی کوزی اور کشنوں کی کشیدہ کاری قابلِ دید تھی۔

پادری بنرجی سیاہ سوٹ پہنے ذرا متفکر سے برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔ اور بار بار واسکٹ کی جیب سے زنجیر والی گھڑی نکال کر دیکھ لیتے تھے۔

روزی اپنے کمرے کے دروازے بند کئے چٹخنیاں لگائے قلعہ بند بیٹھی تھی۔

ٹھیک چار بجے گھوڑا گاڑی سامنے آن رکی اور پادری ہنری لبواس، مسز میری لبواس، اُن کا فرزند

مسٹر لوتھر لبواس اور چھوٹی لڑکی ایڈتھ لبواس نیچے اُترے۔ ایڈتھ لبواس نے ایک اٹیچی کیس اٹھا رکھا تھا۔

الیستھر بنرجی لپکی ہوئی باہر آئیں۔ اور دونوں میاں بیوی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور سٹنگ روم میں لے کر آئے۔ لبواس خاندان ذرا سلیف کانشس سا ہو کر کرسیوں پر ٹِکا۔ پادری اور مسز لبواس اور مسٹر لوتھر لبواس صوفے پر ایک قطار میں اس طرح سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ جیسے پہلے زمانے میں لوگ تصویر کھنچوانے کے لئے فوٹو گرافر کے سامنے بیٹھتے تھے۔ ایڈتھ البتہ اطمینان سے گراموفون کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

مسز لبواس نے ناقدانہ نظروں سے کمرے پر نظر ڈالی جو گھر کی غربت، مگر سلیقہ کا آئینہ دار تھا۔ دونوں کالے پادریوں نے آپس میں اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کیں۔

"یہ کُشن میری روزی نے کاڑھے ہیں ــــ" الیستھر بنرجی نے مسز لبواس کو صوفے کے کُشنوں کا دزدیدہ نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے دیکھ کر فوراً کہا۔

مسز لبواس اخلاقاً مسکرائیں۔ انہوں نے یہ بھی نوٹس کیا کہ الیستھر بنرجی گلے میں ایک بید پتلی سنہری زنجیر کے علاوہ سونے کا ایک بھی زیور نہیں پہنے ہیں۔ اور سرخ کنارے والی سفید بنگالی ساڑھی میں ایک جگہ پر باریک لھونپ بھی بھری گئی ہے۔ خود مسز لبواس کرد خیا کی چوڑی لیس والے سفید پٹی کوٹ کے اوپر تیز گلابی جارجٹ کی ساری باندھ کر اور سیاہ ساٹن کا بلاؤز پہن کر آئی تھیں اور سونے کی چوڑیاں ان کے ہاتھوں میں کھنک رہی تھیں۔ سبک سا رومال ایک آستین میں اُڑس رکھا تھا۔ کانوں میں ایک ایک موتی والے بُندے پہنے تھیں۔ پندرہ سالہ ایڈتھ اودے ریشمی فراک میں ملبوس تھی۔ سفید موزے، کالے جوتے پہنے بیاہی دیسی عیسائی شریف زادیوں کی مانند فراک پر دوپٹہ بھی اوڑھ رکھا تھا۔ پادری لبواس سیدھے سادے آدمی معلوم ہوتے تھے اور ظاہر تھا کہ بیوی ان پر حاوی ہیں۔ لوتھر لبواس ایک منحنی مسکین صورت اور شرمیلا نوجوان تھا۔ دونوں باپ بیٹے پورے سُوٹ میں ملبوس تھے۔ پچھلے کرسمس ویک میں آل انڈیا مشنری کانفرنس ختم ہونے کے بعد جب لوتھر لبواس پنجاب واپس گئے تو روزی بنرجی پر عاشق ہو کر واپس گئے تھے۔ وہ لدھیانہ میں مشن اسکول میں سائنس ماسٹر "لگے" ہوئے تھے۔

ایک دو سال بعد سینٹ جانز کالج آگرہ میں لیکچرر ہو کر جانے کا "چانس" بھی تھا۔ انہوں نے لدھیانہ واپس جا کر کچھ عرصے بعد اپنے پاپا یور نر ہنری لبواس کے ذریعے پادری بنرجی کو شادی کا پیغام بھجوایا تھا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

دیسی عیسائی فرقے میں اچھے لڑکوں کی ہمیشہ سے کمی رہی ہے۔ عیسائی لڑکیاں عموماً اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اسمارٹ ہو جاتی ہیں۔ بیشتر عیسائی لڑکے اسٹینو گرافر یا سیلزمین سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ اس وجہ سے عیسائی لڑکیاں عام طور پر ہندوؤں اور مسلمانوں سے شادی کر لیتی ہیں۔

چنانچہ جب لوتھر لبواس کا پیغام آیا تو پادری بنرجی خوش ہوئے۔ جب سے روزی بڑی ہوئی تھی انہیں اس کے بیاہ کی فکر نے آگھیرا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی زندگی میں ان کی چہیتی بیٹی اپنے گھر چلی جائے۔ انھوں نے روزی سے تذکرہ کئے بغیر اپنی بیوی سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد خالص ہندوستانی ماں باپ کی طرح پیغام منظور کر لیا۔ وہ یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کی فرماں بردار اور سعادت مند بیٹی کو ان کے انتخاب پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ پادری بنرجی کی خواہش تھی کہ روزی کا رشتہ کسی ہم پلّہ برہمن کرسچین خاندان میں ہوتا۔ روزی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے نجیب الطرفین کُلین برہمن زادی تھی۔ مگر آج کل خاندانی لڑکے ملتے کہاں ہیں۔ اور پادری لبواس بھی اچھی ذات کے آدمی تھے (حالانکہ لبواس عموماً شیڈولڈ کاسٹ والوں کا نام بھی ہوتا تھا) اُن کے مشنری باپ دادا بنگال سے جا کر لدھیانے میں سیٹل ہو گئے تھے۔ پادری لبواس کو بنگالی زبان بھی نہیں آتی تھی۔ کیونکہ ان کی ماں پنجابی تھیں۔ خود مسز لبواس بھی پنجابی تھیں اور واقعی اپنے انداز اور وضع قطع سے کچھ کرسچین معلوم ہوتی تھیں۔ مگر بہرحال بہت معقول خاندان تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ مشنری کانفرنس کے زمانے میں پادری بنرجی، لڑکے کی عادات و خصائل سے خود واقف ہو چکے تھے۔ لڑکا انہیں پسند آیا تھا۔ شریف، حلیم الطبع اور بے حد مذہبی نوجوان تھا۔ روزی کو بڑے آرام سے رکھے گا۔

پچھلے ہفتے پادری لبواس کا خط آیا تھا کہ وہ اور ان کی بیوی لڑکی کو دیکھنے اور بات پکّی کرنے کے لئے ڈھاکہ آ رہے ہیں۔ اور روزی کو جب السیتھر بنرجی نے یہ اطلاع دی تھی تو ایسا لگا تھا، جیسے اس کے اوپر بم کا گولہ آن گرا ہو۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ لیکن اس لمحے سے بالکل چُپ سادھ لی تھی۔ (دیپالی اتنی دور شانتی نکیتن میں تھی۔ جس سے وہ اپنا دکھ درد کہہ سکتی۔ جہاں آرا کے پاس وہ اپنا دکھڑا لے کر جانا نہ چاہتی تھی) اس کی اس خاموشی کو اس کے والدین نے بچیوں کی شرم و حیا پر محمول کیا تھا۔ کس لڑکی کو میکے سے اتنی دور کالے کوسوں بیاہے جانے کا غم نہ ہوگا۔

لیکن آج جبکہ لبواس فیملی واقعی آن پہنچی تھی۔ روزی نے بڑا ہی عجیب اور غیر متوقع رویہ اختیار کر لیا تھا۔ ایک تو وہ ساری رات روتی رہی تھی۔ اور پھر صبح سے اپنا کمرہ اندر سے بند کر کے بیٹھ گئی تھی۔ پادری لبواس مع اپنے

خاندان شہر میں اپنے کسی دور کے رشتے دار کے یہاں اترے تھے۔ اور ٹھیک چار بجے ٹی کا ٹم پہنچ گئے تھے۔ اور اب پادری اور مسز بنرجی کو روزی کے متعلق پہلی بار گھبراہٹ شروع ہوئی۔

ڈیزی چائے دانی لے کر کمرے میں آئی اور السیتھر بنرجی نے رس گلّے اور چم چم ملائی جو انہوں نے خود بنائے تھے مہمانوں کو پیش کئے۔ وہ بے چاری ہونے والے داماد کی بے انتہا خاطر کر رہی تھیں اور ابھی سے اُن کو اس کے بھولے پن اور شرافت پر ممتا بھرا پیار آنے لگا تھا۔ مگر مسز لبواس بڑی خوفناک سا س ثابت ہوں گی۔ اس کی انھیں پریشانی تھی۔

روزی کا کمرہ ڈائننگ روم کے دوسری طرف تھا اور سٹنگ روم میں سے اس کا بند دروازہ نظر آ رہا تھا پادری بنرجی مہمانوں سے باتیں کرتے کرتے جھینکے اس دروازے پر نظر ڈال لیتے۔ دروازے پر پڑا نیلا پردہ ہوا میں لہرائے جا رہا تھا۔

"روزی سسٹر کہاں ہیں؟" ایڈتھ لبواس نے نزاکت سے سینڈوچ اٹھا کر "تھینک یو آنٹی" کہنے کے بعد مسز بنرجی سے دریافت کیا۔

"ابھی آتی ہے — ذرا اس کی طبیعت —" السیتھر بنرجی نے یک لخت ذرا ہکلا کر بے بسی سے اپنے شوہر کو دیکھا۔

"کیا ہوا اُسے —؟" مسز لبواس نے ابرو اٹھا کر سوال کیا۔

"کچھ نہیں بہن۔ دن رات پڑھائی میں لگی رہتی ہے۔ آج صبح سے سر میں درد ہے۔"

پادری بنرجی نے فوراً پادری لبواس کو مخاطب کیا۔

"لدھیانے میں مہنگائی کا کیا حال ہے؟ یہاں تو وار کی وجہ سے —"

لوتھر لبواس نے ٹائی ٹھیک کرتے ہوئے سر گھما کر دزدیدہ نظروں سے نیلے پردے والے دروازے کو دیکھا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ روزی کا کمرہ ہے۔ اور مشنری کانفرنس کے دنوں میں روزی نے اسی سٹنگ روم میں بیٹھ کر ان کے ساتھ کیرم بھی کھیلا تھا۔ اور کیرم کے پاؤڈر کا ڈبہ لانے کے لئے وہ اس کمرے میں بھی ہو آئے تھے۔

"او۔ آنٹی — میں یہ ریکارڈ دیکھ سکتی ہوں؟" ایڈتھ نے چائے کی پیالی ختم کر کے گراموفون کی طرف مڑتے کہا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"ضرور ضرور ۔" مسز بنرجی نے کہا۔ وہ بے ساختہ یہ بھی اضافہ کرنا چاہتی تھیں کہ روزی کو میوزک کا بہت شوق ہے۔ مگر وہ چپ ہو گئیں۔ ایڈتھ فرش پر اکڑوں بیٹھ کر میز کے نچلے خانے میں رکھے ہوئے ریکارڈ چھانٹنے پلٹنے لگی۔ زیادہ تر وہ گھسے پٹے پرانے ریکارڈ تھے۔ جو ایک مرتبہ ڈھاکہ کے ایک انگریز افسر نے ولایت جاتے وقت مشن کمپاؤنڈ بھجوا دیئے تھے۔

ڈیزی نے جا کر روزی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب نہیں ملا۔

اب چھ بجنے والے تھے۔ مسز بنرجی اٹھیں۔ ڈائننگ روم اور سٹنگ روم کا درمیانی دروازہ بھیڑا اور جا کر روزی کے دروازے پر زور سے دستک دی۔ "روزی — روزی بیٹے — بات تو سنو۔" وہ اب روہانسی ہو رہی تھیں۔

مسز بنرجی چند منٹ تک دروازے پر کھڑی رہیں۔ پھر سر جھکائے سٹنگ روم میں واپس آگئیں اور شوہر کو ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھا۔ پادری بنرجی آہستہ سے اُٹھے اور اپنے پیچھے سٹنگ روم کے کواڑ بند کرتے ہوئے روزی کے دروازے پر پہنچے اور دھیرے سے دستک دی۔

"روزی — روزی بیٹا — دروازہ کھولو — میں تمہارا پاپا ہوں۔ بات تو سنو۔" انہوں نے بیحد لجاجت سے کہا۔ روزی نے دروازہ کھولا۔ پادری بنرجی اندر آگئے۔

روزی کندھوں پر بال بکھرائے سفید ساری پہنے تصویر کی مانند سامنے چپ کھڑی تھی۔ اچانک اُن کی آنکھوں کے سامنے ایک اور تصویر آگئی۔ بالکل اسی طرح انہوں نے پہلی بار نوجوان ایستھر گری بالا کو دیکھا تھا۔ جو کندھوں پر لمبے لمبے بال بکھرائے سفید ساری پہنے رائٹ ریورنڈ والفرڈ براؤن کی کوٹھی کے برآمدے میں خاموش کھڑی تھی، جب وہ اس سے ملنے کے لئے بلائے گئے تھے۔ اُس ایستھر اور اس روزی میں اتنا فرق کیوں؟ کیا زمانہ اتنا بدل گیا تھا؟ اُس ایستھر کی آنکھوں میں محض لاج تھی اور سپردگی۔ اِس روزی کی آنکھوں سے ضد اور ہٹ اور خودسری کی چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔ اس خودسری کو آج کل کے زمانے میں خود اعتمادی کہا جاتا ہے مگر وہ تو اپنی لاڈلی بچی کی بھلائی ہی تو چاہتے ہیں۔ وہ اپنے بوڑھے باپ سے اس قدر خفا کیوں ہو گئی۔؟

یک بیک روزی آگے بڑھی اور اُن کی ٹانگوں سے لپٹ کر کہنے لگی۔ "پاپا — پاپا — مجھے لے جا کر دریا میں ڈبو دیجئے۔ مجھے مار ڈالئے جان سے۔ مگر میں اس چندے — اس — اس کالنتھن سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔ مجھے وہ بالکل پسند نہیں۔ پاپا —" اب وہ سسکیوں سے رو رہی تھی۔

کالنتھن —؟ پادری بنرجی ہکا بکا رہ گئے۔ "روزی بیٹیا —" انھوں نے بڑبڑا کر کہا۔ "میری ناک کا تو خیال کرو۔ میری بچی۔ لوتھر بڑا اچھا لڑکا —"

"نہیں — نہیں — نہیں —" روزی نے بچوں کی طرح مچل کر روتے ہوئے ان کی بات کاٹی۔

"پھر کیا کرے گی — احمق —" پادری بنرجی کو ایک دم غصہ آگیا۔ "کسی ہندو سے شادی کرے گی؟ یہ ارادہ ہے تیرا۔؟ مسلمان سے بیاہ رچائے گی؟ اپنی ماں کا حشر بھول گئی۔ بدبخت۔؟" انہوں نے گرج کر کہا اور ان کو بالکل خیال نہ رہا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور سٹنگ روم تک آواز جا رہی ہے۔ انہیں اپنی پرسکون زندگی میں ایسا قیامت خیز وقت بھی دیکھنا پڑا۔ اور اپنی اولاد کے ہاتھوں۔ خداوند۔ میں نے تیرا کیا گناہ کیا تھا۔ خداوند۔؟

پادری بنرجی کو پتہ بھی نہ چلا کہ مسز میری بسواس پیچھے آن کھڑی ہوئی ہیں اور باپ بیٹی کا سارا مکالمہ سن چکی ہیں۔ ایستھر بنرجی سہمی ہوئی ان کے عقب میں کھڑی تھیں۔ مسز بسواس کو دیکھ کر روزی فرش سے اٹھی اور تیر کی طرح غسلخانے میں گھس کر دروازہ زور سے بند کر لیا۔ پادری بنرجی نے مڑ کر مسز بسواس کو دیکھا اور سکتے کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔

چند لمحوں تک مکمل سکوت طاری رہا۔ اس کے بعد مسز بسواس نے زہر میں بجھی ہوئی آواز میں کہا۔ "اچھا تو یہ کالنتھن ہیں — ہنری۔" انہوں نے سٹنگ روم کی طرف مارچ کرتے ہوئے للکارا۔ "ہم اپنی انسلٹ کروانے لدھیانے سے آئے تھے۔ چلو اٹھو۔"

ایستھر بنرجی روتی ہوئی ان کے پیچھے لپکیں۔ سٹنگ روم میں آکر انہوں نے کہا۔ "بہن خدا باپ کے لئے ہمیں معاف کر دیجئے۔ روزی بڑی ضدی لڑکی ہے۔ آج کل کی اولاد ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ سے کیا کہوں۔"

اس دوران میں پادری ہنری بسواس اور مسٹر لوتھر بسواس صُمٌ بُکمٌ کھڑے باقی لوگوں کو تک رہے تھے۔ مسز بسواس بلاؤز کی آستین میں سے رومال نکال کر ناک سنکتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ اور شعلہ بار نگاہوں سے میزبان خاتون کو گھورا۔ پادری بنرجی اس اثنا میں سٹنگ روم سے گزرتے ہوئے جا کر برآمدے کے ایک در میں کھڑے ہو گئے تھے اور سر جھکا کر فرش کو دیکھ رہے تھے۔

اب مسز بسواس نے رومال آنکھوں پر رکھ لیا اور آنسو بہانے پر آمادہ ہوئیں۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"چلو ڈیر — واپس چلیں —" پادری بسواس نے آگے بڑھ کر نرمی سے اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ مسز بسواس نے غصّے سے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اور چلّاتے ہوئے بولیں۔ "ہم امیر لوگ نہیں ہیں۔ لدھیانے سے چل کر راجکماری کو دیکھنے آئے۔ آپ نے خود بلایا تھا۔ چار آدمیوں کا انٹر کلاس کا کرایہ —"

"اوہ شٹ اَپ مائی ڈیر —" پادری بسواس نے کوفت کے ساتھ کہا۔ لوتھر بسواس چھت کو تک رہا تھا۔

"چار آدمیوں کا انٹر کلاس کا کرایہ۔ لدھیانے سے ڈھاکے — ہم امیر نہیں ہیں۔ آپ کی طرح چرچ فنڈ کا روپیہ نہیں کھاتے۔"

"اوہ کیپ کوائٹ ماما —" لوتھر بسواس نے انتہائی خفت اور جھنجھلاہٹ کے ساتھ والدہ کو خاموش کرنا چاہا۔

"تم چپ رہو جی — میں ان سے مسز بنرجی سے بات کر رہی ہوں۔ آپ نے ہمیں خط لکھا۔ آپ نے مسز برکت مسیح کے ذریعے ہمیں کہلوایا کہ آ کر لڑکی دیکھ جاؤ۔"

"او شٹ اَپ — ماما — پلیز —" لوتھر بسواس نے پسینہ پسینہ ہوتے ہوئے دوبارہ استدعا کی —

"یو شٹ اَپ ایڈیٹ — ڈیم فول —" مسز بسواس اب ہسٹریکل ہونے والی تھیں۔ ادھر ایڈتھ نے "اِٹ واز اِن دی ایپل آف کیپری دیٹ آئی فاؤنڈ ہر —" کا دقیانوسی ریکارڈ گراموفون پر لگا رکھا تھا۔ جو ریں ریں کیے جا رہا تھا۔ لوتھر بسواس نے اٹھ کر غصّے کے ساتھ ریکارڈ پر سے سوئی ہٹا دی اور بہن کو گھور کر دیکھتا ہوا کرسی پر آن بیٹھا۔

"ہم نے انکوائری کی —" مسز بسواس کہے گئیں۔ "ہم نے ڈھاکے اپنی سسٹر اِن لا کو — بنرجی کے کزن برادر کی وائف کو خط لکھا کہ لڑکی کے حالات معلوم کرو۔ انہوں نے ہم کو لیٹر لکھا۔ میں نے بنرجی کو بولا۔ میں نے بولا۔ میری سسٹر نے لکھا ہے لڑکی کی شہرت اچھی نہیں ہے۔ لڑکی کے ہندو بوائے فرینڈ ہیں۔ لڑکی کانگریسی اور کمیونسٹ ہو گئی ہے۔"

"اوہ ماما — پلیز —"

سگریٹ گدھے کا بچہ — مس صاحب پر لٹّو ہو چکا تھا — کیا آگرہ۔ کیا سیالکوٹ۔ کیا لاہور۔ ہر جگہ سے اس کے لیے رشتے آ رہے ہیں۔ مسٹر ایڈورڈ منوّر خاں تو ڈپٹی کلکٹر ہیں میرٹھ میں۔ اُن کی لڑکی آئی ٹی میں پڑھ رہی ہے۔ اس تک کی بات آئی تھی۔ ایسا میرا ہیرا بیٹا ہے۔ آپ کی لڑکی میں ہے کیا — ذرا سُنوں تو —؟"

پادری بنرجی کمر کے پیچھے ہاتھ باندھے برآمدے میں کھڑے رہے۔ ایک دم اُن کی کمر جھک سی گئی تھی۔

مسز بسواس کی تقریر جاری رہی — "ہم تو اس گدھے کے بچّے کی ضد پوری کرنے اتنی دور چل کر آئے۔ ہے کیا آپ کے پاس۔ یہ فقط گھر — میرا بیٹا تو سینٹ جانز کالج میں لیکچرر ہونے والا ہے۔ ایم ایس سی پاس ہے۔ کسی تھرڈ پادری مشن اسکول میں نہیں پڑھاتا۔" (حالانکہ وہ تھرڈ پادری مشن اسکول ہی میں پڑھا رہا تھا)

"مائی ڈیر" پادری بسواس نے کہنا چاہا۔

"ماما —" ایڈتھ نے آواز نکالی۔

"دیکھوں تو کون سا آئی سی ایس مل جائے گا آپ کی لڑکی کو، جو ان کے لچھن ہیں ڈھاکے آ کر سُن لئے۔"

"میری — کیوں اپنی طبیعت خراب کرتی ہو —" پادری بسواس نے پھر احتجاج کیا۔

"بڑا ایلی کاٹج کا شہرہ سنا تھا۔ دیکھ لی آ کر ایلی کاٹج — میں تو اپنے گھر میں ایک دن بھی ایسا سڑا ہوا فرنیچر نہ رکھوں اور یعنی ہم کوئی دیسی پادری کی تنخواہ پر گزر تھوڑے ہی کر سکتے ہیں۔ ہماری تو گھر کی زمینداری بھی ہے۔ خدا باپ کا ہر طرح سے فضل ہے۔ مس صاحبہ اگر آتیں ہمارے ہاں نصیبہ کھل جاتا۔ رانی بن کر رہتیں۔"

مسز بسواس یہ بالکل بھول گئیں کہ صرف چند منٹ قبل انہوں نے اپنی غربت کا شکوہ کیا تھا۔ مگر اب پھر انہیں اپنا مالی نقصان یاد آ گیا۔ اور انہوں نے چلّا کر کہا۔ "پانچ سو روپیہ خرچ ہو گیا ہمارا۔" اتنے میں لوتھر بسواس جلدی سے باہر جا کر گھوڑا گاڑی لے آیا تھا۔ اس نے اندر آ کر پہلی بار غصّے سے بات کی۔

"ماما — کم آن — ڈونٹ کری ایٹ اے سین۔ بی ہیو یور سیلف پلیز — اب بس کرو۔"

اپنی ماما کا ہاتھ پکڑ کر انھیں تقریباً کھینچتا ہوا وہ باہر لے گیا اور گاڑی میں بٹھال دیا۔ پادری بنرجی بسواس

urdukutabkhanapk.blogspot.com

سر جھکائے ان کے پیچھے پیچھے باہر آئے۔ ایڈتھ لبواس نے میز پر سے اٹیچی کیس اٹھایا، جس میں سنہری بیل لگی رشمی ساری اور سنگتی کی انگوٹھی مقفل تھی۔ باہر آکر وہ اچک کے گاڑی میں سامنے کی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پادری لبواس واپس پلٹے اور برآمدے کے در میں کھڑے پادری بنرجی سے ہاتھ ملایا۔ "سوری ریورنڈ — آئی ایم ویری سوری — ناٹ یور فالٹ —" انھوں نے رسان سے کہا۔ پادری بنرجی ہاتھ پیچھے باندھے سر جھکائے خاموش کھڑے رہے۔ البتھ بنرجی سٹنگ روم کے دروازے سے لگی کھڑی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ لوتھر بھی جھجکتے قدم رکھتا برآمدے کی سیڑھی پر آیا اور سر خم کر کے کہا۔

"آئی ایم سوری آنٹی۔ پلیز ڈونٹ مائنڈ مائی مدر — گڈ بائی۔"

"گوڈ بلیس یو مائی سن —" پادری بنرجی نے آہستہ سے جواب دیا۔

لوتھر جلدی سے واپس لوٹا اور گاڑی میں ایڈتھ کے برابر بیٹھ گیا۔ مشن کمپاؤنڈ کے سارے بچے اور عورتیں گاڑی سے ذرا فاصلے پر جمع ہو گئے تھے۔ ڈریزی کے ذریعہ خبر سارے کمپاؤنڈ میں پھیل چکی تھی۔ کل تک ڈھاکے کی ساری نیٹو کرسچین سوسائٹی میں نشر ہو جائے گی۔

گھوڑا گاڑی لِلی کاٹیج کا چکر کاٹ کر پھاٹک کی طرف بڑھی۔ لوتھر لبواس کھڑکی میں سے سر نکال کر تازہ ہوا نتھنوں میں داخل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب گاڑی کمپاؤنڈ سے باہر جانے لگی تو اس نے دیکھا کہ روزی بنرجی للی کاٹیج کے پچھواڑے اپنے غسل خانے کی سیڑھیوں پر سنگی مورت کی مانند ساکت بیٹھی ہے۔ لوتھر لبواس نے احمقوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر اسے ویو کرنا چاہا۔ مگر ہاتھ مفلوج سا ہو گیا تھا۔ گاڑی چرخ چوں کرتی کچی سڑک پر آ گئی۔

لِلی کاٹیج کے اندر پادری بنرجی اپنے کمرے میں جا کر ایک کونے میں بیٹھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ انہیں روزی کے انکار سے زیادہ اس انکشاف سے دھکا لگا تھا کہ انھیں معلوم ابھی نہیں ہوا مگر دنیا بدل چکی ہے۔ ہمیشہ کی طرح صابر و شاکر گری بالا بنرجی آنسو خشک کر کے بار کا سامان سنگوانے میں مصروف ہو گئیں۔

۱۲

شانتی نکیتن

اپریل ۱۹۴۲ء۔ دیپالی سرکار سری سدن کے سامنے گھاس پر بیٹھی تھرڈ ایر کے آخری پرچے کی تیاری میں مصروف تھی۔ جب ایک لڑکی نے قریب سے گزرتے ہوئے چند لفافے اس کے سامنے گرا دیئے۔ روزانہ جب ڈاک آتی تھی۔ اس کا دل دھڑک اُٹھتا تھا۔ اُس شام کے بعد سے وہ ایسا غائب ہوا کہ اس کی طرف سے نہ کوئی خط آیا۔ نہ کوئی سندیش۔ نہ کوئی بادل۔ نہ کوئی راج ہنس اور جب انل کمار داس نے چار مس بارلو کے متعلق دریافت کیا تو وہ کچھ نہ بتا سکی۔ کیونکہ روزی بنرجی نے ڈھاکے سے کسی خط کا جواب نہ دیا تھا۔ اس کے لئے اتنا غم، اتنی فکر، اتنی پریشانی سب بیکار ہے نا۔ آج اتنے مہینے گذر گئے۔ ستمبر میں اس شام کو چھ مہینے گذر گئے۔

دیپالی نے پہلا لفافہ کھولا۔ جہاں آرا کا خط تھا۔ درگا پوجا کی چھٹیوں میں جب وہ ڈھاکے گئی۔ جہاں آرا اپنے علاقے پر فریدپور گئی ہوئی تھی۔ روزی کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ پادری صاحب نے اسے چھٹیاں گذارنے اپنی بہن کے پاس لال منیر ہاٹ بھیج دیا ہے۔ اوما دیبی کلکتے میں تھیں۔ دیپالی نے ساری چھٹیاں اپنے بھائیوں کے ساتھ لوڈو کھیلنے میں گزار دی تھیں۔ اب امتحان کے بعد گرمیوں کی تعطیلات شروع ہوں گی۔ اور پھر وہ چندر کنج واپس جائے گی۔ جولائی میں کالج کھلے گا۔ پھر یہاں آ جائے گی۔ اگلے سال بی اے کرے گی۔ اس کے بعد کیا ہو گا — ؟

جہاں آرا نے لکھا تھا:۔

"روزی کا قصہ تو اب خاصا پرانا ہو گیا — جب ملو گی تو پوری داستان سناؤں گی۔ مسز بنرجی امی کے پاس آکر رو رہی تھیں۔ روزی تو اس بات کا بالکل ذکر ہی نہیں کرتی۔ لال منیر ہاٹ سے واپس آکر پڑھائی میں مصروف ہو چکی ہے۔ خیر تھرڈ ایر کی ایسی پڑھائی بھی کیا۔ تم لوگ مجھ پر خواہ مخواہ رعب جھاڑتے ہو۔ بڑی آئیں یہ چار یاں بی اے اسٹوڈنٹس — اور بھئی ہم نے جو کہا تھا انٹر کے بعد گھر بیٹھے مزے کر رہے ہیں۔ مزے کیا کر رہے ہیں دیپالی، یہ تو بالکل غلط ہے۔ ابا کا حکم کیسے ٹالا جا سکتا ہے۔ ابا اعلیٰ تعلیم کے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

حامی نہیں تو پھر الف اے تک ہی کیوں پڑھایا تھا۔ پچھلے سال مارچ میں جب ابا مسلم لیگ کے اجلاس کے لئے لاہور گئے تھے جب پاکستان ریزولیوشن پاس ہوا تھا۔ تو لاہور سے واپسی پر شگفتہ ہوتے آئے تھے۔ اور اگر کہنے لگے کہ میں تم کو بی۔ اے کے لئے علی گڑھ بھیج دوں گا۔ مگر اس کے بعد پھر ارادہ بدل دیا۔ جانے ابا کے دل میں کیسے لئے کیا پروگرام ہے۔ اُن سے کون پوچھ سکتا ہے۔

مگر روزی نے کمال کر دیا۔ مسٹر لوتھر بیسو اس بے چارے کو ہری جھنڈی دکھا دی۔ میں نے روزی سے کہا کہ تم لوگ دونوں اپنے اپنے ماحول کے پروردہ ہیں۔ تم بغاوت کرکے کہاں جاؤ گی۔ اور یہ اونچی ذات کے بنگالی کرسچین اگر قدامت پرست ہونے پر آئیں تو ان کا کوئی جواب نہیں۔ کہنے لگی۔ سولیڈرٹی مجھے سہارا دے گی۔ میں نے اپنے آپ کو سولیڈرٹی کے لئے وقف کر دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اور روزی کس قسم کی باتیں کرتی ہو اور کیا کرنے والی ہو۔۔ اللہ تم لوگوں کی عقلیں ٹھکانے پر رکھے۔

"باقی ڈھاکے کے حالات بدستور ہیں۔ تمہاری اوما رائے کلکتہ ہی میں ہیں۔ ایک خبر یہ ہے کہ نیر بھائی کی منگنی ہو گئی۔ وہ شمسہ خالہ نہیں ہیں۔ امی کی پرانی سہیلی۔ جو گنگی بگیچے میں رہتی ہیں ان کے جیٹھ کی لڑکی سے۔

"ہاں اس پر یاد آیا کہ شمسہ خالہ کے پڑوس میں جل پائے گوری سے ایک مولوی صاحب آ کر رہے ہیں۔ مولوی عبدالمجید خاں۔ ان کی لڑکی یاسمین میٹرک میں پڑھ رہی ہے تو بیگم عبدالمجید نے خالہ سے کہا کہ یاسمین کی انگریزی کمزور ہے کوئی استانی اس کے لئے لگوا دیں۔ شمسہ خالہ نے مجھ سے ذکر کیا تو مجھے ایک دم روزی کا خیال آیا۔ اور میں نے روزی سے ان کی بات چیت کرا دی۔ یاسمین میرے ہاں آئی تھی۔ خاصی دلچسپ لڑکی ہے۔ مگر مجھے کچھ خبطی سی معلوم ہوتی ہے۔ جب اس کی امی کمرے سے چلی گئیں تو مجھ سے چپکے سے بولی۔ آپا۔ یہ امی اور ابا لے کار مجھے آگے پڑھانے کی فکر میں ہیں۔ میں تو ڈانسر بنوں گی۔ میں بھونچکی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ اور میں نے کہا۔ بی بی۔ اتنا قدامت پرست خاندان تو تمہارے باپ کا ہے تم کس طرح ڈانسر بنو گی۔ ذرا یہ تو بتاؤ۔ اور ڈھاکے میں جہاں ایک ہزار مسجدیں اور بیس ہزار مولوی ہیں یاسمین بی بی تم نے ناچ سیکھ بھی لیا، تو ناچو گی کہاں جا کر۔ مگر وہ سر ہلا کر کہنے لگی۔ آپا۔ دیکھ لینا۔ ایک دن میں ڈانسر بن کر ہی دکھا دوں گی۔ میں سمجھتی ہوں اگر اس کے ابا یہ بات سن لیں تو اس کا گلا ہی گھونٹ دیں۔ واقعی۔ مگر یہ آج کل کی لڑکیاں میرے بھائی ۔۔۔ بہر حال تو اب روزی ہفتے میں چار دن سگن بگیچے جا کر یاسمین کو انگریزی پڑھا رہی ہے۔ اچھا ہے اس کا جیب خرچ نکل آیا۔ روزی کے لئے بڑا دل دُکھتا ہے۔ چپ چپ سی رہتی ہے اور اکثر بہت پریشان نظر آتی ہے۔

اب تم امتحان دے کر آؤ۔ تو اطمینان سے گپ شپ رہے گی۔"

تمہاری — جہاں آرا

اس خط سے دیپالی کو کچھ اندازہ ہوا کہ اب تک روزی نے اس کے خط کا جواب کیوں نہیں دیا تھا۔

دوسرا خط بابا کا تھا۔

"میں خیریت سے ہوں۔ کھوکھو۔ شونو۔ ٹونو بھی اچھی طرح ہیں۔ تمہاری گھر سے غیر حاضری کی وجہ سے ٹونو پر نگرانی رکھنے والا کوئی نہیں رہا۔ اس لئے وہ بے حد شیطان ہوتا جا رہا ہے۔

"تم کو پیسوں کی ضرورت ہو تو فوراً لکھ دیا کرو۔ کبھی یہ نہ سوچو کہ میں تمہیں پیسے نہ بھجوا سکوں گا۔

"کل ایک بڑی افسوسناک بات معلوم ہوئی۔ تم کو بھی معلوم ہو کر رنج ہوگا۔ دیدی نے گودام کھول کر دھوپ میں سکھانے کے لئے پرانے کپڑے باہر نکالے۔ ڈیڑھ دو سال سے بڑا صندوق نہیں کھولا تھا۔ اُسے کھولا تو تمہاری ماں کی تین بالوچر ساڑھیاں غائب تھیں۔ چور کدھر سے آئے۔ کب چوری ہوئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھے بھی بے حد صدمہ ہوا۔ کیونکہ یہ میری ماں کی ساڑیاں تھیں۔ جو انہوں نے تمہاری ماں کو دی تھیں یہ ساریاں تمہیں معلوم ہوگا۔ پرانے خاندانوں میں دلہنوں کو دی جاتی تھیں۔ اور تمہاری بے چاری ماں نے اپنی تینوں بہوؤں کے لئے رکھ چھوڑی تھیں۔ انھیں بُننے والے مرشد آباد کے مسلمان کاریگر کب کے مر کھپ گئے اور یہ فن بھی ان کے ساتھ گیا۔ اب یہ ساریاں ملتی نہیں ہیں۔ دیدی تو چوری کے غم اور دہشت سے تقریباً بیمار پڑ گئی ہیں۔ تم جانتی ہو وہ پہلے ہی سے اعصاب زدہ ہیں۔ ان کو فکر ہے کہ چوروں نے گھر دیکھ لیا تو باقی سامان بھی نکل جائے گا۔ اور مجھے یہ اطمینان ہے کہ ہمارے گھر میں اور کوئی شے چوری کے لائق ہے ہی نہیں۔"

بابا کا خط لفافے میں واپس رکھ کر دیپالی گم سم سر جھکائے بیٹھی رہی اور گھاس کی پتیاں توڑا کی۔ پھر اس نے گھڑی دیکھی اور لائبریری جانے کے ارادے سے یونیورسٹی کی طرف روانہ ہو گئی۔

شام تک دیپالی لائبریری میں اپنی مخصوص چھوٹی سی کھڑکی میں بیٹھی پڑھنے میں منہمک رہی کھڑکی کی سلاخوں کے باہر اونچی اونچی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ کتابوں کی الماریوں میں پرانے کاغذوں کی مہک رچی تھی۔ بیشتر طالب علم ہال سے باہر جا چکے تھے۔ دیپالی کتاب بند کرکے سوچنے لگی۔ صبح ڈاک خانے جا کر ٹکٹ خریدے گی۔ بابا کو خط لکھے گی۔ (جہاں آرا، کا خط فوری طور پر جواب طلب نہیں تھا) ساریوں کے چوری کے متعلق اپنے رنج کا اظہار کرے گی۔ مگر یہ دوہری زندگی جو وہ دو ڈھائی برس سے گزار رہی ہے۔ اس کا انت کیا ہے؟

urdukutabkhanapk.blogspot.com

وہی جوش و خروش گذر جانے کے بعد جب ضمیر ملامت کرتا ہے کہ بابا کو اس طرح دھوکے میں رکھو تو اس ضمیر کا کیا علاج کیا جائے؟ ضمیر کیا ہے؟ میں کون ہوں —؟ وشوا بھارتی کی کھڑکی میں بیٹھی ہوئی یہ لڑکی کون ہے؟ ریحان دادا کون ہیں؟ اوما رائے اور روزی بنرجی کون ہیں؟ گرودیو اور اکشے اور جہاں آرا۔ ڈاکٹر بنوئے چند سرکار؟ آتمائیں؟ پچھلے سنسکاروں کے بنائے ہوئے ذہن؟ کیا ایک ایک قدم ایک ایک حرکت پہلے سے مقدر ہے یا محض حادثے کا نتیجہ ہے۔" اقتصادی، سماجیاتی تاریخی عوامل —؟"

ایک مور نہایت غرور سے سر اٹھائے کھڑکی کے نیچے سے گذر گیا۔ عرفانیت اور رومان اور فلسفے کے اس گڑھ میں۔ یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر اس سرخ آرٹسٹک مکان کے اندر گرودیو ابھی تک سوالات کا جواب دینے کے لئے موجود ہیں۔

لیکن راستہ کیسے معلوم ہے؟

سولیڈرٹی —! سولیڈرٹی میں جواب — شاید — موجود ہے۔

اٹھو — دیپالی — وہ اکثر چوبیس گھنٹے وقت کے اندرونی سفر میں خود سے کہتی رہتی۔

اٹھو — اب یہ کام کرنا ہے۔ اب یہاں سے جانا ہے۔ اب یہ پڑھنا ہے۔ اب اس سے بات کرنی ہے۔ بھٹکو مت —

وہ کھڑکی میں سے اٹھی اور کتابیں سمیٹ کر باہر نکلی۔

۱۳

مس روزی بنرجی اور سولیڈرٹی

روزی بنرجی بسواس فیملی کی کار کے کمپاؤنڈ سے باہر نکل جانے کے بعد غسل خانے کی سیڑھی پر ساکت و صامت بیٹھی رہ گئی تھی۔ جس وقت مسز بسواس سٹنگ روم میں دہاڑ رہی تھیں وہ غسل خانے کے کواڑ سے کان لگائے کھڑی تھی۔ اور اس نے سنا تھا "ہم نے انکوائری کی۔ میری سسٹر ان لا نے لکھا لڑکی کی شہرت اچھی نہیں ہے۔ اس کے ہندو بوائے فرینڈز ہیں۔ لڑکی کانگریسی کمیونسٹ ہو گئی ہے۔"

وہ دھک سے رہ گئی — یہ خبر کس طرح پھیلی؟ اب پاپا اس کا کس طرح قیمہ اور بھرتہ بنائیں گے۔ مگر اسے بڑا تعجب ہوا جب اس نے رات کو اپنے کمرے سے باہر نکل کر دیکھا کہ پاپا اور ماما دونوں نے اس سے ایک لفظ نہیں کہا۔ پاپا روتے رہے تھے (یہ دیکھ کر اس کا دل کٹ کر رہ گیا) اور ماما کی بھی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ مگر وہ دونوں خاموش تھے۔

پادری بنرجی کی یہ خاموشی وقتی نہیں تھی۔ اس روز کے بعد سے انہوں نے اپنی اکلوتی لڑکی سے بول چال تقریباً بند کر دی۔

ریورنڈ بنرجی کی خفگی روزی سے محض اس بنا پر نہیں تھی کہ اس نے نوتھر بسواس اور اس کے خاندان کے سامنے ان کو اس بُری طرح شرمندہ کیا۔ انہوں نے دوسرے ہی روز مختلف ذرائع سے روزی کی سرگرمیوں کے متعلق معلوم کروایا تھا۔ اور ان کو پتہ چلا تھا کہ مسز بسواس کی "مادجری سسٹر" کی اطلاع صحیح تھی۔ روزی بنرجی اکثر برات شہر کے کونوں کھدروں میں چند مفسد، فتنہ پرداز اور حکومت کے باغی اور غدار ہندو اور مسلمان نوجوانوں کے ساتھ دیکھی گئی تھی۔ اس اطلاع نے ریورنڈ بنرجی کا سر جھکا دیا تھا۔

اسی دوران میں چارلس بارلو کے متعلق دیپالی کا خط پہنچا۔ روزی نے وہ خط پرزے پرزے کر کے نذر آتش کر دیا۔ اور لرز کر سوچا۔ مجھے جیل بھیجا جا سکتا ہے۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ میرے ذریعے دیپالی آیا کے بھیس میں کینٹ ویل کے بنگلے پر پہنچی تھی۔ تو مجھے جیل ہو سکتی ہے۔ میں اپنے سیدھے اور نیک دل باپ کو کس قصور میں سزا دے رہی ہوں؟ کیا یہ ان کا قصور تھا کہ ماما کو بال ودھوا بننا پڑا۔ پاپا نے پیٹ کی خاطر مذہب تبدیل کر لیا۔ میری سمجھ میں یہ چند باتیں آگئی ہیں، تو کیا دنیا کے حالات بدل جائیں گے؟

وہ اب خاموشی سے کالج جاتی اور واپس آکر اپنے کمرے میں پڑ رہتی۔ تعطیلات میں ایستھر بنرجی نے شوہر کو سمجھا بجھا کر اس کے لئے لال منیرہاٹ کا ٹکٹ منگوا دیا۔ شمالی بنگال سے واپس آکر وہ پھر اپنی پڑھائی میں لگ گئی۔ کبھی کبھار جہاں آرا کے اصرار پر ارجمند منزل چلی جاتی۔ مگر ارجمند منزل کی امارت اور آسائش اسے اور زیادہ مضطرب کرتے۔ یہ لوگ اتنے امیر اور باعزت ہیں۔ میں غریب اور کم حیثیت ہوں۔ وہ گھٹیا چرچ نشین لوگ میرے گھر آکر میرے ماں باپ کو ان کے افلاس کا طعنہ دے کر چلے جاتے ہیں اور میرا

urdukutabkhanapk.blogspot.com

باپ میری خاطر آنسو بہاتا ہے۔ آخر یہ سب کیوں۔ میں اس کا حل کس طرح تلاش کروں۔ پھر جہاں آرا نے اس کے لئے مولانا صاحب کے ہاں سگن بیگھے میں ٹیوشن لگا دیا۔ ذوہ لڑکی یاسمین بھی نا می با دلی سی تھی۔ جانے ہم لوگوں کا کیا حشر ہوگا) اور وہ شام کو وہاں جانے لگی۔

ایک روز وہ ٹیوشن کا شکریہ ادا کرنے کے لئے جہاں آرا، کے یہاں ارجمند منزل گئی تو جہاں آرا نے بڑی حیرت سے اُسے دیکھا۔ شمالی بنگال کی برہمن عورتیں بے حد گوری ہوتی ہیں۔ اور روزی بھی اپنے سفید اور حسین رنگ و روپ کے لئے مشہور تھی۔ جہاں آرا نے اس سے کہا۔ " روزی۔ تم تو بالکل بیبی پڑگئیں۔ تم نے ان کو چلتا کیا۔ بہت اچھا کیا۔ اب کیوں کلس رہی ہو؟ سوچو، تم میں اتنی ہمت ہے کہ انکار کر دو۔ مگر جب میری اس طرح شادی طے کی جائے گی تو میں سر جھکا کر ہاں کر دوں گی۔

" تمہاری شادی۔ جہاں آرا۔؟" روزی نے پوچھا۔

اچانک جہاں آرا، گاؤ تکیہ میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

" جیزس کرائسٹ۔ تم کو کیا ہوگیا جہاں آرا۔" روزی نے گھبرا کر کہا۔

" کچھ بھی تو نہیں۔" جہاں آرا نے آنسو پونچھ کر کہا! اور سیدھی ہو بیٹھی۔

روزی نے پہلی بار جہاں آرا کو تعجب سے دیکھا۔ یہ خوش قسمت، باعزت، پردہ نشین رئیس زادی جو بیرونی دنیا کے خطروں اور مصیبتوں سے محفوظ و مامون اپنی محلسرا میں آرام سے بیٹھی ہے۔ اسے کیا فکر ہے۔ صرف یہی کہ جانے کیسے آدمی سے شادی ہوگی۔ ساری پردہ نشین لڑکیوں کا محض یہی ایک مسئلہ تھا۔ جہاں آرا، روزی اور دیپالی دونوں سے بڑی تھی۔ اور روزی کو یاد آیا۔ پچھلے سال ایک مرتبہ ماما کہہ رہی تھیں۔ بیگم قمر الزماں اس فکر میں گھلی جا رہی تھیں کہ جہاں آرا، جو بیس سال کی ہوگئی۔ لیے ہم پلہ ذو سار کے لڑکے جاہل اور نکمے ہیں۔ متوسط طبقے میں بیاہ دینے سے ناک کٹ جائے گی۔ اس کے علاوہ جہاں آرا کی شادی کے سلسلے میں اور کیا مسائل تھے۔ ان کا ذکر بیگم قمر الزماں نے مسز بنرجی سے نہیں کیا تھا اور جہاں آرا نے اپنے نجی معاملات کے بارے میں اپنی سہیلیوں سے آج تک کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ جہاں آرا کی اچھی خاصی شکل تھی گو وہ دیپالی کی طرح دلکش اور روزی کی طرح گوری نہ تھی۔ لیکن وہ سمجھ دار، حساس اور خاموش طبیعت لڑکی تھی۔ اس کا ایک بڑا بھائی اور دو چھوٹی بہنیں تھیں۔ لیکن وہ ان سب میں مختلف اور علیحدہ معلوم ہوتی تھی۔

روزی نے آج تک جہاں آرا کی ذاتی زندگی کے متعلق نہ سوچا تھا۔ اسے اور دیپالی کو کالج کے ڈراموں اور اب سیاسی مسائل ہی سے فرصت نہیں تھی۔ ہم سب اپنی اپنی دلچسپیوں اور اپنے آئیڈیلز کے سلسلے میں کتنے خود غرض ہیں۔ روزی کو اس وقت پہلی بار خیال آیا۔ اس نے دوبارہ جہاں آرا پر نظر ڈالی، جو اپنی شاندار خوابگاہ میں مسند پر نیم دراز پھر چپکے چپکے رو رہی تھی۔

" جہاں آرا۔" روزی نے الجھن سے کہا۔ وہ پچھلے چند مہینوں میں بڑی ہوگئی تھی اور خود کو بوڑھی عورت سمجھنے لگی تھی۔ چند ماہ قبل اگر وہ جہاں آرا کو اس طرح روتے دیکھ لیتی تو نیوڈل رومینٹک ہیروئن، کہہ کر کس کس طرح اسے نہ چڑاتی۔

پھر روزی نے سوچا۔ میں اور دیپالی خوش قسمت ہیں کہ ہمارے پاس سولیڈرٹی موجود ہے۔ جو ہمارے ذاتی اور جذباتی مسائل سلجھانے میں ہماری مدد کرے گی۔ مگر بے چاری جہاں آرا، واقعہ یہ ہے کہ اپنے جاگیری مذہبی رجعت پسند تمدنی حصار میں قید ہے۔ اور اسے سہارا دینے والا کوئی نہیں۔ نہ یہ کچھ سمجھتی ہے۔

پھر جہاں آرا، مسند سے ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ اپنی جامدانی کی ساری کے پلو کو ایک بازو پر لپیٹتے ہوئے اس نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ " روزی۔ ذرا اپنی صورت دیکھو آئینے میں۔ اتنے دنوں میں ایسی زرد پڑ گئیں تو ابھی سے سوچ لو کس حد تک بغاوت کر دگی۔؟"

" سولیڈرٹی۔" روزی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

" وہ کس بلا کا نام ہے؟" جہاں آرا نے غصے سے کہا۔ پھر اس نے ملازمہ کو چائے لانے کے لئے آواز دی۔

" میں نے سولیڈرٹی کے لئے خود کو وقف کر دیا ہے۔ وہی مجھے سہارا دے گی۔" روزی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

جہاں آرا نے اسے اچنبھے سے دیکھا۔

" تم کو کچھ معلوم نہیں جہاں آرا بیگم کہ دنیا میں کیا ہونے والا ہے۔" روزی نے اب ذرا با ہمت آواز میں کہا۔

" تمہیں معلوم ہے؟"

روزی خاموش ہوگئی۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

مالا الفرقی کشتی میں چائے لے کر حاضر ہوئی۔ جہاں آرا کی چھوٹی بہنیں انجم آرا اور اختر آرا شور مچاتی اندر آ گئیں۔ جہاں آرا فوراً ہنس ہنس کے اور مصنوعی بشاشت سے ان کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ روزی چپ چاپ کشتی کے گنگاجمنی نقش و نگار کو دیکھتی رہی

"اور سناؤ روزی۔" جہاں آرا نے چائے بنا کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "تمہاری شاگرد اور مستقبل کی مشہور رقاصہ یاسمین مجید کے کیا احوال ہیں۔"

۱۴

آمار پرانیر آرام مونیر آنند ـــ

بی اے پریویس کے امتحان ختم ہو چکے تھے۔ مگر دیپالی موسیقی کے ایک اعلیٰ امتحان کی تیاری کے سلسلے میں مزید چند ہفتوں کے لئے شانتی نکیتن میں ٹھہری ہوئی تھی۔ ساری درسگاہ تقریباً سنسان ہو چکی تھی۔

آخر مئی کی ایک گرم شام وہ کلا بھون کے باغ میں گھاس میں ڈوبے گوتم بدھ کے مجسمے کے نیچے بیٹھی قدیم راگوں کے ایک "شجرے" پر سر کھپا رہی تھی۔ جب درختوں میں سے نکل کر انل کمار داس اُس کے سامنے نمودار ہوا۔ انل ایک خوش مزاج لڑکا تھا۔ ہر وقت باچھیں کھلیں رہتی تھیں۔ سامنے آ کر نمسکار کرنے کے بعد اس نے ایک کتاب دیپالی کو دی۔

دیپالی نے کتاب کھولی۔ اس میں سے حسبِ توقع ایک پرچہ نکلا۔ دیپالی کا دل بڑے زور سے دھڑک اٹھا۔ پرچے میں لکھا تھا۔

"پیاری بچی۔

معاف کرنا تم کو اتنے طویل عرصے تک کوئی خیر خبر نہ بھجوا سکا۔ (اندازِ تحریر کس قدر تنخی تھا۔ کمال کی تکنیک ہے۔ واقعی دیپالی نے سوچا) تم نے اس بار بھی خاصی بری طرح لیٹ ڈاؤن کر دیا۔ مگر ظاہر ہے کوئی زبردست مجبوری رہی ہوگی۔ بہر حال۔ اب انل تم سے جو کہتا ہے اس پر از جلد عمل کرو۔ اس میں تمہارا بہت فائدہ ہے۔ فقط۔"

"ریحان دا دسمبر کے مہینے سے کھلنا اور اس کے بعد سے نواکھالی میں تھے۔ آج کل وہ خاص الخاص سندربن میں ایک جگہ چھپے ہوتے ہیں۔ میں اُن کے پاس سے کل ہی واپس آیا ہوں۔ ریڈیو کی نئی بیٹری لے کر گیا تھا۔" انل اطمینان سے گھاس پر بیٹھ گیا۔

"مگر ریحان دا نے مجھے کیا کرنے کو کہا ہے؟" دیپالی نے پوچھا۔

"بتاتا ہوں دیدی۔ بتاتا ہوں۔ میں تو سمجھا تھا کہ آپ ڈھاکے واپس گئیں۔ مگر راستے میں معلوم ہوا کہ آپ ابھی۔"

"اصل بات بتاؤ۔" دیپالی نے ذرا جھنجھلا کر کہا۔

"بات ـــ؟ بات کچھ بھی نہیں۔" انل نے کھیسیں نکال کر جواب دیا۔ "ریحان دا نے آپ کو سندربن بلایا ہے۔"

"کیا ـــ؟"

"ہیں ـ دیدی ـ؟"

"مجھے سندربن کیوں بلایا ہے؟ وہاں پہنچنا آسان ہے؟ اور کس لئے؟"

"پہنچنا آسان بالکل نہیں ہے۔ بڑا خطرناک سفر ہے، دیدی اور کیوں بلایا ہے۔ یہ مجھے کیا معلوم۔ صرف اتنا ہی کہا تھا۔ اپنی دیپالی دی کو فوراً یہ سندیسہ دو کہ ایک بیحد اہم میٹنگ میں ان کی شرکت ضروری ہے۔"

"اور کون کون جا رہا ہے۔"

"دادا نے کہا تھا دیپالی دی کو بتا دینا کہ سریندر دا، محفوظ الرحمٰن میاں، اور ان کی بیوی عائشہ آپا آئیں گے۔ باریسال سے۔ یہاں سے آپ ہوں گی اور محمود الحق دا ڈھاکے سے پہنچیں گے۔ کانفرنس ہے۔ اور انھوں نے تھوڑی سی چیزیں بھی منگوائی ہیں۔ لیتی جائیے گا۔" انل نے کرتے کی جیب سے ایک فہرست نکال کر تھما دی۔ فہرست میں چند نئے اخباروں اور برطانوی رسالوں کے نام لکھے تھے۔

"دادا کو بس ان کتابوں کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے؟" دیپالی نے تعجب سے پوچھا۔ "اُن کا دل کبھی اچھے کھانے کھانے کو بھی تو چاہتا ہوگا۔ میں ـــ"

"یہ کچھ نہیں بتایا۔ لے جائیے ایک آدھ اچار چٹنی۔"

"اور میں جاؤں گی یہاں سے کس طرح؟"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"آپ یہاں سے رانا گھاٹ اسٹیشن تک اکیلی جائیے۔ ریحان دا کا ایک آدمی آپ کو رانا گھاٹ اسٹیشن پر ملے گا۔ وہ آپ کو جیسور کے راستے سے کھلنا تک پہنچائے گا۔ وہاں سے ایک اور آدمی آپ کو باگھیرہاٹ تک لے جائے گا۔ باگھیرہاٹ سے ــ" اگلے پندرہ منٹ اس نے دیپالی کو ریحان تک پہنچنے کا پیچدار راستہ سمجھانے میں صرف کئے اور ایک تنکے سے مٹی پر دریاؤں اور ٹرینوں کا نقشہ بنایا۔ دیپالی آنکھیں پھیلائے نقشہ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔

پھر انل جلدی سے اٹھا اور مداری کی طرح جیب سے نکال کر دو سَو کے نوٹ اسے تھما دیئے۔

"یہ کیا ہے؟"

"ریحان دا نے بھجوائے ہیں کرائے کے لئے۔ وہ کہہ رہے تھے۔ دیپالی سے کہنا آج کل ہم بہت مخت رئیس ہو رہے ہیں۔ اسی لئے تم لوگ جلدی سے آکر جنگل میں تھوڑا سا جشن منا جاؤ۔ پھر پیسے ختم ہو جائیں گے۔ اور اس کے بعد اور بھی نہ جانے کیا ہو جائے۔"

"یہ بیکار کی بات ہے۔" دیپالی نے متانت سے کہا۔ "تمہارے ریحان دا بعض مرتبہ ایسی میلو ڈریمٹک باتیں کیوں کرنے لگتے ہیں۔" اس نے نوٹ اپنے بیگ میں رکھ لئے۔

"اچھا اب میں بھاگتا ہوں دیدی۔ آپ کو جس دن روانہ ہونا ہو، مجھے ایک پوسٹ کارڈ ڈال دیجیے گا۔ میں آپ کو یہاں سے رانا گھاٹ جانے والی ٹرین پر بٹھال دوں گا۔" انل سر سے اوپر ہاتھ اُٹھا کر اسے نمسکار کرتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتا سڑک کی طرف چلا گیا۔ دیپالی گوتم بدھ کے کالے اونچے مجسمے کے پیروں کو غور سے دیکھنے لگی۔ کلا بھون کے جس فنکار نے یہ مجسمہ بنایا تھا وہ واقعی بڑا زبردست ماہر اناٹومی تھا۔ کیونکہ پاؤں کی ایک ایک انگلی کا ایک ایک جوڑ اور ناخون بے حد حقیقی معلوم ہو رہا تھا۔ سامنے دوسرے شیاملی جھونپڑوں کی دیواروں پر بنے ہوئے سیاہ مجسمے بھی بڑے جاندار سے دکھائی دے رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ میگھ دوت کے اسٹیج پر وسط میں کھڑی ہے اور ڈیکور کی مورتیاں اُسے گھور کر دیکھ رہی ہیں۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سیاہ بادل خلیج بنگال اور سندربن کے اوپر سے بہتے بیربھوم کی سمت بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اس نے آنکھوں پر زور ڈال کر دھیان سے دیکھا تو سیاہ بادلوں میں ایک سفید بگلا اوپر اڑتا جا رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خوب ہی مسکرائی اور اس کا چہرہ بھی متبسّم تھا۔ پھر اس نے جلدی جلدی ہوسٹل کی سمت قدم بڑھانے شروع کئے۔

رات کو اپنے کمرے میں لیمپ کے سامنے بیٹھ کر خود سے کہا۔ اب میں اپنے باپ کو ایک اور زبردست دھوکا دیتی ہوں۔ اُس نے لکھا ــ بابا۔ یہاں سے لوک گیت جمع کرنے والوں کی ایک ٹولی سنتھال پرگنہ کے گاؤں میں جا رہی ہے۔ انہوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا ہے۔ کیونکہ یہ ٹور میری تھیوری آف میوزک کے دوسرے پرچے کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوگا۔ میں جلد ہی گھر پہنچنے کی کوشش کروں گی۔ آپ فکر نہ کیجئے ــ آپ کی بیٹی، دیپالی

خط بند کر کے وہ باہر آئی۔ نیم تاریک روشوں اور سنسان باغیچوں سے گزرتی سڑک تک پہنچی اور آنکھیں بند کر کے خط لیٹر بکس میں گرا دیا۔

۱۵

سُندربن

سندربن کا سلسلہ جنوبی بنگال میں چوبیس پرگنہ سے لے کر باقر گنج اور کھُلنا کے اضلاع تک پھیلا ہوا ہے۔ ان گھنے اور پُر خطر جنگلوں میں مشہور عالم رائل بنگال ٹائیگر اور چیتے اور ہرن دوڑتے پھرتے ہیں۔ اور دن کے وقت رات کا سا اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ لاتعداد ندیوں اور جزیروں اور سندری کھاڑیوں اور دلدلوں اور سندری درختوں کی اس لرزہ خیز حسین و جمیل کائنات میں اکّا دکّا مچھیروں اور لکڑہاروں کی بستیاں گھنے جھرمٹوں میں پوشیدہ ہیں۔ سندربن کا یہ وسیع و عریض علاقہ دنیا کے حسین ترین اور خطرناک ترین خطوں میں سے ہے۔

دیپالی سرکار کی کشتی باگھیرہاٹ سے روانہ ہو کر ایک نامعلوم منزل کی طرف بہتی جا رہی تھی۔ دیپالی چاروں طرف کے بیتیاک حد خوبصورت مناظر کو دیکھ دیکھ کر سکتے میں بیٹھی تھی۔ اور اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ ریحان دا سے ملنے جا رہی ہے۔

ریحان دا ــــ جیتوؤں کی چپ شپ اور کائنات کی اس آبی اور سبز خموشی میں یہی نام مرتعش تھا ــــ وہ ریحان دا سے ملنے جا رہی ہے۔

دن بھر چلتے رہنے کے بعد کشتی شام کو ایک گاؤں کے گھاٹ پر پہنچی۔ سنسان جیٹی پر ایک بوڑھا

urdukutabkhanapk.blogspot.com

مسلمان جس کی سفید داڑھی ہوا میں لہرا رہی تھی لالٹین ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔ دیپالی اپنا اٹیچی کیس (یہ تاریخی اٹیچی کیس!) اور تھیلا اٹھا کر بانس کی جیٹی پر اتری۔ ملاح نے کُھلنا کی ساحلی بنگلہ میں بوڑھے مولوی سے کوئی بات کہی۔ مولوی نے لالٹین اٹھا کر دیپالی سے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ بیٹی۔"

کشتی پانی پر واپس چلی گئی۔ دیپالی اب تحیّر کے عالم میں اس ازلی جنگل میں تنہا کھڑی تھی۔ میں کہاں سے کہاں آگئی۔ اس نے حیرت اور خوف کے ساتھ سوچا۔ لیکن ریحان اس راستے کے سرے پر موجود ہیں۔ میں محفوظ ہوں۔

بوڑھے نے اس کا بکس اور تھیلا اٹھا کر کندھے پر رکھ لیا۔ وہ اس کے ساتھ جیٹی پر سے اتر کر پگڈنڈی پر آگئی۔ بوڑھا بلا کی پھرتی سے قدم اٹھا رہا تھا۔ شاید اس بوڑھے نے اپنی ساری عمر اسی جگہ پر گزاری ہے۔ اور اسی جگہ اسی حالت میں مرجائے گا۔ ہم نے اس کے لئے کیا کیا ہے اور کیا کریں گے؟ یہ سوچ کر دیپالی نے حسب عادت نئے جوش کے ساتھ اپنی رفتار تیز کردی۔

"باقی لوگ آگئے؟" دیپالی نے بوڑھے سے پوچھا۔

وہ چُپ رہا۔ دیپالی کو یکلخت ڈر سا لگا۔ پھر اس نے سوچا۔ شاید یہ میرا شہری لہجہ نہیں سمجھ سکا۔ اس نے اپنا سوال دُہرایا۔ "دوسرے لوگ جو آنے والے تھے؟"

بوڑھے نے نفی میں سر ہلا دیا۔ دیپالی متفکر ہوگئی۔ مگر ـــ کیا ہوسکتا تھا۔ اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر میں اتنی دہشت زدہ کیوں ہورہی ہوں۔ حد ہے۔ اگر میں نے کوئی حماقت کی ہے تو۔ تو اُسے بھگتنا پڑے گا۔ او ماں ـــ او ماں ـ ماں ـ دیپالی نے بے طرح ہڑبڑا کر دیوی سے دعائیں مانگنا شروع کردیں۔

آدھ گھنٹے میں وہ لوگ درختوں کے ایک جھرمٹ میں پہنچ گئے۔ جس کے ایک طرف ندی بہہ رہی تھی۔ سائیکلون کے تھپیڑوں سے شکستہ لیکن خوبصورت بانس کا جھونپڑا سامنے کھڑا تھا۔ برآمدے پر پھولوں کی بیلیں چڑھی تھیں اور طاق میں دیا جل رہا تھا۔ مولوی نے بکس اور تھیلا برآمدے کے کچے فرش پر رکھ کر آواز دی۔ "زینب!"

ایک بوڑھی عورت پیوندوں سے بھری اودی ساری لپیٹے اندر سے نکلی۔ اس نے جھک کر دیپالی کو غور سے دیکھا اور مسکرائی۔ "آؤ ـ آجاؤ ـــ"

دیپالی نے اسے نمسکار کیا اور اس کے پیچھے پیچھے تین کمروں کے صاف ستھرے جھونپڑے میں داخل ہوئی۔

"تمہاری کھاٹ میں نے اپنی کوٹھری میں بچھادی ہے۔ برابر والے کمرے میں مولوی صاحب اور میرے دونوں بیٹے رہتے ہیں۔ وہ دونوں کام سے کُھلنا گئے ہوئے ہیں۔"

دیپالی کھاٹ پر بیٹھ گئی۔

"تم کو بھوک لگی ہوگی۔ راستے میں کچھ کھایا تھا؟ یہ لو ـــ" بوڑھی عورت نے بُھنے ہوئے چاول کے میٹھے لڈو ایک رکابی میں رکھ کر اُسے پیش کئے اور پانی کا گلاس اس کے سامنے رکھا۔ یہ غربت اور یہ مہمان نوازی ـــ دیپالی کے حلق میں کوئی چیز آ اٹکی۔ اس کی ہچکچاہٹ دیکھ کر بوڑھی عورت نے کہا ـــ

"ریحان میاں باہر ندی پر بیٹھے ہیں ادھر ـــ"

دیپالی نے غربت کا دور سے مطالعہ کیا تھا۔ وہ سفید پوش طبقے کی ناداری سے واقف تھی جو اس کی اپنی ناداری تھی۔ اس نے شہر کے غرباء کا افلاس دیکھا تھا مگر ایسی غربت اسے آج تک نظر نہیں آئی تھی۔

اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ مولوی صاحب زینب بی بی کے شوہر برآمدے میں چٹائی بچھا کر مغرب کی نماز میں محو ہو چکے تھے۔ اس نے زینب بی بی سے چند باتیں کیں۔ ایک لڈو دانتوں سے کُترا اور لالٹین ہاتھ میں لے کر پچھلے برآمدے میں نکلی۔ جس کے عین نیچے ندی رواں تھی۔

ندی کے کنارے، جھونپڑے کی طرف پشت کئے وہ بیٹھا تھا۔

وہ آہستہ سے نیچے اتری اور اس کے قریب جاکر بیٹھ گئی۔ وہ کہنی پر سر رکھے اپنی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ آہٹ پر اس نے سر اٹھایا اور مسکرا کر کہا۔ "مشو کتی! آگئیں۔"

"ہاں۔"

وہ اسے شاباشی دینے کے انداز میں مسکرایا۔ "گڈ گرل۔ بریو لٹل گرل۔"

اس کے چہرے سے داڑھی غائب تھی۔

"آپ نے ـــ" دیپالی نے اپنے چہرے پر انگوٹھا اور انگلی پھیری۔

"ہاں بھائی۔ دو ڈھائی برس سے کسی طرح اس کمبخت داڑھی سے پیچھا ہی نہیں چھٹتا تھا۔ مسلمان داڑھی۔ ہندو داڑھی۔ بید جھاڑ جھنکاڑ ہوگئی تھی۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آزادی سے سارے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

میں گھومتا ہوں۔ آج صبح تمہارے آنے کی تقریب میں مولوی صاحب کے بڑے لڑکے سے استرے شیو کیا۔ دیکھو ٹھیک ہے نا۔" اُس نے اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے ایک بائیں رخسار پر اُسترے کا خفیف سا زخم تھا اور خون کی بوند جم گئی تھی۔ خون کے اس قطرے کو دیکھ کر وہ اچانک بے حد مضطرب ہو گئی۔

ندی کا رنگ سُرخ ہو گیا۔ دور سے شیروں کے گرجنے کی آواز آ رہی تھی۔ ریحان نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔

"ابھی تمہارے آنے سے پہلے میں سوچ رہا تھا۔" پھر اس نے ٹھٹھک کر پوچھا: "تم نے علاول[1] پڑھا ہے؟"

"تھوڑا سا۔"

"کوئی نظم یاد ہے؟"

"رات سُرخ اور تاریک تھی۔؟"

"ہاں۔ ادھر دیکھو۔" ریحان نے دور اُفق کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سمندر اور دریا اور جنگل ایک ہو گئے تھے۔

"سرخ اور تاریک رات میں ایک سہری ناؤ۔" اس نے پانی میں انگلیاں ڈبو کر آہستہ آہستہ اپنی خوبصورت آواز میں کہنا شروع کیا۔ "ہلتی۔ ڈولتی، طوفان زدہ، متحیر، خائف، اراکان کے ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی۔"

"لیکن طوفان آیا۔" دیپالی نے مسکرا کر کہا

"لیکن طوفان آیا۔" ریحان کہتا رہا۔ "اور ناؤ ساحل کے بجائے ایک دور دراز جزیرے سے جا لگی اور ناؤ میں سے وہ نوجوان نکلا۔ بھوکا۔ زخمی۔ نڈھال۔ وہ ریت پر پڑا تھا۔ جب وہ لڑکی وہاں پر آئی اور اس نے کہا۔"

"اُس نے کہا۔ میں تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گی۔ انسان کو بے آسرا اور مایوس نہ ہونا چاہیے۔" دیپالی نے کہا۔

"تم انسان ہو نا۔ تاریک تنہا غضبناک سمندر کی روح تو نہیں؟"

---

[1] سید علاول۔ سترہویں صدی بنگال کا عظیم شاعر جس کی کشتی پرتگالی قزاقوں اور طوفانوں کا مقابلہ کرتی اراکان پہنچی۔

وہ ٹھٹھک گئی اور ریحان کو دیکھ کر علاول کے الفاظ میں سوال دہرایا۔

ریحان نے اقرار میں سر ہلایا۔

"کیونکہ —" دیپالی کہتی رہی۔ "سمندر اپنے غیظ میں مبتلا سارے کرۂ ارض کے ساحلوں سے ٹکراتا ہے۔ مگر زمین تک نہیں پہنچ پاتا — زمین مضبوط ہے۔ اس نے انسانیت کے مظالم کا بوجھ اپنے اوپر اٹھا رکھا ہے۔ سمندر تو ایک چھوٹی سی نوکا کو بھی سہارا نہیں دے سکتا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے بڑے مور پنکھی جہاز چاہئیں۔ ایسے بجرے، جن کو چودہ چودہ مانجھی کھیتے ہیں۔"

"اور اس لڑکی نے علاول سے کہا تھا — دھرتی پر گھر بنتے ہیں۔ آسمان خوبصورت ہے۔ چاند خوب صورت ہے۔ مگر چاند میں گھر نہیں ہے۔ گھر ناریل کے سائے میں بنتے ہیں۔ میں تمہارا گھر بنوں گی۔"

ہوا ساکت رہی۔ کائنات تھم گئی — ندی نے بہنا بند کر دیا۔ ایک ازلی، ابدی لمحے کے لئے سارا وجود خلا میں تحلیل ہو گیا۔

پھر ہوا چلی۔ سندری کے درخت سرسرائے۔ ندی بہنے لگی۔ دیپالی اپنی گود میں ہاتھ رکھے اسی طرح ساحل پر بیٹھی رہی۔

"پھر کیا ہوا شوکتی؟ علاول نے اسے کیا جواب دیا؟" ریحان کی آواز سناٹے میں لہروں کے ساتھ گونجی۔

"مجھے پتہ نہیں آگے مجھے یاد نہیں آ رہا۔" دیپالی نے جواب دیا۔ پھر اس نے سادگی سے پوچھا "آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے۔"

"ایک اہم کانفرنس کے لئے۔" ریحان نے سنجیدگی سے کہا۔

"باقی لوگ ابھی نہیں پہنچے۔ سریندر دا وغیرہ اور [illegible] آیا۔"

"نہیں، بس اب آتے ہی ہوں گے۔"

"میں آپ کی ساری چیزیں جو منگوائی تھیں لیتی آئی ہوں۔"

"گڈ۔"

دیپالی نے بیگ میں سے دو سو کے نوٹ نکال کر اُس کی طرف بڑھائے۔ "یہ آپ کے پاس کہاں سے آ گئے تھے۔"

اس نے چونک کر نوٹوں پر نظر ڈالی: "ہمیں اپنی کتاب کی رائلٹی ملی تھی۔ مگر تم کیسے آئیں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

یہاں تک۔"

"ہم بھی رئیس ہوگئے ہیں۔ ہمیں اپنے ریکارڈوں کی رائلٹی ملی تھی۔"

"اوہ۔ تو اس وقت گویا دو سرمایہ دار سندربن میں آؤٹنگ کر رہے ہیں۔" اس نے شگفتگی سے ایک کنکر پانی میں پھینکا۔

دیپالی پھر بڑی متفکر نظر آئی۔ "ریحان دا۔"

"کہو" وہ کنکر اٹھا اٹھا کر ندی میں پھینکتا رہا۔

"باقی لوگ کہاں ٹھہرے ہیں گے؟"

"ارے بھئی۔" اُس نے چونک کر جواب دیا "کیا باقی لوگ کرکے بور کر رکھا ہے۔"

"کیوں؟"

وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

دیپالی نے بھونچکی ہوکر اسے دیکھا۔ "تو آپ نے اول سے جھوٹ بولا تھا۔"

"بالکل"

"اور آپ کا خیال تھا۔ میں چلی آؤں گی۔"

"میرا خیال صحیح تھا۔!"

"دیپالی غصے سے دوسری طرف مڑ گئی۔

"شوکتی۔!"

اس نے جواب نہیں دیا! اور ندی کے کنارے چلنے لگی۔

"شوکتی!"

وہ اور آگے بڑھ گئی۔

"ایسے ہی چلتی چلی جاؤ تو سیدھی ڈھاکے پہنچ جاؤ گی۔ مگر ذرا خیال رکھنا۔ وہ تمہارے سامنے ایک عدد آدم خور گھڑیال بیٹھا ہے۔" ریحان نے بشاشت سے آواز دی۔ سامنے ندی کی سطح پر ایک سیاہ لکیر نظر آرہی تھی۔ ایک گھڑیال تیزی سے دوسرے کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دیپالی چیخ مار کر واپس پلٹی۔ ریحان کھلکھلا کر ہنستا ہوا سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ دیپالی اس سے کچھ فاصلے پر دوسری سیڑھی پر آبیٹھی۔

ندی کا پانی سیاہ ہوچکا تھا! اور دوسرے کنارے پر سندری کے جھنڈ سرسرا رہے تھے۔ ریحان نے سر اٹھا کر دیپالی کو دیکھا۔ پھر وہ یکلخت بےحد سنجیدہ ہوگیا! اور اس نے آہستہ سے کہا۔ "شاید مجھے کوئی حق حاصل نہیں تھا کہ میں تم کو اس طرح ــ اس طرح زحمت دوں۔"

وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ ریحان نے گمبھیر آواز میں کہا۔

"دیپالی۔ میں تین برس سے، مسلسل، متواتر تین برس سے جرائم پیشہ لوگوں اور ڈاکوؤں کی طرح چھپتا پھر رہا ہوں۔ مدتوں سے مجھے چین کی نیند اور ذرا سی ذاتی مسرت نصیب نہیں ہوئی۔ تمہیں معلوم ہے چارلس بارلو نے قسم کھائی ہے کہ زندہ یا مردہ مجھے گرفتار کرکے رہے گا ــ؟ تم ــ تم مجھے کیا سمجھتی ہو ــ میں انسان ہوں آخر ــ فولاد کی مشین گن تو ہوں نہیں۔ یا ہوں۔ بتاؤ۔؟" اس نے دوبارہ شگفتگی کی کوشش کی۔ پھر اس نے کہا۔ "نہیں ــ دیپالی میں تم سے ملنا چاہتا تھا ــ شاید مجھے اس طرح غلط بہانہ کرکے تم کو اتنی دور نہ بلانا چاہیے تھا۔ مگر میں بےحد خود غرض انسان ہوں۔ اور بہرحال اب تو تم آ ہی گئیں۔ اب کیا ہو سکتا ہے!" اس نے پھر ہنسنے کی سعی کی۔

دیپالی آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھنے لگی۔ مختصر سے گھاٹ کی شکستہ سیڑھی پر بیٹھا وہ ایک چھوٹے سے لڑکے کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ اسکول کا چھوٹا سا لڑکا، جو استانی کے سامنے اپنی شرارت کی معافی چاہ رہا ہو۔ مگر ساتھ ہی کسی دوسری شرارت پر بھی تلا بیٹھا ہو۔ دیپالی کو یکلخت ہنسی آگئی۔

اسکول گرل گگلز ــ اس کے کان میں گونجا۔ اور اس گونج کو شکست دیتے ہوئے ایک اینٹ اٹھا کر بھرپور مسرت کے ساتھ دور ندی میں پھینک دی۔

"کھا جائے گا آکر گھڑیال ـ" ریحان نے کہا

وہ زور سے ہنسی ــ "اودا دیدی۔ میری اس ہنسی کو اسکول گرل گگلز کہتی ہیں۔" اس نے کہا اور دوسرے لمحے اس نے سوچا میں یہ نام نہاد قسمت کو tempt کر رہی ہوں اور میں وہی بھی ہنستی جا رہی ہوں۔ اور میرے اس ذہنی زوال کا ذمہ دار یہ شخص ہے۔ ہا ہا ہا۔ اس نے زور سے پانی اچھالا۔

"اودا دیدی ــ" ریحان نے سگرٹ جلاتے ہوئے بےپرواہی سے کہا۔ "بڑی اچھی آدمی ہیں۔ ان کی سنگت میں رہو گی تو تمہارے اندر بھی عقل آجائے گی۔"

"ابھی بے عقل ہوں؟"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"بے حد۔ ایک اجنبی آدمی کے بلانے پر تن تنہا اس کے پاس بنوں میں آگئیں۔"

"مجھے اس اجنبی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔؟"

"قطعی نہیں!"

"اور ایسے ناقابلِ اعتبار آدمی کے ہاتھوں میں صوبے کی تحریک کی باگ ڈور ہے۔ جب ہی تو یہ گت بنا رہی ہے تحریک کی۔ ہا ہا ہا۔"

ہا ہا ہا۔ وہ بھی خوب ہنسا۔

اب چاند دلدلی جنگلوں کے سیاہ افق پر آہستہ آہستہ اوپر آرہا تھا۔

"چلو تم کو اپنے میزبانوں سے ملوا دیں۔"

وہ اس بوڑھے جوڑے کے مسکین اور باصبر چہرے کو یاد کرکے فوراً دکھی ہوگئی۔

"یہ کون لوگ ہیں؟"

"مولوی ابوالہاشم — ماہی گیر ہیں اور اس گاؤں کی مسجد کے پیش امام۔ ان کے لڑکے بھی مچھیرے ہیں اور ہمارے ورکر بھی ہیں۔ میں ان کے یہاں دو مہینے سے مقیم ہوں۔ کھُلنا میں کافی کام ہو رہا ہے۔ گو رفتار سست ہے۔"

آپ نے ان دونوں میاں بیوی کو میرے متعلق کیا بتایا ہے؟"

"تمہارے متعلق —؟ کچھ نہیں۔ ان سے کہہ دیا تھا کہ اس ہندو لڑکی کو مسلمان کرکے شادی کرنے والا ہوں۔" ریحان نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"شرم تو نہیں آتی آپ کو۔" دیپالی نے غصے سے سرخ ہوکر کہا۔

"بالکل نہیں۔ چلو۔ اٹھو —" ریحان نے بڑے تکلّف اور شائستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور لالٹین اٹھالی۔ وہ بانس کی سیڑھیاں چڑھ کر جھونپڑے میں داخل ہوئے۔

زینب بی نے مچھلی بھات ان کے سامنے رکھا۔ دیوار پر مچھیلے مچھلی پکڑنے کے جال کے نیچے وہ دونوں چٹائی پر بیٹھ گئے۔ ان دونوں کا سایہ دیوار پر بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اتنے میں مولوی کا داڑھی والا جھُکا جھُکا سایہ بھی پرچھائیوں میں آ شامل ہوا۔

"بابا — خالہ —" ریحان نے دونوں بوڑھی پرچھائیوں سے کہا۔ "یہ ہماری کلثُم ہے۔

کو کلثُم دیپالی۔"

مولوی نے سر اٹھا کر لڑکی کو دیکھا۔ اور سر ہلایا۔

ریحان کہتا رہا۔ "یہ ہمارے لئے کلثم بھی ہے اور دیپالی بھی۔ کسی دن میں تم کو سمجھاؤں گا کہ اس دیس میں کلثُم اور دیپالی ایک کیسے ہو سکتی ہیں۔"

بس شروع ہوگئی تبلیغ۔ ایک منٹ کو بھی پارٹی لائن چلانا نہیں بھولتے۔ دیپالی نے ذرا الجھن سے سوچا اور یکلخت اسے ایسا لگا کہ سامنے پرچھائیوں میں ہنوئے چندر سرکار کا سایہ بھی آکر کھڑا ہوگیا ہے۔ یہ میں کیا کر رہی ہوں۔ وہ سر جھکا کر تندہی سے کھانا کھانے میں منہمک ہوگئی۔

کھانے کے بعد ریحان نے کہا۔ "رات بہت آگئی ہے۔ تم اتنا طویل سفر کرکے آئی ہو دیپالی۔ اب آرام کرنا چاہو گی؟"

"جی ہاں۔"

"گڈ نائٹ" ریحان نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"گڈ نائٹ۔"

ریحان اور مولوی ابوالہاشم کمرے سے باہر چلے گئے۔

اُس رات سندربن کے عمیق سناٹے میں، زینب بی بی کے برابر والی کھاٹ پر لیٹ کر دیپالی نے سوچا۔ زندگی کی کوئی تک بھی ہے۔ بہت جلد اُسے نیند آگئی۔

دوسرے روز صبح سویرے وہ جھونپڑے سے نکلتی ہوئی ایک قریبی کنج میں چلی گئی۔ جہاں دور سے رنگین گلدار ہرنوں کی ایک ڈار چوکڑیاں بھرتی گذر رہی تھی۔ وہ ایک درخت کی شاخ پر ہاتھ رکھ کر ان خوبصورت ہرنوں کا نظارہ کرنے میں محو تھی۔ جب کسی نے پیچھے سے کھنکارا۔

"نہ ہوئی غریب شکنتلا، اس وقت اس پوز کو دیکھ کر فوراً بے ہوش ہو جاتی اور کالیداس کو سین دوبارہ لکھنا پڑتا۔!"

دیپالی نے پلٹ کر دیکھا۔

"ریحان۔ آپ اس قدر رومان پرست ہوگئے ہیں کہ مجھے آپ کی طرف سے فکر ہو چلی ہے۔ آیئے۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

میں آپ کو آپ کے رسالے دے دوں۔"

"ابھی پڑھ لیں گے رسالے" وہ آرام سے ایک درخت کے کٹے ہوئے تنے پر بیٹھ گیا۔

"مجھے آپ سے جنگ کی تازہ ترین صورت حال ڈسکس کرنا ہے۔"

"وہ بھی کر لی جائے گی۔"

"اچھا تو چل کر ناشتہ تو کر لیجیے۔"

"ناشتہ۔ اوہ۔ آج کا مینو کیا ہے ہمارے بریکفاسٹ کا؟" ریحان نے شان سے پوچھا۔

"مرغ مسلّم اور پلاؤ۔ یا جو کچھ بھی آپ مسلمان لوگ کھاتے ہیں صبح کو۔"

"ارے بیوقوف۔ مسلمان ناشتے میں مرغ مسلّم نہیں کھاتے۔"

"واہ۔ جہاں آرا کے ہاں میں نے ایک مرتبہ مرغ مسلّم اور پراٹھے کھائے تو اس نے کہا کہ صبح پکے تھے۔"

"جہاں آرا، کون۔؟" وہ دونوں ٹہلتے ہوئے اب جھونپڑے کی طرف لوٹ رہے تھے۔

"میری دوست ہے۔ نواب قمرالزماں چودھری کی لڑکی۔ سخت فیوڈل لیکن بیحد سویٹ۔"

"اوہ۔"

وہ جھونپڑے میں داخل ہو گئے۔ زینب بی بی نے رات کا پکایا ہوا منتھا بھات سامنے رکھا۔

"میں آج ہاٹ جا کر آپ کے لئے کھانے پینے کی سامان خرید لاؤں گی۔" دیپالی نے ریحان سے انگریزی میں کہا۔

"دیپالی تم چند روز یہاں رہ کر میرے لئے بہتر کھانا پکا دو گی۔ مگر ان دونوں کو تو ساری زندگی اس کے علاوہ کچھ میسّر نہیں ہوا۔"

"اوہ۔" دیپالی نادم ہو کر المونیم کی رکابی پر جھک گئی۔ زینب بی بی چولہے پر چائے اونٹنے میں مصروف تھیں۔ چار پینے کے بعد وہ دونوں دوسرے کمرے میں گئے۔ جس میں ریحان کی چارپائی بچھی تھی۔ فرش پر کاغذات کا ڈھیر لگا تھا۔ ایک کونے میں اس کے ٹرنک کے اوپر بیٹری کا ریڈیو رکھا تھا۔ ریحان نے صبح کی خبروں کے لئے ریڈیو آن کیا۔ اے۔ آئی۔ آر۔ دہلی سے میلون ڈی میلو کی آواز گونجی۔

خبریں سننے کے بعد ریحان نے کہا۔ چلو باہر چلیں۔ وہ دونوں باہر نکلے۔ جھونپڑے کے نیچے گھاٹ

پر مولوی کی ناؤ بندھی ہوتی تھی۔ مولوی صاحب دن بھر کے لئے کسی کام سے گاؤں جا چکے تھے اور پانی کی سطح پر بحری عقاب مچھلیوں پر جھپٹّا مار رہے تھے۔

"میں وہ چتکبرے ہرن دیکھنا چاہتی ہوں، جو صبح اتنی تیزی سے بھاگ گئے۔ آگے جا کر جنگل زیادہ خوب صورت ہو جاتا ہے؟"

"زیادہ خوب صورت اور زیادہ خطرناک۔"

"مگر میں وہ ہرن ضرور دیکھوں گی۔ اتنے حسین ہرن میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے۔"

"ٹھیک ہے —— مگر سیتا کے انجام سے واقف ہو؟"

وہ ہنستی ہوئی اُتر کر کشتی میں بیٹھ گئی —— ریحان نے کشتی کھول کر دھارے پر چھوڑ دی۔ وہ اس ندی اور اس منظر اور اس ماحول کا ایک لازمی اور فطری جزو معلوم ہو رہا تھا۔ دیپالی کو یک بیک خیال آیا کہ وہ اس کی زندگی کے پس منظر سے بالکل واقف نہیں۔

ناؤ پانی کی سطح پر روانی سے بہہ رہی تھی۔ ریحان نے آہستہ آہستہ ایک ستاری گان گنگنانا شروع کر دیا۔ پھر چپ ہو گیا۔

کنارے پر جھکے سُندری درختوں پر رنگ برنگے پرندے چہچہا رہے تھے۔

"تم کو احساس ہے شوکی کہ ان ندیاؤں اور اس دھرتی نے کیسے کیسے دکھ دیکھے ہیں؟ میں ان دکھوں کو پہچانتا ہوں۔"

"آپ۔ آپ بھی گاؤں کے رہنے والے ہیں؟"

"ہاں، تم نے مولوی ابوالہاشم کو دیکھا۔ میرے بابا مولوی ابوالہاشم کا نمونہ ہیں۔ ایسے ہی صابر، غریب اور بھولے۔"

"اوہ۔" وہ چپ ہو گئی۔ وہ یہ کریدنا کرنا چاہتی تھی کہ ایک غریب کسان کا لڑکا لندن اسکول آف اکنامکس کیسے پہنچ گیا۔ یقیناً وہ اس کے متعلق کچھ بھی نہ جانتی تھی۔

چند لمحوں بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ "آپ لندن کیسے گئے تھے۔"

"لندن۔؟" ریحان نے چونک کر دہرایا۔ "لندن کا یہاں کیا ذکر ہے؟ یہ اپنا ملک دیکھو اور دیکھو کہ لندن نے اس کے ساتھ کیا کیا؟" وہ خاموش ہو گیا۔ "میں ۱۹۳۵ء میں لندن گیا تھا —— تم میرے حالاتِ زندگی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

جاننا چاہتی ہو؟ میں نے علی گڑھ سے ہائی اسکول اور ایف اے کیا تھا۔"

"علی گڑھ۔"

"ہاں یہ تمہارے لئے تقریباً اجنبی نام ہے۔ مگر یہ ملک اور قوم کی ایک اور بے حد اہم داستان کا ایک حصّہ ہے اور اس داستان سے تم کو واقف ہونا چاہیے ۔۔۔ پھر میں نے ڈھاکے لوٹ کر بی اے اور کلکتہ سے ایم۔ اے کیا۔ اسی زمانے میں میں نے تمہارے چچا کی کتاب "بنگال کی اقتصادی تاریخ" پڑھی تھی۔"

وہ رک کر کسی سوچ میں کھو گیا۔ اور پھر چپو چلانے شروع کئے اور کہنے لگا "اس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ ان کی بھتیجی ۔۔۔ کوئی معرفتی سی لونڈیا کسی اسکول میں پڑھ رہی ہے اور ایک دن میری زندگی میں سائیکلون کی طرح داخل ہوگی ۔۔۔ دیکھو شاعرانہ مناسبت سے کیسی برمحل تشبیہ دی ہے۔" وہ اداسی سے ہنسا۔

"بہت خوب۔ آگے چلئے!!"

"اس کے بعد ۔۔۔ ایک ۔۔۔ ایک وظیفے پر لندن چلا گیا۔ وہاں میں اور اوما اور راکیش اور بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ہمارا بڑا ہی تاریخی قسم کا گروہ تھا وہ!"

"اور واپس آتے ہی کود پڑے انقلاب کے شعلوں میں۔" دیپالی نے کہا۔

وہ کھلکھلا کر ہنسا۔ پھر اس نے کہا "کلکتہ میں چند سال ہوئے پروگریسو رائٹرز کی دوسری کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں تمہیں آنا چاہئے تھا۔ بڑا دلچسپ تجربہ تھا۔"

"آپ بھی لکھتے ہیں؟"

ریحان نے اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ "ارے تم کتنی جاہل ہو۔ یہ رائٹنگ مجھے ابھی کس نے بتی تھی ہے اور وہ جو میں نور الرحمٰن بنا رسالہ ایڈٹ کر رہا تھا تو کیا لکھا، کس لئے لکھ رہا تھا؟ دیپالی یا تم نے میری کتاب نہیں پڑھی؟ اوما نے تم کو نہیں دی پڑھنے کو؟"

"کیا افسانے لکھتے ہیں؟"

ریحان نے چپو چھوڑ کر آسمان کی طرف احتجاجاً ہاتھ پھیلائے۔ "اوہ لڑکیاں۔ لڑکیاں۔" اس نے فریاد کی۔

"نہیں سچ بتائیے۔"

"میں افسانے نہیں لکھتا ہوں نہ شاعری کرتا ہوں۔ ٹھوس کام کرتا ہوں۔"

"تھوڑا سا انکسار آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائے گا۔" دیپالی نے ہنس کر کہا۔ "آپ کی کتاب کا کیا نام ہے؟"

"انیسویں صدی میں بنگال کی زرعی حالت۔" ریحان نے منہ لٹکا کر کہا۔ "ارے دیپالی تم بڑی جاہل نکلیں۔"

"اور یہ پروگریسو رائٹرز کیا ہوتے ہیں؟"

ریحان نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے اور کراہا۔

"نہیں پلیز۔ بتائیے نا۔"

"ابھی جب کالج واپس جاؤ گی تو گرودیو نے جو پیغام کانفرنس کے نام بھیجا وہ پڑھ لینا، سمجھ میں آجائیگا۔"

"گرودیو نے کیا کہا تھا۔؟"

"انہوں نے کہا تھا کہ میری طرح گوشہ نشیں بن کر کام نہیں چل سکتا۔ اوما دی کو چاہئے تھا کہ تمہیں یہ سب باتیں بتاتیں۔"

اوما دی۔ اوما دی۔

"آپ نے بہت سے لوگوں کو آئیڈیلائز کر رکھا ہے۔"

"ہاں۔"

"کون کون۔"

"بہت سارے ہیں۔ ان میں سے ایک تم بھی ہو۔ دیپالی تم کلچرل فرنٹ پہ کام کرو گی؟"

"آپ جو کہیں گے کروں گی۔"

کشتی اب درختوں کی سرنگ میں سے گزر رہی تھی۔

"مغرب میں بھی یہی سب ہو رہا ہے؟ جدوجہد؟" دیپالی نے پوچھا۔

"مغرب میں ۔۔۔؟ اسپین میں ایک خونریز جنگ لڑی جاچکی ہے دیپالی۔"

"مجھے اور بتائیے۔ لندن کے متعلق۔ جب آپ وہاں طالب علم تھے۔"

"جب ہم وہاں طالب علم تھے۔" ریحان چپو ایک طرف رکھ کر نیم دراز ہوگیا ۔۔۔ وہ واقعی "ری لیکس" کر رہا تھا۔ "اس زمانے میں وہاں بڑے معقول لوگ جمع تھے۔ ملک راج آنند اور سجاد ظہیر نے مل کر پی ڈبلیو اے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

قائم کی تھی۔"

"آپ انگلینڈ ہی میں تحریک میں شامل ہو گئے تھے؟" دیپالی نے بات کاٹی۔

"ہاں۔ اور واپس آکر دیکھا کہ ہمارے ساتھی ــــ علی گڑھ اور لکھنؤ۔ اور جامعہ ملیہ اور کلکتہ اور سب جگہوں کے نوجوان ہمارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔ پرانے دہشت پسند بھی اب ہماری طرف آچکے تھے۔ شوکتی۔ ہم لوگ خوش قسمت ہیں جو اس زمانے میں پیدا ہوئے اور ملک کیلئے کچھ کر سکنے کے اہل ہیں۔"

سرنگ کے اختتام پر پہنچ کر ریحان نے کشتی موڑ لی۔ "آگے گھڑیالوں کی راجدھانی ہے۔ اب واپس چلتے ہیں۔" اس نے کہا۔

واپسی میں ریحان خاموشی سے پتوار چلانے میں مصروف رہا۔ بادل گھر آئے تھے اور سورج کبھی کبھی بادلوں میں سے نمودار ہو کر چمکنے لگتا تھا۔ لقلق اور رام چڑیاں سارے میں اڑتی پھر رہی تھیں۔

گھر پہنچ کر انہوں نے کھانا کھایا اور اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے کے لئے چلے گئے۔ تیسرے پہر کو ریحان نے دیپالی کے دروازے پر آن کر آواز دی۔ "شوکتی۔ یہاں آنا تو۔" دیپالی کھاٹ پر ساری بچھا کر اور اپنے بقچے کا تکیہ بنائے بے خبر سو رہی تھی۔ زینب بی بی گھڑا لے کر شام کے پکانے، ریندھنے کے لئے پانی لینے ندی پر گئی ہوئی تھیں۔ ریحان ذرا جھجکتا ہوا اندر آگیا اور کواڑ سے لگ کر خوابیدہ دیپالی کو دیکھنے لگا۔

"شوکتی!" اس نے چند منٹ بعد پھر آہستہ سے آواز دی۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔

"وہ رسالے کہاں ہیں؟" ریحان نے یونہی بے مقصد سوال کیا۔

"ابھی لاتی ہوں۔"

ریحان ذرا احمقوں کی طرح کھڑا سر کھجاتا رہا۔ پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دیپالی اخبار اور رسالے اُس کے پاس لے گئی۔

"آؤ باہر روشنی میں بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔" ریحان نے کہا۔ وہ یہ رسالے حاصل کر کے واقعی بے حد خوش نظر آرہا تھا۔ جیسے سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا ہو۔

برآمدے میں چٹائی بچھا کر وہ سورج ڈوبنے تک رسالوں کا مطالعہ کرتے رہے۔ ریحان دیپالی کو مختلف مضامین کے نکات سمجھاتا گیا۔

سامنے گھاٹ پر ناؤ آکر رکی۔ مولوی صاحب اُترے۔

زینب بی بی نے اندر سے آواز دی۔ "کھانا تیار ہے۔"

کھانے کے بعد دیپالی پھر برآمدے میں جا کھڑی ہوئی۔ اور افق پر ترتے ہوئے چاند کو دیکھنے لگی۔ ریحان نزدیک کے کھمبے سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ رات کا اندھیرا سیلاب کی طرح بڑھتا آرہا تھا۔

زندگی کا ــــ ایک اور دن ختم ہو گیا۔ ایک انمول دن گذر گیا۔ ایک شعر پڑھا جا چکا۔ ریحان نے آہستہ سے اپنے آپ سے کہا۔ پھر اس نے مڑ کر دیپالی کو آواز دی۔

"گڈ نائٹ ــ دیپالی۔" اور وہ اپنے کمرے میں گھس گیا۔

دوسرے دن وہ پگڈنڈیوں پر سے گزر کر گاؤں میں گئے۔ کسانوں اور مچھیروں سے باتیں کرتے رہے۔ اور رات گئے واپس آئے۔ راستے میں دیپالی کی ساری ایک جھاڑی میں الجھ گئی۔ ریحان اس کی مدد کرنے کے لئے زمین پر دو زانو بیٹھ گیا۔ کانٹے نکالتے ہوئے اس نے سر اُٹھا کر دفعتاً پوچھا۔ "ساری پر یاد آیا۔ تمہاری چوری کا پتہ چل گیا۔؟"

"جی ہاں۔" وہ ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ اور چاند کی روشنی میں ساری کے چاک میں گرہ لگانے کی کوشش کرنے لگی۔

"مجھے ان ساریوں کے کھونے کا بڑا رنج ہوا تھا۔" ریحان نے کہا۔ "میں نے سوچا تھا، جو لڑکی اتنی بڑی قربانی دے سکتی ہے۔"

"میں نے کیا قربانی دی ہے۔" دیپالی نے جھنجھلا کر بات کاٹی۔

"کیوں۔ کیا میں جانتا نہیں کہ لڑکیوں کو اپنی ساریوں اور گہنوں سے کتنی وابستگی ہوتی ہے۔" وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "امّی کے پاس بھی دو بالوچر ساریاں تھیں۔ جب وہ بیاہ کر آئی تھیں تو میری دادی اماں نے ان کو دی تھیں ــــ وہ ساریاں میں تم کو دوں گا دیپالی۔"

دیپالی سکتے میں رہ گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ وہ گھبرا کر پتھر پر سے اُٹھی۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" ریحان نے پریشانی سے دریافت کیا۔

"کچھ بھی تو نہیں۔ گھر چلیے۔"

وہ اونچے نیچے ٹیلوں، اور جھاڑیوں کو پھلانگتے جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گئے۔ دیپالی نے اب پھر ایک دم چپ سادھ لی تھی۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

تیسرے روز وہ دونوں ٹہلتے ہوئے ندی کے ساحل پر کافی دور نکل گئے۔ جب اچانک دور سے ایک لانچ نظر آئی۔ دیپالی سہم کر ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گئی۔ یہ سرکاری لانچ تھی۔ غالباً معمول کے دورے پر اس طرف سے گزر رہی تھی یا شاید کچھ سرکاری افسر شکار کے ارادے سے ادھر آئے تھے۔ لانچ شور مچاتی پانی پرت گزر کر درختوں کی سرنگ میں غائب ہو گئی۔ دیپالی کا رنگ فق ہو چکا تھا۔

"ارے شوکتی۔ ایک ذرا سی سویلین لانچ سے ڈر گئیں"

دور سے گولیاں چلنے کی آواز آئی۔

"اوماں ۔" دیپالی نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

ریحان ہنسنے لگا۔ "گھبراتی کیوں ہو بھائی! افسر لوگ شکار کھیلنے آیا ہے۔ ہم لوگ یہاں بالکل محفوظ ہیں۔ یہ دیا اور جنگل ڈیڑھ سو سال سے اپنے بچوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔" ریحان چند لمحوں تک جنگل کے سرسبز اور گنجان سناٹے کی آواز سنتا رہا اور پھر کہنے لگا۔ "کل ہم جن کسانوں سے ملے تھے۔ اُن کے پُرکھے سو سال پہلے فرائضی تحریک میں لڑے تھے۔"

"ریحان۔ آپ کو اپنے رستے کے بارے میں مطلق کوئی شبہ، کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے؟" دیپالی نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

"نہیں جب اپنے اصل دشمن اور اس کے ایجنٹوں کو ہی پہچان چکے ہیں تو پھر الجھن کیا ہو سکتی ہے" وہ آگے جھک کر سمجھانے کے انداز میں کہنے لگا۔ "سنو دیپالی۔ یہ یاد رکھو کر برطانوی سرمایہ داری ہندوستان کے قحط، غلامی، قرضے، ذات بندی اور فرقہ وارانہ کشمکش کی بنیادوں پر کھڑی کی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے یہی کھلنا اور نواکھالی، جو اب ڈاکوؤں اور مفلس ماہی گیروں کا رس ہے۔ مغلوں اور نوابوں کے عہد میں کتنے دولتمند تجارتی علاقے تھے، یورپ میں جو ۲۰۰ برس تک سب سے زیادہ خونریز لڑائیاں لڑی گئیں وہ ہندوستان کی تجارت پر قبضہ کرنے کے لئے لڑی گئی تھیں۔"

وہ اب درختوں کے نیچے سے نکل کر ساحل پر آگئے۔ چاروں طرف پھولوں کی روشنی نے بڑی سہانی اور عجیب سی خوشبو پھیلا رکھی تھی۔

"تم جانتی ہو ناکہ سترھویں صدی میں ہندوستان کے فولاد کا پروڈکشن سارے یورپ کے فولاد کے پروڈکشن سے برتر تھا۔؟"

دفعتاً دیپالی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"کیا ہوا۔؟"

"کچھ نہیں! کوئی اس وقت یہاں آن کر دیکھے کہ اس شدید رومانی ماحول میں ریحان الدین احمد مجھے سترھویں صدی کے فولادی پروڈکشن کے متعلق سمجھا رہا ہے۔ اگر میں یہ بات واپس جا کر لوگوں کو بتاؤں کسی کو یقین آئے گا۔؟"

"ہماری جد و جہد کا تدارک کرنے کے لئے۔" ریحان کہتا رہا۔ "پچھلی صدی میں برطانیہ نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ امپیریلزم کے سائے میں اس نے ہندوستان کو کتنا ترقی یافتہ بنایا ہے۔ انگریزی تعلیم اور ہسپتال اور ریل گاڑیاں۔ اور مشن کالج۔"

"ریورنڈ بنرجی۔" دیپالی نے زیرِ لب کہا۔

"کیا۔؟"

"کچھ نہیں۔"

"وہ خود کفیل ہندوستانی سوسائٹی جو مہابھارت کے زمانے سے لے کر مغل عہد تک قائم رہی تھی اُسے انگریزی سرمایہ داری نے تباہ کر دیا۔ کیا سوچ رہی ہو۔؟" ریحان نے ٹھٹھک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں اور بتائیے۔"

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا۔" ریحان نے سر کھجا کر بات دوبارہ شروع کی۔ "مگر یورپ میں سرمایہ داری کے ساتھ نئی سماجی طاقتیں بھی پیدا ہو گئی تھیں۔ جو ہمارے ہاں پیدا نہیں ہوئیں۔"

"لیکن کل تو آپ کہہ رہے تھے ہندوستانی گاؤوں کی اکونومی کی برطانیہ کے ہاتھوں تباہی کو کارل مارکس نے ایک سماجی انقلاب بتایا ہے۔ کیونکہ ذات بندی کی بنا پر ہمارے گاؤں رجعت پسند تھے۔ اور ان میں مزید ترقی کی گنجائش نہ تھی۔"

"گڈ گول سیجن ۔" ریحان نے کہا اور جھونپڑے کی طرف لوٹتے ہوئے دیپالی کو ان دقیق مسائل کے رموز و نکات سمجھانے میں مصروف رہا۔

چوتھا دن۔ ریحان نے دیپالی کو برطانوی سرمائے کے تین ادوار۔ کمپنی کے مرچنٹ سرمائے، انیسویں صدی کے انڈسٹریل سرمائے اور جدید فنانس کے سرمائے اور نئے ہندوستانی سرمایہ داروں کے متعلق سمجھانے میں صرف کیا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

پانچویں دن جب وہ کشتی رانی کے لئے نکلے تو اچانک بےحد ملول ہوکر اُس نے دیپالی سے پوچھا۔

"شوکتی۔ تم کتنے دن یہاں رہ سکتی ہو۔"

"لوک گیت جمع کرنے میں جتنے دن بھی لگ جائیں۔" اس نے ہنس کر جواب دیا۔

چھٹے دن وہ ناؤ کھیتے کھیتے بہت دور نکل گئے۔

پھولوں کے ایک کنج میں سے ناؤ گزرنے لگی تو اس نے اوپر جھکی ہوئی ڈالیوں میں سے چند پھول توڑ کر اس کے بالوں پر برسا دیئے۔ ناؤ ایک گھاٹ کے قریب پہنچی۔

بنگال کے ہندو عوام کا عقیدہ ہے کہ جب رام اور سیتا نے بن باس لیا تو انہوں نے کافی عرصہ سندر بن میں بھی گزارا تھا۔ کاٹھیاواڑ، وسطی اور جنوبی ہند سے لے کر چاٹگام تک ان علاقوں کے باسیوں کا اپنے اپنے جنگلوں کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ ان جنگلوں میں رام اور سیتا انھیں اب بھی چلتے نظر آتے ہیں۔

سندر بن کے اسی تقدس کی وجہ سے نواکھالی اور کھلنا کے جنگلوں اور دریاؤں اور سندیپ کے جزیروں میں پرانے مندروں، مٹھوں اور سنیاسیوں کے جھونپڑوں کی بہتات ہے۔

ریحان نے ناؤ جس جگہ کنارے سے باندھی اس کے قریب ہی جنگل میں ایک پرانا مندر نظر آرہا تھا۔ کچھ فاصلے پر گاؤں کا بازار تھا۔

"بھوک لگ رہی ہے۔ آؤ کچھ کھالیں۔" ریحان نے کہا۔ کنارے پر اتر کر وہ جنگل میں داخل ہوئے۔ دفعتاً مندر اُن کے سامنے آگیا۔

دیپالی نے غیر ارادی طور پر آنچل سے سر ڈھک لیا۔

"دسویں صدی کا مندر ہے۔" ریحان نے کائی آلود معبد پر نظر ڈال کر ماہرانہ انداز میں کہا۔

"اوفوہ۔ مارے قابلیت کے حالت خراب۔" دیپالی نے مسکرا کر کہا۔

"آؤ۔ اندر چل کر دیکھتے ہیں۔ یہ تو بہت ہی تاریخی عمارت معلوم ہوتی ہے۔ یہ اسکلپچر دیکھو۔ صریحاً سیتن پیریڈ۔"

ایک بوڑھا اندھا دھند پجاری اندر سے پرچھائیں کی طرح برآمد ہوا۔ ریحان چپلوں سمیت دیوار پر چڑھ کر مورتیوں کی فریز کا مطالعہ کر رہا تھا۔ پجاری کو اپنی طرف تاکتے دیکھ کر اس نے دیپالی سے انگریزی میں کہا: "اگر کچھ اعتراض کرے تو کہہ دینا میں تمہارا تی دلیہ ہوں۔ رونل سرکار۔"

"شٹ اپ۔"

پجاری نے نذرانے کی امید میں مسکرا کر دیپالی کو اندر بلا لیا۔ اور ریحان کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ دوسرے لمحے وہ دونوں دُرگا بھوانی کی مورتی کے سامنے کھڑے تھے۔ ریحان نے چہرے پر مصنوعی عقیدت طاری کرلی۔

پجاری نے دونوں کی پیشانیوں پر تلک لگا کر انھیں پرشاد دیا اور دیوی کے چرنوں میں پڑے گیندے کے دو ہار اُن کے گلے میں ڈال دیئے اور جھکا جھکا ٹٹول ٹٹول کر لوبان سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

"لو بھئی مبارک ہو۔ شادی ہوگئی۔" ریحان نے چلّا کر انگریزی میں کہا۔

دیپالی شرم سے لال بھبوکا ہو رہی تھی۔

ریحان نے جیب سے نکال کر پجاری کو کچھ روپے دیئے اور دیپالی کا بازو تھام کر اُسے باہر لے آیا — "ارے بھائی —" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا انڈین فلم میں دیکھا ہے کہ ہیرو اور ہیروئن مندر میں جا پہنچتے ہیں اور پجاری عین اسی طریقے سے ہار پہنا کر ان کا بیاہ کر دیتا ہے۔ بھئی کمال ہوگیا۔"

"ریحان۔ وِل یُو پلیز شٹ اَپ۔" دیپالی نے کہا اور چند قدم چلنے کے بعد ایک شکستہ ستون پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ریحان حیرت سے اُسے دیکھنے لگا، در جب اس ہندو لڑکی کی جذباتی کیفیت اور موقع کی نزاکت کا اسے اندازہ ہوا تو وہ گھبرا کر اس کے قریب دوزانو جھک گیا۔ اور لجاجت سے کہنے لگا۔ "ارے بیوقوف۔ نہیں ہوا بیاہ۔ کون گدھا کہتا ہے کہ بیاہ ہوگیا۔ عجیب بیوقوف لڑکی ہو۔ ارے تم ابھی تک مذہبی توہمات کی قائل ہو۔ مندر اور پجاری — اور — کمال ہے۔" وہ سر کھجانے لگا — "ارے احمق لڑکی۔ شادی صرف کورٹ میں ہوتی ہے۔ تم اور میں مندر اور مولوی کے قائل ہی کہاں ہیں۔ اور — اور کوئی — تک بھی ہے بھلا — چلو اٹھو — عجیب بےوقوف لڑکی ہو بھئی۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر پگڈنڈی پر لے آیا۔ گاؤں پہنچ کر وہ ایک چائے خانے میں گئے اور لکڑی کی بنچ پر بیٹھ کر کھانا کھایا اور چائے پی۔ دیپالی بالکل چپ رہی۔ ریحان اسے بار بار پریشانی سے دیکھتا تھا۔ پھر وہ چائے خانے میں جمع لوگوں سے باتیں کرنے لگا۔ یکلخت اسے خیال آیا کہ وہ بےحد غیر محتاط ہوگیا ہے۔ یہ گاؤں کھلنا شہر سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور پولیس کے سپاہی بھی زیادہ دور

urdukutabkhanapk.blogspot.com

نہیں ہوں گے۔ چائے ختم کر کے وہ دونوں گھاٹ پر آئے اور کشتی میں بیٹھ کر گھر روانہ ہو گئے۔

"دیپالی" کشتی ندی کے دھارے پر آئی تو ریحان نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے۔ میں نے مذاق کیا تھا۔ اگر تم کو بُرا لگا ہے تو مجھے معاف کر دو۔"

وہ ایک دم پھر رونے لگی۔

"او مائی گاڈ۔۔۔" ریحان نے بازو پھیلا کر آسمان کو دیکھا۔ "حد ہے۔"

وہ ہنس پڑی۔ اب وہ رو رہی تھی اور ہنس رہی تھی۔ ریحان خاموش رہا۔ اسے احساس ہو چکا تھا کہ اُس کی اور اس لڑکی کی زندگی اس نوکا کی مانند طوفانوں سے بے پرواہ، دریا کے پُر شور دھارے پر کسی نا معلوم ساحل کی طرف بہہ رہی ہے۔ اب وہ ایک دوسرے کے رحم و کرم پر زندہ رہیں گے۔

اب چاند بہت دیر میں طلوع ہوتا تھا۔ سندربن پر گھُپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس رات جب جھونپڑے میں سب لوگ سو گئے تو دیپالی چپکے سے اٹھی۔ طاق میں رکھے خالی دیوں میں سے ایک دیا نکال کر اُس میں تیل ڈالا۔ اور بتی لگائی۔ پھر دیا اور کاغذ کا ایک ٹکڑا لے کر باہر چلی گئی۔ اور ندی کے کنارے بیٹھ کر اس کاغذ کی چھوٹی سی ناؤ بنائی۔ دیا جلا کر اس ناؤ میں رکھا اور اُسے پانی میں بہا دیا۔ اور گھاٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بے صد دھیان اور فکر مندی سے اُسے دیکھنے لگی۔ دیا دریا کی دھار پر دور تک بہتا چلا گیا اور پھر تاریکی میں غائب ہو گیا۔ اچانک دیپالی کو احساس ہوا کہ ریحان اپنے کمرے سے نکل کر برآمدے میں کھڑا اُسے ندی میں چراغ بہاتے دیکھ رہا ہے۔ وہ جلدی سے اٹھی اور سیڑھی چڑھ کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

دوسری صبح وہ چولہے کے پاس بالکل نارمل اور بشاش نظر آنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ ریحان نے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے کہا "گڈ مارننگ"

"گڈ مارننگ"

زینب بی اور مولوی صاحب اس سے باتیں کرنے لگے۔ مولوی صاحب اس سے لڑائی کی خبریں پوچھ رہے تھے۔ ریحان نے چائے ختم کرنے کے بعد اپنے کمرے میں جا کر ریڈیو لگایا۔ دیپالی زینب بی کے

ساتھ کھانا پکانے میں مشغول ہو گئی۔

اچانک ریحان کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔ "دیپالی"

"کیا ہوا؟" وہ دوڑتی ہوئی برآمدے میں گئی۔

"ہٹلر نے سوویت یونین پر حملہ کر دیا۔"

لوک گیت جمع کرنے کی مدت ختم ہوئی۔ دیپالی اور ریحان گھاٹ پر کھڑے تھے۔ قرب و جوار کے گاؤں میں بنی ہوئی دلکش حصیر چٹائیاں فروخت کے لئے منڈی لے جانے والے چھتریاں لگائے کاریگروں کا ہجوم ساحل پر جمع تھا۔ ماہی گیر اپنی اپنی کشتیاں لے کر نکل رہے تھے۔ مولوی ابوالہاشم حسب عادت خاموشی سے سر جھکائے اپنی کشتی کے بادبان درست کرنے میں منہمک تھے۔ وہ دیپالی کو باگھیر گھاٹ تک پہنچانے والے تھے۔ بہت لمبا سفر تھا۔

رات وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں بالکل چپ چاپ کھڑا اندھیری ندی پر سے گذرتی ہوئی کشتیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دیپالی اس کے ٹرنک پر ریڈیو کے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے ریحان سے کہا تھا "آپ کو اب ہیڈ کوارٹرز سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔ اس نئی جنگ کی وجہ سے پوزیشن بدلنے والی ہو گی نا۔؟"

وہ چونک اٹھا۔ "جنگ۔ ؟کیسی جنگ۔؟" اس نے جھنجھلا کر پوچھا۔

دیپالی نے تعجب اور اداسی سے اس پر نظر ڈالی "آپ حقیقت سے اتنی آسانی سے کٹ جاتے ہیں"

"ایسا۔۔۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تو کتی۔!" اس نے آہستہ سے جواب دیا اور اسی طرح کھڑا ندی کو دیکھتا رہا۔

"کل۔ اب میں واپس جانا چاہتی ہوں۔" دیپالی نے کہا۔

"کیوں۔؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

"ارے۔ ریحان۔ میں یہاں ہمیشہ تو نہیں رہ سکتی۔"

وہ اس کی طرف مڑا۔ "ہاں تم ٹھیک کہتی ہو، تم یا میں ہمیشہ تو یہاں نہیں رہ سکتے۔ شاید کہیں بھی نہیں رہ سکتے۔" پھر چند لمحوں بعد اس نے برآمدے میں جا کر مولوی ابوالہاشم سے دیپالی کی واپسی کے انتظامات کے متعلق بات چیت شروع کر دی تھی۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

یہ تین دن پہلے کی بات تھی۔ آج وہ سندربن سے واپس جارہی ہے یا گھریاٹ سے بیج کردہ اسٹیمر کے ذریعے باریسال اور فرید پور کے دریاؤں پر سے گزرتی نارائن گنج چلی جائے گی۔

ریحان اب پریشانی کے ساتھ کلکتے کے خفیہ ہیڈ کوارٹرز سے کسی اطلاع کا منتظر تھا۔ پارٹی کے سارے بڑے لیڈر دور بیٹھے ہوئے راجستھان کی دیولی جیل میں بند تھے۔ ان کے پاس سے اسمگل ہو کر کسی نئے ڈائریکٹو کا کلکتہ ہوتے ہوئے سندربن پہنچنا ہفتوں کا نسخہ تھا۔ سندربن پر بارشیں شروع ہو چکی تھیں۔ میں یہاں جانے کب تک رہوں گا۔ "ایسا لگتا ہے کہ جیسے کلکتے کے ساتھی مجھے بھول ہی گئے ہیں۔" اس نے صبح بڑی ملول آواز میں دیپالی سے کہا تھا۔

اور اب دیپالی چھتری کے نیچے چھپی گھاٹ پر کھڑی تھی اور کچھ فاصلے پر چھتریوں کا میلہ سا لگا تھا۔ سب بار بار آسمان کو دیکھ رہے تھے۔ جھڑی لگتی ہے تو سندربن کے جنگل اور کھال اور دریا اور ساحل اور سمندر سب پانی میں ڈوب جاتے ہیں۔ جیسے کسی نے ایک بڑے سے واٹر کلر لینڈ اسکیپ کو واش کے بعد پانی کی چلمچی ہی میں چھوڑ دیا ہو۔ اور سارے رنگ پانی میں پھیل کر آپس میں گڈمڈ ہو جائیں۔

ریحان چھتری لگائے دیپالی کے قریب کھڑا تھا۔ اچانک اس نے بڑے غصے سے کہا: "تم بھی جارہی ہو۔"

"چلو بیٹی کلثوم ـــ" مولوی ابوالہاشم نے اسے آواز دی۔ وہ اور زینب بی بی اُسے باضابطہ کلثوم ہی پکارتے تھے۔ انھیں یقین کامل تھا کہ بہت جلد یہ لڑکی ریحان کے ہاتھوں پر مشرف بہ اسلام ہو کر اس سے نکاح کرے گی۔ جانے ریحان نے ان دونوں بھولے میاں بیوی کو کیا پٹی پڑھا رکھی تھی۔ زینب بی بی نے تو ایک رات ریحان سے بڑی رازداری سے کہا تھا کہ کلثوم کو مولوی صاحب کلمہ پڑھا دیں اور شربت کے پیالے پر نکاح ہو جائے۔ یوں بھی یہ برسات کا زمانہ اور شادیوں کا موسم تھا۔ ان بیچاری نے برسوں سے سینت کر رکھی ہوئی ایک نئی سوتی ساری بھی نکال کر ریحان کو پیش کر دی تھی۔ یہ ساری انہوں نے اپنی بہو کے لئے رکھی تھی۔ اور جب ریحان نے ان کو سمجھایا کہ پہلے اسے گاؤں جا کر اپنے باپ سے بھی اجازت لینی ہے تب بھی وہ یہ ساری اپنی طرف سے تحفتہً دینے پر مُصر رہی تھیں۔ ریحان کے انکار پر انہوں نے کہا تھا۔ "ہمیں غریب سمجھ کر ہم سے یہ تحفہ نہیں لینا چاہتے ہو بھیّا" اور رونے لگیں تھیں۔ لیکن ریحان بے حد سٹپٹایا تھا۔ اس مندر والے واقعے کے بعد اب دیپالی سے یہ کس طرح کہے کہ یہ سُرخ ساری بھی لے لو۔ جسے پہنا کر زینب بی بی تمہیں دلہن بنانا چاہتی ہیں۔ عجب گھپلا ہو رہا ہے یہ خدا کی قسم۔ اس نے سیدا الجھ کر سوچا تھا۔ مگر زینب بی بی کا دل

رکھنے کے لئے وہ ساری ان سے لے کر ٹرنک پر رکھے ہوئے اخباروں کے نیچے چھپادی تھی۔ زینب بی بی کے جانے کے بعد دیپالی ریڈیو سننے کے لئے اس کے کمرے میں آئی اور ٹرنک پر بیٹھنے کے لئے اس پر سے اخبار اٹھائے تو نیچے سرخ ساری پر اس کی نظر پڑی اور ریحان خود شرم سے سُرخ ہو کر فوراً کمرے سے باہر بھاگ گیا تھا۔

دیپالی چھتری ذرا اونچی کر کے اس کی طرف مڑی۔ وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں دونوں کیا دیکھتے ہیں کہ زینب بی بی اپنی شکستہ چھتری لگائے بغل میں ایک بنڈل دابے افتاں و خیزاں پگڈنڈی پر سے بھاگتی چلی آ رہی ہیں۔ نزدیک آ کر انھوں نے اخبار میں لپٹی ہوئی سُرخ ساری دیپالی کے ہاتھوں میں ٹھونسی اور کچھ کہے سنے بغیر اسی سرعت سے گھاٹ کی بھیڑ میں غائب ہو گئیں۔

چند قطرے ٹپ ٹپ بنڈل کے کاغذ پر گرے۔ دیپالی نے اوپر دیکھا۔ شاید بارش آ گئی۔ مگر وہ ریحان تھا جو اس کے قریب کھڑا تھا۔ یہ آنسو اسی کی آنکھوں سے گرے تھے۔

وہ دونوں چپ چاپ کھڑے دریا کے کنارے منظر کو دیکھتے رہے۔ کشتیوں نے لنگر اٹھا دیئے تھے۔ بادبان کھول دیئے گئے تھے۔ قسم قسم کی کشتیاں سطح آب پر بکھر چکی تھیں۔ مولوی ابوالہاشم نے اپنی کشتی جیٹی سے لگا دی اور دوبارہ پکارا: "کلثوم بیٹی۔ اللہ کا نام لے کر آجاؤ۔۔۔ اللہ تم دونوں کا نگہبان ہے۔"

"اللہ" ۔ دیپالی نے چپکے سے دل میں دہرایا اور سرخ ساری کا بنڈل مضبوطی سے بازوؤں میں جکڑ کر آگے بڑھی اور کود کر کشتی میں بیٹھ گئی۔ مولوی صاحب کا چھوٹا لڑکا جو اب تک چٹائی کی چھت کے اندر دیپالی کا سامان رکھنے میں مشغول تھا باہر نکلا اور دونوں باپ بیٹوں نے چپّو سنبھالے۔ ریحان نے گھاٹ کی سیڑھیوں پر آ کر الوداع کے لئے ایک ہاتھ اٹھایا اور پھر گرا دیا۔

عین اسی وقت ایک نوکا کشتیوں کی بھیڑ میں سے تیزی سے نکلتی سامنے آ کر مولوی صاحب کی کشتی سے لگ گئی۔ مولوی صاحب کا ہم شکل ایک داڑھی والا نوجوان کود کر گھاٹ پر اُترا ـــ اس نے اپنے باپ کو اور دیپالی کو آداب کیا اور ریحان کے پاس جا پہنچا۔

"ریحان بھائی ۔۔۔۔"

ریحان جو اب تک سر جھکائے کھڑا تھا چونک پڑا۔

"تم اس وقت کیسے ؟"

ابوالقاسم نے اپنی تہمد پر بندھی پیٹی کے نیچے سے ایک کاغذ نکالا اور آہستہ سے کہا: "ادمادی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

نے آپ کو کلکتے فوراً بلایا ہے۔ کل رات میرے پاس ستیندر ــــــ"

دیپالی نے صرف اتنا ہی سنا۔ اُوما دیبی نے آپ کو کلکتے بلایا ہے۔ اُوما دیبی نے آپ کو فوراً ــ
اُوما دیبی نے آپ کو ــ اُوما دیبی نے آپ کو فوراً ــ اُوما دیبی نے ــ

کشتی گھاٹ سے الگ ہو کر پانی میں پہنچ چکی تھی۔

اُوما دیبی نے آپ کو فوراً بلایا ہے۔ اُوما دیبی نے۔

"شوکتی ــــ" گھاٹ پر سے ریحان کی آواز آئی۔ "ٹھہرو۔ میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

"میں سیدھی ڈھاکے جاؤں گی۔" اس نے یکلخت ذرا خشکی سے جواب دیا۔

"ہاں۔ ہاں۔ لیکن کچھ دور تک ــ"

ریحان تازہ انگریزی اخباروں کا پلندہ ابوالقاسم کے ہاتھ سے لے کر اس کے ساتھ آہستہ آہستہ گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ اب وہ دیپالی کے وجود سے بالکل بے خبر ہو چکا تھا۔

وہ چند منٹ تک اسی طرح کشتی میں بیٹھی رہی۔ پھر مولوی ابوالہاشم نے آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کیا کہ وہ گھاٹ پر اتر گئے۔

بوڑھے مولوی صاحب دنیا دیکھ چکے تھے۔

۱۶

ارجمند منزل

نواب قمر الزماں چودھری کا کتب خانہ ارجمند منزل کے بیرونی، طویل برآمدے کے ایک سرے پر تھا۔ اس کمرے کے سیاہ و سفید ٹائلوں کے فرش پر بیش قیمت کشمیری قالین بچھا تھا۔ جس میں بنا ہوا "شجرِ حیات" کا ایرانی نمونہ اب کافی گھس چکا تھا۔ دیواروں کے برابر لحیم شحیم الماریاں ایستادہ تھیں۔ ایک طرف آبنوس کی بڑی میز پر چاندی کا قلمدان اور کاغذ اور کتابیں نفاست سے موجود تھیں۔ بڑے دریچے کے نیچے، جو پہلو کے باغ میں کھلتا تھا، نواب صاحب کی آرام کرسی بچھی تھی، اور چاندی کی نقشین پتر چڑھی نیچی چوکی پر پیچوان دھرا تھا۔ دیواروں پر سر سید، حالی، سر سلیم اللہ اور شیرِ بنگال اے۔ کے۔ فضل الحق کی تصاویر آویزاں تھیں۔ ڈھاکے کے مغل قلعے، لال باغ کا تراد لا دیز واٹر کلر، آتشدان کے اوپر اور بوڑھی گنگا کے کنارے شائستہ خاں کے دور میں بنی ست گنبد مسجد کا واٹر کلر مقابل کی دیوار پر سجا تھا۔ بی بی پری کے مقبرے اور حسینی دالان کی مختصر تصاویر ایک الماری کے اوپر رکھی تھیں۔ جناح صاحب کا دستخط شدہ پورٹریٹ میز کی عقبی دیوار پر آویزاں تھا۔ مسلم بنگال کے پرانے اور نئے بنگلہ اخبار شدھاکر، نوبو نور، بنگو مسلمان، شاہیتیہ پتریکا، اسلام پرچارک، المسلم اور تہذیب کے مجلد فائل اور الہلال، پیسہ اخبار، ہمدم، زمیندار اور ڈھاکے سے شائع ہونے والے پرانے اردو رسالوں جادو اور المشرق کے فائل ایک الماری میں مقفل تھے۔ دوسری الماریوں میں بنگلہ، فارسی اور اردو کی کتابوں اور قدیم نسخوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ موجود تھا۔ انگریزی کتابوں کی تعداد مقابلتاً کم تھی۔

جولائی ۱۹۴۲ء کے ایک اتوار کی صبح نواب قمر الزماں چودھری اپنی آرام کرسی پر نیم دراز پیچوان کی نے منہ میں لگائے صوبائی مسلم لیگ کے ماہانہ جلسے کے لیے جو تیسرے پہر کو ارجمند منزل کے بڑے ہال میں منعقد ہونے والا تھا، اپنی تقریر لکھنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ تازہ اخبارات کا انبار اُن کے نزدیک اخروٹ

urdukutabkhanapk.blogspot.com

لی کشمیری میز پر موجود تھا۔ نواب صاحب آنکھیں بند کئے اپنی بلند پیشانی پر انگلی پھیرتے ہوئے تقریر کا اختتامی پیراگراف سوچ رہے تھے۔ چند منٹ بعد انہوں نے فاؤنٹین پن اٹھا کر بنگلہ میں تقریر لکھنی شروع کر دی۔

نواب قمر الزماں چودھری بڑی بڑی آنکھوں [illegible] ایک وجیہہ و شکیل پچاس سالہ ثقہ، وضعدار ارسٹوکریٹ تھے۔ اُن کے والد نواب نورالزماں مرحوم ضلع فرید پور کے بہت بڑے زمیندار تھے۔ انھوں ہی نے ارجمند منزل تعمیر کروا کے ایبسنٹی لینڈ لارڈ کی حیثیت سے ڈھاکے میں اقامت اختیار کی تھی۔ نواب صاحب مرحوم نے خود کو نوابین ڈھاکہ کے توڑ کا رئیس سمجھنے کے شوق میں راگ رنگ گھوڑ دوڑ اور دیگر رئیسانہ مشاغل پر بے تحاشا روپیہ اٹھایا تھا۔ اسی وجہ سے اب بھی ان کے جانشین نواب قمر الزماں کا شہر کے چوٹی کے مسلمان رؤسا میں شمار ہوتا تھا۔ نواب نورالزماں مرحوم کو سیاست سے بھی دلچسپی تھی۔ ۱۹۰۶ء میں ڈھاکے میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تو وہ اس کے اوّلین اراکین اور سرپرستوں میں شامل تھے۔ ڈھاکے کے اکثر مسلمان رئیسوں کی مانند نواب صاحب مرحوم کے یہاں بھی اردو کا چرچا تھا اور بچوں کو گھر پر بنگلہ کے ساتھ ساتھ اردو پڑھائی جاتی تھی۔ نواب قمر الزماں کی والدہ نورالنساء بیگم دلی اور لاہور کے زنانہ رسالوں عصمت اور تہذیبِ نسواں کی خریدار تھیں اور "مرسلہ بیگم نورالزماں چودھری "ڈھاکہ بنگال" کی طرف سے کبھی کبھی اصلاحِ معاشرت پر ان کے مضامین ان جریدوں میں شائع ہوا کرتے تھے۔ ان کی بہو یعنی بیگم قمر الزماں کُشتیا ضلع کے ایک خالص "بنگالی اسپیکنگ" زمیندار کی بیٹی تھیں۔ انھیں اردو بالکل نہیں آتی تھی۔ مگر جہاں آرا، اور اس کے بھائی اور بہنوں کو گھر پر اردو پڑھائی گئی تھی۔

اس وقت جبکہ نواب قمر الزماں اپنی خاموش اسٹڈی میں سکون سے بیٹھے تقریر لکھ رہے تھے۔ باہر کافی شور مچ رہا تھا۔ کوٹھی کے وسطی ہال میں لیگ کے جلسے کے لئے ایک قطار میں کرسیاں بچھائی جا رہی تھیں پوربی مالی رام سرن اسٹیج کی میز پر رکھے گلدان میں پھول سجا رہا تھا۔ باقی دوسرے ملازمین کمرے کی صفائی میں لگے تھے۔

لیکن اندر تہہ خانے میں جس قدر چہل پہل اور رونق تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ تین دن بعد نواب قمر الزماں چودھری کے فرزند اور جانشین نواب زادہ نیّر الزماں کی بارات چڑھنے والی تھی۔ شادی کے جوڑے سل رہے تھے۔ جوہری پھیرے لگا رہے تھے۔ گیت گائے جا رہے تھے۔ فرید پور سے رشتہ دار آنے شروع ہو گئے تھے۔ بارات دیناج پور جائے گی۔

تقریر لکھتے لکھتے نواب صاحب نے اُٹھ کر رسالوں کی الماری میں سے المشرق کا فائل نکالا۔ یہ ماہانہ رسالہ تقسیم بنگال کے بعد جب لارڈ کرزن نے آسام اور مشرقی بنگال کو ملا کر مسلم اکثریت کا ایک صوبہ بنا دیا تھا، مسلم بنگال کی ایک مشہور ہستی حکیم حبیب الرحمٰن نے ۱۹۰۶ء میں نکالا تھا، تاکہ اردو کے ذریعہ بقیہ مسلمانانِ ہند سے ذہنی اور سیاسی رابطہ قائم کیا جا سکے۔ یہ پاکستان کی اوّلین داغ بیل تھی۔ نواب قمر الزماں نے اپنی تقریر میں اس رسالے کے پہلے شمارے کے اداریے سے ایک اقتباس نقل کیا۔ "۱۶ اگست ۱۹۰۶ء اگر غور سے دیکھئے تو کیسی سعید تاریخ ہے کہ اس دن ہم کو زندگی اور موت اور مرض و صحت کا پورا پورا احساس ہوا اور ہم خواب اور نیم خوابی سے گھبرا کر چونک پڑے۔ مسلمانوں کے لئے اب کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ بحیثیت برٹش انڈیا کے ایک مستقل آرگنائزیشن قائم کریں ۔۔۔ بنگالی اخباروں کے طرز تحریر اور درشت لہجے سے اب ہمارا کلیجہ منہ تک آ گیا ہے۔ اور ہم کچھ نہیں جانتے کہ آخر ہماری حالت کیا ہوگی؟ ہم اپنے لیڈروں کے متعلق کون سی پھبتی ہے جو روزانہ نہیں سنتے۔ ہمارے لیڈر کیوں بُرے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بہت سا ذاتی نقصان برداشت کر کے صرف اس لئے پارٹیشن کے مؤید ہوئے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے باوجود ملکی ہمدرد ہونے کے نام نہاد سودیشی تحریک میں جو پارٹیشن کے استرداد کے لئے ایک آلہ ہے، شرکت گوارا نہ کی کہ اس سے اپنی قوم گھاٹے میں رہتی۔"

اقتباس کا بنگالی ترجمہ کرنے کے بعد انھوں نے فائل بند کیا اور ۱۹۰۶ء سے لے کر اب تک کی سیاسی جدوجہد کا مختصر تذکرہ قلمبند کرنے کے بعد میز پر بکھرے ہوئے اخباروں میں مسلم لیگ کے ہفتہ وار اخبار ڈان کا تازہ شمارہ تلاش کرنے لگے۔ اس شمارے میں مجوزہ پاکستان کا تفصیلی نقشہ شائع ہوا تھا۔ اور نواب صاحب اس نقشہ کے حوالے سے بنگال و آسام کے متعلق چند اہم نکات اپنی تقریر میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ جب وہ پرچہ نہیں ملا جو کل شام کی ڈاک میں دلی سے آیا تھا۔ تو انہوں نے ذرا بے دماغ ہو کر گھنٹی بجائی۔

ایک ملازم کتب خانے کے دروازے کا اودا مخملیں پردہ سرکا کر اندر داخل ہوا۔

"تازہ ڈان اخبار ۔۔" نواب صاحب نے کہا۔ "نیّر میاں سے پوچھو۔ وہ تو نہیں اٹھا لے گئے۔ ان سے کہنا ہمیں پاکستان کا نقشہ چاہیے۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"حضور — پاکستان کا نقشہ تو نیر میاں نے اس میں سے کاٹ کر باہر برآمدے میں دیوار پر لگا دیا ہے۔ فرمائیے تو اکھیڑ لاؤں۔ مگر دیوار خراب ہو جائے گی۔"

"اوہ — اچھا۔ ٹھیک ہے۔ رہنے دو۔ جاؤ۔"

ملازم باہر چلا گیا۔ نواب صاحب پھر لکھنے میں مصروف ہو گئے۔

اور اُس وقت عبدالقادر کوچوان کی کھڑکھڑاتی ہوئی گھوڑا گاڑی ارجمند منزل کی پورٹیکو میں داخل ہوئی۔

دیپالی سرکار گاڑی کے دروازے کی چٹخنی کھول کر نیچے اتری۔ عبدالقادر کو کرایہ ادا کیا۔ عبدالقادر حسبِ معمول سر جھکائے گھوڑے کو ہنکاتا آگے بڑھ گیا۔ سر جھکائے دیپالی برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ گی لیکن اندر جاتے ہوئے اس کی نظر صدر دروازے کے برابر والی دیوار پر پڑ گئی جہاں پام کے گملے کے اوپر نیر الزماں نے مجوزہ پاکستان کا نقشہ ڈرائنگ پنوں کے ذریعہ لگا دیا تھا۔

دیپالی ٹھٹھک گئی اور آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھنے لگی۔ پنجاب۔ آسام۔ بنگال۔ کشمیر۔ سرحد۔ سندھ۔ بلوچستان — وہ تیوری پر بل ڈال کر بڑے غور سے اس نقشے کو دیکھ رہی تھی۔ اس وقت تک ملازم ہال میں کرسیاں لگا کر جا چکے تھے۔ اور طویل برآمدہ خاموش پڑا تھا۔

اتنے میں ایک گمبھیر و نرم آواز نے اسے چونکا دیا۔

"دیپالی بیٹی — اتنے دھیان سے کیا دیکھ رہی ہو۔؟"

اُس نے مڑ کر دیکھا۔ نواب قمرالزماں اپنے کتب خانے کے دروازے میں کھڑے شفقت سے مسکرا رہے تھے۔

اُسے جہاں آرا کے بابا بہت اچھے لگتے تھے۔ اس قدر مہذب اور نفیس اور خوش اخلاق گو ان سے باتیں کرنے کا بہت کم اتفاق ہوتا تھا۔ لیکن وہ خود اپنے باپ کی اتنی منہ چڑھی اور لاڈلی تھی۔ اس لئے نواب صاحب سے بھی بے تکلفی سے بات کر لیتی تھی اور ان سے ذرا خائف نہ تھی۔ اب اس نے آنکھیں پھیلا کر انھیں دیکھا اور پوچھا۔ "یہ کیا ہے۔ کاکا — ؟"

"بیٹی، تم کو تو جاننا چاہیے۔ ایک روز بہت جلد۔ انشاء اللہ جب پاکستان بن جائے گا تو

تم پاکستانی ہو گی۔"

"میں — کاکا — ؟" اُس نے اسٹڈی کے دروازے کی طرف جاتے ہوئے دریافت کیا۔

نواب صاحب نرمی سے ہنسے — اپنی ساری اولاد میں جہاں آرا ان کو سب سے زیادہ پیاری تھی۔ اس وجہ سے جہاں آرا کی سہیلیوں کا وہ بڑا خیال کرتے تھے۔ علاوہ ازیں دیپالی ان کے پرانے دوست کی لڑکی تھی

"اتنی دیر میں کیوں آئیں۔ تمہارا صبح سے انتظار کیا جا رہا ہے۔" انہوں نے کہا۔ "اب جاؤ جلدی اندر۔ جہاں آرا تمہارے لئے بہت سا کام لئے بیٹھی ہے۔"

"ابھی جاتی ہوں کاکا۔ مگر پہلے آپ سے کچھ پوچھنا چاہوں گی۔" دیپالی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں۔ ہاں پوچھو بیٹی۔ آؤ۔" نواب صاحب نے پردہ ہاتھ سے ایک طرف کو اٹھا دیا۔ دیپالی اسٹڈی میں داخل ہوئی۔ نواب صاحب جا کر اپنی آرام کرسی پر بیٹھ گئے۔ دیپالی قریب ایک صوفے پر ٹک گئی۔

"تمہارے باپ کیسے ہیں۔"

"اچھی طرح ہیں۔"

"اچھا ذرا میں یہ کاغذ پتر سمیٹ لوں، پھر تم سے بات کرتا ہوں۔" نواب صاحب نے عینک کیس میں رکھ کر کاغذات ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر سرکار اسکول میں نواب قمرالزماں کے ہم جماعت تھے۔ ڈاکٹری پاس کرنے کے بعد کچھ عرصہ وہ ارجمند منزل کے فیملی ڈاکٹر رہے۔ مارے دوستی کے فیس نہیں لیتے تھے۔ اس لئے نواب صاحب نے فیس کے بجائے تحفے تحائف اُن کے گھر بھجوانے شروع کئے۔ ڈاکٹر سرکار نے ارجمند منزل ہی آنا چھوڑ دیا۔ نواب صاحب کو اُن کی مالی حالت کا خوب اندازہ تھا۔ درگا پوجا اور عید کے مواقع پر جہاں آرا نے دیپالی کو ساریاں تحفے میں دیں تو اُن کو دیکھ کر ڈاکٹر سرکار کا منہ اتر گیا۔ انہوں نے دیپالی سے کہا۔ "جب تم اس کو کچھ دے نہیں سکتیں تو اس سے لیتی کیوں ہو۔" لہٰذا یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

"بھئی ہم کیا کریں۔" نواب قمرالزماں نے اخباروں کا پلندہ ایک تپائی پر سرکاتے ہوئے کہا۔ "ہمارے یہاں تم جانتی ہو۔ بیماری کا سلسلہ لگا رہتا ہے۔ جہاں آرا کی ماں اختلاجِ قلب کی مریضہ ہیں۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

آئے دن ڈاکٹر کی حاجت۔ مگر تمہارے باپ الٹی کھوپڑی کے آدمی ہیں۔ مجبوراً ہم نے ڈاکٹر گھوش کو لگالیا۔ بتاؤ بھلا اگر ڈاکٹر اور وکیل دوستوں سے فیس لینا چھوڑ دے، تو کرے کیا۔"

"آپ ان کو سمجھایئے۔" دیپالی نے کہا۔

"خبطی ہیں۔ اُن کو کون سمجھا سکتا ہے۔ تم بتاؤ بیٹی۔ ایسی پریشان سی کیوں نظر آرہی ہو۔ اور تمہارا شانتی نکیتن کیسا چل رہا ہے؟"

"ٹھیک ہے کاکا۔"

"بنوئے بابو ایک روز ملے تھے، بتلا رہے تھے کہ تم چھٹیوں میں گھر آنے کے بجائے لوک گیت جمع کرنے ستھال پرگنہ چلی گئیں۔"

"جی ہاں۔ کاکا۔" دیپالی نے بڑی بے چینی سے مجرموں کی طرح صوفے پر پہلو بدلا۔

"بے چارے بہت سخت پریشان تھے کہ برسات کا زمانہ ہے۔ جانے کہاں ماری ماری پھر رہی ہوگی۔ کہیں بیمار نہ پڑ جائے۔"

دیپالی اپنے آپ سے نظریں چرا کر دریچے سے باہر دیکھنے لگی جہاں کامنی پھول کھلے تھے۔ کیسا پُرسکون سہانا اتوار کا دن تھا۔ مگر نہ جانے کیوں دل کو پنکھے سے لگ گئے اور پاکستان کا نقشہ ——
اس نے بابا کو اتنا بڑا دھوکا دینے کے احساس کو نظر انداز کرنے کی سعی کرتے ہوئے دوبارہ نواب صاحب کو مخاطب کیا۔ "پاکستان واقعی بن جائے گا کاکا ——؟"

"انشاء اللہ ——" اب وہ کاغذات ایک طرف رکھنے کے بعد آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر کسی سوچ میں کھو چکے تھے۔ دیپالی نے اُن کے خیالات میں مخل ہونا مناسب نہ سمجھا۔ اور دیوار پر لگے واٹر کلرز کو دیکھنے لگی ـــ ڈھاکے کے آثار الصنادید ـــ قلعہ لال باغ۔ ست گنبد مسجد۔ بی بی پری کا مقبرہ۔ حسینی دالان۔

نواب قمر الزماں بنگال کے اس اسلامی ماضی کے وارث ہیں۔ دیپالی نے سوچا۔ اور اسے یاد آیا۔ اُس کی جنم بھوم میمن سنگھ کے وسیع و عریض، سرسبز علاقے میں، ہندو اور بدھ بنگال کے پُرفسوں اور لرزہ خیز، کھنڈر بھی موجود ہیں تو میں صرف اس ہندو ماضی کی وارث ہوں؟ اس ماضی اور اس اسلامی ماضی کی وراثت کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں۔؟

لیکن ریحان نے سندربن میں ایک روز اُس سے کہا تھا۔ تاریخ آپ سے آپ ہمیں سمجھا دیتی ہے اس لئے کہ ہم خود تاریخ ہیں۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیاں تاریخ کی مجموعیت کی سب سے بڑی تفسیر ہیں۔

نواب صاحب آنکھیں بند کئے، پیچوان کے آہستہ آہستہ کش لگا رہے تھے۔ اور غالباً دیپالی کی موجودگی سے بے خبر ہو چکے تھے۔ دیپالی نے انھیں دیکھا۔ مہذب، نیک نفس، شریف انسان، مسلم لیگ کے لیڈر۔ لیکن اپنی نیک نفسی اور خلوص نیت کے باوجود اُن کو عبدالقادر کوچوان کے مسائل کا صحیح احساس ہے؟ عبدالقادر کوچوان پاکستان کے قیام سے مستفید ہو گا۔؟ مجھے یہ سب کون سمجھائے؟

ریحان نے کہا تھا ـــ دیپالی ـــ ہندوستان کے نوّے فیصدی انسان مفلس ہیں اور اہلِ ثروت مفلسی کی تلخی، کم مائیگی، کمتری اور بے عزتی کے احساسات کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ زندہ رہنے کی جدوجہد، کلچر اور اخلاق اور مذہب اور فلسفے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ انسان کو جھوٹا اور گھٹیا اور کمینہ اور کردار سے عاری بنا دیتی ہے۔ ہم ہندوستانی اسی لئے جھوٹے اور کمینے اور کردار سے عاری اور بے ایمان ہیں ـــ ماضی سنہرا تھا۔ کیونکہ آبادی کم اور گیہوں اور چاول وافر تھا۔ لیکن کولونیل نظام اور بڑھتی ہوئی آبادی نے ملک کا کچومر نکال دیا۔ ہندوستان والوں کو جھوٹا اور بے ایمان بنا دیا۔ ہر کولونیل ملک کے باشندے لامحالہ گھٹیا اور کردار سے عاری ہو جاتے ہیں۔ غلامانہ ذہنیت بے معنی اصطلاح نہیں ہے۔

سورج اب نصف النہار پر پہنچنے والا تھا۔ کتب خانے کے وسیع دریچوں میں سے آتی ہوئی اس کی کرنوں نے شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے بیٹے، صوبے دار بنگال، شہزادہ محمد اعظم کے بنوائے قلعہ لال باغ کی بڑی پینٹنگ کو جھلملا دیا۔ دیپالی مسحور ہو کر اس پینٹنگ کو دیکھا کی۔ ریحان نے کہا تھا۔ (وہ اب اس طرح سوچ رہی تھی۔ جس طرح پادری بنرجی بات بات پر اس سے کہا کرتے تھے "یسوع نے کہا تھا ——") ریحان نے کہا تھا، ـــ ہمارے بنگال کی، ڈھاکے کی مسجدیں۔ قلعے، پرانے محلات، ہماری مصنوعات، ہماری سنگیت اور سنگتراشی، یہ سب اس سنہرے، رومانی ماضی کی یادگار ہیں۔ لیکن اسی ڈھاکے شہر کا موجودہ فرقہ وارانہ کھنچاؤ اور افلاس برطانوی کولونیلزم کا ثبوت ہیں۔ جس دھرتی پر کھانے کو کم ملے گا وہاں فرقہ وارانہ کشمکش ناگزیر ہے کہ سب ایک دوسرے کے منہ سے روٹی چھین کر اپنے پیٹ کی آگ بجھانا چاہتے ہیں۔ یہ جنگل کا قانون ہے۔ برطانوی نظام ایک ایسی دوکان

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہے۔ جس کے سامنے کھڑے ہوئے قطار اندر قطار مختلف ہندوستانی فرقے اپنے اپنے کشکول سنبھالے، جھولیاں پھیلائے ایک دوسرے کو دھکیل کر آگے بڑھنا چاہ رہے ہیں۔ اور بٹواروں میں مصروف ہیں۔ اور یہ ہو کے فرسٹریٹڈ، اب نارمل عوام آپس میں فساد کر کے ملک کی قسمت کا آج کل فیصلہ کر رہے ہیں ــــ

"ہاں بھائی دیپالی۔ کیا پوچھنا چاہتی تھیں۔" نواب صاحب نے ایک دم زور سے پیچوان گڑگڑا کر آنکھیں کھولتے ہوئے دریافت کیا۔

دیپالی چونک پڑی۔ پھر اس نے کہا۔ "کاکا۔ آپ کیوں چاہتے ہیں کہ ملک تقسیم ہو جائے؟"

نواب صاحب چند سیکنڈ تک پیچوان گڑگڑاتے رہے اور پھر رسان سے کہا۔ "بیٹی تم کو یہ معلوم ہے کہ سارے ہندوستان کے مسلمان تباہ حال ہیں، ایک وقت تھا کہ اسی بنگال کا مسلمان خوش حال اور آسودہ تھا صرف اس صوبے میں ایک لاکھ اسلامی مدارس تھے بیٹی ــــ ایک لاکھ مدرسے۔ اب یہاں مسلمانوں کی غربت اور جہالت کی کیا حالت ہے؟ خود تمہارے گرو دیو ٹیگور بنگالی مسلمانوں کی اقتصادی پسماندگی اور ان کے ساتھ سماجی بے انصافی کا اعتراف کر چکے ہیں۔"

"مگر کاکا ــــ آزاد متحدہ ہندوستان میں بھی تو مسلمان خوشحال ہو سکتے ہیں۔"

"متحدہ ہندوستان میں ــــ ؟ ہرگز نہیں۔" انہوں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "اور ہندوستان متحد کب تھا۔ اسے انگریزوں نے متحد کیا ــــ دیپالی تم میری بچی ہو۔ میں تم سے کیا بحث کروں۔ میں تو اب تمہارے بابا سے بھی بحث نہیں کرتا۔ جوانی کے زمانے میں ہم دونوں خوب خوب جھگڑتے تھے۔ جب وہ احمق الذین اپنے باپ دادا کی بچی کھچی زمینیں بیچ کر کانگریس میں گھس گئے تھے۔ جیل چلے گئے تھے ــــ" انھوں نے پھر پیچوان کی نے منہ سے لگائی۔

"کاکا۔ میں بچی نہیں ہوں۔" دیپالی نے الجھ کر کہا۔ "میں آپ سے یہ باتیں ڈسکس کرنا چاہتی ہوں۔"

نواب صاحب نے ذرا اداسی سے مسکرا کر اسے غور سے دیکھا اور کہنے لگے ــــ "میں بھول گیا تھا تم اس سرپھرے بیچارے دینیش بابو کی بھتیجی ہو۔ تم بھی سرپھری ہوگی۔ مگر آج ایک نصیحت کرتا ہوں۔ قومی جدوجہد کے چکر میں تم کسی آفت میں نہ پھنس جانا۔ تمہارے باپ پہلے ہی ایک بہت بڑی قربانی دے چکے ہیں۔"

"قربانی ــــ" دیپالی نے ہنس کر کہا ــــ "تیاگ اور قربانی تو اس دیس کی پرانی روایت ہے کاکا۔ گوتم بدھ سے لے کر جہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو تک سب قربانیاں دیتے آئے ہیں۔ تیاگ اور قربانی... تیاگ اور قربانی۔"

"ہوں ــــ" نواب صاحب ذرا مسکرا کر چپ ہو رہے۔

"نہیں کاکا۔" دیپالی نے بڑے دکھ سے کہا۔ "ملک کو تقسیم نہ ہونے دیجیے۔"

"بیٹی ــــ" نواب صاحب نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "میرا اور تمہارا نقطۂ نظر بالکل جداگانہ ہے۔ میں تم سے کیا کہوں۔" پھر انہوں نے کرسی پر پہلو بدلا اور قریب کی میز پر سے اپنی نامکمل تحریر اٹھا کر بے دھیانی سے اس کے اوراق پلٹتے ہوئے دہرایا۔ "بالکل جداگانہ ہے۔ ہم ۱۹۰۶ء کی تقسیم بنگال سے خوش تھے۔ کیونکہ اس میں ہمارا اقتصادی فائدہ تھا۔ تم لوگوں نے اسے اپنی سیاسی عزائم پر ضرب کاری سمجھا اور اس کو ختم کرنے کے لئے تشدد کی تحریک شروع کر دی اور بم پھینکنے لگے۔ یہ بم پھینکنے والے تمہارے ہیرو قرار پائے۔ بیٹی معاف کرنا۔ تم نے ہی یہ ذکر چھیڑا ہے اور تم کہتی ہو کہ تم اب بڑی ہو گئی ہو اور سمجھدار ہو۔ اس لئے میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ اسی ڈھاکے میں تقسیم کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے انگریزوں پر بم پھینکنے والوں کے پانچ سو خفیہ گروہ تھے۔"

"پانچ سو ــــ کاکا۔ ؟" دیپالی نے آنکھیں پھیلا کر دہرایا۔ اور سوچا۔ میں اُس بم پھینکنے والے خفیہ گروہ کی روایت کی پیرو ہوں۔ اور نواب قمر الزماں چودھری مخالف کیمپ میں ہیں۔ ایسا کیوں ہوا ــــ ؟

"بنگال کی مسلم اکثریت کا یقیناً اس تقسیم سے فائدہ تھا۔ تم نے تو بیٹی گاؤں میں ہندو مہاجن اور ہندو زمیندار کے پنجے میں پھنسے مسلمان کسان کی حالت نہیں دیکھی ــــ"

"آپ بھی تو زمیندار ہیں کاکا۔"

"ٹھیک ہے۔" نواب صاحب نے ذرا جھنجھلا کر پیچوان کی نے الگ کی اور گھنٹی بجائی۔ چند سکنڈ میں ملازم ایک تابع فرمان جن کی طرح نمودار ہوا۔ نواب صاحب نے ابرو سے پیچوان کی طرف اشارہ کیا۔ ملازم چلم تازہ کرنے کے لئے باہر لے گیا۔ نواب صاحب دیپالی کی طرف متوجہ ہوئے۔ "کیا تمہاری کانگریس میں زمیندار اور سرمایہ دار شامل نہیں ــــ؟"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"میں کانگریسی نہیں ہوں کاکا۔"

"پھر۔ پھر کیا ہو۔۔؟" وہ دفعتاً چونک اُٹھے۔ "تم بیٹی کہیں کمیونسٹ تو نہیں ہوگئیں؟ بنگال میں آج کل یہ نئی وبا پھیل رہی ہے۔" انہوں نے بڑی آزردگی اور تردّد سے اس پر نظر ڈالی۔

"جی نہیں۔ میں کمیونسٹ نہیں ہوں کاکا۔"

نواب صاحب کو اس انکار کا قطعی یقین نہ آیا۔ وہ تاسف کے ساتھ سر ہلایا کئے۔

دیپالی نے ذرا بے خوفی سے کہا۔ "کاکا میں تو محض دیش کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ حصولِ آزادی کی خاطر۔"

"ضرور خدمت کرو بیٹی۔ آزادی حاصل کرو۔ مگر یہ آزادی مسلمانوں کے لئے نہیں ہوگی۔"

اتنی تلخی ان کے خیالات میں ہے۔ دیپالی نے لرز کر سوچا۔ تو ہم لوگ، ریحان اور سارے ساتھی، محض ایک مصنوعی، غیر حقیقی، خیالی دنیا آباد کر رہے ہیں۔۔؟

جمن تازہ چلم لے کر اندر آیا۔ چلم پیچوان پر رکھی اور چند قدم پیچھے ہٹ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔ کہ نواب صاحب کی طرف پیٹھ کر کے نہ جا سکتا تھا۔ دیپالی نے نواب صاحب سے دریافت کیا۔۔ "کاکا۔۔ یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ صرف نوابوں اور راجاؤں کی جماعت ہے۔ جیسے راجہ محمود آباد۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں۔۔ اور جیسے نواب قمر الزماں چودھری۔" وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ نواب صاحب نے تپائی سے لگی ہوئی چاندی کی موٹھ والی چھڑی اٹھا کر اسے گویا پیٹنے کا ارادہ ظاہر کیا اور پیچوان کا ایک کش لگا کر بولے "بنوئے چندر نے اپنے لاڈ پیار میں تجھے بالکل برباد کر دیا۔"

"نہیں بتائیے کاکا۔" وہ مچل کر بولی۔

نواب صاحب تیوری پر بل ڈال کر اسے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے آہستہ آہستہ کہا۔ "دیپالی بیٹی۔۔ تمہارے ٹھاکر دادا بھی زمیندار تھے اور اُن کی اور میرے والد مرحوم کی آپس میں خاصی دوستی تھی دونوں کے ہاں ناچ گانے اور ناٹک کی محفلیں جمتی تھیں اور عیش ہوتے تھے اور یہ دونوں بزرگ۔۔ میرے ابّا مرحوم اور تمہارے ٹھاکر دادا انگریزوں کے وفادار تھے۔" پھر وہ جیسے یکلخت پرانی باتیں سوچنے لگے۔ چند لحظوں بعد انہوں نے کہا۔ "اسکول میں بنوئے چندر اور میں ہم جماعت تھے۔ بنوئے

شاید پانچ چھ سال مجھ سے چھوٹا ہے۔ مگر مسلمان رئیس زادہ ہونے کے کارن میری انگریزی تعلیم خاصی بے پروائی اور دیر میں شروع کروائی گئی تھی۔۔۔ خیر۔۔" وہ آنکھیں بند کر کے ابروؤں پر اپنے ہاتھ کی انگلی اور انگوٹھا پھیرنے لگے۔ اور پھر کہا۔ "ہمارا ایک اور کلاس فیلو بھی تھا۔ وہ سیّد مرتضےٰ حسین۔ جو اب بڑا کٹر نیشنلسٹ مسلمان ہے اور تمہارے وشوا بھارتی میں پڑھاتا ہے۔۔ خیر۔۔ پھر تمہارے باپ اور چچا اپنی قومی تحریک میں شامل ہو گئے۔ وہ جس سیاست میں شامل ہوئے، وہ میرے نزدیک مسلمانوں کی مخالف سیاست ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو مجھے بے چارے دنیش کی شہادت کا صدمہ نہیں ہوا۔۔؟ اب بھی جب اس کی آنکھیں اور شکلیں اور باتیں یاد آتی ہیں۔۔۔ دل کٹ کر رہ جاتا ہے۔ مگر بیٹی مجھے افسوس یہی ہے کہ وہ گمراہ تھا۔ اور اپنی جان اس نے بیکار ضائع کی۔ یہ تشدد پسندی اور بم پھینکنا اور گولی مار دینا۔ اس طریقے سے کیا برطانیہ کی طاقت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ مگر اب بہر حال اس تحریک کا زور کم پڑ چکا ہے۔ خیر بھائی دیپالی۔ یہ بڑے گنجلک معاملے ہیں۔ بڑی ہوگی تو سمجھو گی۔ ابھی نو عمری کا جوش ہے اور انقلاب زندہ باد کے نعرے لگا رہی ہو۔ مگر سر دھڑ کی بازی سوچ سمجھ کر لگانا چاہئے۔ اور بی بی تم اس فلاکت زدہ زمانے میں پیدا ہوئیں۔ تم بے چاری نے دیکھا ہی کیا ہے۔ تم تو سوچ بھی نہیں سکتیں کہ تمہاری چندر کنج نے بھی کبھی اچھے دن دیکھے تھے۔ میں سمجھتا ہوں اگر تمہارے ٹھاکر دادا کے زمانے کی امارت تھوڑی سی بھی اب تک باقی ہوتی تو شاید تم اس جوش و خروش سے نوابوں اور امیروں کی مخالفت نہ ہوتیں۔"

"لیکن او ما رائے تو آپ بھی بڑی رئیس زادی ہیں۔" دیپالی نے کہنا شروع کیا۔

"ہاں۔۔ میں جانتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ ہیر سٹر ہری توش رائے کی لڑکی تم سب کی سرغنہ اور گرو بن گئی ہے۔ مگر میں اس کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ دیپالی میں پرانی وضع کا آدمی ہوں۔ میرے خیالات پر تم کو غصہ ہی آئے گا۔۔ خیر تو تم مجھ سے ڈسکس کیا کرنا چاہتی تھیں۔؟" وہ پھر مسکرانے لگے۔

"کاکا۔ میں صرف یہ کہہ رہی تھی۔" دیپالی نے اب ذرا غیر یقینی لہجے میں کہا۔ "کہ بٹوارے کے بجائے اتحاد کی بھی کوشش کی جا سکتی ہے۔؟"

"اتحاد۔۔ اتحاد ہے کہاں۔۔؟ پنجاب کا آریہ سماج اور مہاراشٹر اور بنگال کی ہندو تجدید پرستی اتحاد کی نشانیاں ہیں۔؟"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"میں دوسرے صوبوں کے متعلق تو نہیں جانتی کاکا۔ مگر ہمارے بنگال کے ہندوؤں اور مسلمانوں کا کلچر تو بالکل ایک ہے۔"

"مانتا ہوں بھائی ۔۔۔ یہاں کا کلچر ایک ہے۔ یہاں کی لوک سنگیت، لوک ساہتیہ، ہر چیز میں مسلمانوں کا کتنا بڑا حصہ ہے۔ مگر ہندوؤں نے کبھی اس کا اعتراف کیا؟ بنگالی کلچر سے ان کی مراد محض ہندو بنگالی کلچر ہوتی ہے۔ پچھلی صدی میں تو زور شور سے یہ بحث چھیڑی گئی تھی کہ بنگلہ مسلمانوں کی زبان ہی نہیں۔ بنگلہ ادب اور تہذیب صرف ہندوؤں کا ورثہ ہے ۔۔۔ کیا ہم اتحاد نہیں چاہتے تھے، خدا کی قسم ہم اتحاد چاہتے تھے اور پچھلے آٹھ سو سال کی تخلیق شدہ بنگالی لوک سنگیت اور ادب اس کا مکمل ثبوت ہے ۔۔۔ مگر اب مسلمانوں سے اتنی نفرت۔ ان کے لئے حقارت کا ایسا رویہ ۔۔ تم نے آنند مٹھ پڑھا ہے؟"

دیپالی نے نفی میں سر ہلایا۔

"لیکن بنگال کے مسلمان پسماندہ اور مفلس کسان اور ماہی گیر اور ملاح اور کاریگر ہیں۔ اپنی مدافعت میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ تمہارا ہندو بنگالی پریس نواب سر سلیم اللہ کو انگریز کا پٹھو کہتا ہے اور یہ جو اتنے بنگالی ہندو نائٹ ہیں۔ یہ انگریز کے پٹھو نہیں ۔۔؟"

دیپالی خاموش رہی۔ نواب صاحب نے ذرا جوش سے بات جاری رکھی۔ "تم بنگالی کلچر کے اتحاد کی بات کرتی ہو۔ بالکل صحیح ہے۔ سو ڈیڑھ سو سال قبل تک یہ کلچر واقعی ایک تھی۔ راجہ رام موہن رائے عربی اور فارسی کے عالم تھے۔ نوابین مرشد آباد کے دور تک ہندو شرفا فارسی پڑھتے تھے۔ تمہارے گرو دیو، جن کا خاندانی نام انگریزوں نے ٹھاکر کے بجائے ٹیگور کر دیا۔ ٹھاکر کا یہ خطاب ۔۔۔ اس خاندان کو بنگال کے مسلمان نوابوں ہی نے دیا تھا۔ تم یہ بات جانتی ہو۔۔؟"

دیپالی نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

"ایک زمانے میں یہ ٹھاکر خاندان پیر علی برہمنوں کا گھرانا کہلاتا تھا۔ کیونکہ انہوں نے قنوجی برہمنوں کی ذات پات کی قیود توڑ کر مسلمان نوابوں کے یہاں ملازمت کر لی تھی ۔۔۔ خود اپنا نام دیکھو۔ سرکار، مجومدار یا مزمدار، تعلقہ دار اور قانون گو۔ یہ سب بنگالی کائستھوں کے مغل عہدے تھے، جو اب تمہاری ذات بن چکے ہیں۔" نواب صاحب نے پیچوان کی نے ایک طرف رکھ کر لمبی سانس لی۔

"مگر کاکا ۔۔۔ دیپالی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہندو تجدیدیت کے ساتھ مسلم تجدیدیت بھی تو شروع ہوئی بنگال میں ۔" سندربن میں اسے ریحان نے ایک شام وہابی تحریک کے متعلق بتایا تھا۔ جس کی زیر قیادت مسلمان مولوی انیسویں صدی میں بنگالی مسلمان کسانوں سے کہتے پھرتے تھے کہ وہ اپنے ہندوانہ رسم و رواج ترک کر دیں ۔" اور پھر لڑوا دیا انگریزوں نے آپس میں۔" اس نے باآواز بلند کہا۔

"ہر بات کا الزام انگریز کے سر تھوپنا بالکل غلط چیز ہے۔ تم لوگ چند مفروضوں کی بنا پر اپنی ساری دلیلیں پیش کرتے ہو۔" انہوں نے گھڑی دیکھی اور چونک کر کہا۔ "تمہارے ساتھ اس بیکار کی مغز سوزی میں اتنا وقت نکل گیا۔ مجھے ابھی تقریر بھی تو لکھنی ہے۔" انھوں نے تپائی پر سے کاغذ اٹھایا۔

"کاکا ۔۔۔ مجھے سنائیے اپنی تقریر ۔۔"

"بھاگ جاؤ۔"

"نہیں کاکا ۔۔۔" اس نے اُن کے ہاتھ سے کاغذ چھین لیا اور نامکمل صفحہ پڑھنے لگی۔

""اس گئی گذری حالت میں بھی مسلمانانِ بنگال نے عیسائی مبلغین کے خلاف اور ہندو احیاء کی مدافعت میں اخبار اور رسالے نکالے اور ہمارے لیڈر قوم کی بے چارگی پر خون کے آنسو روتے رہے۔ بجا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے آج تک۔ لاہور سے لے کر چاٹگام اور دہلی سے لے کر مدراس تک کے مسلمان محض خون کے آنسو روتے رہے ہیں۔ مگر اب عمل کا وقت آ گیا ہے۔"

دیپالی نے پڑھ کر کاغذ میز پر رکھ دیا۔

نواب صاحب المشرق کا فائل الماری میں واپس رکھنے کے لئے آرام کرسی سے اٹھے۔۔

دیپالی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "تم نے مسلم احیاء کے متعلق کسی کانگریسی کی کتاب پڑھی ہوگی۔"

"جی نہیں کاکا۔" ریحان کا نام اس کی زبان پہ آتے آتے رہ گیا۔ "ایسے ہی بس اِدھر اُدھر سے سنا ہے۔"

نواب صاحب الماری کھول کر کتابوں کا جائزہ لینے لگے۔ دیپالی نے دریچے سے باہر جھانکا۔ ریحان نے کہا تھا۔ (یسوع مسیح نے کہا تھا) آج سے دو سو برس قبل تک بہت سے بنگالی صوفی گورکھ دتے جیسے ناموں کی کتابیں لکھتے تھے اور وشنو پد گاتے تھے۔ بہت سے صوفیوں کے سلسلے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

تنترک یوگ تک — کے ہم شکل تھے۔ بنگالی خانقاہوں میں ایک اچھا خاصا "مسلم یوگ ساہتیہ" تخلیق ہو چکا تھا۔ مدار شاہ کے فقیر اور ہندو یوگی تقریباً ایک جیسے تھے۔ اور یہ مداری فقیر اور ہندو سنیاسی ۱۷۷۰ء کے بھیانک قحط کے بعد کمپنی کی افواج سے لڑتے بھڑتے پھرے تھے۔ اور ریحان نے بتایا تھا کہ ایک مرتضیٰ شاہی فقیروں کا سلسلہ تھا۔ جن کے گرو سید مرتضیٰ آنند نے یوگ قلندر اور دشنو مجنوں کی ایک کتاب لکھی تھی۔ ایک شادی شدہ برہمن زادی ان پر عاشق ہو کر اُن کی چیلی بن گئی تھی۔ اس کا نام آنند مایا دیبی تھا۔ اسی لئے وہ مرتضیٰ آنند کہلاتے تھے۔ مثال کے طور پر —— ریحان نے کھنکار کر اضافہ کیا تھا۔ جس طرح اس خاکسار کو باؤل فقیر سید ریحان دیپالی کہا جائے گا! دریچے میں کھڑے کھڑے دیپالی کو یہ بات یاد کر کے ہنسی آگئی۔ "You and I — we two are the stuff all human love is made of" ریحان نے کہا تھا۔

"اب سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے سارے باؤل مغنی عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی اور انسانیت کے عشق کے متعلق کیا گاتے پھرتے تھے، شیخ مدن باؤل، ختولن شاہ، حسن رضا، لالن شاہ —— یہ سنگیت کار درویش جن کی شاعری اور موسیقی نے اتنی شدت سے گرودیو کی شاعری اور موسیقی کو متاثر کیا —— کیا یہ مشترکہ ذخیرہ نہیں؟" —— اور دیپالی نے خود اپنے گاؤں میمن سنگھ میں دیکھا تھا کہ ربچادتیہ فقیر جو مسلمان تھے۔ منتر پڑھ کر اور گھنٹیاں بجا بجا کر مسلمان کسانوں کی مرادیں پوری کرنے کا تپ کرتے تھے اور مسلمان کسانوں کے ہاں شادی کے موقع پر منگل چنڈی وجے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ خود ریحان کا عرف رونو میاں تھا۔ وہ تو ہندوؤں کا نام بھی تھا۔ کیا یہ سب تہذیبی مماثلت یا اتحاد کے بے حد سطحی مظاہر ہیں، یا ان کے پیچھے کوئی ایسی گمبھیر، تاریخی، نسلی اور نفسیاتی معنویت بھی پنہاں ہے، جو سیاسی تبدیلیوں سے بلند تر اور ماورا رہے گی؟ دیپالی بہت زیادہ الجھ کر دریچے سے مڑی۔ نواب صاحب الماری بند کر کے لکھنے کی میز کی طرف جا رہے تھے۔

"یہ سب طبقاتی سیاست ہے" دیپالی نے ریحان کے الفاظ دہرائے اور اونچی آواز میں کہا۔ "اب میں جاتی ہوں کاکا۔"

نواب صاحب نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اور شاہانہ وقار سے چلتے ہوئے اس کے نزدیک آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم بٹی۔ مجھے آج تک معلوم نہ تھا کہ اتنا زیادہ پڑھ لکھ گئی ہو۔ مجھے تمہاری

طرف سے بہت تشویش ہو گئی۔ لڑکیوں کے لئے اتنا پڑھ لکھ جانا بہت مضر ہے۔ اسی لئے میں نے جہاں آرا کو کالج سے اٹھا لیا۔ تمہارا اصل فرض وہ ہے، جس کے لئے اندر تمہارا انتظار کیا جا رہا ہے۔ جاؤ جا کے اپنے بھائی تیتر کی بری کے جوڑے ٹانکو۔ جاؤ۔ بھاگو۔"

"جی کاکا ——" دیپالی نے ہنس کر کہا۔ اور تقریباً دوڑتی ہوئی کتب خانے سے باہر نکل گئی۔ نواب صاحب کیس میں سے عینک نکال کر بڑی میز پر جا بیٹھے۔

ارجمند منزل کے پائیں باغ کے وسط میں سنگِ سرخ کا بڑا خوبصورت تالاب تھا۔ جس کے چاروں طرف اونچی، کنگورے دار منڈیروں کے ساتھ ساتھ سنگی بنچیں نصب تھیں۔ اور بیرونی سیڑھیوں کے دونوں جانب حُسنہ حنا کی جھاڑیاں تھیں۔ تالاب کے کنارے سیل کے نیچے کئی لڑکیاں ایک تخت پر جمع سلائی میں مصروف تھیں۔ قریب ہی گھاس پر سیتل پاٹیاں بچھی تھیں اور بڑی سرگرمی سے جوڑے سل رہے تھے۔ تالاب کی دوسری جانب گلابِ خاص کے گھنے سائے میں ایک شکستہ سا "شاہی تخت" بچھا تھا۔ جس پر انجم آرا اطلسی دلائی پھیلائے اس پر گوٹے کا چوکھا جال بنانے میں مصروف تھی۔

یہ "شاہی تخت" اس زمانے کی یادگار تھا جب نواب نورالزماں مرحوم کے ہاں ارجمند منزل کے باغ میں جاترا والوں کی منڈلیاں آ کر ڈیرے ڈالتی تھیں۔ لوک ناٹک کھیلے جاتے تھے۔ بنگالی تھیٹر کمپنیاں تاریخی، سوشل اور سیاسی ڈرامے اسٹیج کرتی تھیں اور شہر کے ہندو اور مسلم امراء جمع ہو کر "شاہجہاں" "ٹیپو سلطان" "سراج الدولہ" "میر قاسم" "کرانی جیون" اور "خودی رام باسو" سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ (خودی رام باسو، جو ایک دہشت پسند نوجوان تھا اور جسے مظفر پور کے انگریز جج کنگز فورڈ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے جرم میں ۱۹۰۸ء میں پھانسی ہوئی تھی۔ ہزاروں ہندو گھروں میں اس کی راکھ تبرک کی طرح تقسیم کی گئی اور لوگ اس کے تعویز بنا بنا کر پہننے لگے۔ اس کے متعلق مقبول ڈرامہ بھی ارجمند منزل میں کھیلا جا چکا تھا) یہاں گریش چندر اور ٹیگور کا چرچا رہتا تھا۔ اور بنگلہ سنگیت ناٹکوں کی موسیقی گونجی تھی۔

ڈھاکے میں اردو تھیٹر ۱۸۵۰ء سے پہلے سے قائم تھا۔ اور اواخر انیسویں صدی تک یعنی جب نواب نورالزماں فرید پور سے آ کر وہاں سکونت پذیر ہوئے۔ شہر میں متعدد تھیٹر کمپنیاں موجود تھیں۔ جن کے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

تھی اور ایکٹریسیں لکھنؤ سے منگوائے جاتے تھے۔ اور ایکٹر ہی زنانہ پارٹ کرتے تھے۔ ۱۹۳۰ء تک، جب نواب قمر الزماں کے دادا پہلی بار فرید پور سے ڈھاکے آن کر رہے تھے۔ شہر میں چونتیس تھیٹر کمپنیاں قائم تھیں۔ اور اس زمانہ سے لے کر آج تک ارجمند منزل میں ناٹک کا سلسلہ جاری تھا۔ بنگالی زمینداروں کو تھیٹر کا از حد شوق تھا۔ اپنے گھروں میں اسٹیج کئے جانے والے ڈراموں میں اکثر وہ خود بھی ایکٹنگ کرتے تھے۔ "جلسہ گھر" زمینداروں کے مکان کا لازمی حصہ تھا۔ ارجمند منزل کے جلسہ گھر میں اب سیاسی میٹنگیں بھی ہوتی تھیں۔ مگر اس کی اسٹیج اور دیگر ساز و سامان جوں کا توں موجود تھا۔ نواب نور الزماں کے چھوٹے بھائی نواب زادہ فخر الزماں مرحوم نے خود ایک تھیٹر کمپنی کھولی تھی۔ خواص و عوام سبھی اسٹیج کے رسیا تھے۔ کلکتہ میں مدتوں سے ریوالونگ اسٹیج موجود تھی اور "ترکی حور" ناٹک میں پہلی بار بیک گراؤنڈ میں فلم کے مناظر سے کام لیا گیا تھا۔ کلکتہ، ڈھاکہ اور دوسرے شہروں کے ہر محلے کی اپنی ناٹک منڈلی تھی۔ دیہات میں جاترا والے گاؤں گاؤں گھومتے تھے۔

اسی دور کے "مسین سینیریوں" کے پردوں، اونچی اونچے چینی کے گملوں، فرنیچر، "شاہی" ملبوسات، نقلی تاج، داڑھی مونچھوں، کاٹھ کی تلواروں اور دیگر لوازمات کا انبار ارجمند منزل کے شاگرد پیشے کے ایک گودام میں مقفل تھا۔ اور جب کبھی کالج میں ڈرامہ ہوتا تو دیپالی اور روزی فوراً ارجمند منزل کا رخ کرتیں۔ نواب زادہ نیر الزماں گودام کھلواتے اور وہ اپنے مطلب کی چیزیں نکال کر لے جاتیں۔

نواب زادہ فخر الزماں مرحوم نے "راجہ بھوج" کے عنوان سے خود ایک سنگیت ناٹک بنگلہ میں تصنیف کیا تھا۔ اس کے لئے ننھے منے آئینوں اور رنگ برنگے نقش و نگار سے مزین و کرم خوردہ روایتی سنگھاسن بنوایا گیا تھا۔ جس میں ساری میں لپٹی چار مورتیاں چاروں پایوں کی جگہ تخت سر پر اٹھائے کھڑی تھیں۔ بقیہ اٹھائیس مورتیاں سنگھاسن کے سہ طرفہ جنگلے میں نصب تھیں۔ یہ "شاہی تخت" اسٹیج کے دوسرے فرنیچر کے انبار کے نیچے مدتوں سے دبا پڑا تھا۔ اور آج صبح ملازموں نے باہر نکال کر جھاڑ پونچھ کے گلابِ خاص کے نیچے بچھا دیا تھا۔ تاکہ صاحبزادیاں آرام سے بیٹھ کر سی پرو سکیں۔

سنگھاسن کے مقابل میں سمبل کے نیچے مہر آرا مشین پر کچھ سی رہی تھی۔ تین چار خادمائیں

تالاب کی سیڑھیوں پر بیٹھی پان چبا رہی تھیں۔ ایک سٹیل پائی پر ہارمونیم رکھا تھا، اور ایک لڑکی بیاہ کے گیت الاپنے میں مصروف تھی۔

نواب قمر الزماں چودھری کو کتب خانے میں لیگ کے ماہانہ جلسے کے لئے تقریر لکھتا چھوڑ کر دیپالی سرکار طویل گیلری میں سے گزرتی کشادہ چوبی زینے پر پہنچی۔ اور دوسری منزل پر جا کر جہاں آرا، کے کمرے میں داخل ہوئی۔ مگر کمرہ خالی پڑا تھا۔ تخت اور مسہری پر بنارسی ساریوں کے خالی ڈبے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں مٹھائی کے گلابی کاغذوں کا ڈھیر لگا تھا۔ ساری کوٹھی کی طرح اس کمرے میں بھی شادی کا ماحول نظر آرہا تھا۔

نیچے سے ہارمونیم کی آواز بلند ہوئی۔ دیپالی دریچے میں گئی جو پچھلے باغ پر کھلتا تھا۔ اس نے جھانک کر نجمہ اور مہر آرا کو دیکھا۔ مونگیا ساری پہنے ایک اور لڑکی، جس کی پشت کوٹھی کی طرف تھی۔ بڑی تندہی سے مشین کا ہینڈل گھمانے میں مصروف تھی۔ بادل گھر آئے تھے۔ مگر ابھی بارش کے آثار نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ بڑی سہانی ہوا چل رہی تھی۔ ایک ملازمہ تالاب کے دوسرے سرے کی اندرونی سیڑھی پر بیٹھی چاندی کے برتن صاف کر رہی تھی۔ کتب خانے کے پریشان کن، کربناک ملکی سیاست کے تذکرے کے بعد یہ منظر کس قدر پُرسکون اور نظر فریب تھا۔

باورچی خانے کی سمت سے جہاں آرا خراماں خراماں چلتی تالاب کی طرف آئی۔ دیپالی نے دریچے میں سے اُسے آواز دی۔ جہاں آرا نے اسے سر اٹھا کر دیکھا۔ "دیپال — اتنی دیر لگا دی — جلدی آؤ۔"

"آتی ہوں بھائی۔" اُس نے جواب دیا۔ اور تیزی سے نیچے چلی گئی۔

"آہا —— دیدی آگئیں۔" "راج سنگھاسن" پر بیٹھی انجم آرا نے نعرہ لگایا۔ دیپالی تقریباً دوڑتی ہوئی سمبل کے نیچے پہنچی۔ مونگیا ساری والی اجنبی لڑکی نے پلٹ کر اور بالوں کی ایک لمبی چوٹی زور سے پشت پر پھینک کے دیپالی کو دیکھا اسے آداب کیا۔ اور پھر ہینڈل گھمانے میں جُٹ گئی۔ دیپالی تخت کے کنارے بیٹھ گئی۔

"آج صبح سے بارش نہیں ہوئی۔ ہم لوگوں نے کارخانہ باہر ہی جما رکھا ہے۔" جہاں آرا نے بشاش قیمت

urdukutabkhanapk.blogspot.com

چینی ریشم کی پستئی ساری کا ڈھیر اس کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔ "لو اس پر یہ بیل ٹانک دو۔" دیپالی نے سورت کی جگمگاتی بیل اور ساری کے ہمرنگ دھاگے کی ریل نیچے سے تپائی پر سے اٹھاتے ہوئے سوچا۔ پاکستان، کمیونسٹ تحریک، ہندو مسلم آویزش، عالمی جنگ۔ ان سب جھگڑوں سے بے پروا جہاں آرا اپنے بھائی کی بری تیار کر رہی ہے۔ کیسی خوش قسمت ہے۔ میں خواہ مخواہ دنیا کی فکر میں کیوں ہلکان ہوتی ہوں۔ یہ سوچ کر اس نے فوراً بشاشت اور زندہ دلی اپنے اوپر طاری کر لی اور جہاں آرا اور دوسری لڑکیوں کے ساتھ بے فکری سے ہنسنے بولنے میں مصروف ہو گئی۔

"روزی آپا ابھی تک نہیں پہنچیں۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"آج اتوار جو ہے۔ گرجا میں دیر لگے گی۔ پھر سنڈے اسکول پڑھائیں گی۔" اختر آرا نے جواب دیا۔ "اب آتی ہی ہوں گی بے چاری۔" "تم بھی سویرے سے آجاتیں تو یہ بیل اب تک ٹک گئی ہوتی۔" جہاں آرا نے دیپالی سے کہا۔

"میں باہر کاکا سے بحث میں الجھ گئی تھی۔"

"کیسی بحث۔" اختر آرا نے پوچھا، جو دیپالی کی ہم عمر تھی۔

"کچھ نہیں۔ پاکستان کے متعلق۔"

"کیا کہا تم نے؟"

"میں انھیں سمجھا رہی تھی کہ پاکستان انگریزوں کا منصوبہ ہے۔"

"تم ابا سے جھگڑ رہی تھیں؟" جہاں آرا نے حیرت سے پوچھا۔

"اب اگر ہمارے بزرگ غلطی پر ہوں تو انھیں سمجھانا تو چاہیے ہی۔" موٹی سی اسرس والی لڑکی نے مشین چلاتے چلاتے منہ اٹھا کر کہا۔ دیپالی نے چونک کر اسے دیکھا۔

جہاں آرا ہنس پڑی۔ "ارے دیپالی۔ یہ یاسمین ہے باؤلی۔ میں نے تمہیں اس کے متعلق خط میں لکھا تھا نا۔" اس نے بڑے پیار سے کہا۔ جہاں آرا کے دل میں ساری دنیا کے لئے محبت تھی۔

سولہ سترہ سالہ ذرا وحشی آنکھوں والی یاسمین مجید نے دیپالی کو دوبارہ آداب کیا۔

"یہ تمہاری روزی آپا کی اور ہماری سہیلی ہیں۔" جہاں آرا نے اس سے کہا۔

"آں ہاں۔ دیدی۔ میرے پاس تو آپ کے تینوں ریکارڈ موجود ہیں۔ اور ایک گیت پر تو میں ناچتی بھی ہوں۔"

"ہاں بھائی۔ ہمیں یاد ہی نہیں رہتا کہ تم اتنی مشہور مغنیہ ہو۔ اور لوگ تم کو پہلے سے تانا ہی جانتے ہیں: بھئی ہم کیا کریں۔ ہمارے لئے تو تم وہی ہمیشہ کی دیپالی ہو۔ بقول ہماری اماں جو کے بالکل خبطی لونڈیا۔" جہاں آرا نے ہنس کر کہا۔

"آپ تو مجھے بھی خبطی سمجھتی ہیں آپا۔" یاسمین شگفتگی سے بولی۔

"یہ جہاں آرا جو ہیں نا۔ ان کے خیال میں سب دیوانے ہیں۔ بس یہی سب سے زیادہ ہوشمند ہیں۔ بڑی بی۔" دیپالی نے کہا۔

"روزی آپا آگئیں۔" انجم آرا چلائی۔

روزی سائیکل پر فراٹے بھرتی، سیدھی تالاب کے کنارے پہنچی اور سائیکل تالاب کی منڈیر سے ٹکا کر تخت پر آن بیٹھی اور فوراً سلائی میں مصروف ہو گئی۔

دوسری منزل کے ایک دریچے میں سے نیر الزماں نے سر نکال کر جھانکا۔ "بھئی واہ۔ دیکھو ہماری روزی اور دیپالی کتنی سگھڑ ہیں۔ کون کہتا ہے کہ آج کل کی لڑکیاں سینا پرونا نہیں جانتیں۔" اس نے آواز دی۔

جہاں آرا نے سر اٹھا کر بھائی کا منہ چڑایا۔ روزی اور دیپالی نے اسے نمسکار کیا۔

"کتنا نیگ دو گے نیر بھائی۔" یاسمین چلائی۔

"جتنا چاہو لو۔" بیگم قمر الزماں نے دریچے میں بیٹے کے پیچھے سے آکر کہا۔

"اے ہے۔ اللہ رکھے۔ ماشاء اللہ کیسا اچھا لگ رہا ہے۔" سگن بیچے والی شمسہ خالہ نے دریچے میں آکر کہا۔ "لے کچھ گاؤ بھی تو۔ لڑکیو۔ اے فریدہ۔ تو کیوں چپ ہو گئی۔ دیپالی تم کچھ گاؤ بیٹی۔"

نیر الزماں دریچے سے ہٹ کر اندر چلے گئے۔

"بہت اچھا خالہ۔" دیپالی نے جواب دیا۔

بیگم قمر الزماں اور شمسہ خالہ بھی باتوں میں مصروف دریچے میں سے غائب ہو گئیں۔

نیچے سمل کی ڈالیوں میں مینائیں شور مچا رہی تھیں۔ تالاب کے کنارے سلطانہ چمپا کا درخت مہک رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر ساگوان کے جھرمٹ میں سفید پھول کھلے تھے۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"دیدی نذرل کا کوئی گیت سنائیے۔" یاسمین نے کہا۔

"نذرل کا۔ اچھا۔" دیپالی سر جھکا کر سلائی کرتی رہی پھر گنگنانے لگی۔

"نورگس باگ میں۔ نورگس باگ میں
بہار کی آگ میں۔"

یاسمین تخت پر سے اُٹھ کر اس گیت کے ساتھ منی پوری طرز کا ہلکا پھلکا رقص کرنے لگی۔ واقعی وہ بہت اچھی رقاصہ تھی۔

"بہار کی آگ میں۔ بھرے دل داگ میں۔"

جہاں آرا، سر جھکائے سلائی کرتی رہی۔

"بہار کی آگ میں۔ کہاں میرے پیاسے۔" دیپالی نے گایا۔ یاسمین نے گردن ہلا ہلا کر ناچ جاری رکھا۔

"در دول زور۔" دیپالی نے گایا۔

جہاں آرا، یک لخت اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

"ہرا دھا کا ختم ہو گیا۔" روزی نے اختر آرا سے کہا۔

"دیدی۔" اختر آرا نے دیپالی سے کہا۔ "ذرا پلیز اوپر جا کر آپا کی الماری میں سے ہری اور نیلی ریلیں نکال لائیے۔" اس نے تخت پر بکھرے کپڑوں کے نیچے جہاں آرا کا موتیوں کا بٹوہ تلاش کیا اور اس میں سے کنجیوں کا گچھا نکال کر دیپالی کو تھما دیا۔ "یہ بیچ والی کنجی ہے۔ چاکلیٹ کے بڑے ڈبے میں ریلیں ہوں گی اور آپا کا سوئینگ باکس اگر مقفل نہ ہو تو اس میں سے ڈی ایم۔ سی کا کاسنی لچھا بھی نکالتی لائیے گا۔"

"اچھا۔" دیپالی نے جواب دیا اور کنجی لے کر پہلو کے زینے کی طرف روانہ ہو گئی۔

جہاں آرا کے کمرے میں پہنچ کر اس نے لمبی چوڑی وکٹورین وضع کی الماری جس کے ایک پٹ پر قدِ آدم آئینہ لگا تھا کھولی۔ چاکلیٹ کا ٹن اور سوئینگ باکس چوڑیوں کے ڈھیر کے پاس ایک درمیانی تختے پر سامنے ہی رکھے تھے۔ دیپالی نے چاکلیٹ کے ڈبے میں سے مطلوبہ ریلیں نکالیں۔ بید کا سوئینگ باکس بھی کھلا ہوا تھا۔ اس کا ڈھکنا اٹھا کر اس نے کاسنی لچھا تلاش کرنا شروع کیا۔

ریشم کے لچھوں، ریلوں اور کشیدہ کاری کے دوسرے لوازمات کے نیچے اسے ڈی ایم۔ سی کے

کاسنی لچھے کی جھلک نظر آئی۔ اُسے نکالنے کے لئے دیپالی نے باقی چیزیں ایک طرف سرکائیں تو بکس کی تہہ میں رکھی ایک تصویر دکھلائی پڑی۔

دیپالی سُن سی رہ گئی۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے تصویر باہر نکالی۔

یہ آج سے چند برس پہلے کے ریحان الدین احمد کی تصویر تھی۔

تصویر کی پشت پر بنگالی میں لکھا تھا۔

شہزادی جہاں آرا بیگم کے حضور میں۔
اُن کے ادنیٰ غلام بے دام کی طرف سے۔
کلکتہ۔ ۱۰ اپریل ۱۹۳۹ء

اس تحریر کے نیچے ایک اردو شعر لکھا تھا۔

دیپالی کی آنکھوں کے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا۔ چند لمحوں تک وہ تصویر ہاتھ میں لئے مفلوج سی کھڑی رہی۔ اتنے میں برابر کے کمرے میں کسی نے زور سے دروازہ بند کیا۔ اور وہ ہوش میں آ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ کمرہ وہی تھا۔ ساگوان کی مسہری۔ بنارسی ساریوں کے ڈبے ان گنت "طاقچوں" اور دروازوں والی وکٹورین سنگھار میز۔ مسند۔ قالین۔ کتابوں کی الماری۔ کشمیری کڑھت کے پردے۔ کوئی چیز بھی نہیں بدلی تھی۔ دریچے کے باہر جولائی کی مدھم دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور نیچے تالاب کے کنارے لڑکیوں کے قہقہوں کی آواز آ رہی تھی۔

دیپالی نے جلدی سے تصویر سوئینگ باکس کی تہہ میں واپس رکھ کر الماری بند کی اور قدِ آدم آئینے میں اسے اپنی دہشت زدہ، بھوتنی شکل نظر آئی۔ اس کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا اور اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

دھاگوں کی ریلیں اور لچھا مٹھی میں بھینچ کر وہ کمرے سے باہر نکلی اور زینہ اتر کر پیٹیکل کے نیچے پہنچی۔ اُسے محسوس ہوا کہ وہ ازل سے ابد تک کا فاصلہ طے کر کے لوٹی ہے۔

نورگس باگ میں۔ بہار کی آگ میں۔
در دول زور۔

اب شمسہ خالہ کی لڑکی فریدہ ہارمونیم پر زور زور سے گا رہی تھی اور یاسمین پھرکی کی طرح

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ناچنے میں مشغول تھی۔ اختر آرا اور روزی سیمل کے نیچے سلائی کر رہی تھیں۔ انجم آرا، گلاب خاص کے نیچے "راج سنگھاسن" پر سے دُلائی سمیٹ کر اُٹھ رہی تھی۔ یاسمین ناچتے ناچتے جا کر اس تخت پر بیٹھ گئی۔ دیپالی کو دیکھ کر انجم آرا نے آواز دی۔ "دیدی۔ ادھر آؤ۔"

دیپالی اختر آرا کو دھاگے دینے کے بعد جا کر "شاہی تخت" کے کنارے پر ٹک گئی۔

"دیدی ذرا سنبھل کر بیٹھنا۔ اس کا ایک پایہ ٹوٹا ہوا ہے۔" یاسمین نے کہا۔

"اچھا۔" اس نے احمقوں کی طرح ہنس کر جواب دیا۔

"آستینوں کی تُرپائی۔" انجم آرا نے اسے بروکیڈ کا ایک اَدھ سلا بلاؤز تھما دیا اور خود دُلائی تہہ کر کے کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی۔

نزدیک ایک سیتل پاٹی پر فریدپور سے آئی ہوئی ایک رشتہ دار لڑکی نے گلابی کریپ ڈی شین کا ایک ٹکڑا بچھا کر بلاؤز تراشنے کے لئے اسے ناپنا شروع کیا۔ مالا ملازمہ اس کے قریب اکڑوں بیٹھ گئی۔ باغ چاروں طرف ڈول سا رہا تھا۔ دیپالی نے بروکیڈ کے بلاؤز کی ایک آستین کا کنارہ موڑ کر سوئی کھونپی۔ جہاں آرا باورچی خانہ سے لوٹ کر کب آئی اور اس کے نزدیک بیٹھ کر کب سلائی کرنے لگی۔ اسے پتہ بھی نہ چلا۔ باغ بجرے سے جہاز کی طرح ڈول رہا تھا۔

سیمل کے نیچے سے روزی اُٹھ کر گلاب خاص کے نیچے "سنگھاسن" پر آن بیٹھی۔ یاسمین اب بندریا کی طرح تخت کی پشت کے برابر اکڑوں بیٹھ کر جنگلے میں بنی مورتیوں پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

سیتل پاٹی پر بیٹھی لڑکی نے دلہن کا بلاؤز تراشنا شروع کیا۔

"اللہ کرے اب جلدی سے جہاں آرا بی بی کے جوڑے بھی سلیں۔" قریب بیٹھی ملازمہ مالا نے ایک انگلی سے کپڑے کا کونا دباتے ہوئے کہا۔ جہاں آرا نے سر اٹھا کر غصے اور کرب سے اس پر نظر ڈالی اور اپنی سلائی پر جُھک گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ جنہیں اس نے چپکے سے اپنی ساڑی کے سُرخ کنارے سے پونچھ لیا۔

دیپالی نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"اپنی شادی کے ذکر پر نہ جانے کیوں اس کا یہی ری ایکشن ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے سامنے بھی رونے لگی تھی۔ جانے کیا بات ہے۔ کبھی کچھ بتاتی بھی نہیں۔" روزی نے چپکے سے اس کے کان میں کہا۔ دیپالی اپنے ہاتھوں کا رعشہ چھپانے کے لئے ذرا دوسری طرف کو مڑ گئی۔ مگر اس طرف گلابی کریپ ڈی شین کے بکھرے ٹکڑوں میں سے کھُلنا میں بنی سیتل پاٹی پر چھپا ہوا گلدار ہرن اُسے جھانکنے لگا۔

فریدہ ہارمونیم بند کر چکی تھی۔ باغ پر ایک دم بڑا سناٹا سا چھا گیا۔ ساری لڑکیاں سر جھکائے اپنے اپنے کام میں مصروف تھیں۔

چند منٹ بعد باتونی اور بے چین یاسمین نے اس خاموشی کو توڑا۔ "کیسا funny سا تخت ہے۔" اس نے جنگلے پر طبلہ بجاتے ہوئے اظہار خیال کیا۔

"سنگھاسن بتیسی۔!" گھاس پر بیٹھی ملازمہ مالا نے کھیسیں نکال کر کہا۔

"کون جیسز۔؟" یاسمین نے پوچھا۔

"راجہ بکرم جیت کا سنگھاسن۔" فریدہ نے سر اٹھا کر جواب دیا۔

"اوہ۔" یاسمین نے مورتیوں کو غور سے دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔

سیتل پاٹی پر بیٹھی ہوئی لڑکیوں نے بھی دفعتاً باتیں شروع کر دیں۔

امی ایک جوڑا فرشی پائجامے کا بھی رکھ رہی ہیں۔" اختر آرا فریدہ سے کہہ رہی تھی۔

"اُدھر ہندوستان میں تو صرف غرارہ ہی پہنا جاتا ہے۔ ابّا بتا رہے تھے۔" انجم آرا نے جو کوٹھی سے واپس آ چکی تھی۔ گھاس پر دوزانو بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپا کے پاس تو کئی فرشی پائجامے ہیں۔ ہیں نا آپا۔؟ مگر آپا پہنتی ہی نہیں۔" اختر آرا نے کہا۔

"اب بڑھاپے میں کیا خاک پہنوں گی۔" جہاں آرا نے تلخی سے کہا۔

"اے لو۔ اور سنو۔" فریدہ نے ذرا کھوکھلی آواز میں بُرا مانا۔

"یاد ہے ایک دفعہ آپا نے عید پر غرارہ پہنا تھا۔؟ جب ہم لوگ سب خالو جان کے ہاں رائن گنج گئے تھے۔" اختر آرا نے انجم آرا سے کہا۔

"اُس عید پر اس نے کلکتہ سے حسب معمول شرارتاً ایک بیہودہ ہیات سا عید کارڈ بھیجا تھا۔ جس پر ہلال، کھجور کے درخت اور اونٹ کے منظر کے نیچے دو ہاتھ (ایک نسوانی ایک مردانہ) مصافحہ کر رہے تھے اور برابر میں دو موٹے مسخرے لفریاں بجا رہے تھے۔ کارڈ کی پشت پر اس نے اردو

urdukutabkhanapk.blogspot.com

میں ایک بحث بازاری شعر لکھا تھا ــــ "عید کا دن ہے، پتہ نہیں کیا ــــ مجھے مصرعہ یاد نہیں ہے ــــ گلے مل لو صاحب ۔ رسم دنیا بھی ہے۔ موقع بھی ہے دستور بھی ہے۔" اس کی اردو ہینڈ رائیٹنگ کتنی کچی اور بچکانہ تھی ۔ جہاں آرا ایک گھٹنے پر سر رکھ کر سلائی میں مصروف رہی۔)

"چھوٹی بیبیو ۔ دسترخوان لگ گیا ــ" برآمدے میں سے ایک بوڑھی ملازمہ نے پکارا۔

"آ رہے ہیں ــ" اختر آرا نے جواب دیا۔

روزی "سنگھاسن" سے اتر کر چیزیں سمیٹنے کے لئے سیمل کے نیچے چلی گئی۔

یاسمین ابھی تک سنگھاسن بتیسی کے تصور میں محو تھی۔ اس نے اچانک سر اٹھا کر جہاں آرا اور دیپالی کو مخاطب کیا۔

"آپا ــ آپا ــ دیدی ۔ تم دونوں اور میں اس تخت پر بیٹھے ہیں نا ۔ تو یہ Pretend کر کے ہم تینوں یا پلوں والی مورتیاں ہیں جو راجہ بھوج اس لائق نہ ہوگا ہم اُسے اس تخت پر قدم بھی نہ رکھنے دیں گے ۔"

"کیا دیوانی لڑکی ہے:" جہاں آرا نے ہنس کر کہا۔

دیپالی جانو نہ ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی ۔ تب جہاں آرا نے پہلی بار اس کی وحشت زدہ شکل دیکھی ۔ اس نے گھبرا کر کہا ۔ "ارے دیپالی تمہیں کیا ہو گیا ۔ ؟"

کچھ نہیں بھائی ۔ میرے سر میں بڑا سخت درد ہو رہا ہے ۔" اس نے شدید اکتاہٹ اور تکان کے ساتھ اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔

"ارے تو اوپر جا کر ذرا لیٹ رہو ــ کھانا پھر کھا لینا."

"نہیں ۔ میں اب گھر جاؤں گی ۔"

"ابھی سے ؟ تمہیں ہو کیا رہا ہے بیٹھے بٹھائے ؟"

"جہاں آرا" دیپالی کی آواز میں التجا تھی ۔ "مجھے اب گھر جانے دو ۔ اتوار کو لوہیور واپس جانا ہے ۔ اس کے لئے پیکنگ بھی ــ" وہ بات پوری کئے بغیر جھک کر چپ ہو گئی ۔

"ایک تو اتنے دنوں بعد آئیں ۔ ساری چھٹیاں جانے کہاں کہاں سیر سپاٹے کرتی پھریں ۔ اب بھاگی جا رہی ہو ۔ یہ کیا دھاندلی ہے ۔ اطمینان سے بیٹھ کر آج گپ بھی نہیں ہو سکی ۔" جہاں آرا نے دیپالی پر دوبارہ نظر ڈالی ۔ "تم واقعی بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو ۔ چلو جلدی سے چل کر کھانا کھا لو ۔ پھر چلی جانا ۔ مالا ــ" اس نے ملازمہ کو آواز دی ــ "ڈرائیور سے کہو ۔ موٹر ذرا دھلا کر لگا دے دیپالی بی بی کو جلدی گھر جانا ہے ۔ آؤ ــ" اس نے دیپالی سے کہا ۔

باقی لڑکیاں کام سمیٹ کر کوٹھی کے پچھلے دالان تک پہنچ چکی تھیں ۔ بوندا باندی شروع ہو گئی بارش کے پہلے قطرے تالاب کی سطح پر ننھے ننھے بھنور بنا رہے تھے ۔

روزی بھاگی ہوئی دیپالی کے پاس آئی ۔ "کیا ہوا ــ ؟ کیا ہوا جہاں آرا ؟"

"کچھ بھی تو نہیں ــ" دیپالی نے ذرا درشتی سے کہا ۔ یہ میں کیا اپنا تماشہ بنا رہی ہوں ۔ اس نے دل میں کہا ۔ اور "راج سنگھاسن" سے اتری ــــ چلو دیپالی اٹھو ــــ اس نے حسب عادت خود کو مخاطب کیا ــ ! پھر لوہیور پہنچنا ہے ۔ چلو دیپالی سرکار دوسرا قدم آگے بڑھاؤ ۔

وہ جہاں آرا اور روزی کے ساتھ کوٹھی کی سمت روانہ ہو گئی ۔

۱۷

گوڑ ملہار

جل تھل ۔ نیم ۔ تال ۔ بن ۔ اُپ بن ۔ ندی ۔ نالے ۔ گری ۔ گویا سب ہی کچھ ۔ سارا بنگال دیس برکھا رت میں ، ایک بیکراں دریا بن چکا ہے ۔ شہر کی گلیوں میں نو کائیں چل رہی ہیں ۔ کالے بادلوں کے نیچے طوفانی ندیاں بہتی ہیں ۔ کائنات پھیل کر وسیع تر ہو گئی ۔ فصلیں بونے اور ہالیدگی اور تجدید اور شادابی کا موسم ۔ پٹ سن کٹنے والا ہے ۔ تنکے کی نوکیلی چھجے دار ٹوپیاں اوڑھے کسان کھیتوں میں دھان بو رہے ہیں ۔ محلوں دو محلوں ، مکانوں اور جھونپڑوں میں ڈھولک بج رہی ہے ۔ آبی راستوں کے چوٹکھے بلوریں جال پر بارہ بنیں رواں ہیں ۔ بانسریاں بجتی ہیں ۔ امرا کی دلہنوں کی پالکیاں کشتیوں اور اسٹیمروں پر چڑھائی جا رہی ہیں ۔ غریب باراتی شکستہ چھتریاں لگائے گاتے بجاتے سمپانوں میں لدے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جا رہے ہیں ۔ برکھا رُت ، شادیوں کی رُت ہے ۔ ہر برسات کی مانند اس برس بھی کتنے بندھن بندھیں گے ۔ ان سب دلہنوں کی قسمتوں میں کیا لکھا ہے ۔ ؟

urdukutabkhanapk.blogspot.com

گھر کی لکشمی، ہزار برس کی بہو بیٹیوں نے سندھیا کال اپنے اپنے آنگنوں میں لکشمی کی اوتار تلسی کے گملوں کے سامنے چراغ جلا دیئے۔

پچھلی صدیوں کی وہ سدا سہاگنیں جو زبردستی ستی ہونے چلیں اور اپنے گھروں کے دروازوں پر ریت کے مطابق لاکھ کے رنگ میں ڈبو کر اپنے داہنے ہاتھ کا نشان لگاتی گئیں۔ اندھیرے جنگلوں میں، دور افتادہ گاؤں میں پرانے بوسیدہ مکانوں کے دروازوں کی چوکھٹوں پر ان کے چھوٹے سے پنجے کے سرخ نشان بے شمار ہیں۔ تاریک بنوں میں ان بے چاری ستی ساوتریوں کی سمادھیوں کے گول، نیچے لرزہ خیز گنبد، بارش میں بھیگتے ہیں۔

شعرا کی موضوعِ سخن، افسانہ نگاروں کی ہیروئن۔ جذباتی جبر کاروں کی تصویر ــــ

بنگال کی عورت۔ سدا دکھ سہنے والی۔ صابر و شاکر۔ بے چاری

سیندور اور مہندی کی سرخی۔ لاکھ کے رنگ کی سرخی۔

بوندوں کی لڑیاں۔ زندگی۔ موت ــ زندگی کی پھول مالا گوندھی جا رہی ہیں۔

جب بارش تھمتی ہے تو بادلوں کے اودے شامیانے کے نیچے مور ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔

کنجوں میں جو تھیکا کھلی ہے۔ بنوں میں سال کے پھول مہک اٹھے۔ بھیگی، گھُپ اندھیری رات میں جگنو چمک رہے ہیں۔ جن کی روشنی میں کسیوں نے کہا۔ ابھیسارلیکا۔ اپنے محبوب سے ملنے جاتی ہے۔ ندی کنارے بید کے پھول کھلے ہیں۔ ہرے اور سیاہ پروں والی مرغابیاں چلا رہی ہیں۔ ہرن درختوں کے نیچے چپ چاپ کھڑے ہیں۔ جھینگر جھنکنے لگے۔

پودے بڑھ رہے ہیں۔ کھیت لہلہا اٹھے۔ بانس کے سرسراتے جھنڈ میں ہاتھی بارش سے بچنے کے لئے کھڑے کان پھٹپھٹا رہے ہیں۔ بگلے مچھلیوں کے تعاقب میں ہیں جن سے تال اور ندیاں لبریز ہو گئیں۔

پروائی میں کیتکی مہک رہی ہے۔ بانس کے جھرمٹ میں سانپ سوتا ہے۔

ندی پر سے بارات آ رہی ہے۔ بارات آنگن کے دوار پر اتر گئی۔ تلسی کے سامنے چراغ جل رہا ہے۔

یہ کس کا گھر ہے اور دولہا کون ہے؟ اور کہاں ہے؟ کس کی دلہن ہے جو اٹاری پر بال بکھرائے پریشان سوتی ہے۔؟

۱۸

میگھ رنجنی راگنی

آدھی رات کے بعد بارش تھمی۔ سیمل کے خشک پتوں میں سے ٹپ ٹپ کرتی بوندیں باغ کی نم اور سوندھی مٹی پر گرتی رہیں۔ مینڈکوں کا شور ایک دم تیز ہو گیا۔ محل میں روشنیاں جل اٹھیں گہما گہمی۔ ہنسی مذاق۔ شور۔ قدموں کی چاپ۔

دوسری منزل کی طویل گیلری میں سے گزرتی نجم آرا لہک لہک کر ٹیگور کا گیت الاپ رہی ہے۔

استھولے جوئے نجھا ستھوبے بنے آب سے ندی نادے۔ گری گوہا پار ابارے

آشاڑھے نو لو آنندو اُتشبو نو بو۔

اتی گمبھیراتی گمبھیر نیل ادمبرے ڈمرو باجے

وہ بے چینی سے مسہری پر کروٹ بدلتی ہے۔ شنکری ناچے۔ شنکری ناچے۔ چین طار گیت گاہی چھے آنند ھار راتے ـــ آواز دور چلی جاتی ہے۔

لیکن سینے میں گیت جاری ہے۔

کورے گرجن نیر جھرنی سگھنے۔ اُٹھے روب بھیرب تانے بتانے

سینے میں وہ گا رہا ہے۔

جبکہ وہ بال بکھرائے بڑی نقش و نگار کے چھپر کھٹ پر بے چینی سے سوتی ہے۔ وہ سیمل کے نیچے بکرم جیت کے شکستہ سنگھاسن کے کنارے کھڑا گائے جا رہا ہے۔ وکرمادتیہ کے زرد عقیق کے تخت میں سے سرخ و سبز شعاعیں چھوٹ رہی ہیں۔ انصاف کا تخت ایک دم جگمگانے لگا۔ وہ گا رہا ہے۔

دیکھے دیکھے کتو بانی نو بو نو بو کتو بھاشا۔ جھورو جھورو روشو دھارا۔

جھورو ـــ جھورو ـــ اتی کہتی ہیں۔ مالا کہتی ہے۔ بیتی[1] کے سفید اور زرد پھولوں میں معجزے اور سحر کی طاقتیں پوشیدہ ہیں۔ جادو ٹونے۔ معجزے۔

---

[1] کالی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"بی بی — بی بی — اٹھیے — وہ آ گئے۔"

وہ ایک دم چونک کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتی ہے۔

مالا مسہری پر جھکی اسے جگا رہی ہے۔ چھت کا برقی پنکھا تیزی سے گھوم رہا ہے۔ کھلے ہوئے دریچوں اور دروازوں میں بھیگی تازہ، سہانی ہوا اندر آ رہی ہے۔

چنبیلی کے پھولوں کی اور برسات کی رات کی مہک۔

"کون آ گئے — ؟ کون — ؟" اُس کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا ہے۔ رنگ سفید پڑ گیا۔ ہاتھ پاؤں میں سنسنی۔

"بی بی —" مالا سرہانے ریشمی جھالردار لیمپ کا سوئچ دبا کر اطمینان سے کھیسیں نکالتے ہوئے جواب دیتی ہے۔ "اجی وہی سب — سگی بھتیجے والے — دو دو موٹر بھر کر — دیناج پور چلنے خاطر اُٹھے سب جنے تیار ہیں۔ جہاز ٹھیک سات بجے چھوٹے گا۔ آپ ابھی تک سو رہی ہیں۔ یا اندھیر دیکھو۔"

"اوہ —" وہ بال سمیٹ کر آنکھیں موند لیتی ہے۔ میرے خوابوں سے تمہارے خوابوں تک اب قیامت تک کا فاصلہ ہے — اچھا بھائی — جو تمہاری مرضی۔

"جلدی کریئے بی بی —"

"اچھا — اچھا —"

مالا بڑی مصروفیت سے دروازے کا پردہ اٹھا کر باہر نکل جاتی ہے۔

وہ مسہری سے اتر کر ننگے پاؤں شہ دریچے میں جاتی ہے۔ نیچے باغ پر گھرے بادل جھکے کھڑے ہیں۔ یہ برسات بھی گزرنے والی ہے۔ گزر جائے گی۔

بجلی چمکی ہے۔

ان ماوٹی سودامنی رونگ بھرے نرتیہ گورے — اومبر تلے — انجم آراء کی سُریلی آواز اب نچلی منزل سے آ رہی ہے۔ فریدہ اور دوسری لڑکیوں کے قہقہے۔

وہ آ گئے — وہ چند لمحوں قبل کی اپنی حماقت پر تلخی سے مسکراتی ہے۔ اتنے برس۔ اتنے اشارے اتنے مخرابتی، اتنے بھادرو، اتنے موسم نکل گئے۔ وہ اب کبھی نہیں آئیں گے۔ اب کیا آئیں گے۔

دریچے سے ہٹ کر وہ غسل خانے میں جاتی ہے۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھپکے مار کر واپس آتی

ہے۔ الماری کی طرف بڑھتی ہے۔ الماری کے قدِ آدم آئینے میں اپنے بھیگے ہوئے چہرے کا عکس دیکھتی ہے۔ یہ میں ہوں۔

وہ الماری کا پٹ کھولتی ہے۔ مرشد آبادی ریشم کی ایک بیش قیمت گلابی ساڑھی نکال کر باندھتی ہے۔ پھر وہ سوئنگ باکس کھولتی ہے۔ (یہ سوئنگ باکس اسے دن میں کتنی بار کھولنا بند کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو فولاد کی طرح مضبوط بنا لیا ہے) اس میں سے وہ برما کے گلابی موتیوں کا ہار اٹھا لیتی ہے — جو شام اس نے امی کے سیف میں سے نکلوایا تھا۔ تصویر کو اس نے مختلف چیزوں کے نیچے اچھی طرح چھپا کر رکھا ہے۔ برسوں سے وہ تصویر اسی طرح بید کی اس صندوقچی کی تہہ میں رکھی ہے۔ اتنی مدتوں بعد بھی، اسے یقین ہے کہ اگر اس پر اُس کی نظر پڑ گئی تو اس کے دل کی حرکت بند ہو جائے گی۔

وہ بال گوندھ کر مُنہ پر کریم سے سنگار کرتی ہوئی نکلتی ہے اور نیچے قہقہوں اور شادمانیوں کی دنیا میں شامل ہونے کے لئے اپنے مہندی لگے ہاتھ کو جنگلے پر ٹکاتی ہوئی سیڑھیاں اترنے لگتی ہے۔

آشاڑھے نوبو آنندا آنشبو نوبو —

میری ہر لحظہ، ہر آن جلتی ہوئی چتا کس نے دیکھی ہے؟

نواب قمر الزماں چودھری کی بڑی صاحبزادی جہاں آراء بیگم۔

نیچے برساتی میں سترہ سالہ یاسمین مجید خوش اور بشاش، جامہ جٹ کی ہری اور لال چُنری، ساڑی پہنے، دو چوٹیاں گوندھے، زیور پہنے، موٹر سے اتری ہے اور برآمدے میں کھڑی فریدہ اور اختر آراء کے ساتھ قہقہے لگا لگا کر قمر الزماں کو تنگ کر رہی ہے۔ خوش اور بشاش۔

اُس کی قسمت میں کیا لکھا ہے؟

اور وہ اجنبی بھولی لڑکی، جوان پُرشور، دریاؤں، طوفانی راستوں کے اس پار، دیناج پور کے ایک دور افتادہ گاؤں میں اجنبیوں کے اس قافلے، ایک اجنبی انسان کی آمد کی منتظر ہے۔ اس کی میں کیا لکھا ہے۔؟

urdukutabkhanapk.blogspot.com

دھان کے پودوں کی آواز سنو۔ جو بھرے سناٹے میں آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں۔

۱۹

بھیری کا خواب

کس کی دلہن ہے یہ بیکراں، بھیانک رات نے پوچھا۔ جو بھیری کی طرح بال بکھرائے، پریشان سوتی ہے؟

بوندوں کی لڑیاں سرکی سدن کے باغ پر ٹپ ٹپ گرتی سُرخ مٹی میں جذب ہو گئیں۔ عمارت کے ایک کمرے میں، کھڑکی کے نیچے، پلنگ پر وہ بے چینی سے کروٹ بدلتی ہے۔ سارا باغ جگنوؤں سے جگمگا رہا ہے۔ وہ بھوج پتروں کے ڈھیر پر چڑھی بیٹھی ہے۔ میں جگنوؤں کی روشنی میں زعفران سے تمہیں خط لکھوں گی اور یوں رُوت کے ذریعے بھجواؤں گی جس طرح ہم اپنے الفاظ ہوا کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اگر نہ بولیں تو کیا ہو۔؟ جگنو اور بھوج پتر اچانک غائب ہو گئے۔ گورکھا لی کا ٹیڑھی میڑھی شاخوں والا خوفناک درخت اس کے سر پر جھومے جا رہا ہے۔ بھوانی کا بوڑھا مندر جڑ سے اکھڑ گیا۔ اس سال بڑا بھاری سائیکلون آیا تھا بھائی۔ کتب خانے میں دروازے نہیں ہیں۔ صرف دیواریں۔ صرف دیواریں۔ کوئی راستہ نکلنے کا نہیں۔ کھٹ کھٹ کھٹ۔۔۔ بھوج پتروں کے نیچے سے وہ نمودار ہوتا ہے۔ بڑی چالاکی سے، چوہے کی طرح چلتا وہ سامنے آ گیا۔ بھکشو۔ سر منڈا۔ عینک لگائے۔ کھڑاؤں پہنے۔ کھٹ کھٹ کھٹ۔ کھیسیں نکال کر وہ ایک بھوج پتر اس کے حوالے کر دیتا ہے۔

(یہ بھکشو چائنا بھون میں پڑھاتا ہے) وہ غور سے پڑھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بڑی عجیب زبان ہے۔ سمجھ میں ہی نہیں آتی۔ فائنل امتحان اسی زبان میں ہو گا۔ بجلی کڑکی۔

بھکشو بھی غائب۔ وہ چائنا بھون کے برآمدے میں کان لگا کر سُن رہی ہے۔ "میری آواز تمہاری کڑک۔ میرے آنسو تمہاری مسلسل جھڑی۔ میرے من کی آگ تمہاری بجلی۔ میرے دل میں اس کا چہرہ ہے اور تمہاری آغوش میں چاند۔ میں اور تم یکساں ہیں۔ بھائی بادل۔ پھر مجھے کیوں تنگ کرتے ہو۔"

بڑا مدھم، سہانا اجالا سارے میں پھیل گیا۔ پھول بن میں چمپک کے شگوفوں کا چراغاں سا ہو رہا ہے۔ ندی کے کنارے کنارے چلتا وہ خراماں خراماں اس کی سمت آ رہا ہے۔

وہ چکوروں کا محبوب۔ لمبے بالوں، کالی آنکھوں والا، ہاتھ میں کنول سنبھالے ہا نگلیوں سے امرت گراتا۔ اولوکیتیشور۔ پدم پانی۔

وہ کلا بھون کے باغ میں موجود ہے۔ مسرور۔ محفوظ۔ منڈلاں بوس۔ برآمدے میں ترکی ٹوپی اوڑھے نقرائی سیچان گڑ گڑا رہے ہیں۔ ہر طرف تصویریں ہی تصویریں۔ جوان گھاس پر چلتا اشوک کے پھولوں کا تاج پہنے وہ اس کی جانب آ رہا ہے۔ لوک ناتھ۔ لوکیشور

وہ خوشی سے کھلکھلا کر ہنستی ہے۔ وہ ہیں کی طرح منہ اٹھا کر بانسری بجاتا ہے۔ وہ چاندی سے بنا، سیاہ بادلوں سے نکلتا سورج۔ امیتابھ۔ منجوشری

بیکراں نور۔ بیکراں رحم۔ بیکراں محبت۔

بالکل قریب آ کر اس نے عینک اتار لی اور گھور کر اُسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر آنکھیں ہی نہیں تھیں۔ آنکھ۔ ناک۔ منہ۔ کچھ بھی نہیں۔ خالی چہرہ۔ بالکل خالی چہرہ ۔۔۔ انڈے جیسا۔ اس چہرے کو جیسا چاہو بنا لو۔ بھکشو نے غرا کر کہا۔ وہ دہل کر چیخی۔

یہ لو۔ بھکشو نے کہا۔ اور خالی ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

یہ کیا ہے؟

دودھ کا گلاس۔ جاؤ جا کر پرستش کرو۔ کیسی کمیونسٹ ہمدرد ہو۔ پوجا پاٹ نہیں کرتیں۔ کہیں مٹی تم کمیونسٹ تو نہیں ہو گئیں؟

کس کی پرستش؟

اپنی۔ ہم سب اپنی اپنی پرستش کرتے ہیں۔

مگر آج تو ناگ پنچمی ہے۔

ہاں۔

کون سی؟ کس صدی کی ناگ پنچمی۔۔۔؟

ازل سے ابد تک۔ محض ایک لمحہ ۔۔۔ وہ انگلی اٹھا کر مسخروں کی طرح ناچنا شروع کر دیتا ہے۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

خوب زور سے بج رہا ہے۔ مائی نیم مس ہیری متی۔ سارے کپالی کھوپڑیوں کی مالائیں پہنے، ترنگے، ہرے اور لال پھریرے اڑاتے، گھنٹیاں بجاتے، انڈر گراؤنڈ مٹھ میں اتر گئے۔ تم نے آنند مٹھ پڑھا ہے؟ ترکی ٹوپی والا جولاہا۔

چلتی چلتی وہ دریا پر آگئی۔ سامنے سرخ لہروں پر ہری ناؤ بنا پتوار بہے جاتی ہے۔ ناؤ پر انگریزی میں لکھا ہے۔ "ایس۔ ایس۔ علاؤل" بھئی واہ۔ ناؤ بہے جا رہی ہے۔ بے آواز منظر میں سے ساؤنڈ غائب۔ بھیانک۔ وہ خود کشتی میں بیٹھی ہے۔ اچانک دھماکہ۔ اب دنگ میں سے لائن شاہ گاتا ہوا نمودار ہوتا ہے۔ لائن شاہ جادوگر۔ سینکڑوں برس ہوئے مر گیا۔ پھر بھی گا رہا ہے۔ دھندلی شکل۔ ہیولا۔ کتنا ہی غور سے دیکھو۔ صاف نظر نہیں آئے گا۔ میں عشق ہوں۔ ناقابلِ فہم۔ غیر مرئی۔ گرفت سے باہر۔ لائن شاہ ڈائیلاگ بول رہا ہے۔ اس کے دھواں ایسے ہاتھ میں کدم کا پتہ ہے۔ دل کی شکل والا کدم کا پتہ۔ کیا لگتا ہے لائن شاہ کہ میرے پاس شیشے کا ایک گھر ہے۔ اس میں میرا پڑوسی رہتا ہے۔ اسے میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میرے اور اس کے درمیان گہرا دریا حائل ہے۔ اس دریا کو کیسے پار کروں۔ کاش وہ خود ہی میرے پاس آجائے۔

او بھائی رے۔

اب وہ دوسری طرف کروٹ بدلتی ہے۔ سامنے گھڑیال ہی گھڑیال۔ گھڑیالوں کی فوج۔ ہر گھڑیال کی پشت پر ایک ایک سیلولائیڈ کا کام دیو[1] سوار ہے۔ جاپانی کام دیو۔ بوگس۔

تاریک طویل رنگ۔ برنگی ترنگ۔ اندھکار۔ سمدر۔ میں اس دریا میں ڈوب جاؤں تو مجھے جل سمادھی دینا۔ ہے بن مالی[2]۔

پتوار بغیر ناؤ کے بہہ گئی۔ ناؤ بغیر ندی کے رواں ہے۔ چراغ بنا لو کے روشن ہے۔ لو بنا چراغ کے جل رہی ہے۔

جنگل کا جنگل چل رہا ہے۔ ندی کے مانند بہتا ہے۔ اور ندی ساکت ہے اور انسان درختوں کی طرح جمے کھڑے ہیں۔

---

۱ گھڑیال کام دیو کی سواری ہے۔ ۲ کرشن

وہ خالی ہاتھ اس طرح اٹھائے گویا انجلی تھامے ہو۔ وزنی قدموں سے پھر گورکھ املی کی سمت چلی۔ جنگل کا جنگل جگمگا رہا ہے۔

او جگمگانے والو۔۔۔ جاگو۔۔۔ تھرڈ ایئر کی لڑکیوں نے قطار میں کھڑے ہو کر پڑھنا شروع کیا۔ وہ حسبِ معمول ڈائرکٹ کر رہی ہے۔

او جگمگانے والو۔۔۔ چبوترے پر کھڑی دبلی پتلی اور نوعمر اور حسین سروجنی دیبی کی آواز۔ جاگو۔۔۔ کہ ہم گپھاؤں اور ٹیلوں اور مقدس برگد کی جڑوں میں چھپے تمہارے مندر ڈھونڈتے آئے ہیں۔ ابدی خرد کے مراقبے سے اپنے پھن اٹھاؤ۔ جاگو۔ بانسری کی دھن پر وجد کرو۔ ہم تمہارے لئے دودھ اور باجرہ اور جنگلی انجیر اور سنہرے شہد کی انجلی لائے ہیں۔ ہم نے عود دانوں سے فضا کو متبرک کیا ہے۔ ہماری لاچار زندگیوں اور باصبر مشقت اور ہماری نیندوں اور ہماری مضطرب تمناؤں کی حفاظت کرو۔ ندی کی طرح تیز اور شبنم کی طرح خاموش، بجلی کی طرح تیکھے اور آفتاب کی طرح درخشاں۔ عارفو۔۔۔ تم کہ اس قدیم خاموشی کی علامت ہو، جس میں موت و حیات، رنج و غم ایک ہو۔۔۔ اسٹیج دھڑام سے گر پڑی۔ گورکھ املی کی شاخیں زور زور سے سرسرانے لگیں۔

سینکڑوں برس پرانا، بوڑھا جوگی درخت اس کے سر پر کھڑکھڑا رہا ہے۔۔۔ پرتیوں کا بسیرا۔۔۔ "پچھلے آٹھ سو برس کی ہماری تہذیبی تخلیق۔۔۔" اداس روحوں کا مسکن۔ بوڑھے مندر کے کنارے مندر کا اندھا پروہت (یہی ہے، اس نے میرا بیاہ کرایا تھا) منڈیر پر کھڑا دہاڑ رہا ہے۔ شری رام اور سیتا مہارانی۔ بندھیاچل کے بنوں میں کھو گئے۔ ہری ہر۔ ہری ہر۔ ہری ہر۔ دہائی ہے۔ دہائی۔۔۔ گورکھ املی نے زور کا ہنکارا بھرا۔ اس کی ڈراؤنی چھاؤں میں کپالی بیٹھے ہیں۔ کپالیوں کی آل انڈیا کانفرنس۔ ڈائس پر تنترک عملیات کا عود سلگ رہا ہے۔ ان گنت کپالی۔ ایک کپالی کھڑکی میں سے اندر کود آیا۔ لو دم لگاؤ۔ لو۔ کھینک لو۔ میں نے آج تک سگریٹ بھی نہیں چکھا۔ سگریٹ پیا جاتا ہے چکھا نہیں جاتا۔ بے وقوف۔ لو ایک سوٹا۔ لگے دم۔ مٹے غم۔ معاف کیجئے گا آپ سمارتی ہیں یا وشنو؟ الکھ نرنجن۔ آتما پرلے پر آرام موشیر آنند۔ آتما ہتیا۔ اکسکیوزمی۔ آپ کی داڑھی تو بالکل پٹ سن کی معلوم ہوتی ہے۔ ہاہاہا۔ نقلی۔ سادھو۔ نقلی راجہ۔ نقلی سنگھاسن۔ آ آ آ سب جگ نقلی۔ سب جگ دھوکا۔ ساری دنیا گورکھ دھندا۔ الجھن میں دل کا کام سمجھ سے۔ کھل جائے گا پھندا۔ ہائے مونیم

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہاتھی۔ سیاہ ہاتھیوں کی قطار۔ مٹی کا کالا ہاتھی، سُرخ تالاب کے کنارے کھڑا احمقوں کی طرح کان ہلا رہا ہے۔ دھماکہ۔ ونگ میں چھپا لالن شاہ پھس پھسی آواز میں (گاتے گاتے اس کا گلا بیٹھ گیا) کہتا ہے۔ جہاں آرا آدھی رات کو اسی تالاب میں ڈوب کر مر گئی۔ اب لالن شاہ انگریزی میں اناؤنس کر رہا ہے۔ نواب زادی جہاں آرا بیگم کو قتل کر دیا گیا۔ مرڈران کولڈ بلڈ۔ زندہ ہے مگر جیتے جی مر گئی۔ ایک اور دھماکہ۔ رعد کی کڑک۔

وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ باہر زور سے بجلی چمکی۔ بادل گرج رہے تھے۔ اُس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ اُس نے پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔ دہشت سے چاروں طرف نظر ڈالی۔ اس کی رُوم میٹ آپا نی دوسری کھڑکی کے نیچے اپنے پلنگ پر بے خبر سو رہی تھی۔ وہ چند منٹ تک ساکت و سامت بیٹھی رہی۔ باہر تاریک آسمان پر بادل پھٹے اور چاند کی جھلک دکھائی دی۔ پھر چاند کھڑکی میں سے اس طرح جھانکنے لگا، جیسے دلوں میں سے پھسل کر کمرے میں آن گرے گا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ شاید چاند مجھے کوئی جواب دے۔ رات کوئی فیصلہ سنائے۔ اس نے رات کی گرجدار خمشی پر کان لگا دیئے۔ نہیں۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ نہیں۔ میں اپنے جسم، اپنے دماغ، اپنے پریشان خوابوں میں مقید ہوں۔

روانگی کے وقت اُس نے پلیٹ فارم پر کہا تھا۔ شوکتی۔ تم اکیلے میں زندگی سے ڈرنا ہرگز نہیں۔ شوکتی۔ یاد رکھو۔ مرد موت کا مقابلہ موت سے۔ مگر عورت موت کا مقابلہ زندگی سے کرتی ہے۔

ہاہاہا۔۔۔ وہ دل میں شدید تلخی سے ہنسی۔ اور پلنگ پر سر جھکائے بیٹھی، اپنے داہنے پاؤں کے انگوٹھے کو غور سے دیکھا کی۔ زندگی! اس نے سوچا۔ زندگی! تو نے میرے ساتھ یہ کیا کیا۔؟

وہ صبح ڈھاکے سے شانتی نکیتن واپس پہنچی ہے سوچتے سوچتے اس کا دماغ ماؤف ہو چکا ہے۔ رات کو اسے بھیانک سپنے دکھلائی دیتے ہیں۔ دن میں وہ گم سم رہتی ہے۔ ایسا میرے ساتھ کیوں ہوا؟ چار سو بیس۔ دھوکے باز۔ ٹھگ۔

میری بڑی خوفناک غلطی یہ تھی۔ اس نے بال سمیٹتے ہوئے خود سے کہا کہ قومی اور بین الاقوامی جدوجہد کو نظر انداز کر کے میں ایک ذاتی جذباتی جھمیلے میں پڑ گئی۔

شرمناک۔ افسوسناک۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں پونچھیں اور دبے پاؤں اُٹھی کھڑکی میں رکھی صراحی میں سے پانی انڈیل کر پیا۔ گلاس صراحی پر واپس رکھ کر باہر جھانکا۔ چاند بادلوں

میں کہیں بہہ چکا تھا۔

ساری عمر بات نہیں کروں گی۔ پہچان کے نہیں دوں گی۔ دھوکے باز۔

دھوکے باز۔۔۔ باغ بہت سنسان ہے۔ رات چیتے کی آنکھ کی طرح مجھے گھور رہی ہے۔ عمر بھر بات نہیں کروں گی۔ ارے آپ کی اصلیت تو مجھے اب معلوم ہوئی بچہ جی۔ کُردک۔

برآمدے میں مدھم بلب روشن تھا۔ مرے ہوئے برساتی پتنگوں کا مختصر سا ڈھیر بلب کے عین نیچے فرش پر پڑا تھا۔ برآمدے کے باہر کرشن چوڑا کی ڈالیاں ٹھنڈی ہواؤں میں سرسرا رہی تھیں۔ مینڈک خاموش ہو چکے تھے۔ کبھی کبھی جھینگر چلا اٹھتا۔

اسے ایک دم سردی سی لگی۔ وہ کھڑکی میں سے ہٹ آئی۔ نیم تاریکی میں ہاتھ بڑھا کر سرہانے کی میز پر رکھا ہوا اپنا کیس کھولا۔ اور ٹٹول ٹٹول کر ایک مٹی کا ہاتھی نکالا۔

ہاتھی تکیے پر رکھ کر اسے بڑی بہادری اور دھیان سے دیکھنے لگی۔ چھوٹا سا بے چارا مسخرا۔ سُرخ اور زرد نقش و نگار والا مٹی کا ہاتھی۔

ابوالقاسم کی آمد کے بعد وہ مولوی ابوالہاشم کے کہنے پر کیا جھٹ پٹ کشتی سے اُتر آئی تھی۔ اُدھر ایک ایک بات بڑی تفصیل سے یاد ہے۔ ایک ایک بات۔ اس رات وہ اور ریحان ٹہلتے ہوئے ایک بستی کی طرف گئے تھے تو وہاں۔۔۔ وہاں کمہار کی دکان پر مٹی کے کھلونوں کی قطار میں سجا یہ ہاتھی کتنا کیوٹ لگا تھا۔ وہ ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگی۔ تو ریحان نے خرید کر اسے دیتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ جب تم بہت دکھی ہو اسے الہ دین کے چراغ کی طرح گھسنا۔ میں فوراً آجاؤں گا۔ سنبھال کر رکھنا اسے تبرک کی طرح۔

اور ریحان نے کہا تھا۔ عاشق۔ بچے۔ وحشی۔ یہ سب فطرت سے بے حد قریب ہوتے ہیں اور تصنع اور مہذب ریاکاری کے پردوں میں اپنے اصل جذبات نہیں چھپا سکتے۔ اور ان سب کو ٹوٹم، منتروں اور تعویذوں کی ضرورت بھی رہتی ہے۔ بچے اپنا پسندیدہ کھلونا سرہانے رکھ کر سوتے ہیں۔ وحشی تعویذ پہنتے ہیں۔ عاشق بھی اسی قسم کی احمقانہ حرکت کرتے ہیں۔ پرانے خطوط، پرانی تصویریں، نشانیاں یادگاریں۔ محبت کرنے والوں کے ٹوٹم اور تعویذ ہیں۔

لہٰذا شوکتی! مولوی صاحب کے جھونپڑے کی طرف آتے ہوئے اس نے کہا تھا، تم ایک چھوٹی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

سی بچی ہو۔ تمہیں حفاظت کی ضرورت ہے۔ میں تمہارا تعویذ ہوں، جو تمہیں ہر خطرے پر دکھ سے بچائیگا۔ میں کہ ایک کپالی بیراگی ہوں، قوم کو مایا جال سے نکالنے کے لئے تپ کرنے والا مشہور دھاری گوسائیں۔ تم میری شوکتی ہو۔

مہر علامت۔ ہر تصور بے حد بامعنی ہے۔ پیاری بچی۔۔ پھر اس نے بڑی گمبھیر آواز میں کہا تھا۔ تمہارا یہاں آنا بے حد خطرناک بات تھی۔ مگر میں نے مجرمانہ بے احتیاطی سے کام لے کر تم کو یہاں بلایا۔ کیونکہ مجھے محسوس ہوا تھا کہ میں نے اگر تم کو جلد از جلد نہ دیکھا تو واقعی میں مر جاؤں گا۔ تم میرے اس جرم کا باعث ہو۔ لیکن چونکہ تم میرا طلسم ہو۔ اس لئے مجھے معلوم ہے کہ کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔

شاید میں بے حد کمزور انسان ہوں۔

بے احتیاطی ۔۔۔؟ اس نے دفعتاً بے انتہا سراسیمہ ہو کر پوچھا تھا۔

ہاں۔ کچھ عرصہ سے بڑی فاش غلطیوں کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ مثال کے طور پر جب پہلے روز تم آوا ے وڈ لینڈز میں ملیں تو ان کو تمہیں ہرگز یہ نہ بتانا چاہیے تھا کہ نور الرحمٰن میاں دراصل میں ہی تھا۔ اگر تم کو پکڑ کر ایذا پہنچائی جاتی اور ۔۔۔

اوہ تو ۔۔۔ اس نے دہل کر کہا۔

تم صرف سر تیندر راو راٹھل سے واقف ہو اور وہ بھی کچھ نہیں جانتے۔ او مارے بھی کچھ نہیں جانتیں۔

دفعتاً وہ اسے بے حد خوفناک نظر آیا۔ راکھشس۔ پاتال میں رہنے والا ناگ دیوتا۔ راسپوٹین کا ایسا جادوگر۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ وہ اندھیرے سندر بن میں مہذب دنیا سے سینکڑوں میل دور اس پُراسرار اجنبی کے ساتھ موجود تھی۔ نوعمری میں انسان ایسا DARE DEVIL کیوں ہو جاتا ہے۔ اب کیا ہوگا؟ پولس اور تھرڈ ڈگری۔

اچانک وہ ہنسا۔ اور کہنے لگا۔ چنانچہ شوکتی ۔۔۔ میں تم کو ہیرے جواہرات تو تحفے میں اور نشانی کے طور پر دے نہیں سکتا۔ تم مٹی کے اس حقیر کھلونے کو بڑی احتیاط سے رکھنا۔ یہ تم کو ہر آفت سے بچائے گا۔

دیپالی ہاتھی کو تکتی رہی۔ پرانے خط۔ تصویریں۔ نشانیاں۔ محبت کرنے والوں کے ٹوٹم ہیں۔ اس نے غم و غصے سے ریحان کے الفاظ دل میں دہرائے۔ بید کی ایک صندوقچی میں رکھی ہوئی ایک پرانی تصویر بھی تو ٹوٹم ہے تم اسے بھول گئے۔

دوسری رات وہ تاریک دریا پر برستی بارش میں ہاگھیرہاٹ کی سمت روانہ ہو گئے تھے۔ اس پہلے روز کے بعد سے ریحان نے شیو نہیں کیا تھا۔ بال بڑھالئے تھے۔ کُھلنا کے داڑھی دار مچھیرے کا بھیس بدل کر وہ گھپ اندھیری رات کے سمندر میں ایک بار پھر غائب ہو گیا۔ اسی طرح اندھیری راتوں میں سفر کرتا وہ کلکتے پہنچا ہوگا یا جہاں کہیں بھی پہنچا ہو۔ اب اسے معلوم ہو چکا تھا اب تک جو کچھ بھی وہ جانتی تھی۔ انڈر گراؤنڈ کے اصل معاملات اس سے بالکل مختلف تھے۔ ایسی پُرخطر زندگی۔ کون کس پر بھروسہ کرے گا۔؟

کیا تمہاری آئیڈیالوجی بھی کہیں ایک اور ٹوٹم تو نہیں؟

اس نے ہاتھی تکیے کے نیچے سرکا دیا۔ اور لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد اسے نیند آ گئی۔

عجیب عجیب شکلوں والے آدمی گھاٹ پر پھر آن کھڑے ہوئے۔ ایسے انسان، جن کے چہرے ہی نہیں ہیں۔ دریا پر براتیوں سے لدے اسٹیمر بھونپو بجا رہے تھے۔

پالکی چوٗلے ۔۔۔ پالکی چوٗلے ہو ۔۔۔ ہو ۔۔۔ قدموں کی تال کے ساتھ گاتے اگیا بیتال کہاروں نے پالکی لا کر گھاس پر پٹخ دی۔

پالکی خالی ہے۔

جہاں آرا سامنے کھڑی ہے۔

اسٹیمر بھونپو بجا رہا ہے۔ اسٹیمر چھوٹنے والا ہے۔ اسٹیمر کا نام "عمرِ رواں" اندھیرے میں فاسفورس کی طرح چمکتا ہے۔ "عمرِ رواں" کیسا بھیانک نام ہے۔ "عمرِ رواں"۔ نام ایک دم چمک کر غائب ہو گیا۔ اسٹیمر نے چلنا شروع کیا۔ جہاں آرا غائب ہو گئی۔ پالکی خالی رکھی ہے۔

رونا مسلسل رونا۔ رونے کی آواز ۔۔۔ دور جاتے اسٹیمر کی سیٹی سے اونچی ہو گئی۔ تارا منڈل میں گونجنے لگی۔ دو لہا ہاتھی پر بیٹھا ہے۔

صبح ہو گئی ۔۔۔ سہانی، ابر آلود۔ آشاڑھ کی صبح دور تک پھیل گئی۔

باہر باغ میں سے اُفیہ مالی کی چھوٹی بچی کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ جہاں آرا، تو تو یقیناً یہاں تک میرا تعاقب نہیں کر سکتی۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

جہاں آرا۔ میری سکھی۔ میری بہن۔ میں نے تجھ سے تیرا آدمی چھینا۔ مجھے معلوم نہیں تھا آپا۔ اب نہیں چھینوں گی۔ واپس کردوں گی۔ مجھے معاف کر دینا۔ اس انجانی غلطی کو معاف کر دینا آپا۔

"ارے دیپالی۔" اباّنی نے غسلخانے کی طرف جاتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ "صبح صبح رو کیوں رہی ہو۔ کیا ہوا؟ گھر پہ تو سب خیریت ہے؟ تم تو بالکل کسی بھیرَوی کی ایسی ہونق معلوم ہو رہی ہو۔"

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کا چہرہ اور تکیہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

"سب خیریت ہے اباّنی۔" اس نے جلدی جلدی آنسو پونچھ کر ناک سڑکتے اور بال سمیٹتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔ اور ذرا آگے جھک کر سنگھار میز کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ بھیروی۔ ابال بکھرائے فیو کی جوگن۔!! "ہر علامت ہر امیجری بے حد بامعنی ہے۔ پیاری بچی۔" کپال بیراگی کا بچہ۔ ڈیم ڈیم۔ ڈیم۔۔۔۔

اس نے پلنگ سے پاؤں اتار کر چپلیں اپنی طرف سرکائیں۔

زندگی کی ہر نئی صبح آفاقی رات کے اتھاہ سمندر کے کنارے ایک نیا اجنبی ساحل ہے۔ جس پر ہم اپنے خوشگوار یا اذیت دہ خوابوں کی کشتی سے مسرور یا مغموم۔ بشاش یا خوفزدہ، اترتے ہیں۔

نیند کی نوکا رات کے دریا پر ساری زندگی بہتی رہتی ہے۔ ہم اپنی عمر عزیز کے کئی برس بغیر پتوار کی اس نوکا میں گزار دیتے ہیں۔ عمر رواں کی ہر نئی صبح جب ہم جاگتے ہیں۔ ہمارے خوابوں کی نوکا ایک دم غائب ہو جاتی ہے اور دوسری رات تک کے لئے ہماری منتظر جا کر پھر اپنے ساحل سے لگ جاتی ہے۔ نیند کی پرسکون یا طوفانی ندیا پر خوابیدہ انسانوں کے سینوں کی ان گنت نوکائیں رواں ہیں۔ ایک دوسرے کے پاس سے گزر جاتی ہیں۔ ایک دوسرے سے ٹکرا کر ڈوب جاتی ہیں یا کبھی کبھی دو نوکائیں اکٹھی گھاٹ کی سمت بڑھتی ہیں جہاں مقدر کی زینت بی بی اپنے کالے سوکھے مضبوط ہاتھوں میں سرخ ساری کا بنڈل سنبھالے دلہن کی منتظر ہے۔

چپلیں پیروں میں ڈال کر اس نے اپنی رسٹ واچ اٹھانے کے لئے تکیہ سرکایا اور تب اس کی نظر مٹی کے ہاتھی پر پڑی۔ اس نے ایک لمبا سانس لیا۔ ہاتھی کو اٹھا کر کھڑکی میں گئی۔ چند لمحوں تک ٹھٹھکی رہی پھر ایک دم بڑے زور سے اسے باہر پھینک دیا۔ پل کے پل میں وہ بے چارا کھڑکی کے نیچے اگی ہوتی برساتی گھاس

میں غائب ہو گیا۔ ہاتھی ڈوبا گھاس۔ اس نے مسکرا کر دل میں کہا۔ اور باہیں پھیلائیں۔ اب میں آزاد ہوں۔ میں ہر جادو ٹونے۔ ٹوٹم، ٹوٹکے، تعویذ اور طلسم کے اثر سے مطلق آزاد ہوں۔ ہرے۔ خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کرنے کی سعی کرتی ہوئی وہ برآمدے میں چلی گئی۔

۲۰

ہرے بنگال کا "آنند کانن"

پاٹ کے پیلے پھول مرجھانے لگے۔ کھیتوں میں درانتیاں چل رہی ہیں۔ گٹھے پانی میں ڈبو دیئے گئے۔ کمر کمر پانی میں کھڑے کسان ریشہ علیحدہ کرنے میں جٹے ہیں۔ یہ ریشہ دھویا اور سکھایا جائے گا۔ جو پیڑے میں چرخے اور کرگھے چلیں گے۔

بنگال کے کسان نے اس ریشے کی خاطر سال بھر اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے۔ بارش میں بھیگ کر دھوپ میں جل کر یہ شاندار فصل تیار کی ہے۔ کیچڑ اور بدبو کے سمندر میں ڈوب کر سونا نکالا ہے۔

اب یہ "طلائی ریشہ" کارگو کے مہیب فولادی جہازوں پر لد کر طویل دریاؤں پر سے گزرتا جوٹ اسٹیشنوں پر پہنچے گا۔ چاند پور اور مدارک پور اور نرائن گنج میں اتارا جائے گا۔ کلکتے کے تاریک کارخانے اور اسکاٹ لینڈ کے جگمگاتے ہیں۔ بنگال کے اس سنہرے دھن کی منزل ہیں۔

پاٹ کے سڑتے سڑتے برکھارت بھی بیت چلی۔ گھاٹ اور گلیاں دوتارے کی جھنکار سے گونج رہی ہیں۔ سارے میں دھان کے سرسبز پودے لہلہاتے ہیں۔ چوپال میں مرشدی گان کی محفلیں جمیں۔ شیخ مدن باؤل اور درگائی فقیر اور ابلا کنائی۔۔ گاؤں کے نرت نئے مندر سے کھول اور کرتل کی آواز بلند ہوئی۔ رادھا کرشنا۔ رادھا کرشنا۔ رادھا کرشنا۔ رادھا کرشنا

چنڈی داس کی رادھا۔ رام پرشاد کی کالی۔ درگائی فقیر کا اللہ۔ اللہ رے۔ اللہ رے اللہ رے

بادل بوڑھے ہو گئے۔ رات نے چاند نیک شگون کے گھڑے کی طرح آسمان کے آنگن میں رکھ دیا۔ بگلوں کی پرواز جھیلوں میں اس طرح منعکس ہے جیسے ان گنت سفید کنول کھل جائیں۔ امیروں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کے ہاں بے تحاشہ کھانے والے برہمنوں کو اب گرمی محسوس ہو رہی ہے۔ گاؤں کے کبی نے کہا۔

پھر اشین کی تیز دھوپ پانیوں پر پھیلی۔ سیندور الپے سُرخ سورج کی گرمی نے نازک بدن بگلوں کو دُکھی کیا۔ نرسلوں میں چہکنے والے پرندوں پر گُڑیاں اداس ہوئیں۔ ایکدم پک گئی۔ اب بیساکھ دریا اپنی پرانی رفتار پر واپس آ رہے ہیں۔ سیلاب اتر گیا۔ درخت سطحِ آب سے نمودار ہوئے۔ جھیلوں پر بے جھونپڑے ننھے منے زمردیں جزیروں کی طرح پانی میں کھڑے ہیں۔ ہر طرف ڈونگیاں چل رہی ہیں۔ ریت کی لہروں پر راج ہنس کے پنجوں کے نشان پڑے ہیں۔ زرخیز بھیگی دھرتی پر نئی فصلیں بوئی جاتی ہیں۔ جھونپڑوں کی مرمت کی جا رہی ہے۔ درگا پوجا کے لئے منڈپ اور بازار سج گئے۔ سارا دیس سنگیت سے گونج رہا ہے کہ درگا میکے آنے والی ہے۔ بیاہی بیٹی کے سواگت کے لئے گھر گھر تیاری کی گئی ہے۔ ہر ہندو گرہستن درگا کی ماں اور ہر گرہست گری راج ہے۔ گیتوں میں درگا کی ماں نے کہا۔ اوما کو میکے کب بلاؤ گے گری راج؟ جاڑے نکلے، برسات بیتی۔ خزاں آ گئی۔ مگر گوری اب تک نہیں آئی۔ اُسے تم نے کیسے خبطی سنیاسی کے پلّے باندھ دیا۔ اس کا نورنگ بھی کالا پڑ گیا ہوگا۔ جب کہتی ہوں گوری کو کیلاش سے لے آؤ تم ٹال جاتے ہو گری راج ۔۔۔ میں اُسے لینے کیسے جاؤں ۔۔۔ میں تو لوک لاج سے مری جا رہی ہوں۔ ایسا ہے نکھّا بھکاری داماد۔

شنکر نے بڑی مشکل سے چار دن کے لئے گوری کو میکے بھیجا ہے۔ ہر سو تہوار کی دھوم مچی ہے۔ دیپ جگاتے ہوئے دیبی کو گھروں سے وداع کیا گیا۔ دیپ سجے ہوئے بجروں میں دریاؤں پر پہنچی پانی میں ڈبو دی گئی۔

کارتک میں رات کو آسمان کی شفاف جھیل پر چاند کا خزاں آلود کنول تیرتا ابھرتا ہے۔ کچی سڑک پر گنّے کے چھلکے بکھرے پڑے ہیں۔ ہوا میں زعفرانی گرد اڑتی ہے۔ جو کی بالیوں پر طوطے بیٹھے ہیں۔ تیز چاندنی میں مچھیروں نے اپنے جال دریاؤں پر پھیلا دیئے۔ ان کی بانسریوں کے سُروں نے پردیس جانے والے مسافروں کو مضطرب کیا۔ فضا میں آسمان کا دریا بہہ رہا ہے۔ اُڑتے بگلے اور سفید بادل اُس کے رتیلے ساحل ہیں اور ستارے اس کے نیلوفر۔ ندی کنارے ٹھنڈی کیچڑ میں چرواہا سوتا ہے۔ گاؤں کے کبی نے کہا۔

اگھن مہینے میں دھان تیار ہو گیا۔ منڈیوں میں قیامت کی چہل پہل ہے۔ گانے کے مقابلے کئے جا رہے ہیں۔ گھر گھر نئے چاول کی کھیر پک رہی ہے۔

چاول۔ چاول۔ چاول۔

کو "سنہرا بنگال" سال میں تین یا چار دن اُگاتا ہے اور بھوکا رہتا ہے۔

گلابی جاڑوں میں سپاری کے سڈول درخت گلابی سپاریوں سے لد گئے۔ پوش کی چاندنی راتوں میں مچھیروں کے جال روپہلی مچھلیوں سے بھرے۔ کٹی ہوئی فصلوں کی رکھوالی کے لئے مچان بنائے گئے۔ الاؤ کے گرد غازی گان کی مجلس جمی۔ جھونپڑوں میں پرال بچھائی جانے لگی۔ رات کو گیدڑ جنگلوں سے باہر نکل آئے۔ سرسوں پھولی۔ دریاؤں پر کشتی رانی کے مقابلے شروع ہوئے۔ ساری گان کے جوشیلے سُر آبی راستوں پر پھیل گئے۔

ماگھ کی طویل راتوں میں بندر سردی سے کانپ رہے ہیں۔ کتّا چولہے کے پاس بیٹھا ہے۔ لڑکیاں چراغ کی روشنی میں سوزنیاں کاڑھنے میں مصروف ہیں۔ پردیسی مسافر گاؤں والوں سے پرال اور بھوسہ مانگ رہے ہیں۔ غریب بڑھیا آگ تاپتی اپنی کٹی سے باہر نہیں نکلتی۔ دھان کے گٹھوں کے پاس اُپلے جل رہے ہیں۔ آپس میں جھگڑتے مسافر چوپال کے الاؤ کے پاس اکڑوں بیٹھے ہیں۔ اماوس کے سرد اور تاریک اندھیرے میں چڑیلوں اور جادوگرنیوں نے اپنے اپنے چولہے جلا لئے۔

صبح کا دھندلکا سارے گاؤں پر چھا جاتا ہے۔ دُور افق پر سرخ پھول پہنے، گھونگھٹ کاڑھے اوشا سسرال جاتی نظر آتی ہے۔ پھر پان کی سُرخی کی طرح لال جنیو پہنے، تلک لگائے، کندھے پر لال انگوچھا ڈالے سورج ٹھاکر برگد کے پیچھے سے جھانکتے ہیں۔ لو بھائی۔ وہ مالی اور سنار اور تیلی کے جھپّروں تک پہنچ گئے۔ مالی کی لڑکیاں باغ میں پشپ انجلی کے پھول چنتی ہیں۔ تیلی کی لڑکی تالاب پر برتن مانجھتی ہے۔ صبح تڑکے سورج ٹھاکر کی کرنیں بیل کی پیٹھ پر برستی ہیں جو سرسبز چوراہے پر سرسوں کے پھولوں سے لدا آرام سے لیٹا ہے اور کہرا اس کی پلکوں پر جم گیا ہے۔ گدڑیاں اور پیوند بھری رضائیاں اوڑھے یاتری گلیوں میں بیٹھے رادھا کرشن کے نغمے گا گا کر بستی والوں کو جگا رہے ہیں۔ کولہو چلنے لگے۔ گڑ کی بھیلیاں بنیوں کی دکانوں پر آ گئیں ۔۔۔ گاؤں کے کبی نے کہا۔

اور اب جنگلوں میں پلاش کے پتے جھڑ رہے ہیں۔ بنوں میں شیر دہاڑتے ہیں۔ شیش کے مُنک چاند کے نیچے پہاڑی راستوں پر اور کدم کھلے ہیں۔ سرسوتی پوجا کے لئے مورتیاں گھڑ کر دھوپ میں سکھائی جا چکیں۔ سرسوں پک گئی۔

پھاگن میں بانس کے ہرے بھرے جھنڈوں میں سے گزرتی، شہد کی مکھیوں کو جلو میں لئے بہار آن پہنچی۔ دکھن کی سہانی ہوائیں چلیں۔ لڑکیوں نے بالوں میں کلیاں سجائیں۔ رنگین کشتیاں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

لے کر ماجھی دریا رکی پر نکلے۔ پشپ بنوں میں بھونرے گونجنے لگے

پھول بن میں آدھی رات کو آنا رے بھونرے۔ میں چاند کی بتی جلاؤں گی اور شبنم سے باتیں کروں گی اور سپنوں کی پگڈنڈی پر چلتی تمہاری اور آؤں گی۔ بہت دھیرے سے آنا رے بھونرے۔ کہیں تیرا گیت ختم نہ ہو جائے۔ میری نیند نہ ٹوٹ جائے۔ پھول اور ڈالیاں نہ جاگ اٹھیں سارے بھونرے۔ گاؤں کے کبی نے کہا۔

ہرجائی ہوا جنگل جنگل منڈلاتی پھر رہی ہے۔ چاروں طرف رنگ ہی رنگ بکھر چکے ہیں۔ رنگین ناؤ کا ماجھی اودی موجوں پر اپنی سبک کشتی کھیتا ہے۔ بل کھاتے دریا کی موڑ پر اسے سرخ رنگ کا جھونپڑا نظر آیا۔ ندی کے کنارے ہری گھاس پر شرمیلی ساری سوکھتی ہے۔ شام کی پرچھائیوں میں چھپی کالی باڑی کی سمت سے پائل کی آواز آرہی ہے۔ جھم جھم کرتی وہ گھاٹ پر آکر اپنا رنگین گھڑا پانی میں ڈبو دیتی ہے۔ اس کی شکل کی ایک جھلک نے مجھے دیوانہ کر دیا۔ سورج لہروں میں ڈوبتا جارہا ہے اور میں اپنی ناؤ کھیے رہا ہوں۔ بھٹیالی کے مغنی نے کہا۔

چیترو کے شہد ایسے مہینے میں پلاش پھولوں سے لد گئے۔ گل مہر کی پتیاں جھڑنے لگیں۔ جنگلوں میں زرد اور سرخ پتوں کے فرش بچھ گئے۔ آم کے کنجوں میں کوئل کوکی۔ طوطے کی چونچ ایسے سرخ سورج ماما کا غصہ پل پل بڑھتا جارہا ہے۔ مچھلیاں پکڑنے کا ہنگام شباب پر آیا۔ کشتیوں کی مرمت کی گئی۔ میلے لگے۔ خلق خدا جاترا کے تماشوں سے محظوظ ہوئی۔ ندیوں اور جھیلوں پر بنسیاں اور جال سنبھالے دیہاتیوں کی بھیڑ جمع ہے۔ جگمگاتی مچھلیوں کے انبار ہر سو لگ گئے۔

بوئی شاک میں شیفالی مہکی اور مادھبی اور تکل۔ اشوک اور مہوے اور املتاس اور شیشم اور لاکھ کی شاخوں پر پھول کھلے۔ پاٹ کی نئی فصل بوئی جارہی ہے۔ خوشگوار ہوائیں آندھیوں میں تبدیل ہو رہی ہیں۔

جوئی شٹھو کی دھوپ میں تال اور پوکھر سوکھنے لگے۔ زرسلوں کے پرندے، بگلے اور دریائی بار پر پھیلا کر اُڑتے جارہے ہیں۔ خوفناک طوفان۔ بیزوسند تبتر۔ چھپر اُڑ گئے۔ جھونپڑیاں گر گئیں۔ بادبان بکھر گئے۔ ہواؤں کی غارت گری۔ جھکڑ نے دھرتی پر پھلوں کی بارش کر دی۔ بازار اور ہاٹ آم سے پٹ گئے۔ اب جارل کھل چکے ہیں۔ اور چمپا اور رجنی گندھا نے راتیں معطر کر دی ہیں۔ تباہ حال کسان پھر جھونپڑوں

اور جالوں کی مرمت میں جٹ چکے ہیں۔ برسات کے انتظار میں نئے جال بنے جارہے ہیں۔ شدید دھوپ وحشت۔ خشک سالی۔ اللہ میگھ دے میگھ دے رے۔ اللہ میگھ دے۔ اللہ رے اللہ۔

تب بنگال کی کھاڑی سے آشاڑھ کے ورشا کالین بادلوں کے لشکر آگے بڑھنا شروع ہوئے۔ جنگل کے زرگل کا بھبوت مل کر، کھوپڑیوں کے بجائے بگلوں کی قطار کی مالا پہنے سیاہ بادلوں کا جوڑا باندھ کر، دھنک کی چھڑی اور بجلی کی جھنڈیوں والا عصا سنبھالے برہنوں کو ڈرانے کے لیے موسم نے پھر جادوگر کا روپ دھارا۔ آسمان بارش کا تاریک درخت بن گیا۔ جس کی واڑھی زمین تک آرہی ہے۔ ساونوں کے بھوکے مور بنوں میں چلانے لگے۔ گلابی کیلوں سے لدا درخت اپنے پتوں کا چلو بنا کر بارش کا پانی پی رہا ہے۔ بید کے پھولوں سے مہکتی ندی جامن کے درختوں کے نیچے رواں ہے۔ مچھلی کے تعاقب میں بگلا لرزاں پتوں کو پر امید نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ مفلس کسان کی بیوی سر پر چٹائی اوڑھے، ہر طرف ٹپکتے جھونپڑے کا بچاؤ کرتی پھر رہی ہے۔ جنگلوں کے آدی واسی کانن درگا کی پوجا کے لئے درختوں کی جڑوں میں خون چھڑک کر تلوا کے پیالوں میں تاڑی پی رہے ہیں ـــــ گاؤں نے کبی نے کہا۔

دریا چڑھے۔ میگھنا اور برہم پتر۔ پدما اور مدھومتی۔ بھرب اور بھاگیرتی۔ شب تنبتری اور کرنافلی۔ سُرما اور دھالیشوری ـــ ساون کے پانچویں دن ناگ پنچمی منائی گئی۔ جنگلوں میں ہاتھی چنگھاڑ رہے ہیں۔ ندیوں کے ساحل کیچڑ اور کائی اور کینچوؤں اور دلدل کی راجدھانی بن گئے۔ سانپ بلوں سے نکل آئے۔ اوجھوں کا کاروبار چمکا۔ چھتریاں لگائے لوگ جلدی جلدی گھاٹ پر اترتے ہیں۔ بانس کے پلوں پر سے گزر رہے ہیں۔ تیتریوں کی ایسی نازک کشتیوں کو طوفانی دریا نگل گئے۔ دریا گاؤں اپنے ساتھ بہالے گئے۔ درخت جڑ سے اکھڑے۔ مویشی اور انسان غرقاب ہوئے۔

"میری قسمت ہی خراب ہے۔ سیلاب میں سب کچھ بہہ گیا۔ اللہ تو نے دنیا بنائی! اور پھر مجھ سے میرا پاٹ، میرا دھان سب کچھ چھین لیا۔ میری قسمت میں کتنے دکھ ہیں رے اللہ۔ میں پاٹ بیچ کر تیرے لیے سونے کی نتھ لاؤں گا۔ میں نے اُس سے کہا تھا۔ پاٹ تو سیلاب میں بہہ گیا۔

او ماجھی رے کتنے منش۔ کتنے ڈھور ڈنگر طوفان کی بھینٹ چڑھے۔ اللہ رے۔ اللہ رے۔ اللہ رے۔

گاؤں کے کبی نے کہا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

۲۱

اگست اندولن اور پیپلز وار

آسناڑھ ۔ بھادرد ۱۳۴۹ ؁[1]

کال کے گھٹاٹوپ اندھیارے میں مناظر غیر مرئی تصاویر کی طرح روشن رہیں گے ۔ کیونکہ ہر منظر جو معدوم ہوا، باقی ہے ۔ ان سارے گھروں، روشن کمروں کا تصوّر کرو جو لمحہ گزرنے کے باوجود، وقت میں شامل، موجود ہیں ۔ باتیں کرتے ہوئے لوگ، ٹیبلو گروپ ۔ ان کی آوازیں ۔

چندر کنج اندھیرا پڑا تھا، جب وہ تین اس کے پھاٹک میں داخل ہوئے ۔ وہ برآمدے میں آکر بیٹھک خانے کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں ۔ برآمدے کے سرے پر چادر میں سر منہ لپیٹے ایک داڑھی والا بوڑھا بے خبر پڑا سوتا ہے ۔ اب نووارد برآمدے سے اتر کر گھاس میں سے گزرتے پچھواڑے ڈیوڑھی کی کنڈی بجا رہے ہیں ۔

رسوئی گھر کی کھڑکی کھلتی ہے ۔ گھاس پر روشنی کا راستہ سا بن گیا ۔ کھڑکی میں سے کسی نے جھانکا ۔

" دیپالی "

" ارے تم لوگ ۔" دیپالی ذرا خشکی سے کہتی ہے مگر فوراً باہر آکر ڈیوڑھی کا دروازہ کھولتی ہے ۔ وہ تینوں اس کے ساتھ پچھلے برآمدے میں آجاتے ہیں ۔ دیپالی بیٹھک خانے کا دروازہ کھولتی ہے، جس میں شدید حبس طاری ہے ۔

وہ تینوں برآمدے میں پڑے ہوئے تخت پر ٹک جاتے ہیں ۔ محمود الحق تالی بجا کر ایک مچھر مارتا ہے ۔ جیوتر موئے دتّا نے سگریٹ سلگانے کے بعد ماچس کی خالی ڈبیا نشانہ باندھ کر سامنے حوض میں پھینک دی ۔ روزی بنرجی تیوری پر بل ڈالے آنگن کے درختوں کو دیکھ رہی ہے ۔ تینوں خاموش ہیں ۔ دیپالی بھی خاموش ہے ۔

---

[1] بنگالی سن مطابق ۱۹۴۲ء

" ادھر آؤ ۔ دیپالی ۔" روزی اچانک ذرا درشتی سے کہتی ہے اور دیپالی کے آگے چلتی اس کے کمرے میں داخل ہوتی ہے ۔

کمرے میں مچھر بھنبھنا رہے ہیں ۔ دیپالی نے روشنی جلائی ۔

" تمہارے بابا سو رہے ہیں ۔" ؟ روزی کا سوال

" بابا اور پشپی ماں فرید پور گئے ہیں ۔ پشپی ماں کے دیور کی لڑکی کی شادی ہے ۔ اس میں بابا کی شرکت ضروری تھی ۔ رات کو عبدالقادر برآمدے میں سوتے ہیں ۔ کل یا پرسوں میں بھی چلی جاؤں گی ۔ شادی اتوار کو ہے ۔ کھوکھو بیمار پڑ گیا تھا اس لئے میں بابا کے ساتھ نہ جا سکی ۔" وہ پلنگ پر ٹک جاتی ہے روزی دروازہ بھیڑ دیتی ہے ۔

باہر محمود الحق اور جیوتر موئے دتّا چپ چاپ بیٹھے ہیں ۔ اچانک اندر سے روزی کی گرجدار آواز آتی ہے ۔

" غدّار ـــــ "

محمود الحق تاسف سے سر ہلاتا ہے ۔

اندر کمرے میں روزی بنرجی عین اسی جگہ کھڑی ہے جہاں آج سے ڈھائی سال قبل دیپالی نے اس سے حلف اٹھوایا تھا ۔

" ٹوڈی ۔" روزی کی دوسری گرج ۔

" پارٹی ڈائریکٹو ۔" دیپالی کا جوشیلا، برافروختہ، توضیحی لہجہ ۔

" برٹش ایجنٹ ـــــ " روزی کی پھنکار ۔

" فاشسٹ ـــــ " دیپالی کا ترکی بہ ترکی جواب ۔

جیوتر موئے دتّا اُٹھ کر دروازے پر دستک دیتا ہے ۔ آگ بگولہ روزی اور دیپالی باہر نکلتی ہیں ۔ اچانک بارش شروع ہو جاتی ہے ۔ ایک زوردار بوچھار نے سارا برآمدہ شرابور کر دیا ۔ وہ چاروں بیٹھک خانے میں چلے جاتے ہیں ۔ دیپالی بتّی جلا کر کھڑکیاں کھولتی ہے ۔ کرسیوں پر ٹک کر وہ چاروں زور شور کی بحث میں معروف ہو جاتے ہیں ۔ غل سن کر کھوکھو اپنے کمرے سے آنکھیں ملتا چپلیں سلیپر گھسیٹتا بیٹھک خانے میں آتا ہے ۔ وہ اب بڑا ہو چکا ہے ۔ اور کالج میں پڑھتا ہے ۔ وہ بھی تندہی سے تکرار میں شامل ہو گیا ۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اب یہ لوگ دہشت پسند شہداء کا ذکر کر رہے ہیں۔

دیپالی جلدی سے اٹھ کر باہر چلی جاتی ہے۔ آسمان پر زور سے بجلی چمکی۔ وہ چند لحظوں تک چپ چاپ کھڑی اندر جھانک کر اپنے چچا کی تصویر کو دیکھتی رہتی ہے۔ کالی گھٹا ہرے بھرے آنگن پر اتنی نیچے جھک آئی ہے، لگتا ہے اگر ہاتھ بڑھاؤ تو گرفت میں آجائے گی۔

"کنک لتا بروا ــــ کل شہید ہوگئی ــــ" اندر محمود الحق کہہ رہا ہے۔

"امپیریل ہوٹل میں ریحان وا اور آوما دی ــــ" جیوترموئے دتا کہہ رہا ہے۔ دیپالی چوکنی ہوگئی۔

"آوما دی جو کلچرل فرنٹ پر کام کر رہی ہیں ــــ فاشزم کے خلاف ــــ ہا ہا ہا ــــ" روزی کا زہر خند۔

"سر رینی توشش رائے کی صاحبزادی؟" محمود الحق کا تجاہل عارفانہ۔

"ڈیڈی کو نائٹ ہڈ مل گئی ــــ ہُرے؟" جیوترموئے دتا کا نعرہ۔

اب ساری آوازیں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔

"ڈرا اڑاؤ ــــ"

"چرخہ چلاؤ ــــ"

"ہیپلز وار میں مضمون لکھو ــــ"

"ہُرے ــــ ہُرے ــــ"

"ہم جاتے ہیں دیپا کلی ــــ" روزی کی آواز۔ "تمہیں یاد رکھیں گے۔ بائی بائی۔ گڈ نائٹ۔"

"گڈ نائٹ دیپالی۔" محمود الحق اور جیوترموئے دتا کی آوازیں۔

وہ تینوں پھاٹک سے کواڑ کھول کر سامنے کے برآمدے میں نکل جاتے ہیں۔ دیپالی پچھلے برآمدے میں دیوار سے لگی کھڑی ہے۔ اس کے پاؤں فرش پر جم سے گئے ہیں۔ وہ دنیش چندر سرکار کی تصویر پر نظر ڈال کر جلدی سے پلکیں جھکا لیتی ہے۔

رات کا اندھیرا اور بارش باہر ان تینوں کو نگل لیتی ہے۔

گھو گھو باہر کا دروازہ بند کر کے چھینکتا ہوا بیٹھک جانے میں واپس آتا ہے۔ کیا یہ بھی، یہ تو اندر لی میں شامل نہیں ہوگیا ــــ؟ وہ اسے کچھ بھی نہیں بتاتا۔ عجیب گھنا، تلخ سا لڑکا بنتا جا رہا ہے۔ وہ خاموشی

سے اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے۔

باہر بارش کی بوچھار سے عبدالقادر کا آدھا بستر بھیگ چکا ہے۔ وہ اس کے باوجود گہری نیند سو رہا ہے۔ جب بارش کا چھینٹا اس کے چہرے پر پڑتا ہے تو نیند میں بڑبڑاتے ہوئے وہ کروٹ بدل لیتا ہے۔ دور سے بم پھٹنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ یہ منظر بھی وقت میں تحلیل نہیں ہوگا۔

۲۲

پدر رو ہی

بھادوں کی موسلا دھار جھڑی کی وجہ سے روزی بنرجی نے اپنی سائیکل للی کاٹیج کے ایک کونے میں مقفل کر کے کھڑی کر دی ہے۔ وہ گھوڑا گاڑی میں گھر واپس پہنچتی ہے۔ گاڑی اسے مشن کمپاؤنڈ کے سامنے اتار کر برگد تلے جا کھڑی ہوئی ہے۔ اس کے دونوں مرگلے گھوڑے ہنہنا ہنہنا کر کیچڑ میں اپنے سُم پٹخ رہے ہیں۔

روزی بنرجی بی۔ اے میں فرسٹ ڈویژن لانے کے بعد یونیورسٹی میں ایم۔ اے کے لئے داخل ہو چکی ہے۔ ریورنڈ بنرجی اس سے بے حد خوش ہیں۔ تعلیم میں اس قدر منہمک دیکھ کر ان کو یقین ہے کہ وہ اپنی سیاسی حماقتیں ترک کر چکی ہے۔ وہ اس پر سخت نازاں ہیں۔ میری قابل، ہونہار، بے مثال بچی، وہ اس کی پچھلی سال کی حماقت اور بدتمیزی بھی معاف کر چکے ہیں۔ اور سوچتے ہیں ایک اعلیٰ خاندان عیسائی نوجوان کی تلاش از سر نو شروع کر دی جائے۔ اس مرتبہ وہ قطعی روزی کی پسند یا ناپسند کا خیال رکھیں گے۔ گو وہ اس سلسلے میں وہ اس سے ابھی کچھ نہیں کہتے، یوں بھی وہ اس قدر مصروف ہے۔ پوسٹ گریجویٹ پڑھائی کی وجہ سے دیر تک اسے یونیورسٹی لائبریری میں رہنا پڑتا ہے۔ شام کو وہ سگن بگیچے جا کر اپنا ٹیوشن کرتی ہے (اس کی شاگرد دیا تمیین ہائی اسکول پاس کر کے اب ایف اے کے لئے اس سے انگریزی پڑھ رہی ہے) اس طرح روزی عموماً صبح کی گئی گئی رات چڑے لی کاٹیج واپس آتی ہے۔ یوں بھی اگر وہ دیر سے گھر لوٹے تو پادری بنرجی باز پرس نہیں کرتے۔ وہ اب بڑی ہو چکی ہے اور انھیں اس پر مکمل اعتماد ہے۔ زمانہ تیزی سے بدل رہا ہے۔ جنگ نے پرانے معاشرے کی بہت سی فصیلیں ڈھا دیں۔ جنگ دقیانوسی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور پابندِ وضع ڈھاکے تک پر اثر انداز ہو چکی ہے۔ پادری بنرجی اپنے اتوار کے وعظوں میں کئی بار اس اخلاقی کجروی کی طرف بڑے دکھ سے اشارہ کر چکے ہیں۔ جو کلکتے جیسے گناہگار شہر کی مانند شاید یہاں بھی عام ہو جائے۔

ٹھیکیداروں اور تاجروں کا نو دولتا طبقہ تیزی سے اُبھر رہا ہے۔ لڑائی اس وقت بنگال کے عین پڑوس میں لڑی جا رہی ہے۔ کلکتے پر ہلکی سی بمباری ہو چکی ہے۔ جاپان نے مشرق میں برٹش ایمپائر کی بنیادیں ہلا دیں۔

۵ فروری کو سقوطِ سنگاپور کے بعد ریورنڈ بنرجی نے گرجا میں رحم کی دعا کے لیے اسپیشل سروس منعقد کی، کوائیر نے ROCK OF AGES ایسے جذبے سے گایا کہ بڑے بڑے شقی القلب قوم پرستوں کی (پادری بنرجی کے حلقے میں اینٹی برٹش بھیڑوں کی اب کمی نہیں) آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اور —

O GOD OUR HELP IN AGES PAST
OUR HOPE IN YEARS TO COME
OUR SHELTER IN THE STORMY BLAST
AND OUR ETERNAL HOME.

روزی بچپن سے کوائر میں گاتی آئی ہے۔ مگر اس روز غائب تھی۔ خیر

A THOUSAND YEARS IN THY SIGHT
ARE LIKE AN EVENING GONE
SHORT AS THE WATCH OF NIGHT
BEFORE THE MORNING SUN.

لیکن مارچ میں جاپانیوں نے سارے برما پر قابض ہو گئے۔ رنگون سے بھاگ کر پیدل بنگال تک پہنچنے والے پناہ گزینوں کے حالات سن سن کر پادری بنرجی کا دل لرز گیا۔ ڈھاکے آنے والے اینگلو برمن، ہندوستانی اور برمی عیسائی قافلوں کے لیے مشن کمپاؤنڈ میں خیمے لگائے گئے۔ پادری بنرجی دن رات مریضوں اور زخمیوں کی تیمارداری اور دلجوئی میں جٹے رہے۔

اب بنگال کی چھاؤنیوں میں برطانوی اور امریکن فوجیوں کی ریل پیل ہے، جو برما کے جنگلوں میں

پہنچتے ہی موت کے گھاٹ اتر رہے ہیں۔ موت اور تباہ کاری کا بازار ساری دنیا میں گرم ہے۔

ریورنڈ بنرجی کو سوا چند امریکن مشنریوں کے، امریکنوں سے اب تک سابقہ نہیں پڑا تھا۔ مگر پچھلے دنوں انہوں نے اس اجنبی، بے تکی، انوکھی، ایپیکیورم قوم کے عام افراد کو پہلی بار قریب سے دیکھا جب امریکن افسروں کی ٹولیاں جیپ گاڑیوں میں لد کر مشن کمپاؤنڈ آنے لگیں۔ انہوں نے بیش قیمت تحائف عیسائی غربا میں بانٹے، اور پادری بنرجی سے بڑی بے تکلفی اور بھائی چارے سے باتیں کیں اس بھائی چارے کے ساتھ انگریز ان کے ساتھ کبھی پیش نہیں آئے۔

ملایا میں برطانوی شکست کے بعد بنگال کے فوجی ہسپتال زخمیوں سے بھر چکے ہیں۔ ایک دن پادری بنرجی نے اسٹیٹسمین میں پڑھا کہ بہت سے ہندوستانی فوجیوں کو ملایا میں جاپانیوں نے جنگی قیدی بنا لیا۔ سبھاش بابو کے متعلق بھی آئے دن خبریں چھپا کرتی ہیں۔

لیکن پادری بنرجی نے کسی اخبار میں یہ نہیں پڑھا کہ بنگال کے انقلابی، پرانے پاپی، اندھیری راتوں میں نئی سازشیں کر رہے ہیں۔

روزی پچھلے چند روز سے رات کو کافی دیر میں گھر آتی ہے۔ کیونکہ لائبریری مشن کمپاؤنڈ سے بہت فاصلے پر ہے۔

گھوڑا گاڑی سے اتر کر روزی سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ رات کے ساڑھے نو بج چکے تھے۔ لیکن ریورنڈ اور مسز بنرجی حسبِ معمول کھانے کی میز پر صبر کے ساتھ اس کے منتظر تھے۔ آج اس نے بہت ہی زیادہ دیر لگا دی۔

اپنے کمرے میں جا کر پانی سے بھیگی ساری تبدیل کرنے کے بعد وہ جلدی سے آ کر میز پر بیٹھ گئی۔ مسز بنرجی فوراً کچن سے گرما گرم لوچیاں لے کر آئیں۔

ریورنڈ نے ماتھے پر انگلی رکھ کر گریس کی دعا کے لیے سر جھکایا۔ ان کی بیوی نے بھی سر جھکا دیا۔ روزی نے بھی۔ مگر کن انکھیوں سے اپنی رسٹ واچ دیکھتی رہی۔

"اے ہمارے آسمانی باپ۔ تو جس نے اپنے فضل و کرم سے یہ نعمتیں ہمارے سامنے رکھیں تیری رحمت ہمیشہ اسی طرح اس میز پر اور اس گھر پر برستی رہے۔ آمین" پادری بنرجی نے گریس پڑھ کر سر

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"روزی" ریورنڈ بنرجی نے اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر ٹوٹی ہوئی آواز میں ایک بار پھر کہنا شروع کیا ۔۔ "جس سرکار نے ہمیں جنگلی سے انسان بنایا۔ بت پرستی کے جہنمی راستے سے نکال کر ۔۔"

"اوہ نو پاپا ۔۔۔ نوٹ اگین ۔۔۔" روزی نے یک لخت جھنجھلا کر میز پر مکہ مارا۔ پانی کا گلاس چھلک گیا۔ الیسٹر بنرجی نے جھاڑن اٹھا کر پھرتی سے میز صاف کرتے ہوئے اُسے ڈانٹا۔ "روزی۔"

"سوری ماما" پھر وہ اپنے پاپا کی طرف مڑی۔

"پاپا۔ سنئے۔ سی۔ ایف اینڈریوز تو نہ صرف پکے عیسائی تھے بلکہ اصل نسل انگریز بھی تھے۔ اور آپ سے کہیں زیادہ بڑے پادری۔ آپ نے جا کر کبھی ان کو یہ سب کیوں نہ سمجھایا۔؟" اس نے بہت ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئٹ انڈیا۔ کوئٹ انڈیا ۔۔۔" پادری بنرجی طیش کے عالم میں کرسی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔ "احمقو۔ گدھو۔ انگریز چلا گیا تو ہم پھر اسی بربریت، بے ایمانی اور بے انصافی کے دور کی طرف لوٹ جائیں گے۔ جس سے انہوں نے ہمیں نجات دی۔"

روزی نے دوبارہ ذرا پریشانی سے گھڑی پر نظر ڈالی۔ پادری بنرجی اب ایک کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر نہایت برافروختہ آواز میں اس سے مخاطب تھے۔ "کوئٹ انڈیا کی بچی، ہندوؤں اور مسلمانوں کی جھوٹی ڈینگیں پڑھ پڑھ کر پاگل ہو گئی۔ ہندوستان کی سنہری قدیم تہذیب! سنہری قدیم تہذیب یہ تھی کہ منتیں پوری کرنے کے لئے ہندو اپنے بچوں کو گھڑیالوں کے سامنے پھینک دیتے تھے۔ ہندو لڑکیوں کو مار ڈالا جاتا تھا۔ مسلمان ٹھگ مسافروں کا گلا گھونٹتے تھے۔ انڈین کلچر! انڈین کلچر! کتنے انگریز مشنریوں نے ہندو عورتوں کو چتا سے نکالا۔ اور جب وہ ان بدنصیبوں کو بچانے کی کوشش کرتے، عین وہیں شمشان گھاٹ پر فساد ہو جاتا تھا ۔۔۔ خود میری پردادی کو ۔۔۔ جانتی ہے احمق؟ میری اپنی پردادی کو ستی ہونا پڑا۔ ہندو کلچر۔ ہندو کلچر ۔۔۔"

روزی کو باپ کا اس قدر شدید غصہ دیکھ کر بے اختیار ہنسی آگئی۔ اس نے آہستہ سے کہا "مگر پاپا۔ آپ کے مہذب مسیحی یورپ میں بھی تو ہزاروں بے گناہ عورتوں کو جادوگرنی کے الزام میں صدیوں تک زندہ جلایا جاتا رہا۔ اور جس زمانے میں ہندوستان میں ہندو مسلمان مزے سے اکٹھے رہ رہے تھے اس وقت آپ کے چہیتے یورپ میں INQUISITION ہو رہا تھا۔ ہا ہا ہا ۔۔۔"

اٹھایا۔ الیسٹر بنرجی نے پوریاں پیش کیں۔ ریورنڈ نے لقمہ بناتے ہوئے روزی کو دیکھا جو کھانا شروع کرنے کے بجائے ذرا بے چینی کے ساتھ چمچے سے کھیل رہی تھی۔

"کھانا کھاؤ بیٹی۔"

"جی ہاں پاپا۔"

اس نے جلدی جلدی کھانا شروع کیا اور پانچ چھ نوالے نگلنے کے بعد کرسی سے اٹھنے لگی تو پادری بنرجی نے اسے ٹوکا۔

"کیا بات ہے؟"

"بھوک بالکل ہے ہی نہیں پاپا۔ یونیورسٹی کینٹین میں بہت سے سموسے کھا لئے تھے۔"

"سارے ملک میں ان بدمعاشوں نے آگ لگا رکھی ہے۔ ایسے پرآشوب زمانے میں تم اتنی رات گئے گھر لوٹتی ہو۔ جوزف ہی کو ساتھ لے جایا کرو۔"

"نہیں پاپا۔ گرودیو کا انتقال ہو گیا ہے نا بے چارے کا۔ تو یونیورسٹی میں ہم لوگ ان کی یاد میں ایک بڑا زبردست پروگرام کرنے والے ہیں۔ اس سلسلے میں میٹنگ تھی۔ میٹنگ کے بعد آپ جانئے۔ حسب معمول اڈہ شروع ہو گیا۔"

"آج کل اڈے کا زمانہ نہیں ہے۔ ہر طرف گولیاں برس رہی ہیں، احتیاط رکھو۔"

"بہت اچھا پاپا۔" وہ کرسی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

اچانک ریورنڈ بنرجی کو ایک خیال آیا۔ یونیورسٹی تو اس بدبخت بغاوت کی وجہ سے بند ہو چکی ہے۔ یہ پھر مجھے دقیانوسی احمق بڈھا سمجھ کر بے وقوف تو نہیں بنا رہی؟

"روزی ادھر آؤ۔" انہوں نے کڑک کر کہا۔

وہ ٹھٹھک گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے حکم دیا۔

وہ اطمینان سے واپس آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تم بھی ان ۔۔۔ ان غداروں سے جا ملی ہو؟"

اُس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"روزی ۔ چُپ ۔" الیستھر بنرجی نے سہم کر باپ بیٹی کی تکرار ختم کرانی چاہی۔

"اور سنئے پاپا۔" روزی مزے سے کہتی گئی۔ "یسوع کے پجاریوں نے سارے یہودیوں کو اٹھا کر GHETTOS میں ڈال دیا (میری اور بے چارے پاپا کی ڈبیٹنگ سوسائٹی! اس نے دل میں سوچا) اور یہ جو پاپا آپ اچھوتوں کی بات کرتے ہیں تو کیا آپ کے انگلینڈ میں ایک جمنی شوئپ یا اُسے کیا کہتے ہیں ــــ بیارو وسن ــــ یہ کسی لارڈ کی میز پر اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں؟ ــــ ہا ہا ہا ــــ!"

"کج بحثی مت کرو روزی۔" پادری بنرجی نے ڈانٹا۔

روزی کو ایک اور نکتہ یاد آیا (تو اس بحثا بحثی میں آدھ گھنٹہ برباد جائے گا) "یہ جو آپ ہمیشہ ہندوستان کے پرانے مطلق العنان حکمرانوں کو بُرا بھلا کہتے رہتے ہیں ــــ خصوصاً سراج الدولہ کو، جو میرا ہیرو ہے ــــ تو کیا آپ کے ایلزبیتھن انگلستان میں بات بے بات لوگوں کے سر قلم نہیں کر دئے جاتے تھے؟ جسے دیکھو ٹاور آف لندن میں پڑا جھینک رہا ہے اور دوسرے روز کھٹ سے سر غائب۔ وہاں عام آدمی کے لئے کوئی انصاف تھا؟ صرف سو برس پہلے تک آپ کے انگلستان میں ایک بھیڑ کی چوری کی سزا موت تھی۔ اب یہ "لا اینڈ آرڈر" کا کس منہ سے ہم پر رعب ڈالتے ہیں۔ یہ انگریز کے بچّے کمینے ــــ ہماری دولت لوٹ کر تو خود کو مہذب بنایا ان نیموں نے۔"

پادری بنرجی عینک اتار کر اسے صاف کرتے ہوئے پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ بد تمیز، گستاخ، زبان دراز، ذہین بچی۔

"اور بتاؤں آپ کو پاپا ــــ" روزی اب صریحاً بے رحمی پر اتر آئی تھی۔ "آپ کے وہ جو ایک کٹر رومن کیتھولک دوست ہیں۔ ڈاکٹر فرانسس باگو۔ جب ان کی بڑی لڑکی نے ایک مسلمان سے شادی کی جو بے چارہ ایک اعلیٰ خاندان کا بنگالی ہے تو انہوں نے فوراً بیٹی کو عاق کر دیا۔ اور آپ بھی کس قدر خفا ہوئے تھے۔ مائنڈ۔ اور ابھی پچھلے دنوں ان کی چھوٹی لڑکی نے ایک معمولی امریکن فوجی سپاہی سے بیاہ رچایا تو انکل باگو فخر سے پھولے نہیں سمائے حالانکہ ــــ حالانکہ وہ رومن کیتھولک تو کیا عیسائی ہی نہیں سرے سے یہودی ہے۔ اور جناب آپ نے بھی فوراً للوینا کو مبارک باد کا تار بھیجا۔ تو پاپا یہ تھے غلامانہ ذہنیت اور گوری چمڑی کا رعب۔"

"بس کرو روزی۔" الیستھر بنرجی نے سراسیمگی سے کہا اور چپکے سے اشارہ کیا کہ کمرے سے چلی جائے۔ وہ گہرا سانس لے کر کرسی سے اٹھی۔

"اچھا۔ اچھا۔ بیٹی۔" پادری بنرجی نے ملول آواز میں جواب دیا۔ "نکال دو انگریزوں کو ہندوستان سے پھر دیکھنا کیا حشر ہوتا ہے۔ تم سب الٹرا نیشنلسٹوں کا۔ جوں ہی یہ ہٹے تمہارے لاڈلے ہندو مسلمانوں میں وہ جوتا چلے گا وہ بھیانک خانہ جنگی ہوگی کہ دیکھ لینا۔ تب تمہیں اس جاہل بوڑھے پادری کی باتیں یاد آئیں گی۔" ان کی آواز بھرا گئی۔

روزی نے بڑی نرمی سے کہا۔ "پاپا۔ میں تو یونہی آپ سے تفریحاً بحث کر رہی تھی۔ آخر مجھے کالج کی ڈبیٹوں میں یونہی ٹرافیاں مفت ملی ہیں۔ دراصل میں قوم پرست تو یقیناً ہوں پاپا مگر آج کل جو تباہ کاری پھیلی ہے میں خود اس کے خلاف ہوں۔"

"تم مانتی ہو بیٹی کہ ایسے نازک موقع پر جبکہ برطانیہ ہر محاذ پر مار رہا ہے ــــ"

"ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے ــــ بالکل ــــ بالکل۔" روزی نے جوش سے ان کی بات پوری کر دی۔

"اچھا بس ہو گئی تم لوگوں کی ڈبیٹ۔ اب پاپا کو جا کر سونے دو روزی۔" الیستھر نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"یس ماما۔" روزی نے دروازے میں جا کر باہر جھانکا۔ مینہ تھم چکا تھا۔ "اُفوہ کتنی گھپ اندھیری رات ہے ماما۔ دیکھئے املی کی باڑی پر جگنو کیسے چمک رہے ہیں۔ پاپا ــــ" اس نے مڑ کر پادری بنرجی سے دوبارہ کہا۔ "کیا آپ واقعی خفا ہو گئے؟ میں تو آپ کو TEASE کر رہی تھی سچ مچ پاپا ــــ" کرسی کے پیچھے آکر اس نے بڑے لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ پادری بنرجی خوش ہو گئے۔ عینک اتار کر اسے رومال سے صاف کیا۔

"سچ مچ پاپا۔ یونیورسٹی تو بند ہو چکی ہے۔ مگر ہماری لٹریری سوسائٹی ٹیگور کا تعزیتی پروگرام کر رہی ہے۔ کل جلسہ ہوگا بڑا۔"

"دیپالی اس جلسے میں شامل ہے؟ وہ بھی آئی تھی؟"

"جی نہیں ــــ جی ہاں ــــ پاپا۔ رابندر سنگیت کا پروگرام اس کے بغیر کیسے مکمل ہو سکتا ہے۔"

"ہوں۔" انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"گڈ نائٹ پاپا۔" اس نے جھک کر ریورنڈ بنرجی کا سر چوما۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"گڈنائٹ ماما۔"

"گڈ نائٹ۔ گوڈ بلیس یو مائی چائلڈ۔" والدین نے تقریباً ایک زبان ہو کر کہا۔ روزی ایک لحظے کے لئے ٹھٹھکی۔ ان دونوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔ اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

ریورنڈ بنرجی کرسی سے اٹھے، اور دوبارہ ٹہلنے لگے۔ سائیڈ بورڈ پر رکھے گلدان کو چھوا۔ "گوڈ بلیس آور ہوم" کے طغرے پر نظر ڈالی جس کے مقابل یسوع مسیح کے "آخری طعام" کا بڑا سا رنگین پرنٹ دوسری دیوار پر آویزاں تھا۔ وہ چند سکنڈ تک اس تصویر کو دیکھا کئے۔ پھر حسب عادت کمر کے پیچھے ہاتھ باندھے، سر جھکائے، مطمئن اور خداوند تعالیٰ کے مشکور اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

کوئی پون گھنٹے بعد مسز بنرجی نے گھر کے سارے کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد حسب معمول اووَلٹین کی دو پیالیاں تیار کیں، ایک پیالی طشتری سے ڈھانپ کر سائیڈ بورڈ پر رکھی اور دوسری لے کر روزی کے کمرے میں گئیں۔ وہ کمرے میں نہیں تھی، انہوں نے پیالی میز پر رکھ دی اور غسلخانے کی طرف مڑ کر آواز دی۔ "روزی بیٹا۔ صبح کو دھوبی آئے گا، اپنے کپڑے نکال ـــــ" وہ اپنا جملہ پورا نہ کر سکیں کیونکہ نہ جانے کیوں آپ سے آپ ان کا دل دھک سے رہ گیا۔ نہ جانے کیوں ان کو خیال آیا کہ روزی بھاگ گئی وہ اپنی جگہ پر منجمد رہ گئیں۔ پھر انہوں نے نوٹس کیا کہ غسل خانہ اندھیرا پڑا ہے۔ اور تیز ہوا اندر آ رہی ہے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ غسل خانے کا باہر کی رُخ کا دروازہ کھلا پڑا تھا۔

شاید وہ جگنو پکڑنے سبزی باڑی میں اتر گئی ہو۔ مسز بنرجی نے دروازے میں جا کر آواز دی۔ "روزی ـــ روزی بیٹے ـــــ" پھر وہ چھتری لگا کر اندھیرے اور کیچڑ میں باہر نکلیں۔ ڈیزی سر شام سے جا کر اپنے کوارٹر میں سو رہی تھی۔ اسے کیا معلوم ہوگا۔ انہوں نے پودے کے پاؤنڈ کا چکر لگایا۔ سارے کوارٹروں میں سناٹا پڑا تھا۔ گرجا کی برساتی میں روشن بلب پر پتنگے چکر کاٹ رہے تھے۔ سارے میں ہُو کا عالم طاری تھا۔ بچی۔ ایسی بھیانک رات میں تو کہاں چلی گئی ـــــ یہ کیا ہوا۔؟

وہ گھر میں واپس آئیں۔ کیچڑ میں لت پت چپلیں پائیدان پر اتار کر آہستہ آہستہ چلتی سارے کمروں میں گئیں دروازے بند کئے۔ بتیاں بجھائیں۔ اور پھر اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئیں جہاں ان کے شوہر شب خوابی کا لباس

پہنے اور تکیئن کے منتظر غنودگی کے عالم میں بید کی کرسی پر بیٹھے تھے۔ نیند میں ان کا سر سامنے کو جھک آیا تھا۔ بیوی کی آہٹ پر وہ چونکے۔ اور ان کی طرف دیکھے بغیر عادت کے مطابق پیالی کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

الستھر بنرجی نے ان کے قریب جا کر آہستہ سے کہا۔ "پال ـــــ ہماری لڑکی گھر سے بھاگ گئی۔"

پادری بنرجی نے سر جھٹکا۔ پلکیں ملیں اور بیوی کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ ان کے صرف ہونٹ ہلے۔ منہ سے آواز نہیں نکلی۔

الستھر گری بالا نے اقرار میں سر ہلایا۔ وہ ان کے قریب فرش پر دو زانو بیٹھ گئیں۔

باہر بجلی زور سے چمکی اور شکست خوردہ میاں بیوی کے ٹیبلو کو روشن کر گئی۔ (اس ناظر وقت نے معدوم نہیں ہوں گے)

پادری بنرجی چند منٹ تک بالکل چپ، ساکت، منجمد بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے لرزاں ہاتھوں سے عینک ٹٹولی۔ الستھر نے میز پر رکھے سیاہ کیس میں سے عینک نکال کر ان کو دی۔ پادری بنرجی نے اپنے پلنگ کے سرہانے سے انجیل مقدس اٹھائی۔ الستھر ان کے نزدیک دوسری کرسی پر بیٹھ گئیں اور آنچل سے سر ڈھانپ لیا۔

"LET US PRAY" پادری بنرجی نے آہستہ سے کہا۔

اس ساری رات پادری بنرجی حضرت ایوب علیہ السلام کی گریہ وزاری کا باب پڑھتے رہے۔

اور دیکھو۔ کہ دنیا کے سارے مقدس صحیفوں کے یہ سارے ابواب کتنے ہزار ہا برسوں سے کتنے ان گنت انسانوں کی مصیبت کے وقت میں پڑھے گئے ہیں۔ اور وہ چند الفاظ اسی طرح موجود ہیں۔

وقت اور الفاظ انسان کے شکاری ہیں۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

۲۳

گنگا اور برہمپتر

ڈیک چیر پر ذرا آگے کو جھکا ہوا نوجوان مضطرب سرگوشی میں کہہ رہا تھا ـــــ "ہم نے روپوشی سے باہر آنے کے بعد تم کو اتنے خط لکھے۔ ہر تیسرے روز، ہر ہفتے، ہر پتے پر، اتنے تار دیئے، اتنے سندیسے بھجوائے۔ تم نے ایک کا ـــــ حد ہے، ایک خط کا جواب نہ دیا۔ ہماری شدید پریشانی کا بھی تمہیں خیال نہ آیا۔ ہمیں طرح طرح کے اندیشوں نے بدحواس کر دیا تھا۔ شاید تم پکڑی گئی ہو۔ شاید تمہیں تمہارے بابو نے گاؤں بھیج دیا ہو۔ شاید زبردستی تمہاری شادی کر دی گئی ہو۔ پھر اوشی کے ذریعے معلوم ہوا کہ تم خیریت سے ہو۔ اس کے بعد تمہارے چپ سادھ لینے کی وجہ بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔

"ہماری عقل حیران ہے ـــــ" چند لمحوں کے وقفے کے بعد نوجوان نے پھر کہنا شروع کیا۔ "ہماری عقل حیران ہے کہ تم نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا۔ ناراض ہو تو صرف دو سطروں میں ناراضگی کی وجہ ہی بتلا دیتیں۔ ہم نے بار بار تمہیں لکھا۔ کسی وجہ سے خفا ہو گئی ہو تو بتلا دو۔ اور معاف کر دو۔ آخر یہ تم کو ہوا کیا؟"

نیم تاریک اور سنسان ڈیک کے سرے پر صرف سگریٹ کی روشنی چمکتی رہی۔ ڈیک کا فرش بھیگا ہوا تھا۔ کچھ دور پر ایک خلاصی ایک بینچ پر محوِ خواب تھا۔

"ہم شروع شروع میں تفصیل سے تمہیں کچھ نہیں لکھ سکتے تھے۔" سگریٹ ایک جھٹکے سے پدما میں جا گرا۔

"پچھلی جولائی سے ـــــ ڈھاکہ کی اس اندھیری رات سے لے کر نومبر دسمبر تک ہم ادھر اُدھر روپوش رہے۔ سندربن میں تم سے ملاقات کے اس خطرناک ایڈونچر کے بعد ہم بہت محتاط ہو گئے تھے۔ اس لئے تمہیں کوئی دو حرفی پیغام بھی نہ بھجوا سکے۔ اور اتنے مصروف رہے کہ غمِ جاناں کے متعلق سوچنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ دیوکی والوں کو دسمبر میں رہائی حاصل ہوئی اور ہم ـــــ کدھر کدھر ہی

ہو، کیا ہماری آواز بھی ناگوار ہے؟"

دیاسلائی کا مختصر سا شعلہ لپکا۔ دوسرا سگریٹ۔ زیادہ مضطرب، آزردہ لہجہ۔ "کیا تم اس لئے خفا تھیں کہ ہم دسمبر کے بعد تم سے ملنے بنگال نہ آ سکے؟ ہمیں معلوم نہ تھا واللہ کہ تم اس قدر دیوانی لڑکی ہو ـــــ"

دوسرا سگریٹ بھی تین چار کش کے بعد اندھیرے مہیب دریا میں جا گرا۔

"اگر ہمیں ایک ضروری کام سے اچانک یہاں نہ بھیجا گیا ہوتا تو شاید اب بھی نہ آ سکتے، کیا تم ـــــ تم دوسرے گروپ سے جا ملی ہو، اس وجہ سے مجھے بغیر "سرائش" کے "عاق" کر دیا۔ یہ کیا بچپنا ہے؟"

جہاز نرم روی سے آگے بڑھتا رہا۔

"کیا مجھے تم سے خفا نہیں ہونا چاہیئے؟ میرے ساتھ یہ رویہ اختیار کرنے کی آخر ـــــ اوہ ـــــ ڈیم یو ـــــ"

تیسرے سگریٹ کے لئے ماچس جلانے کی کوشش، مگر ماچس سیلی ہوئی تھی۔

"کیا تم کو ـــــ کسی اور سے ـــــ کسی اور ـــــ کوئی اور ـــــ" ذرا کانپتے ہوئے ہاتھ۔ ماچس کی ڈبیا بھی دریا برد ہوئی۔

"شٹ اپ۔" دوسری ڈیک چیر پر بیٹھی ہوئی لڑکی نے یک لخت تلملا کر جواب دیا۔

وہ اور آگے جھکا۔ لڑکی کی شکل دھیان سے دیکھی اور آہستہ سے مسکرایا۔ "شکر ہے۔"

"کیا شکر ہے؟" وہ بلی کی طرح غرائی۔

دریا پر تیز ہوا چل رہی تھی۔ لڑکی نے سردی کی وجہ سے کندھے سکیڑ کر ساری کا آنچل جسم سے اچھی طرح لپیٹا۔ نوجوان نے کھادی ریشم کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس نے چادر اتار کر لڑکی کے کندھوں پر ڈالی۔ لمحے بھر کے توقف کے بعد بڑی نرمی اور احتیاط سے لپیٹ دی۔ لڑکی ذرا سا کپکپائی۔

بے چاری بے وقوف، نالائق بچی۔

"آپ کو ـــــ آپ کو سردی لگ جائے گی۔" لڑکی نے دھیرے سے کہا۔

"تم سے مطلب؟ مر گئے تو شہیدِ محبت کہلائیں گے، قسم خدا کی تین ساڑھے تین سال سے کیا

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہیٹرِ یکل عشق چل رہا ہے ۔ لاحول ولا قوۃ ۔"

گرُوک ۔ چار سو بیس ۔ دھوکے باز ۔

"بی اے پاس کرلیا ؟" نوجوان نے پھر بات کی ۔

"کرلیا ۔"

"فرسٹ ڈویژن ؟"

"جی ۔"

"ارے واہ شاباش ۔ مبارک ہو ۔ تو اب گویا تمہاری شادی کا اشتہار اخباروں میں دیا جا سکتا ہے ۔" اس نے کھنکار کر گلا ۔ "بی اے پاس ، امورِ خانہ داری میں ماہر ، راشد سنگیت کی استاد ، کاشتھ کتیا ــــ لڑکا برسرِ روزگار ہونا ضروری ہے ۔ کم از کم پی سی ایس کو ترجیح دی جائے گی ــــ"

کمینہ ، بے ہودہ ، لوفر ۔

وہ اُٹھنے لگی ، نوجوان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پھر کرسی پر بٹھا دیا ۔ "آپ اب کہیں بھاگ کر نہیں جاسکیں ۔"

"آپ کا دماغ خراب ہے ۔" لڑکی نے آہستہ سے کہا اور پھر اُٹھنے لگی ۔

"یہ تم بھاگی کہاں جارہی تھیں ؟"

"عبدالقادر جالی کے ادھر ہوگئے بیٹھے ہیں ، اگر آپ کی اس ــــ کیا کہنا چاہیے ــــ بے تکلفی پر اُن کی نظر پڑ گئی ــــ"

"پچھلے سال لنگ بھاگ اسی موسم میں آپ کہاں تشریف رکھتی تھیں ، غالباً یاد ہو ۔ لیکن زیادہ شدید قسم کا AMNESIA لاحق ہوگیا ہے تو ــــ"

"ایک مرتبہ حماقت کی تھی ، اب دوبارہ نہیں ہوگی ۔ گڈ گریشس ــــ خیال آتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ــــ"

"تم واقعی بدل گئی ہو ۔"

"جی ہاں ۔"

اب وہ خاموش ہوگیا ۔

شاید قصہ واقعی ختم ہو چکا ہے ۔ ایک سال بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے ۔ یا شاید محبت ختم ہونے کی کوئی منطقی وجہ نہیں ہوتی ، میں بیکار اس لڑکی کا تعاقب کر رہا ہوں ، یہ وہ لڑکی ہی نہیں ہے ۔

کئی منٹ گزر گئے ۔ اچانک وہ بولی : "آپ ــــ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ ــــ آپ نے آخر اس جہاز پر مجھے کیسے پکڑ لیا ــــ"

وہ خوش ہوگیا ۔ نہیں ۔ یہ وہی لڑکی ہے ۔ ابھی کچھ نہیں بدلا ۔

"کس طرح پکڑ لیا ــــ ؟" اس نے بشاش لہجے میں جواب دیا ۔ "اس طرح کہ میں ڈھاکے میں بیٹھا آپ کے گھر پہنچا ، جو سنسان پڑا تھا ۔ چکر کاٹ کر شاگرد پیشے کی طرف گیا ۔ وہاں آپ کی ریاست کے منیجر مولوی عبدالقادر کی اہلیہ نے ضروری معلومات فراہم کیں کہ بچے کوئی سترا بوبیں ان کے ماں گئے ہوئے ہیں آپ کسی خاندانی شادی کے لیے عبدالقادر کے ہمراہ فریدپور تشریف لے گئی ہیں اور فلاں تاریخ کو عبدالقادر کے ساتھ ہی واپس آجائیں گی ۔ کلو کھو کی بیماری کی وجہ سے ۔ چنانچہ میں نے فی الفور فریدپور کا ٹکٹ کٹایا ۔ میں فریدپور ــــ فریدپور کے لوگوں سے واقف ہوں ۔ آپ کی لیشی ماں کے گھر والوں کو بھی جانتا ہوں ۔ یہاں چپکے سے پتہ لگانا بہت آسان تھا ۔ کہ آپ کس روز ، کس وقت نرائن گنج کے لئے روانہ ہو رہی ہیں ۔ چنانچہ اسی جہاز کا ٹکٹ اس ناچیز نے بھی خرید لیا ۔ باقی حالات آپ نے پردۂ سیمیں پر خود ملاحظہ فرمائے ۔"

"آپ ڈھاکے میں میرا انتظار کر سکتے تھے ۔"

"نہیں کر سکتے تھے ، آپ کے سلسلے میں ہم منطقی نہیں ہیں ۔"

دونوں دھندلے سائے ساکت بیٹھے رہے ۔ چاروں طرف بادل اور دریا ایک ہو گئے تھے ۔ ڈیک چیئر سے کچھ دور لمبی سفید داڑھی والا مسلمان بوڑھا کپتان اپنے کھلے کیبن کے سامنے جنگلے پر جھکا کھڑا تھا اس کے نزدیک لگی ہوئی بے حد طاقتور سرچ لائٹ نے دریا کو حدِ نظر تک روشن کر رکھا تھا ۔

"روزی کیسی ہے ؟" کچھ دیر بعد نوجوان نے دریافت کیا ۔

"روزی ــــ محمود دا ــــ یہ سب لوگ ــــ آپ کو نہیں معلوم ــــ ؟"

"ہاں ، سر تیدر نے ڈھاکے میں مجھے بتایا ــــ ان لوگوں کو کچھ سمجھایا نہیں جا سکتا ــــ" اس نے گہری سانس لی ۔ "اچھا کہیں سے ماچس لے کر آؤ ۔"

کس مزے سے حکم چلاتے ہیں ، میں کنیز ہوں ان کی ، زر خرید ۔ چرنوں کی داسی ــــ کہتے ہی کامریڈ بن جائیں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اہلیت میں رہیں گے وہی نخالص ہندوستانی لارڈ اینڈ ماسٹر ۔۔۔۔ میں نہیں لاتی ماچس واچس۔

"ارے بھائی ذرا بھاگ کر ایک ماچس لے آؤ نا کیبن سے ۔۔۔۔ عبدالقادر میاں سے مانگ لو۔ وہ ضرور بیڑی پیتے ہوں گے۔"

"میں ان سے جاکر کہوں کہ ذرا دیا سلائی دینا جو میرے ایک عزیز دوست کو چاہیے جو مجھے بھگا لے جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔"

"جب تم (عنقریب انشاءاللہ) بھاگو گی تو ہو سکتا ہے ابوالمحاسن یہی شبہ کریں گے کہ ان کے ذریعے ہی تم ایک میاں بھائی کے ساتھ اڑنچھو ہوئی ہو۔"

"اس خیال میں بھی نہ رہیے گا۔ عبدالقادر میاں میں انتہائی فیوڈل وفاداری ہے۔ وہ آپ کے مولوی ابوالہاشم نہیں ہیں ۔۔۔۔" دفعتاً وہ چپ ہوگئی۔

"وہ ۔۔ وہ ہم نے ایک سہانا ۔۔۔ ناقابلِ یقین خواب دیکھا تھا نا ۔۔۔۔"

"ہاں ۔۔۔۔" لڑکی نے آہستہ سے کہا۔

کچھ دور پر نوجیوں سے لدا ایک تاریک اسٹیمر گزر رہا تھا۔

"عجیب بات ہے" لڑکی نے پھر جلدی سے موضوع تبدیل کیا۔ "جب کامریڈ رندمیوے کا بیان چھپا پہلی بار کہ یہ جنگ اب عوامی جنگ ہے ۔۔۔۔ تو یہ قوم پرست اتنی شدت سے پارٹی کے خلاف کیوں ہو گئے۔ خصوصاً روزی ۔۔۔۔ وہ تو بہت ہی امپیچیور نکلی۔ میں نے اسے کئی بار ۔۔۔ کئی بار سمجھایا ۔۔۔ کہ ۔۔۔ آپ نے ایک بار لکھا تھا نا خط میں کہ کمیونسٹ انٹرنیشنل اس بے جگری سے نازیت اور فاشزم کا مقابلہ ۔۔۔۔"

"بہت خوب، آپ کا جواب نہیں۔ ہمارے عریضوں کے ذریعے آپ اپنے دوستوں کو ایجوکیٹ کرتی ہیں۔ مگر ہمیں دو سطریں لکھنے کی آپ نے زحمت گوارا نہ کی۔ اب بھائی ہمیں یقین ہو گیا کہ تمہارے دماغ کی ایک چول ضرور ڈھیلی ہے۔"

"کمال ہے ۔۔۔۔" لڑکی نے مزید گڑبڑا کر بعد سنجیدگی سے سیاسی گفتگو جاری رکھی۔

"۹ تاریخ کو کانگریس بھی سی پی آئی سے علیحدہ ہوگئی۔ حالانکہ ۔۔۔۔ حالانکہ ۔۔۔۔

۔ پنڈت نہرو ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے فاشزم کے خطرے کو پہچانا تھا ۔۔۔" لڑکی نے اس انداز میں بات ختم کی گویا اخبار کا ایڈیٹوریل پڑھ رہی تھی۔ پھر اس نے چہرہ پھیر کر بے نیازی سے دریا کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"تسلیم ۔ آپ بالکل صحیح فرماتی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی سیاسی سوجھ بوجھ اور بالغ نظری ترقی پر ہے۔"

دریا کی متلاطم لہریں اسٹیمر سے ٹکرا رہی تھیں۔ کبھی کبھی پانی کی چھینٹیں اڑ کر اوپر آ جاتی تھیں۔ لڑکی کے بال بھیگ گئے۔ رات تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ نوجوان نے گھبرا کر گھڑی پر نظر ڈالی۔

دفعتاً لڑکی نے سوال کیا۔ "آپ یہاں کس کام سے آئے ہیں؟ یا ۔۔ راز کی بات ہے؟"

"نہیں۔ کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ ہمیں پراونشل مسلم لیگ کے لیڈروں سے بات چیت کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔"

مسلم لیگ ۔۔۔ نواب قمرالزماں چودھری ۔۔۔ ارجم ۔۔۔ جہاں آ ۔۔۔۔

جہاز دریا کی گدلی موجوں پر ڈولنے لگا۔ اس کے انجن کی آواز ایک دم اونچی ہوگئی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے ۔۔۔۔

"جیوتی دا، روزی، محمود دا، یہ سب ہی مجھ سے بے حد خفا تھے، روزی نے تو مجھے غدار اور ٹوڈی کہا ۔۔ حد ہے ۔۔"

"تم نے ان کا ساتھ کیوں نہ دیا ۔۔۔ تم تو دنیش بابو کی بھتیجی ہو ۔۔"

"آپ نے جو اتنی سختی سے منع کر دیا تھا۔"

"کب ۔؟"

"اپنے پچھلے خط میں۔"

"مائی گڈنس۔"

لڑکی نے اور زیادہ ہڑبڑا کر سر جھکا لیا۔ "حالانکہ مجھے اتنی شرمندگی سی تھی کہ میں کاکا کو LET DOWN کر رہی ہوں۔"

"مائی گڈنس ۔۔۔" نوجوان نے دہرایا۔ پھر اس نے آگے جھک کر پوچھا۔ "اب بتلاؤ ہم

urdukutabkhanapk.blogspot.com

سے کیوں خفا تھیں۔ ہمارے خطوں کا جواب کیوں نہیں دیتی تھیں؟"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ نوجوان بھی اٹھا۔ اور چاروں طرف نظر ڈالی۔ "اس پُرسکون جہاز کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت سارے دیس میں آگ لگ رہی ہے۔" اس نے ہولے آواز میں کہا۔

لڑکی جاکر سرچ لائٹ کے نزدیک کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی اس کے برابر آ گیا۔

"شاید میں بزدل ہو گئی ہوں۔" لڑکی نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

وہ خاموش رہا۔ سرچ لائٹ دریا پر روشنی کا ایک اور دریا بہا رہی تھی۔

"آپ کتنے دن رہیں گے؟"

"پتہ نہیں۔ جتنے دن بھی لگ جائیں۔ معاملات کافی گنجلک ہیں۔ مسلم لیگ ایک عوامی تحریک بن چکی ہے، اس کی نئی طاقت کو نظر انداز کرنا حماقت ہوگی۔"

بوڑھے ناخدا نے کان کھڑے کئے۔ اور ذرا نزدیک ہو کر دلچسپی سے بات سننے لگا۔ اور ایک دفعہ مڑ کر نوجوان کو دیکھا۔ نوجوان نے مسکرا کر اسے "سلام علیکم" کہا اور بات جاری رکھی۔ "بنگال مسلم اکثریت کا صوبہ ہے۔ یہاں کی مسلم جنتا پروگریسو لیڈر شپ کی منتظر ہے ——"

"نواب لوگ تو پروگریسو لیڈر نہیں ہیں۔"

"پروگریسو لیڈر شپ ہماری ہوگی۔ ہمیں لیگ کے قریب آنا ہوگا۔ یہ پیشین گوئی میں آج اگست سنہ ۴۲ء کی اس رات کر رہا ہوں۔ گرہ میں باندھ لو!"

نواب قمر الزماں —— یہ ارجمند منزل جائے گا۔ ارجمند منزل جائے گا —— اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ ریلنگ پر جھک کر نیچے لہروں کو تاکنے لگی۔ پچھلے سال جولائی کی اس رات، میری سالگرہ میں جو وعدہ میں نے اپنے آپ سے کیا تھا اس پر قائم نہ رہی۔ اسے چکر سا آ گیا۔ اس نے جنگلا مضبوطی سے پکڑ لیا۔ جنگلے کا لوہا بالکل یخ تھا۔ میں نے ساری رات اس سے باتیں کرنے میں گزار دی۔ اب نہیں۔ اب کچھ نہیں۔ اب آئندہ بالکل ہیجان کو راہ نہ دوں گی۔ آخر سال بھر تک کس مضبوطی اور بے جگری سے اپنے وعدے پر قائم رہی ہوں کہ نہیں۔ ایک سال گزر گیا۔ اسی طرح باقی عمر بھی گزر جائے گی۔ اب نہیں۔ یہ آخری ملاقات ہے۔ دیکھ لینا۔

بوڑھا پہیے پر جھک چکا تھا۔ اسٹیمر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

"ڈھاکے میں آپ کہاں ٹھہرے ہیں؟" لڑکی نے بالکل نارمل آواز میں دریافت کیا۔

"اُوما کے ہاں۔" وہ ہنسا۔ "ایک زمانہ تھا کہ ووڈلینڈ میں ہمارے فرشتے تک نہ پھٹک سکتے تھے۔ نہیں خبر۔ ہمارا ایک فرشتہ تو پھٹکا تھا۔" اس نے پیار سے لڑکی کے بالوں کو چھوا۔ وہ جھنجھلا کر پرے سرک گئی۔ وہ کہتا رہا۔

"اب ہم مزے سے عین سر پری توش رائے کے گیسٹ روم میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ اوما سے تم کب سے نہیں ملیں؟"

"مدتیں ہو گئیں۔"

"آؤ ان سے ملنے۔ وہ دلّی سے میرے ساتھ ہی آئی ہیں۔ آج کل ان کے والدین کلکتے گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے سارے دوستوں کا اڈہ بے فکری سے وہیں ہوتا ہے۔"

"دلّی میں آپ امپیریل ہوٹل میں ٹھہرے تھے؟"

"ہم —— ؟ نہیں تو۔ اُوما وہاں مقیم تھیں۔ ہم ایک دوست کے یہاں تھے۔ کیوں؟ تم کو کیسے معلوم ہوا؟"

"آکاش وانی آئی تھی ——" لڑکی نے خشکی سے جواب دیا۔ نوجوان نے اسے غور سے دیکھا۔

"تم واقعی بدل گئی ہو —— ایک سال میں بدل گئی ہو۔ تم میں تلخی آ گئی ہے۔ تم اتنی سیدھی سادی بھولی تھیں، تمہیں کیا ہو گیا۔ کون تمہاری اس تبدیلی کا ذمہ دار ہے؟" اس نے لجاجت سے کہا۔

ہاں۔ مجھے مضبوط بنا۔ مجھے فولاد کی طرح مضبوط بنا۔ لڑکی آنکھیں بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ لیکن ہر سمت دریا کا دھندلکا طاری تھا۔

"تم دن بھر گھر پر رہتی ہو؟"

"جی ہاں۔"

"میں کسی وقت تمہارے ہاں آ سکتا ہوں؟"

"کسی وقت نہیں۔"

"کیوں؟"

"ایسے ہی۔ میری مرضی۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"اچھا۔"

اسٹیمر اب دریا کے موڑ سے گذر چکا تھا۔ ملّاح نے پہیہ گھمانا ختم کر دیا۔ سامنے روشنی کا راستہ بے حد وسیع ہو گیا۔ وہ دونوں جنگلے پر جھکے دریا کی متواتر لہروں کو تکتے رہے۔ گہرا متلاطم دریا۔ متوحش پانی، حدِ نظر تک روشن۔ چاروں کھونٹ پانی۔ ابتدا میں خلا تھا، اور تاریکی اور خدا کی روح پانیوں پر ڈولتی تھی۔ یہ تخلیقِ کائنات کی رات تھی۔ اور خدا نے کہا روشنی اور روشنی ہو گئی۔ اور خدا نے دیکھا کہ روشنی اچھی ہے، اور خدا نے روشنی کو تاریکی سے جدا کیا۔

اور آدم و حوا کو بنایا۔ اور ایک دوسرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ (آدم و حوا، اسٹیمر کے جنگلے پر جھکے کھڑے ہیں، استعارے کو اور آگے لے جاؤں تو یہ بزرگ کپتان حضرت نوح ہیں جو ہم دونوں کو نہ جانے کون سے ام آرارات کی سمت لئے جا رہے ہیں۔ نوجوان زیرِ لب مسکرایا)

روشنی اور تاریکی، موت و حیات، دکھ اور سکھ، فراق اور وصال، جنوں اور خرد ——— سنگم تو گوالندو گھاٹ سے پرے، بہت دور رہ گیا۔ گنگا اور برہم پتر کی لہروں سے بنا یہ دریا ——— اس کے پانیوں میں گنگا کون سی ہے اور برہم پتر کون سا ہے؟

لڑکی کو زور کی چھینک آئی۔ وہ اس کی طرف مڑا۔ وہ سوں سوں کر رہی تھی۔

"تمہیں سردی لگ جائے گی۔ چلو اندر چلیں۔" نوجوان نے متفکر ہو کر کہا۔

"نہیں۔ میں تو یہیں کھڑی رہوں گی۔" لڑکی نے ضد سے جواب دیا۔ پھر وہ ایک دم کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ پھر فوراً سنجیدہ ہو گئی۔ وہ اسے ہنستا دیکھ کر مسرور ہوا۔ اور خود بھی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ پھر اس نے آہستہ سے ریلنگ پر رکھے ہوئے لڑکی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

لڑکی نے اپنا ہاتھ نہیں ہٹایا۔

ساحلی بتیاں دھند لکے میں ٹمٹما کر گذر چکی تھیں۔ نرائن گنج کی روشنیاں قریب آ گئیں۔ اسٹیمر مصروف بندرگاہ کے احاطے میں داخل ہوا۔ نرائن گنج سامنے جگمگا رہا تھا۔ نرائن گنج ——— اس کی گلیوں کی مہروں پر چلتی کشتیاں، جوٹ اسٹیشن، گیما گہمی، باہر اندھیرے میں چھپی کچّی سڑکیں، نیم شکستہ مغل پل، کھیت، طویل اندھیری شاہراہ جس کے سرے پر ڈھاکہ ہمیشہ کی طرح منتظر ملے گا۔ شفیق، محفوظ، مامون شہر۔ دنیا متزلزل ہو چکی تھی، مگر شاید موجود تھی۔ مسرت کا وجود بھی تھا۔ ملنا ممکن تھا۔ آخر دنیا

میں ایسے لوگ بھی تو موجود ہوں گے جنہیں چین اور خوشی میسّر ہے، اور مسرت کے حصول میں خود غرضی گناہ ہے؟

لڑکی نے ہوا سے بچنے کے لئے کھادی سلک کی دوہری چادر مضبوطی سے اپنے شانوں کے گرد لپیٹ لی۔

۲۴

چارلس بارلو، بنگال سویلین

"نغماتِ ہند[1] از الف جیم

پیارے بیٹے جِم کے لئے۔ انیسویں سالگرہ پر

تمہارا ڈیڈ

ہیمن سنگھ، ۱۸۸۹ء

چارلس بارلو نے بیئر کا مگ تپائی پر رکھ کر سنہری مجلّد کتاب کا احتیاط سے ورق الٹا۔ یہ بڑی نادر کتاب تھی۔ جو خود مصنف نے جو "الف۔ جیم" کے قلمی نام سے ہندوستان کی برطانوی سوسائٹی اور نیشو لاف کے متعلق بےحد پُر لطف اور طنزیہ نظمیں لکھتا تھا، گرینڈ ڈیڈ کو دی تھی۔ یہ اپنے زمانہ کا مقبول "الف جیم" دراصل میجر احصار کا کیپٹن یلڈ ہیم تھا۔ گرینڈ ڈیڈ کا جگری دوست، گرینڈ ڈیڈ ان دنوں بنگال میں ڈویژنل کمشنر تھے۔ انہوں نے ڈیڈ کو یہ کتاب ان کی سالگرہ پر دی تھی۔ ڈیڈ آکسفورڈ سے چھٹیوں پر اپنے والدین سے ملنے بنگال آئے ہوئے تھے۔ اور بہت جلد خود بھی اپنے والد کی مانند بنگال سویلین بننے والے تھے۔

ماضی کی وہ افسانوی ہستی ——— بنگال سویلین!

چارلس بارلو نے اداس، زیرِ لب تبسم کے ساتھ پہلی نظم پر نظر ڈالی، اس مجموعے میں وہ سارے

---

[1] Lays of Ind by ALIPH CHEEM

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کردار موجود تھے جو ماضی کے بنگال سوسائٹی کی زندگی کا لازمی جزو رہ چکے تھے۔

پہلی نظم ——— "ریورنڈ مک فرسن کا خیال تھا کہ "انڈین ناچ" شیطانی گورکھ دھندا ہے۔ ایک روز راجہ نے ساری چھاؤنی کو ناچ کے لئے مدعو کیا۔ باغ قمقموں سے سجایا گیا۔ میم صاحبوں کے لئے خیمے لگے۔ بڑھیا شرابیں، پلاؤ، عطر گلاب، سارا اسٹیشن مدعو تھا۔ "تماشا شاندار ہوٹ اچھا" تھا۔ راجہ جھک جھک کر صاحب لوگ کو سلام کرتا۔ عجیب عجیب زیور ناک میں پہنے ناچ گرلز آئیں اور ڈوم ڈوم کی جنگلی تان پر تھرکیں۔ سازندوں کے وحشیانہ ساز چیخے۔ ان کے چوبدار عود دان اور مشعلیں سنبھالے پیچھے کھڑے تھے۔ چیف رقاصہ رَاما رَاما کہہ کر ناچنے لگی۔ ریورنڈ مک فرسن کو یہ معلوم نہ تھا کہ رَا ایک دیوتا ہے۔ ورنہ انہیں تعجب نہ ہوتا کہ شیطان کی چیلی ایک دیوتا کو پکارتی ہے۔ ان معاملات سے جو اس کے مذہب سے متعلق نہ تھے، ریورنڈ مک فرسن لاعلم تھے ——"

آج بھدرا لوگ کی لڑکیاں کلکتہ اور شانتی نکیتن کے اسٹیج پر ناچ رہی ہیں۔ بے چارے الف جیم! تم مجھے اپنے بلیرڈ روم، جُرٹ، تسمارک اور فرانکو جرمن وار کی باتیں کرنے والے فوجی افسروں، اپ کنٹری، مفصّل، بینڈ اسٹینڈ، گزٹ، پانتیر، تفن اور چھوٹا حاضری کی حکایات سنائے جاؤ۔ کہ اس گمشدہ دنیا کے تذکرے سے ہی مجھے تقویت حاصل ہوتی ہے۔

دوسری نظم ——— "چاندنی رات، جب دور سے نیٹوز کے ڈوم ڈوم کی بھیانک آواز سنائی دیتی ہے، بانس کی کھپچیوں ایسی جھنجھناہٹ۔ چوکرا سگار لاؤ۔ میں برآمدے میں آرام کرسی پر بیٹھا ہوں۔ باہر سرو کے درختوں کے پیچھے سے چاند نکل رہا ہے۔ چوکرا شراب انڈیلتا ہے۔ اوہ انڈیا! سہانی شاموں کی سرزمین۔ پتوں پر لرزاں تیری چاندنی، تیری واحد دیوانگی نہیں!"

چارلس بارلو نے پل کی پل کو آنکھیں بند کرلیں۔ پھر بیئر کا مگ اٹھا کر ایک صفحہ اور پلٹا۔

"میرا چالاک منشی محمد دین، روزانہ مجھے اُردو پڑھانے آتا تھا۔ وہ انگریزی بولتا "نیشو بات" بہت کم ہوتی۔ سرکنڈے کے قلم خرید کر لاتا اور روپیہ چار آنے چرا لیتا۔ مجھے کتنی نفرت تھی اس درس و تدریس سے۔ منشی گپیں ہانکتا اور میں چپ چاپ بیٹھا جُرٹ پیا کرتا۔ مگر جب میں نے امتحان پاس کیا تو ایسی اُردو بولی کہ کوئی سالار جنگ بھی کیا بولے گا۔"

ایک اور نظم ——— "مہاراجہ کرشنا ماؤڈی ڈو ——— ہند کے اس خطے میں جہاں تیلگو

بولی جاتی ہے۔ راجہ کرشنا ماؤڈی ڈو رہتا تھا۔ جو اس سال افسوس کہ پرلوک سدھارا۔ راجہ ان نیٹوز میں سے تھا، اگر جن کا رنگ صاف ہوتا تو وہ سیدھے سیدھے انگریز بن جاتے۔ اس کی عادتیں صاف ستھری تھیں۔ نہ بھنگ پیتا تھا، نہ مرچیں کھاتا تھا نہ پان۔ تیلگو لہجے میں انگریزی خاصی بول لیتا تھا۔ "کالے پانی" پار ولایت ہو آیا تھا۔ بلیرڈ کھیلتا تھا اور اپنے ساتھ ولایت سے تصویریں اور (نقلی) بالوں کے بنڈل لایا تھا، جو ان احمق عورتوں نے اُسے دیئے تھے جو ایک دولتمند اور رئیس کو دیکھ کر خواہ مخواہ جذباتی ہو جاتی ہیں۔ راجہ پولکا ناچتا تھا۔ چپل کے بجائے بوٹ اور ٹوئیڈ کا سوٹ، اس کا راج بھی مثالی تھا۔ اپنی ریاست کو متمدن کر چکا تھا۔ ہیلتھ کمیشن، ویکسی نیشن، ایڈمنسٹریشن، ریونیو، زنانہ تعلیم، یہ اور وہ۔ اس کی ریاست اتنی عمدہ ہو گئی تھی کہ ہم نے اس سے کہہ دیا تھا کہ ہم کبھی اس کا الحاق نہ کریں گے۔ لارڈ وائسرائے نے اسے کہا کہ وہ ہمارا بہترین فرزند دلبند ہے اور ایک سو ستر گولوں کی سلامی کا حق دار بنایا۔

"راجہ گو اتنا مغربی ہو چکا تھا۔ مگر دل سے اصلیت میں ایک دم بلیک نیٹو تھا۔ دھوم دھڑکے کا رسیا، ہزاروں خوشامدی، حوالی موالی، ناچ گرلز، سازشی مصاحب، بھکاری، پروہت، گھوڑے، ہاتھی اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ گو فلیوٹ بجانا سیکھ چکا تھا مگر اپنے ملک کے وحشیانہ ڈھول اور بانسری کو ترجیح دیتا تھا۔ پلم پڈنگ کا مداح تھا مگر کری اینڈ رائس پر مرتا تھا۔ ان خصائل سے اس کے کردار کی مضبوطی ظاہر ہوتی ہے کہ راجہ کرشنا ماؤڈی ڈو دراصل مرتے دم تک اپنے وطن اور اپنے دستور کا وفادار رہا ——"

اتوار کی صبح تھی، چارلس بارلو نے گھڑی پر نظر ڈالی اور آرام کرسی پر دراز اطمینان سے اگلا صفحہ پلٹا۔ کتاب اسے بےحد دلچسپ معلوم ہو رہی تھی۔

ایک اور نظم ——— "اولڈ ٹائمر لکھتا ہے: فرانس کو معلوم ہونا چاہئے کہ مشرق اولڈ انگلینڈ کی ذمہ داری ہے۔ کہ فرانس کے لئے چندر نگر اور پانڈیچری ہی کافی ہیں۔ ناقابل یقین! کہ فرانس اور زیادہ کی لالچ کرے۔"

پانچ چھ صفحات کے بعد ایک نظم نے چارلس بارلو کو متوجہ کیا۔ ——— "صبح کی سیر سواری، جب گاؤں کے مرغے بانگ دیتے اور گائیں ڈکراتیں، کاہل چرواہے سو رہے ہوتے، تب میں اور اسمتھ مونسون

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کی ہوا کی طرح جنگل میں سے گھوڑا دوڑاتے نکل جاتے، مندر، ناقوس پھونکتے برہمن، دہشیار جنگ و جدل کی یادگار قلعوں کے کھنڈر، گاڑی بانوں کے ہجوم، بیلوں کی گھنٹیاں، بینگھٹ، کسی نیٹو رئیس کی گاڑی، لکڑہارے، برابر سے گزر جاتے، گھنٹی بجاتا ڈاک کا ہرکارہ چمڑے کے تھیلے میں ڈاک لئے پاس سے گزرتا تو معلوم ہو جاتا کہ اسٹیشن قریب آ رہا ہے، صبح کی بندوق دغتی، منڈی، نیٹو، ہجوم، رنگین پردوں والی بہلی میں سے انجانی ناچ گرلز صاحب لوگوں کو دیکھ کر بیباک قہقہے لگاتیں، پھر ایک صاحب اور اس کی لیڈی گھوڑوں پر گزرتے، دور سے آبادی نظر آتی، ندی، مسجد کے مینار، گنجان نیٹو شہر، دھندلکا، حسین مناظر اور اسمتھ جو ادب اور نجی معاملات میں جذباتی نہ تھا کہتا ——— یہ غلیظ نیٹو شہر تم کو حسین نظارہ معلوم ہوتا ہوگا، مجھے تو ———"

"صاحب ———" عبدالغفور نے اندر آ کر کہا۔ چارلس بارلو نے کتاب پر سے سر اٹھایا۔ عبدالغفور نے تازہ اخباروں کا پلندہ قریب کی میز پر رکھا، اور واپس چلے گئے۔ چارلس بارلو نے آگے پڑھنا شروع کیا۔

"پولس والا آز کا ڈنر ——— کلکٹر مک کال، جو تنزاس کا مغرور کمپی ٹیشن والا صاحب، تو تم کنز سول اور سیشن جج بڑہم اور ڈاکٹر شارپ سول سرجن جس نے کالرا کے دنوں میں جب جیل کا ارادہ والوں سے بھر گیا تھا دن رات کام کیا۔ اب ڈنر کے بعد ذرا اونگھ رہا ہے۔ ریورنڈ مائیکل وائن اداس بیٹھے ہیں۔ یہ سب بڑے معقول لوگ ہیں۔ مگر مجھ پولس رائے کر سال میں دو دفعہ ان کی دعوت کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ باتیں شروع ہوتی ہیں۔ مونسون آنے والی ہے جانے کب آئے گی۔ دھان کی فصل شاید اس بار بھی فیل ہو جائے۔ مک کال کہتا ہے۔ بارش آئے تو چیتے کا شکار شروع ہو۔ پھر شکار کے قصے، لیکن کمپی ٹیشن والا شکار کے بجائے ذرا انٹیلیکچول باتیں کرنا چاہتا ہے۔ شیری اور جنجر کے بعد خاموشی، بڑے بڑے چرٹ سلگائے گئے۔ تاش ہوا۔ ڈاکٹر اب خراٹے لے رہا تھا۔ برانڈی پانی کا دور چلا۔ پھر ہم سب "ڈسٹرکٹ گپ" سے بور ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے ———"

"اجاڑ بنگلہ ——— سرنگاپٹم میں، کاویری کے کنارے ایک بنگلہ، جس سال ٹیپو گرا تب سے ویران پڑا ہے۔ باغ میں درخت آہیں بھرتے ہیں۔ لنگور شور مچاتے ہیں۔ الو بولتے ہیں۔ دریا کے کنارے قلعہ کی فصیل ہے جو اولڈ انگلینڈ کی طاقت سے ٹکرا کر ٹوٹ پھوٹ گئی۔ آنے والی نسلوں کے لئے ایک سبق۔ وہ زمانہ جب ہمارے جری نوجوان شیری کچھار تک پہنچ گئے تھے، اور اس بنگلہ کے نزدیک وہ معرکہ ہوا تھا۔ محاصرے کے بعد اس

بنگلے میں ایک کرنل اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ میں اب بھی تصور میں اس وقت کا نظارہ کر رہا ہوں، خوبصورت بنگلہ، بچیوں کے قہقہے، صبح کی شہسواری، جب کرنل اس جگہ سے گزرتے ہوئے اس پھاٹک کو تکتا ہوگا۔ جہاں ٹیپو گرا تھا۔ شہسواری کے بعد درختوں کے نیچے بریکفاسٹ، خس کی ٹٹیوں کے پیچھے دن گزارنے کے بعد ٹینس اور گریٹ، پیانو کی آواز۔ اور پھر ایک شام کالرا نے دروازہ کھٹکھٹایا، اور ماں اور بیٹیاں اس کے ساتھ چلی گئیں۔ دل گرفتہ کرنل نے اس بنگلہ کو خیرباد کہا۔ اب ان کمروں میں کائی جمی ہے۔ اسی برس سے وہ کمرے سنسان ہیں۔ پیانو اور قالین اور مسہریوں کے پردے گل چکے۔ کاویری کے کنارے ——— جہاں ٹیپو گرا تھا ———"

اور آگے ——— "آج کا اہم سوال ———"

"——— کیا روس کا اولڈ بیئر ہم کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے؟ کمزور خیوا فتح کر کے اتنا اکڑ گیا۔ اولڈ بیئر؟ کیا وہ سمجھتا ہے کہ ہمارا سکھ فوجی خیبر پر ہم سے نمک حرامی کرے گا؟ کیا اس نے غدر کے حقائق سے کوئی سبق نہیں لیا؟ کیا اولڈ بیئر سمجھتا ہے ہمارے راجگان اس سے جا ملیں گے؟ آنے دو ——— ذرا افغانستان سے گزر کر آنے دو۔ ہمارے سکھ کی تلوار خیوا کی تلوار سے زیادہ مضبوط ہے۔ ہم جو روس سے پہلے لڑ چکے ہیں، پھر اسے شکست دیں گے۔ جس قوم پر حکومت کرنا خدا نے ہمیں سونپا ہم اس خدائی امانت کے ساتھ بددیانتی کرتے تو ہمیں ڈر تھا، اگر ہم اس ملک پر روس کی مانند کڑے سے حکومت کرتے، اگر اس ملک کو ہم نے روندا ہوتا، اس کی آبادی سے محبت نہ کی ہوتی، سیاہ و سفید میں عدل نہ قائم کیا ہوتا، قحط کے زمانوں میں اپنی محبت نہ بوئی ہوتی۔ تب ہم دشمن سے ڈرتے، چالاک روس! اس سے قبل کہ تم ہمارے ترکستان کو تاکو خود اپنے ایشیائی قبائل کی حالت سدھارو۔ ان کو محسوس کرنے دو کہ ان پر حکومت کی جا رہی ہے۔ ظلم نہیں۔ اپنے اہل خیوا اور اہل بخارا پر ثابت کرو کہ تم طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ انصاف پسند بھی ہو، وسط ایشیا کے ایسے نئے آقا بنو جو ماضی کے وحشی قبائلی ایشیائی سرداروں سے مختلف ہو۔ جو ان کو تہذیب سکھائے۔ اگر ہماری اور تمہاری فتوحات کا مقصد یہی ہو تو ہم مشرق میں تمہارے دوست ہیں ——— دونوں ترقی کے نقیب، دونوں خوابیدہ اقوام کو جگانے والے۔ لیکن اگر تمہارا مقصد کچھ اور ہے تو یاد رکھو، ہمارے ہاتھ میں شمشیر ہے۔ ہمیں خداوند تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ جو بہادروں اور منصفوں کے ساتھ ہے۔ اور جو تمہارے مغرور عقاب کو مٹی میں ملا سکتا ہے ———"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ایک اور نظم ـــــــ "انگلینڈ ہو۔ ! بمبئی کی بندرگاہ پر سورج چمک رہا ہے۔ گیلرٹ ٹرو پر گھڑیال پر میری رجمنٹ واپس جا رہی ہے۔ گیارہ برس بعد! ہم چھ سو آئے تھے، تین سو واپس جا رہے ہیں۔ باقی وباؤں نے کھا لئے۔ مشرق پر حکومت کی قیمت ہم بیماری اور موت کے ذریعے ادا کرتے ہیں۔۔۔ ہندوستان نیلاہٹ میں ڈوب رہا ہے، جہاں میرے تین سو دوستوں کی قبریں ہیں۔ میں اپنا ٹوپ ہلاتا ہوں۔ ہم گھر جا رہے ہیں، ہم ہند کو بھول جائیں گے، خدا حافظ دوستو، وباؤں نے تمہیں کھا لیا۔ انگلستان کی خاطر تم نے اپنی جانیں دیں۔ الوداع۔ سورج کے دیس، ہماری جلاوطنی ختم ہوئی ـــــــ

اگلی نظم ـــــــ "اوٹی میں ٹہلتے ہوئے کونسل کا ممبر پیٹر اسٹریٹ جان ٹک ڈے سے کہتا ہے۔ ـ پیٹر ہم کو خدا نے یہ ملک اسلئے دیا تھا کہ ہم اسے متمدن بنائیں، اور جب ہمارا یہ ارفع مشن ختم ہو جائے تو واپس چلے جائیں۔ لیکن ہم کر کیا رہے ہیں؟ ہم ہٹوز کو کالج جانے کے لئے کہتے ہیں، اور پھر ان کو ایسی نوکریاں دیتے ہیں، جن کے لئے تعلیم کی ضرورت نہیں۔ ہم انہیں شراب نوشی کو منع کرتے ہیں، مگر افیون کی کاشت کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں تم نگر لوگ اپنی عورتوں کو آزادی دو۔ اور وہ پوچھتے ہیں کیوں؟ اور طنز سے ہماری خواتین کی آزادی کی طرف اشارہ کرتے ہیں ـــ پیٹر اسٹریٹ جب ہم اپنی لڑکیوں کو ایماندار نیٹو جنٹلمین سے شادی کرنے کی اجازت دیں، جب بااثر بابوؤں کو معقول عہدے دیں، کونسل والوں کی تنخواہیں کم کریں، تب ہی اس ذمہ داری کو نبھا سکیں گے، جو خدا نے ہمارے کندھوں پر ڈالی ہے ـــــ

"تب پیٹر اسٹریٹ نے کہا:۔ تمہارا یہ پروگرام ممکن ہے بہت خوشگوار ہو، مگر مجھے تو یہ سب بکواس معلوم ہوتی ہے جو آپ نے فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں ہم کچھ عرصے کے لئے اس ملک کے امین ہیں۔ مگر جناب عالی حقیقت یہ ہے کہ جب تک ممکن ہوگا ہم اس کو اپنے قبضے میں رکھیں گے ـــــ"

"ہمیشہ آگے جاؤ ـــــ

"ہمیشہ ڈمٹی فرمٹی چندر عاقل برہمن زمانے کی ترقی سے نالاں اور متحیر تھا۔ کیا ویدوں اور شاستروں میں پہلے سے سارا علم موجود نہیں؟ مصلحین ماضی سے متنفر ہیں۔ اور ذات پات کے بندھن توڑنا چاہتے ہیں، فرنگی استادوں اور ان کی ایجوکیشن گرانٹس پر لعنت! انھیں کیا معلوم ہندو کی ضروریات کیا ہیں؟ ان برہمو سماجیوں پر لعنت جو کہتے ہیں خدا کا میدان بہت وسیع ہے کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ یہی سب لوگ کالج میں پڑھتے ہیں ـــــ یہی بات کیشپ چندر سین کہتا ہے ـــــ!

"بابو کمیل بندر بھی ایک برہمن تھا۔ مگر ترقی کا جوشیلا حامی۔ وہ اور چندر شام کو دروازہ میں بیٹھ کر حقّہ پیتے اور باتیں کرتے۔ بازار کا بھاؤ، چاول کی قیمت اور کبھی کبھی زیادہ سنجیدہ موضوع، ذات پات دھرم وغیرہ اور اپنے متضاد خیالات پر بحث کرتے کرتے جھگڑنے لگتے۔ ایک روز بندر نے کہا۔ "میں ایک ودھوا سے بیاہ کرنے والا ہوں۔"

"گھاس تو نہیں کھا گئے ہو؟ حقہ پانی بند کر دیا جائے گا۔" چندر نے کہا۔

"زمانہ بدل چکا ہے، اب تہذیب ہمیں نئے راستے دکھا رہی ہے۔ تمہیں معلوم نہیں اب ہندوستان کا نعرہ ہے ـــــ ہمیشہ آگے جاؤ۔" بندر بولا۔

"بکواس۔" چندر نے چادر سنبھال کر کہا۔ "برہمن ہو تم؟ غدار؟ ودھوا سے بیاہ؟ لعنت ہو۔" اتنا کہہ کر اس نے بندر کی چپل پر ٹھوکر لگائی تو وہ نیچے بہتی گندی نالی میں جا گری۔ بندر نے چندر کی ناک دبوچ لی۔ دونوں چیختے چلاتے ایک دوسرے کو زدوکوب کرنے لگے حتیٰ کہ ایک انگریز فوجی نے ان کو چھڑایا اور چوکی لے گیا۔ اور ان کے احتجاج پر محض اتنا کہا۔ "آگے جاؤ۔"

چارلس بارلو بیساختہ ہنس پڑا۔ یہ بنگالی کی سچی تصویر تھی، لیکن "سر علی بابا" نے بابو کے متعلق جو پیشین گوئی کی تھی وہ بھی آج لفظ بہ لفظ صحیح ثابت ہو رہی تھی۔ بابو مغربی علوم اور مغربی خیالات سے پیٹ بھر کے اب دولتی جھاڑ رہا تھا۔ چارلس بارلو نے کاہلی سے سر اٹھا کر الماریوں پر نظر ڈالی لیکن اسے یاد آیا کہ "سر علی بابا کا سفرنامہ" مدتیں گذریں ڈیڈ نے نواب انوار الزماں کو تحفتہً دیدیا تھا۔

گرینڈ ڈیڈ۔ ڈیڈ۔ مما دونوں چچا سڈنی اور کرسٹفر۔ پھر گریٹ آنٹ میبل۔ آنٹ ماڈ، آنٹ جیرلڈین۔ آنٹ مٹیلڈا۔ خالص وکٹورین نام۔ بھولی برخود غلط وکٹورین ہستیاں ـــــ پورا بارلو خاندان اشڈی کے آتش دان اور دیواروں پر اپنی اپنی تصویروں کے بیش قیمت چوکھٹوں کے اندر محفوظ و مامون موجود تھا۔

جبکہ باہر دور دور بم پھٹ رہے تھے۔

گرینڈ ڈیڈ اور ڈیڈ سلطنت کی اس تباہی پر اپنی اپنی قبروں میں کروٹیں بدل رہے ہوں گے۔ کلکتے اور لکھنؤ کے انگریزی قبرستان، بارش میں بھیگتے کتبے، قبروں کے کتبے، سارا ہندوستان انگریزوں کا وسیع و عریض قبرستان ہے اپنی جانیں دے کر ہم نے اس ملک کو سنوارا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

گرینڈ ڈیڈ ہیلی بری سے ٹریننگ لے کر واپس آئے تھے۔ انہوں نے ایڈمنسٹریشن میں ان بدھوؤں سے ٹریننگ لی تھی، جن کی اپنی جوانی میں محمد رضا خاں اور شتاب رائے زندہ تھے۔ کلائیو، ہیسٹنگز، کارنوالس، ولیم بینٹنگ، میکالے ——

کس جانفشانی اور محنت اور محبت سے گرینڈ ڈیڈا اور ان سے پہلے اور بعد کی پیڑھیوں کے سویلینز نے اس ملک کی حکومت کو دنیا کی بہترین حکومت بنایا۔ جلتی دھوپ، لو، بارشوں، سیلابوں، وباؤں کی پروا کئے بغیر سینکڑوں میل کے فاصلے گھوڑوں، پالکیوں اور کشتیوں کے ذریعہ طے کرکے یہ عظیم لوگ، اراضی کا بندوبست کرتے، مقدمے فیصل کرتے، درختوں کے نیچے بیٹھ کر کسانوں کی فریادیں سنتے، کسان ان کو مائی باپ کہتے۔ کمپنی کے اولین دور میں بے شک کرپشن تھا۔ مگر اس کے فوراً بعد —— ؟ اور کرپشن کیا اس ملک کی پرانی روایت نہیں تھی؟ نذرانہ اور رشوت؟ اب پہلی بار اہلِ ہند کو احساس ہوا ہے کہ مرکزی اور صوبجاتی حکومت قتل و غارت، لوٹ مار اور زبردستی کا نام نہیں، بلکہ یہ رعایا کی بھلائی اور حفاظت کے لئے قائم ہے، مغلوں کا ایڈمنسٹریشن —— ؟ اوکسفرڈ میں وہ مسعود علی سے بحث کیا کرتا تھا۔ اشوک، شیر شاہ، اکبر —— ٹھیک ہے۔ مگر ان کے بعد؟ اور یہ لوگ بھی قانون کے تصور سے ناآشنا تھے۔ سارا مشرق قانون کے تصور سے ناآشنا ہے۔

سلطنت روم کی وارث۔ مسیحی یوروپین تہذیب کے بہترین نمائندے برطانیہ نے پہلی بار اہلِ ہند کو قانون عطا کیا۔

لارڈ کارنوالس نے تھانوں اور پولس چوکیوں کا جال بچھا دیا۔ کلیولینڈ نے آدی باسیوں کو انسان بنایا۔ اٹھارویں صدی میں جبل پور کا ایک کلکٹر نکل اس قدر شفیق تھا کہ عوام نے اس کی مورتی بنا کر اس کی پوجا کی۔ نکلسن کو پنجاب کے کسان پیار سے نکل سائیں کہتے تھے۔ جوناتھن ڈنکن نے بنارس میں دختر کشی کے خلاف مہم شروع کی۔ جیمز گرانٹ نے دن رات کی انتھک محنت کے بعد ایک دیانتدار اور انصاف پسند ایڈمنسٹریشن قائم کیا۔ یہ دو سو سال کی قربانیاں، عرق ریزیاں، جانفشانیاں سب رائیگاں جائیں گی —— ؟ اس عظیم کارنامے "برطانوی ہند" کو ہم لاقانونیت اور جذباتیت کے حوالے کر دیں گے؟ کوئٹ انڈیا ان ڈیڈ —— !

انڈیا ہے کہاں؟ نہرو کے شاعرانہ تخیل میں۔ انڈیا کو ایک بار اشوک نے متحد کیا۔ ایک بار اکبر نے (کوشش کی مگر فیل ہو گیا) اور اب واقعی اُسے ہم نے متحد کیا ہے۔ پنجاب میں مقیم لیڈی ولسن نے آج سے نصف صدی قبل بالکل صحیح لکھا تھا کہ یہ ملک لکڑیوں کا ایک گٹھا ہے۔ ہر لکڑی چاہتی ہے کہ دوسری کو توڑ دے۔ ان سب کا بیرونی اتحاد محض برطانوی پرچم کے ذریعے قائم ہے۔

گرینڈ ڈیڈا اپنی اس تصویر میں جو شملہ کے ایک مشہور فوٹوگرافر نے ۱۸۸۱ء میں کھینچی تھی قلم ہاتھ میں لئے کچھ لکھ رہے ہیں۔ یہ تصویر آتشدان پر رکھی ہے۔ گرینڈ ڈیڈ —— ایڈورڈ بارلو، برطانوی سویلینز کی اس شاندار روایت کی ایک مثال تھے جنہوں نے اپنی شدید مصروف زندگی کے باوجود اس ملک کے بارے میں نہایت محققانہ اور عالمانہ کتابیں لکھیں۔ یہ ہندوستانی جو آج کل "انڈین کلچر" کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ ان کی یہ "انڈین کلچر" ان ہی بیچارے وکٹورین بڈھوں نے دریافت کرکے دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔ آج ہم ان وکٹورین بڈھوں کو بددماغ، برخود غلط، سمجھتے ہیں۔ اور غالباً وہ ایسے تھے بھی۔ کیا قدیم رومن باقی دنیا کو وحشی نہیں سمجھتے تھے؟ انیسویں صدی کے برطانیہ کا ایک فرد ہونا مذاق تھوڑا ہی رہا ہوگا۔ برٹش امپائر —— ! پوری انسانی تاریخ میں اس سے زیادہ عظیم الشان، باجبروت سلطنت پہلے کہیں قائم نہ ہوئی تھی! چنانچہ یہ بڈھے۔ گرینڈ ڈیڈا در ڈیڈا اور ان کے ساتھی خود دماغ اور ذرا خبطی سے تھے۔ مگر کیا دولت اور طاقت کے بل بوتے پر امریکہ بددماغ اور برخود غلط نہیں ہو گیا؟ اور مزید ہوتا جائے گا —— جب کہ اس کے پاس تہذیب بھی نہیں ہے،

امریکہ —— وائلٹ —— وائلٹ اس وقت کیا کر رہی ہوگی۔ تمہاری صحت ڈارلنگ —— چارلس بارلو نے مگ اٹھا کر چند گھونٹ بھرے۔ پھر ایڈورڈ بارلو کی تصویر کو دیکھا۔

گرینڈ ڈیڈ، پر کا قلم ہاتھ میں لئے، سیاہ ریشمی ڈورے والی عینک لگائے شدت کی سنجیدگی سے کیا لکھ رہے ہو —— ؟

گرینڈ ڈیڈ نے بنگال کے کتنے اضلاع کے امپیریل گزیٹرز پر کام کیا تھا۔ شام کو تھکے ہارے عدالت سے لوٹ کر پھونس کے چھپر والے کسی بنگلے کے برآمدے میں بیٹھ کر، لیمپ کی روشنی میں تم یہ سب لکھا کرتے ہوگے۔ چوکرا۔ سگار لاؤ۔ چاند نکلتا ہوگا۔ مچھر بھنبھناتے ہوں گے۔ تم تنہا بنگلے میں بیٹھے امپیریل گزیٹر کی جلدوں میں ایک جلد ایک باب کا اضافہ کرنے میں جٹے رہتے ہو گے۔ اور "آسام کے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ناگا قبائل " گرینڈ ڈیڈ کی مشہور کتاب تھی۔

برابر کی تصویر میں گرینڈ ما بیٹھی ہیں۔ اونچا سا جوڑا باندھے۔ درشت چہرہ۔ سیاہ گاؤن۔ ہندوستان میں برطانوی سوسائٹی کی ایک فراموش شدہ ستون۔ ان کے برابر میں گریٹ آنٹ مَیبل کی تصویر رکھی ہے۔ (بوڑھا وفادار عبدالغفور جو ٹیم کینٹ ویل سے ترکے میں ملا ہے، کس احتیاط اور خیال سے روزانہ ان ساری تصویروں کی جھاڑ پونچھ کرتا ہے) گریٹ آنٹ مَیبل جو گرینڈ ڈیڈ کی بہن تھیں۔ انہوں نے ساری زندگی چرچ آف انگلینڈ کی " زنانہ مشنری سوسائٹی " کا کام کرنے میں صرف کر دی۔ جو ڈیڈ بتاتے تھے۔ ایک روز گوالندو گھاٹ سے تن تنہا اسٹیمر پر بیٹھیں اور دور دراز شمالی مغربی صوبجات[1] کے ایک دور افتادہ ضلع میں مشن قائم کرنے کے لئے یسوع کا نام لے کر چل پڑیں۔ گوالندو سے مونگھیر۔ پٹنہ۔ بکسر۔ غازی پور۔ بنارس ــ (ہر نام کا اپنا رومان تھا) بنارس کے خوفناک صنم کدے سے وہ اودھ کے شہر سیتا پور پہنچیں۔ وہاں مشن کمپاؤنڈ میں اسکول اور ہسپتال قائم کیا۔ اور بیچاری جوانی کے عالم ہی میں وہاں ہیضے کا شکار ہو گئیں۔ آج کی یہ تعلیم یافتہ قوم پرست ہندوستانی لڑکیاں آنٹ مَیبل جیسی بہادر عورتوں کی شکر گزار ہیں جنہوں نے تعلیم کی روشنی اُن تک پہنچائی۔

کوئٹ انڈیا! بلڈی فولز ــــــــــ

اب چارلس بارلو کا سر بھاری سا ہو رہا تھا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ تنہائی میں مجھ پر ماضی کی یاد کے دورے زیادہ پڑنے لگے ہیں۔ اور یہ اچھی بات نہیں۔

ڈیڈ کا آئل پورٹریٹ۔ جو لندن کے کسی دوسرے درجے کے مصور نے ۱۹۰۱ء میں بنایا تھا۔ ڈیڈ تھوڑے سے ڈینڈی تھے۔ ایلن ٹیری اور اوسکر وائلڈ اور آبری بیرڈزلے کے دور کے فیشن ایبل نوجوان۔ جو جب فرلو پر لندن جاتے تو اپنا سارا وقت تھیٹر اور اوپیرا اور بیلے میں گزارتے۔ "GAY NINETIES" کے ہنگاموں کے رسیا۔ واپس آتے اور بنگال اور اڑیسہ کے غیر دلچسپ پس ماندہ اضلاع میں اپنے فرائض منصبی میں جُٹ جاتے مگر اپنے لندن کے انٹلکچوئل دوستوں سے خط و کتابت جاری رکھتے۔ کتنے برطانوی مصنفوں، صحافیوں اور شاعروں سے ان کے ذاتی مراسم تھے۔ ڈیڈ کو علم نباتات کا شوق تھا۔ انہوں نے بھی گرینڈ ڈیڈ کی مانند ہندوستان کے متعلق لکھنے پڑھنے کا شغل جاری رکھا۔ آسام کے اور کِڈز کی ان گنت اقسام کی

[1] موجودہ یو پی

فہرستیں بنائیں اور بنگال اڑیسہ اور آسام کے پودوں اور پھولوں اور درختوں پر ایک مستند اور ضخیم کتاب لکھ ڈالی۔

ڈیڈ کتاب لکھتے تھے اور مما جنہوں نے اپنی شادی سے قبل کچھ عرصہ تک پیرس میں مصوری سیکھی تھی، ان پھولوں اور پتوں کے انتہائی سبک اور نفیس اسکیچ بناتیں۔

مما کی تصویر۔ صوفے پر بیٹھی ہیں۔ ڈیڈ پیچھے کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ اس تصویر میں ڈیڈ کی کرزن فیشن کی مونچھیں ہیں۔ مما پیرس کے تازہ ترین فیشن کے گاؤن میں ملبوس ہیں۔

یہ لوگ سب مر گئے۔

گرینڈ ڈیڈ نے اپنے ہندو بنگالی منشی سے فارسی پڑھی تھی، اور بنگلہ جانتے تھے۔ ڈیڈ بھی بنگلہ سے واقف تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد ان کا ارادہ تھا کہ وہ اپنا زیادہ وقت لندن میں انڈیا آفس لائبریری میں صرف کریں گے۔ مگر لندن جانے سے پہلے ہی وہ سندربن میں شیر کا شکار بن گئے۔

ان سے گاؤں والوں نے درخواست کی تھی کہ اس آدم خور شیر سے بچائیں جو بہت سارے لکڑہاروں کا شکار کر چکا تھا۔ ڈیڈ بے خوفی سے بندوق سنبھال کر اُسے مارنے کے لئے اندھیرے جنگل میں گھسے اور زندہ واپس نہ آئے۔

انہوں نے اپنی قیمتی جان دی تاکہ یہ نیم وحشی لکڑہارے زندہ رہیں۔

گرینڈ ڈیڈ کا انتقال ۱۹۰۷ء میں ہوا۔ جب بنگال میں قتل و غارت شروع ہو چکا تھا! انہوں نے بہت لمبی عمر پائی۔ نوجوان وکٹوریہ کی تخت نشینی، کمپنی کی ملازمت۔ غدر، وکٹوریہ کی موت اور آخری میں خود ملکی ہاہو، سب ہی کچھ دیکھ لیا۔ ان کو پنشن لیتے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ ریٹائر ہونے کے بعد وطن واپس نہیں لوٹے، انہوں نے دارجلنگ اور کلکتے میں بیحد خوبصورت کوٹھیاں بنوائی تھیں اور اپنا وقت علمی مصروفیات میں صرف کرتے تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی کی سینٹ۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی۔ یہ اور وہ۔ چند برہمو مصلحین بھی ان کے دوست تھے۔ گو یہ واقعہ ہے کہ وہ نیٹوز سے برابری کی سطح پر کبھی نہ ملے۔ اور حاکم و محکوم کی شعوری دیوار قائم رکھی۔ کرامپائر کی سلامتی اسی میں مضمر تھی۔

گرینڈ ڈیڈ کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ وکٹورین دستور کے مطابق بہت بڑا کنبہ تھا۔ مگر صرف یہ سات بچے ہندوستان کے ملیریا اور دوسری بیماریوں سے زندہ بچے تھے اور دستور کے مطابق (تاکہ ہندوستانیوں کی بُری

urdukutabkhanapk.blogspot.com

خصلتیں نہ سیکھ لیں) چھ چھ سال کی عمر میں انھیں تعلیم و تربیت کے لئے انگلستان بھیج دیا گیا۔ بڑے ہو کر ڈیڈ کے سب سے بڑے بھائی فوجی افسر بن کر ہندوستان لوٹے، لیکن کابل کے مارچ میں کھیت رہے۔ منجھلے بھائی نے لنکا میں چائے کی کاشت شروع کی اور وہاں کے متمول پلانٹر بنے۔ ڈیڈ جو ان دونوں سے زیادہ ذہین تھے، انڈین سول سروس کے مقابلے میں آگئے اور اس کے فوراً بعد ہی مما کو بیاہ کر ہندوستان لوٹے۔

آنٹ ماڈ کی تصویر۔ روکھی پھیکی شخصیت، سفید گاؤن، ہاتھ میں بائیبل۔

آنٹ جیرالڈین کی تصویر۔ خوش شکل متبسم، شریر آنکھیں، فیشن ایبل گاؤن، گلے میں موتیوں کا ہار، گود میں کتا، ہاتھ میں پنکھا۔ ——

آنٹ میٹلڈا کی تصویر —— متبسم بھولی صورت، یہ تینوں تصویریں ایک ایک شلف پر رکھی ہیں۔ یہ تینوں وکٹورین خواتین ڈیڈ کی بہنیں تھیں۔ تینوں ہارلیسر کے مختلف اضلاع میں پیدا ہوئیں۔ آنٹ ماڈ سب سے بڑی۔ شادی نہیں کی۔ یہ بھی پھوپھی میبل بارلو کی مانند اہل مشرق کی روحیں بچانے میں جٹی رہیں۔ گریٹ آنٹ میبل نے اس سلسلے میں صرف گوالندو گھاٹ سے سیتاپور تک کا سفر کیا تھا۔ آنٹ ماڈ نے چینیوں کی روحانی نجات کی خاطر گن بوٹ، ریاست اور مشرقی ایشیا کی کونیل جنگلوں کے پرخطر زمانے میں تنہا کینٹن تک کا سفر کیا۔ برسوں وہاں رہیں اور باکسر بغاوت کے زمانے میں جب باغیوں نے ان کے مشن کمپاؤنڈ پر حملہ کیا۔ وہ چند برطانوی، بلجین اور امریکن مشنری خواتین سمیت جیزس کی خاطر شہید ہوئیں۔ سرزمین چین میں ان کی قبر بنی۔

آنٹ جیرالڈین —— خوبصورت اور فلرٹ۔ لندن میں ایک بیرسٹر سے شادی کرلی۔ آنٹ میٹلڈا بھی خوب صورت اور پیاری سی تھیں۔ ڈیڈ کی پسندیدہ بہن۔ دارجلنگ میں ایک فوجی افسر (بنگال لانسرز) ان پر عاشق ہوا۔ مگر منگنی کے بعد ان کو دغا دے کر بھاگ گیا۔ دل شکستہ آنٹ میٹلڈا بھی مذہب کی طرف راغب ہوئیں۔ گارو ہلز میں نیا مشن کھولا، گرینڈ ڈیڈ کو ناگا قبائل سے بہت محبت تھی، انہوں نے آنٹ میٹلڈا کی ہمت افزائی کی۔ آنٹ میٹلڈا اب بوڑھی ہو چکی ہیں اور لندن میں آبائی مکان میں رہتی ہیں۔

ڈیڈ اور مما کے ہاں تین بچے زندہ رہے۔ ایلس، چارلس اور رچرڈ۔ وہ تینوں بھی بچپن میں انگلستان بھیج دیئے گئے۔

ایلس بارلو۔ عجیب بات ہے۔ وکٹورین انگلستان مذہبی نہیں تھا۔ انگریز زیادہ مذہب پرست کبھی نہیں رہا۔ مگر مشرق میں آکر سب پر مذہب کا جوش سوار ہو جاتا تھا۔ غالباً یہاں کے عجیب و غریب لیکن دلچسپ

مذاہب سے غیر شعوری مدافعت۔ ایلس کو مشنری بننے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ ایلس جدید زمانے کی لڑکی تھی۔ کوئی اور پیشہ اختیار کرسکتی تھی۔ اسے گریٹ آنٹ میبل اور آنٹ ماڈ اور آنٹ میٹلڈا کی روایات سے متاثر ہونے کی ضرورت کیا تھی؟ یہ میری سمجھ میں کبھی نہ آیا۔ غریب ایلس شادی کرسکتی تھی۔ بہت ہی معمولی شکل تھی پھر بھی یقیناً اس کی شادی ہوسکتی تھی۔ وہ پچھلے بیس برس سے گارو کی پہاڑیوں میں، آنٹ میٹلڈا کا قائم کیا ہوا مشن چلا رہی ہے۔ ناگا قبائل ہی اس کی ساری کائنات ہیں۔

مشنری عورتوں کو اس ایثار اور قربانی کا صلہ کیا ملتا ہے؟ افریقہ کے جنگل، ایشیا کے جنگل، مصائب، پریشانیاں اور آخر میں تنہائی اور بڑھاپا۔ یا کسی وحشی کے ہاتھوں موت —— کیوں؟ ایسا یہ لوگ کیوں کرتی ہیں؟ کیا ان کو واقعی یقین ہے کہ آسمانی بادشاہت ملے گی؟

بارلو خواتین کا تو بہرحال سینٹ پیٹر استقبال کرتے کرتے بولا جائیں گے۔ میبل، ماڈ، میٹلڈا، ایلس۔

چارلس بارلو کمرے کا چکر لگا کر پھر اپنی آرام کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ اتنی دیر سے اپنے خاندانی تصاویر کا مطالعہ کررہا تھا، مگر ایک گروپ فوٹو جو اس کے ساگوان کے ڈیسک پر رکھا تھا۔ اس کی طرف سے اس نے نظریں چرالیں۔ وہ تینوں اسے زور زور سے پکار رہے تھے۔ اس کی بیوی وائلٹ، اس کے بچے ٹام اور کیرل۔ وہ تینوں اس وقت ڈھاکے سے ہزاروں میل دور جنگ کے مہیب شعلوں میں گھرے انگلستان میں موجود تھے۔

بوڑھی اور بیمار آنٹ میٹلڈا بھی جو ۱۹۴۰ء کی بلٹز کے زمانے میں اطمینان سے اپنے پلنگ پر سویا کرتی تھیں (وائلٹ نے لکھا تھا)

آبائی مکان کی تصویر۔ ۱۳۔ اینڈرلوز کریسنٹ —— (یہ تصویر بہت چھوٹی سی ہے اور ٹام نے اپنے بے بی براؤنی سے کھینچ کر اسے بھیجی تھی۔ آنٹ میٹلڈا پورچ کی سیڑھیوں پر بلی گود میں لئے کھڑی ہیں۔ کیرل قریب ہی کتے سے کھیل رہی ہے (وائلٹ تصویر میں نہیں ہے) یہ تصویر لکھنے کی میز پر بلاٹنگ پیڈ کے کونے میں اڑسی ہوئی دو سال سے اسی طرح رکھی ہے، اس دو سال میں لندن پر کیا قیامت گذر گئی۔

آبائی مکان۔ ریجنسی طرز کا یہ مکان گرینڈ ڈیڈ کے والد نے جو سٹی میں سولسٹر تھے ۱۸۱۳ء میں خریدا تھا ——

مکانوں کی زندگی۔ انسانوں کی زندگی۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اب میں پھر ماضی کی طرف واپس لوٹتا ہوں۔ چارلس بارلو نے لمبا سانس بھر کر "نغماتِ ہند" دوبارہ اٹھالی۔ کتاب کے پیلے ورقوں میں سے جو پرانی مہک آرہی تھی وہ اسے بہت اطمینان بخش معلوم ہوئی۔ ماضی محفوظ ہے۔

یوروپین اور امریکن ہمیشہ متعجب رہتے ہیں کہ انگریز اتنا غیر جذباتی ہوتے ہوئے بھی اتنا ماضی پرست کیوں ہے۔ ان لوگوں کو کیا معلوم کہ ہم لوگ کتنے جذباتی ہیں اور دوسری بات یہ ——— اس نے پوتی سے مگ میں بیئر انڈیلی ——— کہ ہمارا ایسا ماضی اور کسی قوم کا ہے ہی نہیں۔ لاجواب، بے مثال، درخشاں۔ ایسا درخشاں بھی نہیں۔ ذرا ہندوستانیوں سے پوچھو۔

ڈیم دی ہل۔

اب مما بے طرح یاد آرہی ہیں۔ ان کے بنائے ہوئے واٹر کلرز ڈرائینگ روم میں سجے ہیں۔ بنگال کے دو مناظر ——— سنہری پاٹ سے لدی ہوئی کشتی، دور دھندلکے میں مسجد کا مینار اور برگد تلے کھڑا کالا مسجنگ کسان۔ سامنے الماری میں مما کے واٹر کلرز کا البم رکھا ہے اور اسکیچ بک ——— دارجلنگ کے چیتھڑوں میں ملبوس پہاڑی بچے۔ اور کلیہ کا ایک گچھا۔ فرن کے پتے۔ کرشن چوڑا کی شاخ۔ اپنے وفادار خشو ملازموں کے اسکیچ۔ اپنے تینوں بچوں کی تصویریں۔ ایلس عمر چھ سال، چارلی عمر گیارہ سال، ڈک عمر دو سال۔

ڈک ——— ونگ کمانڈر رچرڈ بارلو ——— ڈیشنگ۔ بشاش۔ خوب صورت۔ سنہری آر۔ اے۔ ایف مونچھیں۔ یونیفارم پر تمغوں کی قطار۔ یہ ایک اور تصویر ہے جو سامنے میز پر رکھی ہے۔ جسے میں نہیں دیکھنا چاہتا۔

ونگ کمانڈر رچرڈ بارلو ——— "پرانے بنگال سویلین ایڈورڈ بارلو مرحوم کا پوتا۔ جیمز بارلو مرحوم کا چھوٹا بیٹا۔ مسٹر چارلس بارلو، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مرشد آباد کا چھوٹا بھائی۔ عمر اٹھائیس سال۔ جرمنی پر بمبار طیاروں کی قیادت کرنے کے لئے گیا اور زندہ واپس نہ آیا۔" پچھلے سال اسٹیٹسمین میں شائع ہوا تھا۔

ماضی کی طرف لوٹو چارلی۔ ماضی محفوظ ہے۔ پُرامن۔ پرسکون۔ چارلس بارلو مرجا کر تلخی سے ہنس پڑا۔ سامنے کے بُک شیلف میں پچھلی جنگوں کے متعلق سنہری مجلّد کتابیں ایک قطار میں رکھی تھیں ———

فرسٹ اینگلو فرنچ وار ۱۷۴۴ء، کرناٹک وارز، پلاسی، فتح سکلی چم، بکسر، فرسٹ میسور وار، روہیلہ وار، فرسٹ اینگلو مرہٹہ وار، سیکنڈ میسور وار، تھرڈ میسور وار، فورتھ میسور وار، سیکنڈ اینگلو مرہٹہ وار، اینگلو گورکھا وار، پنڈاری وار، تھرڈ اینگلو مرہٹہ وار، فرسٹ برمیز وار، فرسٹ افغان وار، فرسٹ اینگلو سکھ وار، سیکنڈ

اینگلو سکھ وار، سکنڈ اینگلو برمیز وار، سنتھال بغاوت، سپاہی میوٹنی، معرکہ انبالہ، بھوٹان وار، سکنڈ اینگلو افغان وار، تھرڈ اینگلو برمیز وار، منی پور بغاوت، سرحدی بغاوت ———

یہ تو صرف پچھلے دو سو سال میں برطانیہ کی مشرقی فتوحات تھیں۔ ہزاروں، لاکھوں کرسٹفر اور رچرڈ بارلو ان معرکوں میں کھیت رہے۔ یورپ کی جنگوں میں کتنے رچرڈ ———

"عبدالغفور" چارلس نے دفعتہً گرج کر آواز دی۔

عبدالغفور چند سکنڈ میں نمودار ہوئے۔

"گوسل کا پانی لگاؤ"۔

"جی صاحب۔" عبدالغفور غائب ہوگئے۔

بہت خون بہایا میرے آباء نے۔ چارلس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ پرانے رومنوں کی مانند، مگر پرانے رومنوں کی مانند انہوں نے علم و فن کو بھی مالا مال کر دیا۔

مارس اور منروا کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔

اس نے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ پرانی کتابیں اور پرانی تصویریں، یادوں کا قبرستان۔

اڑتیس سال میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ کیونکہ میری عمر اڑتیس سال نہیں ہے۔ میرے عقیدے کی عمر ایک سو بیالیس سال ہے۔ ذہنی اعتبار سے ڈھائی ہزار سال، تاریخی اعتبار سے ڈیڑھ ہزار سال اور نسلی یادداشت کی عمر کتنے ہزار سال ———؟ ہر سوچنے والے یوروپین انسان کی یہ سب عمریں ہیں، ہر ہندوستانی کی عمر کتنی ہے؟ غالباً لامحدود۔

پھر ہم اپنے نام رکھتے ہیں۔ ایڈورڈ، جیمز، چارلس، ٹامس، خاندانی نام بارلو۔ جو ہمیں ایک پرانے دھندلکے سے جا ملاتا ہے اور جس کی وجہ سے ہمیں مستقبل میں بھی اپنے پاؤں جمائے رہنے کی خوشگوار امید ہے۔ یہودیوں اور عربوں کا دستور ہے ——— فلاں ابن فلاں ابن فلاں۔ کیا خود پسندی ہے۔

سچے گیانی میں اتنی خودی بھی نہیں کہ وہ اپنا نام تک لکھے۔ کس انکسار میں ہے؟

ڈیڈ بتاتے تھے کہ مونیر ولیمز نے کسی گاؤں کے برہمنوں سے دستخط کرنے کے لئے کہا، انہوں نے جواب میں صرف تو مجگوتے اور رادم لکھ دیا ———

"صاحب پانی تیار ہے۔" عبدالغفور نے اطلاع دی اور غائب ہوگئے۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

چارلس سر جھکائے بیٹھا رہا ۔

آخر میں سب مر جاتے ہیں ۔

ڈیڈ کو ہندوستان کے متعلق انگریزوں کی لکھی ہوئی کتابوں کے پہلے ایڈیشن جمع کرنے کا شوق تھا ۔ ان الماریوں میں وہ ساری کتابیں موجود ہیں ۔ گرینڈ ڈیڈا اور ڈیڈ کا کتب خانہ ۔ ان کتابوں کے مصنف ——— جان کمپنی کے افسر ، انڈین سول سروس کے افسر ، فوجی ، مشنری ، ماہرینِ تعلیم ، پلانٹر ، ان کے بھوت چونس کی چھتوں والے بنگلوں میں اب بھی منڈلا رہے ہوں گے ———

یہ کتابیں ——— زراعت اور جنگلات ۔ آرکیالوجی ، رسل و رسائل اور سول انجینئرنگ ، تعلیم ، ایتھنولوجی اور سوسیولوجی ("آسام کے ناگا قبائل ۔ از ایڈورڈ بار لو آئی ۔ سی ۔ ایس " چارلس نے فخر سے سوچا ۔ نام مستقبل کے گرد آلود کونوں کھدروں میں بہر حال محفوظ رہے گا ۔ کتاب کی جلد پر لکھا ہوا نام ، اور قبر کا کتبہ نام) قانون ، ایڈمنسٹریشن ، طب ، فلسفہ ، نیچرل ہسٹری ، سفرنامے ، جغرافیہ ———

کلکتے کا جیمز پرنسپ جس نے خروشتی میں یونانی نام دریافت کیے اور اشوک کے کتبوں کی عبارت پڑھی ۔ کننگھم ۔ جان مارشل ، جیمز فرگسن ، ہیول ، گرانٹ ڈف ، کرنل ٹاڈ ، ونسنٹ اسمتھ ، سولینڈ ، جیمز مل ، وارن ہیسٹنگز ، ولیم جونز ، گریم بیلی ، چارلس ایلیٹ ، ولسن گرفتھ ، جارج سیل ——— آرٹ ہسٹری ، لسانیات ، مذاہب ———

اور دلچسپ ناول جو اب مضحکہ خیز لگتے ہیں ، اور جدید ہندوستانیوں کے ہاتھ میں پڑ جائیں تو وہ ان کو نذرِ آتش کر دیں ——— جن کے ہندوستانی کردار "نیٹو اور نگر" کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے ۔ بنکی (گنڈا اولڈ ، منچی) میرین کرافرڈ ، ماڈ ڈائیور ، کرنل میڈوز ٹائیلر کے ناول ——— " ایک ٹھگ کے اعترافات " " سیتا " " تارا " ۔ " ٹیپو سلطان " ، فلورا اینی اسٹیل ، ایف ۔ ڈبلیو بین ——— ہر کنٹونمنٹ کے کلب کی لائبریری میں یہ ناول موجود ہوتے تھے ———

اور بچوں کے لیے کتابیں جو ہم سب نے بچپن میں پڑھیں ۔ "بیٹل آرتھر اور اس کا ہیرہ " " بیٹل آرتھر کی ہسٹری " " بیٹل آرتھر ——— "

غدر کے متعلق کتابوں کے انبار ، اور پھر کپلنگ ——— !

لاہور اور پشاور کی پراسرار گلیاں ، چنڈو خانے ، گنگا داس اور سدھو ، اور ولی داد اور لالٹین طوائف ۔

لاہور کی لالٹین طوائف غالباً کپلنگ کا علامتی کردار تھی ——— مغرب کے لیے علامتی کردار ——— ایک خطرناک پُرکشش بے ایمان عورت ——— ہندوستان ۔ جو انگریز اس جادوگرنی کے ہلاکت خیز سحر کا شکار ہوا وہ بہت جلد اپنا کردار کھو بیٹھا ۔ بھیچر ہو گیا ۔ اس لیے ہمیشہ الگ تھلگ رہو ۔ اس تاریک اور بھیانک جنگل میں ایمپائر کے اسٹینڈرڈ کو قائم رکھو ۔ (اسی وجہ سے گرینڈ ڈیڈا اور گرینڈ ماڈیڈا اور مما اڑیسہ اور آسام کے ویران ڈاک بنگلوں میں شام کو باقاعدہ اس طرح کپڑے بدلتے تھے گویا لندن کے سوائے میں ڈنر کھانے جا رہے ہوں)

چارلس بار لو اٹھ کر دریچے میں جا کھڑا ہوا ۔ یہ ڈی ۔ ایمز ہاؤس ، اس کے ملازم ، اس کا باغ ، یہ سب چیزیں اسی مستحکم نظام اور روایات کا ایک جزو ہیں ۔ یہ سحر انگیز اینگلو انڈین دنیا جو دو سو سال سے اس ملک میں آباد ہے ——— اس کے جانے بوجھے کردار اور جزئیات ، کلکتہ ، شملہ ، ہل اسٹیشن ، مفصل ، اضلاع ، صوبے ، ہر صوبے کا سویلین خود کو اس صوبے سے مماثل کرتا تھا ۔ پنجاب سویلین ، سندھ سویلین ، بنگال سویلین ، سندھ کلب ، بنگال کلب ۔

یہ مضبوط اور مستحکم اینگلو انڈین[1] معاشرہ ۔ کسی لفٹ ونگ ہندوستانی انٹلکچوئل نے سچ کہا ہے کہ انگریز ہندوستان کو کنٹری اسکوائر یا زمیندار کی نظر سے دیکھتا ہے ۔ ہندوستانی صوبے گویا ان انگریز حاکموں کی ذاتی زمینداریاں تھیں جن میں ہم پلّہ لوگ یا انسان دوسرے لوگ ، دیسی تھے ۔ اہلِ برطانیہ ہندوستان میں ملازمت کرنے والے اپنے ہم وطنوں کو " انڈین " ۔ " انڈین سویلین " یا " انڈین باکس والا " یا " انڈین آفیسر " کہتے تھے ۔ ہندوستانی محض " نیٹو " تھا ۔ اور اس قابل نہ تھا کہ اس کا تذکرہ کسی مہذب سیاق و سباق میں کیا جائے ———

" پنجاب کا اولڈ جارج کل مجھے جم خانہ میں ملا تھا ——— " بالکل جس طرح ڈیوک اپنی ریاستوں سے مماثل کیے جاتے ہیں اور جس طرح انگلستان کا کنٹری اسکوائر اپنی رعیت کا خیال رکھتا تھا ۔ اسی شفقت اور خیال سے ہم لوگ اپنی رعیت سے یہاں پیش آئے ۔ زیادہ دلسوزی اور محبت سے ، کیونکہ یہ رعایا بچوں کی طرح احمق اور جانوروں کی طرح جنگلی تھی ۔ نسلاً بعد نسلٍ ان سب سویلینز کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا نے ایک بڑی عظیم اخلاقی اور روحانی ذمہ داری ان کو سونپی ہے ——— برطانوی ہند کی حکومت ! (غدر کے متعلق ہربرٹ ایڈورڈ

---

[1] انیسویں صدی میں ہندوستان میں رہنے والے یا یہاں ملازمت کرنے والے انگریزوں کو اینگلو انڈین کہا جاتا تھا ۔ مخلوط نسل والا طبقہ " ہاف کاسٹ " یا یوریشین کہلاتا تھا ۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

نے کہا تھا کہ یہ خدا نے ہم کو اس غفلت کی سزا دی ہے کہ ہم نے عوام کو عیسائیت کے اصولوں سے آشنا نہیں کیا) اور خدا کی قسم ہم نے اس ذمّے داری کو بہت خوب نبھایا۔ ہم تاریخ سے شرمندہ نہیں ہیں۔

گوئٹ انڈیا ——!

اسی اخلاقی برتری اور دیانت داری کے بل بوتے پر ہم مُٹھی بھر انگریز چالیس کروڑ ہندوستانیوں پر اطمینان سے حکومت کر رہے ہیں۔

گو کبھی کبھی ہماری ماؤں کو رات کے وقت ہمیں برآمدوں میں مچھر دانیوں کے اندر سلاتے ہوئے یک لخت یہ دہشت آ دبوچتی تھی کہ اندھیرے میں سے نمودار ہو کر ٹوم ٹوم بجاتے نیٹو حملہ نہ کر دیں رشتے کی طرح۔ یہ واقعہ ہے کہ غدر کی یاد ہمیں ہمیشہ HAUNT کرتی رہی ہے۔

اور گو یہ حقیقت تھی کہ اہلِ ہند برٹش راج کی برکتوں کے معترف تھے۔ اور ایک عام ہندوستانی عدالت میں ایک ہندوستانی جج کے فیصلے کے مقابلے میں انگریز جج کے فیصلے کو ترجیح دیتا تھا۔ مگر یہ بھی واقعہ تھا کہ غدر کے بعد ہنری لارنس نے کہا تھا کہ ہندوستانی اپنے دیوانے بادشاہوں کے زیرِ حکومت خوش تھے، اصول پرست کمشنروں کے زیرِ نگین خوش نہیں۔

گوئٹ انڈیا ——

یقیناً ہم نے بھی غلطیاں کی ہیں، شاید امپیریلزم بذاتِ خود سب سے بڑا جرم ہے، مگر ہماری جیسی بابرکت امپیریلزم —— ؟ فرانس، ہالینڈ اور بلجیم کی کولونیوں کی کیا ناگفتہ بہ حالت ہے، ناقابلِ یقین۔

بہرحال "الف حیم" والا زمانہ تو ختم ہوئیں، پچھلی جنگ عظیم سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔

غدر سے پہلے اضلاع میں سوشل زندگی کے مرکز یورپین چرچ اور اسمبلی روم تھے۔ یوریشین طبقہ اپنی اچھوت حیثیت پہچانتا تھا اور الگ رہتا تھا۔ پھر یہ اسمبلی رومز "کلب" میں تبدیل ہوئے۔ ڈانس، بلیرڈ، شوقیہ ڈرامے، گرینڈ ڈیڈ کا ہندوستان۔ ڈاک گاڑیاں، کتے گاڑیاں، بگھیاں، پالکیاں، (پالکی بردار PALANQUIN BEARER بیرہ بن گیا) کلکتہ کا ایڈن گارڈن جہاں شام کو بینڈ بجتا تھا۔ پارسیوں کی دوکانیں۔

اسٹیشن کے چند افسر ایک دوسرے ہی سے ملتے رہتے۔ میمیں دن بھر ایک دوسرے کو چٹھیں بھیجا کرتیں۔ پھر ٹینس، پولو، شکار۔ انیسویں صدی کے اواخر میں ہندوستان اتنا دلچسپ ہو چکا تھا کہ ہوم سے اکثر لوگ چھٹیاں گزارنے یہاں آتے، گو ہندوستان سے ان کی مراد یہاں کی برطانوی سوسائٹی تھی۔

جاڑوں میں گرینڈ ڈیڈ دورے پر جاتے۔ جب گرینڈ ڈیڈ اور دوسرے صوبوں میں ان کے ساتھی افسر دورے پر نکلتے تو عہدِ رفتہ کے مغل صوبے داروں کے لاؤ لشکر کا گمان ہو سکتا تھا۔ (یہ واقعہ ہے کہ ہم نے مغلوں سے حکومت چھین کر تزک و احتشام میں ان کی نقل کرنے کی پوری کوشش کی۔ وائسرائے کی شان و شوکت —— !) بنگال میں کشتیوں اور اسٹیمروں پر اور دوسرے صوبوں میں بیل گاڑیوں اور اونٹوں پر لاد کر سارا ساز و سامان کیمپ میں ساتھ جاتا۔ بھاری فرنیچر، تصویریں، چاندی کے ظروف، ہر چیز۔ تاکہ سلطنت کے نمائندے کا دبدبہ اور رعب جنگل اور دیہات میں بھی قائم رہے۔ لشکر میں کتے، گائیں، بکریاں، مرغیاں، سواری کے گھوڑے کیا کچھ شامل نہ ہوتا۔ بڑے صاحب کے خیمے قالین تصویروں اور گلدانوں سے سجائے جاتے۔ خورد و نوش کی اشیا، ٹین کے ڈبوں میں بمبئی کے آرمی اینڈ نیوی اسٹورز سے آتیں۔ کچھ فاصلے پر نیٹو افسروں کے خیمے لگتے اور گاؤں والے آ کر وہاں اپنا بازار لگاتے۔

سالِ نو پر ڈپٹی کمشنر کا دربار لگتا۔ دربار میں زمیندار نذریں پیش کرتے، جن کو صاحب ہاتھ لگا کر واپس کر دیتا —— بڑے صاحب کے دربار میں کرسی ملنا نیٹو جنٹلمین کے لئے بے حد عزت کی بات تھی۔

کلکتے اور شملے میں قیصر کی جرمن ایمپائر کے سفیر رہتے۔ جرمنی اور برطانیہ کی تجارتی جنگ شروع ہو چکی تھی، جرمن مصنوعات کی ہندوستانی بازاروں میں ریل پیل تھی لیکن نو آبادیوں سے فائدہ اٹھانے کی اس ریس کا نتیجہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کی صورت میں رونما ہونے میں ابھی بہت عرصہ باقی تھا۔

نیٹو سوسائٹی سے علیحدگی کی ایک فصیل اینگلو انڈیا نے اپنے گرد کھڑی کر رکھی تھی، مگر خود اس فصیل کے اندر برطانیہ جیسی شدید کلاس سسٹم نہیں تھی۔ انڈیا ایک آؤٹ پوسٹ تھا اور یہاں سب کو ایک دوسرے کے ساتھ مرنا جینا تھا۔ زندگی زیادہ بے تکلف تھی۔ برطانیہ اپنے بہترین نوجوان یہاں حکومت کرنے کے لئے بھیجتا، مگر وہاں کے بدترین نمونوں کو یہاں قسمت آزمانے کے لئے بھیج دیا جاتا۔ عموماً اونچے خاندانوں کے یہ ناخلف لڑکے، زیادہ ایڈونچرس ہوتے۔ ملک میں امن و امان، ترقی و خوش حالی کا دور دورہ تھا۔ اور ایک عام جاہل ہندو "ملکہ ٹوریہ" کو دیوی ماتا کہنے لگا تھا۔ (مرنے سے پہلے وکٹوریہ نے لارڈ کرزن سے کہا تھا۔

(BE KIND TO MY POOR INDIANS

اس ملک کی قدیم روایت تھی کہ بادشاہ پرجا کو درشن دیتا تھا۔ اور پرجا اس سے فریادی ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے اکثر ہندوستانی امرا اپنا سارا اثاثہ فروخت کر کے، صعوبتیں اٹھا کر، اپنے مقدموں کی اپیل کے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

لئے لندن جاتے تاکہ ملکہ سے خود فریادی ہوں۔ زیادہ تر نامراد لوٹتے یا غریب الوطنی کے عالم میں مرجاتے ۔ حاکم کے حکم کی اطاعت اور صاحبان اقتدار کا خوف اس ملک کے عوام کی سرشت میں داخل ہے۔ لہٰذا کیا تعجب ہے کہ اہل ہند ہماری اطاعت گزار رعایا بن گئے اور ملکہ کو اپنی ماں سمجھنے لگے ۔

غدر کے بعد انڈین سول سروس قائم ہوئی اور "کمپنی بہادر والا" اینگلو انڈین منظر پر نمودار ہوا۔ مغرور، خود پسند، ہیلی بری کے بجائے اوکسبرج کا تعلیمیافتہ، جو "باکس والا" یعنی اپنے ہم قوم تاجر کو بھی ذرا حقیر سمجھتا تھا۔ یہ نیا سویلین خالص امپریلیسٹ تھا۔ غدر سے پہلے کی لبیاد: رواداری برطانوی روایات اور ہندوستان کی اس دلکش نیم تہذیب سے بالکل ناواقف جو غدر کے بعد ہمیشہ کے لئے مٹ گئی۔ ڈیڈی نئے سویلین تھے۔ اور ہندوستان کی برطانوی سوسائٹی کی نئی اور شدید کٹر کاسٹ سسٹم کے ایک فرد۔ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے نمائندے اور دنیا کی ارفع ترین ملازمت کے رکن، مغرور، خرد ماغ، لیکن جو حقیر لکڑ داروں کی جانیں بچانے کے لئے اطمینان سے لقمۂ اجل بن گئے ۔ انسانی فطرت کے ۔ برطانوی کردار کے یہ تضاد ــــــــ!

چارلس بارلو دریچے سے ہٹ آیا۔ بارش شروع ہو چکی تھی ۔

شملہ برطانوی دیوتاؤں کا مسکن تھا۔ اضلاع کے کلکٹر اور کمشنر عموماً اپنے اپنے صوبوں کے پہاڑوں پر جاتے تھے، دارجلنگ میں ہماری دلفریب کوٹھی، پہاڑ ہمیں اپنے وطن کے مناظر اپنے وطن کی خوشگوار سردی کی یاد دلاتے تھے۔ ہمارے حسین ہل اسٹیشن، ہمارا پیارا ہندوستان ۔

یہ واقعہ ہے کہ ہم سب، ہماری ساری قوم اس ملک کے سحر سے نہیں بچ سکی ۔ اس کی گرمی، غلاظت اور کمینگی کے باوجود ۔

ہماری یہ مخصوص دنیا۔ وطن واپس جا کر بھی جس کی یاد ہمیں ستاتی رہتی ہے۔ یہ مخصوص زبان، جو ہم نیٹوز کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، بندوبست، شاباش، سب برابر، کوب مالوم ہائے۔ کپتر داریوشور، شاندہ بوٹ اچا۔ بڑا کھانا۔ بڑا تماشا۔ ایڈورڈ لیر کی نظمیں ــــــــ

بیک وقت نفرت و محبت کا یہ عجیب و غریب رشتہ۔ لارڈ مورلے نے صحیح کہا تھا۔ میں مغربی ہوں، مشرقی نہیں۔ میں بہت زیادہ شرقیت کبھی اختیار نہیں کر سکتا ۔

یہ بھی واقعہ تھا کہ عموماً انگریز میل جول میں مسلمانوں کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ مسلمان ہندوؤں کے مقابلے میں بہت زیادہ مہذب تھا۔ ہندوؤں کو ہمارا یہ ترجیحی سلوک قدرتی بات ہے کہ بہت برا معلوم ہوا ۔

اوکسفرڈ میں مسعود علی اور راما ناتھن سے ہندو مسلم سوال پر کتنی لمبی لمبی بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ بنگے سے تازہ اخبار آئے رکھے ہیں۔ میں نے ابھی تک کچھ نہیں پڑھا۔ سرخیاں دیکھتے ہوئے آج ڈر سا لگ رہا ہے۔ برطانوی ہمت اور بہادری۔

وہ دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ پائپ جلایا، اب غسل کے لئے جانا چاہئے۔

مسعود آج کل پنجاب میں کلکٹر ہے۔ راما ناتھن مراٹھا کنٹری میں کہیں تعینات ہے۔ دونوں اپنی بحثوں میں ظاہر کرتے تھے کہ برطانوی حکومت سے متنفر ہیں۔ اور دونوں کی شدید تمنا تھی کہ آئی۔ سی۔ ایس میں لے لئے جائیں۔ دونوں اس وقت اس برطانوی حکومت کے ارفع ترین ملازمت کے اراکین ہیں۔ اپنے ہم وطنوں کو خاطر میں نہیں لاتے اور زمین پر قدم نہیں دھرتے۔

آہ ــــ ہندوستانی کردار ــــــ! ہندوستانی کردار!

مگر وہ انقلابی جو اس حکومت کی بیخ کنی کے درپے رہے ہیں، مجھے وہ بھی مضحکہ خیز لگتے ہیں۔ اصلیت غالباً یہ ہے کہ مجھے صرف اپنے نوکر، بھشتی اور خدمت گار، رینگتے سلام کرتے "مائی باپ، غریب پرور" کہتے کسان اور جاہل اور قابل رحم ہندوستانی اچھے لگتے ہیں۔ پچھلے دو تین سو سال میں مراقش سے چین تک اہل مشرق کی پسماندگی اور جہالت کا بھرپور تجربہ کر چکنے کے بعد ہم انھیں اپنے جیسا انسان سمجھنے کے لئے غالباً ابھی تیار نہیں۔

جب چارلس بارلو سول سروس میں شامل ہوا اس وقت دہشت پسند تحریک ایک بار پھر زور پکڑ چکی تھی۔ پچھلی صدی کے لبرل مصلحین کے مقابلے میں سامنے آنے والے جوشیلے قوم پرستوں کی "عوامی جدوجہد" کی اپیل نچلے متوسط طبقے، اور بیکار نوجوانوں میں پہنچ چکی تھی۔ سوال یہ ہے کہ ہم نے یہ یونیورسٹیاں کیوں قائم کیں؟ چارلس نے پائپ سلگایا اور پھر دریچے میں جا کھڑا ہوا۔ دہشت پسند قوم پرست اور امن پسند قوم پرست اور یہ اور وہ ــ اس جوالا مکھی پر قابو پا کر اسی سکون کے ساتھ اس برصغیر کا ایڈمنسٹریشن چلائے جانا سول سروس کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

اوکسفرڈ سے تازہ تازہ آیا ہوا نوجوان چارلس بارلو انقلابیوں کے پرانے گڑھ بارلیسال میں جوائنٹ مجسٹریٹ تھا۔ یہ ان لوگوں کا بنگال ہے۔ یہ میرا بنگال بھی تو ہے۔ گرینڈ ڈیڈا اور گرینڈ ما، ڈیڈا اور مما، آنٹ میبل اور آنٹ ماڈ کا بنگال، مجھے اس سے کتنی محبت ہے، میں اسے تباہ ہونے دوں گا؟ وہ بارلیسال

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کلب کے برآمدے میں وہسکی پیتے ہوئے BROOD کرتا۔ اس نے دہشت پسند تحریک کا مطالعہ کیا۔ انقلابیوں کے حالات سے تفصیلی واقفیت حاصل کی۔ ان کی لکھی ہوئی ورناکیولر کتابوں کے اہم اقتباسات ترجمہ کروا کے پڑھے۔ (مثلاً بسمل شاہجہاں پوری کی سوانح حیات جو انھوں نے پھانسی پانے سے تین روز قبل لکھ کر ختم کی تھی) اس نے دنیش چندر سرکار کی کتاب کا بغور مطالعہ کیا، کراو کسفرڈ میں اقتصادیات ہی اس کا مضمون تھا۔ مگر اس قدر مفسدانہ، بالشویک خیالات ان انقلابیوں کے خصوصاً دنیش چندر سرکار کے تھے، اس نے ہندوستانی نفسیات پر عموماً اور بنگالی نفسیات پر خصوصیت کے ساتھ غور کیا۔ کہ بنگالیوں کی شکتی پوجا کا ان کی تخریب پسندی سے کتنا گہرا نفسیاتی تعلق ہے۔ دراوڑوں، منگولوں اور آریوں سے قبل کے قدیم ترین وحشی قبائل کا خون ان کی رگوں میں جوش مارتا ہے، تو کس آسانی سے مار دھاڑ پر اُتر آتے ہیں۔ آدی واسی قبائل کی دیوی ماں کا عقیدہ اب تک ان کے دلوں میں راسخ ہے۔ اُسے ان کے بنکم بابو نے کس چالاکی سے "مدر انڈیا" سے مماثل کر دیا۔ بندے ماترم۔ ہا ہا۔ ماتا خون کی قربانی چاہتی ہے۔ مسلمان کا خون۔ انگریز کا خون۔ ـــــ ارے ان چالاک بابوؤں کی سائیکولوجی سے تو ہم واقف ہیں۔ ان کے فلسفی اپنی "روحانیت" اور "اساطیری علامات" کے متعلق ہمیں کیا سمجھا ئیں گے۔

مگر ہماری قوم میں بھی احمقوں کی کمی نہیں۔ وہ ایلس جیسی خبطی ایک مارگریٹ نوبل آئی تھیں، وہ کالی کی پرستار بن گئیں۔ ان کو سسٹر نودتا بنا کر ان ہندوستانیوں نے جھنڈے پر چڑھا دیا۔۔۔ عورتوں کی دراصل صحیح عمر میں شادی ہو جانی چاہیے۔

دیویکانند، سنا ہے بے حد وجیہہ تھا۔ سب یوروپین اور امریکن عورتیں اس کی مقناطیسی آنکھوں پر عاشق ہوتی تھیں۔

اہل ہند سسٹر نودتا اور اپنی بسنٹ کے کیا کیا گن نہیں گاتے۔ کہ دیکھو تمہارے جیسے سفید فام بھی ہماری روحانی عظمت کے قائل ہو گئے ـــــ ہا ـــــ بیچاروں کا احساسِ کمتری۔

اس احساس کمتری میں ہم ہی نے انھیں مبتلا کیا۔ بڑھیا سے بڑھیا ہندوستانی انگریزیت دوبا میں کر لینا فخر سمجھتا ہے۔ ہائے کس قدر قابلِ رحم قوم ہے۔ کس فخر سے کوٹھیوں میں رہتے ہیں۔ چھری کانٹے سے کھاتے ہیں۔ انگریزی بولتے ہیں۔ دنیا کا عظیم ترین، شالی، کولونیل سماج!

اور پھر پچھلی صدی کے بہتم سفر۔ ان کے ہارمونیم اور پیانو۔ ان کی خواتین کی گاؤن نما ساریاں۔ اونچی ایڑی کے جوتے اور موزے۔ ان کے انگلستان کے سفر، ان عورتوں نے پردہ ترک کر کے زنانہ اور پالکی اور حرم کے رومان کا بھی خاتمہ کر دیا۔

بے چارہ الفٖ حیم۔

ٹیگور بھی ہماری نقال تہذیب کی پیداوار ہے۔ ہم نہ آئے ہوتے تو نہ رام موہن پیدا ہوتے نہ رابندرناتھ، اسی طرح آپس کے کشت و خون میں اور کئی صدیاں نکل جاتیں۔ آخر دیکھو افغانستان وغیرہ کی کیا حالت ہے۔ ٹیگور نے شیلی اور کیٹس نہ پڑھا ہوتا تو ایسی شاعری نہ کرتا۔

بے چارہ اوپری طبقہ کا ہندو۔ پہلے مسلمان حکمرانوں کی نقالی میں لگا رہا۔ اب ہماری تقلید میں جُتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ سارے ہندوستانی ریاکار ہیں۔ شانتی شانتی رٹتے ہیں مگر تشدد اور بیر تمی ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ مذہبی جنون اور ملکی سیاست کا اس ملک میں ہمیشہ سے گہرا تعلق ہے۔ مسلمانوں سے پہلے شیووں، شاکتوں، برہمنوں، بودھوں، جینیوں میں جنگیں ہوا کیں، جس عہد کا جو راج دھرم ہوا اس کے حکمرانوں نے دوسرے فرقوں پر ظلم توڑے۔ اب مسلم پیریڈ پر آیئے۔

"عبدالغفور ـــــ"

ایک منٹ میں عبدالغفور دروازے پر نمودار ہوئے۔

"صاحب"

"کچھ نہیں جاؤ"

عبدالغفور واپس چلے گئے۔

مسلم دور ـــــ ساری مسلم پیریڈ کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ سارے مسلمان بادشاہ خود کو فخریہ غازی کہتے تھے اور بت شکن، کافروں کو مارو۔ مندر گرا کر مسجدیں بنا دیں۔

برطانوی دور کو لیجیے ـــــ سنیاسیوں اور مولویوں کی بغاوتیں، جہاد کے فتوے، اور حال ہی رام کرشن مٹھ کے سوامی دویکانند کے ساتھی اور چیلے چانٹے جو بنگال کے اولین دہشت پسندوں میں شامل تھے۔ انقلابیوں کو اپنے مٹھوں میں پناہ دیتے، خود انڈرگراؤنڈ میں کام کرتے۔ اٹھارویں صدی کے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

سپاہیوں کی معنوی اولاد ـــــ تاریخ کس طرح اس ہلاکت خیز ملک میں متواتر اپنے آپ کو دہراتی ہے۔

اور جو ہندوستانی بم نہیں پھینکتے انہیں تقریریں کرنے کا مرض ہے۔ ساری قوم اس عارضے میں مبتلا ہے۔ کپلنگ کو ۱۸۸۸ء میں پائنیر نے الٰہ آباد سے غلاظت اور تعفن اور بھیانک راتوں کے شہر کلکتے بھیجا۔ وہاں بابو لوگ جنھیں ہم نے لوکل سیلف گورنمنٹ سونپ دی تھی۔ اپنے شہر کی صفائی کے بجائے تقریریں کر رہے تھے۔ میونسپل بورڈ اور بنگال لیجسلیٹو کونسل کے نیٹو ممبرس دھواں دھار تقریریں کر رہے تھے۔ نظریات کے بجائے ان حضرات کو کدال اور پھاوڑے سنبھالنے چاہئیں۔ کپلنگ نے انتہائی نفرت سے کہا تھا۔ یہ بات آج تک صحیح ہے۔

تقریریں کرتے ہیں اور بے حد ذہین ہیں، اس لئے دماغ قانونی موشگافیوں میں بھی خوب چلتا ہے۔ کاکوری ڈکیتی۔ صرف دس نوجوانوں نے چلتی ٹرین روک کر سرکاری خزانہ لوٹ لیا۔ کمال ہے۔ اس کے ملزمین کے دفاع میں موتی لال نہرو کی جرح میں نے خود سنی تھی۔ پٹنہ اور الٰہ آباد کے یہ سارے طباع قانون داں جو لندن سے قانون پڑھ کر آتے تھے اور آکسبرج کے تعلیم یافتہ لیڈروں کے مقدمے لڑ رہے تھے۔ یہ ہماری بابرکت امپیریلزم کا نتیجہ ہوا۔

انقلابیوں کے گیت ـــــ "لے گا ہند پیچھے کو لے گا انڈمان آگے" نذر الاسلام کے طوفانی گانے، ڈرامے، عوامی ناٹک۔ گرینڈ ڈیڈ اور ایڈورڈ بارلو کا بنگال ان آتشیں آوازوں سے گونج رہا ہے۔

یہ انقلابی واقعی بڑے جری لوگ تھے۔ اپنی تحریک کے قانون کے مطابق صرف تین چھٹانک چاول اور ڈیڑھ چھٹانک چنا ان کو روزانہ پیٹ بھرنے کے لئے ملتا تھا۔ اور حیرت انگیز صعوبتیں اٹھا کر یہ ہم سے لڑ رہے تھے۔

اشلوک رٹتے اور نمازیں پڑھتے ہوئے دار پر چڑھتے تھے

سوال یہ ہے۔ چارلس بارلو نے پائپ کا گہرا کش لگا کر سر پیچھے لٹکایا کہ آئرش باغیوں نے بھی تو ہمارا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ان کو ہم اتنا مجرم نہیں سمجھتے، محض اس لئے کہ وہ گورے تھے؟

ستمبر ۱۹۳۹ء میں ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ نافذ کیا گیا کہ یورپ میں ہم ہٹلر کے مقابلے میں بالکل تنہا تھے اور ہندوستان میں ہمیں باغیوں اور مفسدوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ گرینڈ ڈیڈ اور ڈیڈ ضرور خوش ہوں گے کہ میں نے اپنی بساط بھر اس قومی کرائسس کے موقع پر اپنے فرائض ادا کیے۔ اپنی حد تک میں نے اپنے اضلاع میں کمیونسٹوں کا قلع قمع کرنے کی کوشش کی۔ بے چارہ پل کینٹ ویل ان کے ایک لیڈر ریحان احمد کو نہ پکڑ سکا اور اس کی سزا میں اسے دور دراز رنگاماٹی تبدیل کر دیا گیا۔

کامریڈ ریحان کو میں بھی کبھی نہ پکڑ سکا۔ میں خوش ہوں کہ اب حالات بدل چکے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ مجھے ان لوگوں کو مجرموں کی طرح پکڑنا اچھا نہیں لگتا۔ مگر فرض فرض ہے۔

خدا کرے ایلس خیریت سے ہو۔ گارو ہلز میں ہمیشہ سے مشنریوں کا اثر ہے۔ مگر کمیونسٹ وہاں بھی زور پکڑ چکے ہیں۔ اور وہاں کے جنگلی کمیونسٹ اور سوشلسٹ کے باریک فرق کو نہ سمجھ سکیں گے۔

بلیا میں باغیوں نے آزاد سرکار قائم کر لی۔ یو۔پی کی سڑکوں پر لڑکے "ہمارا بادشاہ کون ـــ؟ ابوالکلام آزاد!" کے نعرے لگاتے پھر رہے ہیں۔ آسام میں گولیوں کی بارش ہو رہی ہے۔ سبھاش چندر بوس نے رنگون میں بہادر شاہ ظفر کے مزار پر جا کر قسم کھائی ہے کہ وہ ہندوستان کو آزاد کرا کر دم لیں گے۔

جیزس کرائسٹ!

چارلس بارلو نے زور سے انگڑائی لی۔ بہت جلد کیا میں بھی کرنل بلمپ کی طرح، ایک کردار، ایک ٹائپ میں تبدیل ہو جاؤں گا؟

اوکسفرڈ میں ایسے ہی ایک اتوار کی خاموش صبح دریا کے کنارے ٹہلتے ہوئے حسب معمول انڈر گریجویٹ بحث ہو رہی ہے۔ میں ٹوری نوجوان ہوں، فریڈ کارٹر بالشویک ہے۔ مسعود علی اور راماناتھن ہندوستانی قوم پرست۔

"ہماری قدیم تہذیب ـــ" راماناتھن گرج رہا ہے۔

"سر ـــ، آپ کی قدیم تہذیب، وہ بھی حکمراں طبقے اور پروہتوں تک محدود تھی۔ اور اشوک کے عہد کی کلچر یا شاہجہاں کے عہد کی کلچر کی طرح آج کی برٹش یا مغربی کلچر بھی آپ کے مٹھی بھر طبقے تک ہی محدود ہے۔" میں جواب دیتا ہوں۔

"یورپ میں تعلیم عام ہوئی۔ کیونکہ وہ آزاد تھا۔ ہم غلام تھے۔ اس لئے جاہل اور پسماندہ رہ گئے۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

مسعود علی کہتا ہے۔

"خوب! آپ کا مغل دور تو آزادی کا دور تھا۔ اس وقت اسکول اور یونیورسٹیاں تھیں؟ ڈیڈ بتاتے تھے کہ جب گرینڈ ڈیڈ اڑیسہ پہلی بار گئے اس وقت وہاں ایک چھپی ہوئی کتاب موجود نہیں تھی۔ فریڈ۔ غور سے سنو۔ سارے صوبے میں ایک چھپی ہوئی کاغذ کی کتاب موجود نہ تھی۔ پر وہ بہت لوگ تاڑ کے پتوں پر کچھ لکھ دِکھ لیا کرتے تھے۔"

"یہ جہالت فیوڈلزم کی کارستانی تھی۔" بالشویک فریڈ جواب دیتا ہے۔

"بکواس۔" میں بات جاری رکھتا ہوں۔ "اور سنو۔ جب کلکتے میں ہم نے کتابیں چھاپنا شروع کیں تو اشتعمروں پر لدے ہوئے ہندو طلبہ چلّا چلّا کر ان کتابوں کا مطالبہ کرتے تھے۔ میکالے نے کہا تھا کہ یورپ کی کسی لائبریری کا ایک شیلف ہند اور عربستان کے سارے نیشنل لٹریچر پر حاوی ہے۔"

میری سنی ان سنی کر کے راما ناتھن اپنا وظیفہ شروع کر دیتا ہے۔ "انیسویں صدی کے پہلے نصف میں سات قحط پڑے جس میں پندرہ لاکھ لوگ مرے۔ دوسرے نصف میں چوبیس، قحط پڑے، جن میں ایک کروڑ انسان مرے۔" پھر سیاہ فام راما ناتھن بڑی شیرینی سے مسکرا کر مجھ سے پوچھتا ہے۔ "ہاں۔ وہ ہندوستان کی یونیورسٹیوں کا کیا ذکر تھا۔؟"

"کبھی نالندہ اور ٹیکسلا کا نام سنا ہے؟" اور اس کے سفید دانت جھلملاتے ہیں۔ گویا بازی جیت لی۔

ہم تینوں ناؤ میں جا بیٹھتے ہیں۔ مسعود علی پتوار سنبھالتا ہے۔

اب راما ناتھن کہہ رہا ہے۔ "اگر تم لوگ نہ آئے ہوتے تب بھی ہندوستان مغربی علوم سے بہرہ ور ہو جاتا۔ ٹیپو سلطان شہید اور راجہ رام موہن رائے دونوں فرانس کے مدّاح تھے۔"

"گاڈ آل مائٹی۔ ٹیپو صاحب تو سخت اینٹی ہندو تھا۔ اب ہمارے مقابلے پر ایک ہیرو کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تم چالاک لوگوں نے اسے اور سراج الدولہ کو ہیرو بنا لیا۔ دونوں اینٹی ہندو تھے۔ معاف کرنا مسعود۔ اولڈ چیپ۔"

"ہماری تاریخ تم لوگوں نے مسخ کی ہے۔" راما ناتھن غرّاتا ہے۔ "ہم نے تمہیں انگریزی زبان کے ذریعے متحد کیا۔" میں جواب دیتا ہوں۔ "تم اور مسعود ایک دوسرے سے انگریزی میں بات کیوں کرتے

ہو۔؟" کنارے پر کھڑی ایک حسین لڑکی ہاتھ ہلاتی ہے۔ وائلٹ! ہم کشتی کھیتے، ہنستے بولتے کشتی کا رُخ اس کی طرف موڑ لیتے ہیں ـــ وائلٹ جو میری بیوی ہے

خدا کرے وائلٹ خیریت سے ہو۔

وہ اب آہستہ سے اٹھ کر میز تک گیا اور تصویر دیکھنے لگا۔ ڈارلنگ۔ تم اس وقت نیم تاریک لندن کے کس پب میں کس فوجی کے ساتھ بیٹھی ہوگی۔ بیر کا مگ تمہارے ہاتھ میں بھی ہوگا۔ مگر کس کی معیّت میں؟

یہ حسین عورت مجھ سے تین بار بے وفائی کر چکی ہے۔ آوٹی میں، فلورنس میں، ہیٹ فیلڈ میں۔ وائلیٹ مائی لو۔ تم یہ بھی جانتی ہو میں نے تم سے کتنی بار بیوفائی کی۔ ماڈرن میرج۔

اور یہ جنگ کا زمانہ ہے۔ اور جنگ میں سب کچھ روا ہے۔ اس محفوظ و مامون ہماری زندگی میں اچانک کیسا زلزلہ آگیا۔ جنگ، بغاوت، تباہی۔

ٹام۔ ٹام نو سال کا ہو گیا۔ میرا پیارا بیٹا۔ کیا میں تم سب کو زندہ دیکھ سکوں گا؟

امریکن بہت دلکش ہوتے ہیں۔ برطانوی عورتوں کے لئے۔ وائلٹ تم ہمیشہ سے فلرٹ رہی ہو۔ بلیس یور لٹل ہارٹ، W A C کے یونیفارم میں کتنی بھلی معلوم ہو رہی ہے۔ میری بیوی۔ این شیریڈن کی طرح دلفریب۔

اس وقت کیا کر رہی ہو، ڈارلنگ، سینٹ جانز ووڈ کا کوئی میوز؟ کوئی کنٹری اِن ـــ یا ہمارے اپنے گھر کا ـــ ۱۳ اینڈریوز کریسنٹ کا بیڈ روم ـــ؟

یہ سب جانتے ہوئے بھی تم پر عاشق ہوں، جانِ من۔ اور تم بھی میری اس کمزوری سے واقف ہو۔

اس نے بیر کا مگ زور سے میز پر پٹخ دیا۔ باہر بارش کا زور بڑھ چکا تھا۔

بنگال کی برسات، ملیریا، مچھر، کیچڑ، تعفن، طوفان، سانپ، مینڈک۔ اس برسات کے لئے ٹیگور اور سارے بنگالی شاعری کرتے کرتے مرے جاتے ہیں۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اس وقت میں سجیدا لٹش انڈین ہو رہا ہوں۔

وائلیٹ۔

لاچار غصے سے پھر میرا خون کھول رہا ہے۔ مجھے اس سے اتنی نفرت ہے۔ اتنا عشق ہے یہ آج تک معلوم نہ تھا۔

کمبخت خط بھی نہیں لکھتی۔ شاید میں اس کے لئے مرچکا ہوں۔ شاید وہ یہ سمجھتی ہے کہ باغیوں نے مجھے بھی قتل کردیا ہوگا۔

مما۔ آنٹ میٹی

اُس نے آنٹ میٹلڈا کی تصویر پھر اپنے سامنے رکھی اور سر ہلانے لگا۔

آنٹ میٹی تم نے بھی اتنے دنوں سے خط نہیں لکھا۔ مگر ان کے ہاتھ میں رعشہ ہے۔ بےشک سے قلم نہیں پکڑ سکتیں۔ آنٹ میٹی تم ایک زمانے میں کتنی خوب صورت تھیں۔ اپنی یہ پرانی تصویر دیکھو۔

وائلیٹ۔ ایک دن تم بھی بوڑھی ہو جاؤ گی۔ یہ نہ بھولو۔ تم نے آنٹ میٹی کو کسی ہوم میں ڈال دیا تاکہ آزادی سے عیش کرو۔ میں تمہیں کبھی معاف نہ کروں گا۔ میں ہندوستانی ہوں۔ میں سخت دل انگریزوں کی طرح کبھی بوڑھے ماں باپ اور رشتے داروں کو گھر سے نکال کر کسی ہوم میں پھینکنا برداشت نہیں کرسکتا۔

اب اس کے آنسو بہنے شروع ہوئے۔ اب تک وہ کتنی شراب چڑھا چکا تھا۔

خداوندا۔ اگر تو واقعی کہیں موجود ہے، وائلیٹ کو، ٹام اور کیرل کو، آنٹ میٹی کو، ایلس کو، ان سب کو اپنی حفاظت میں رکھ۔

اولڈ پیپلز ہوم۔

کسی دن شاید میں بھی، مجھے بھی ٹام اور اس کی بیوی گھر سے نکال کر اولڈ پیپلز ہوم میں ڈال دیں گے۔ بیچارہ بڈھا جو ہر وقت ہندوستان کے متعلق بڑبڑاتا اور آہیں بھرتا ہے۔ (نرسیں آپس میں کہیں گی)

تم آنٹ میٹی کی طرح مفلوج اور بوڑھی ہو جاؤ گی۔ اور تمہاری بہو تمہیں ہوم میں پھینک دے گی۔

اسی برسات میں، میں نے وائلیٹ کے ساتھ اپنی لانچ پر پدما کے کیسے رومانی سفر کئے ہیں اسٹیمر پر ہم ہنی مون کے لئے سندربن گئے تھے۔ اسٹیمر کا کیا نام تھا ——؟ کنگ فشر۔

آج ہماری شادی کو پورے گیارہ سال ہو گئے۔ یارک شائر کی تازہ وارد لڑکی شروع شروع میں کیسی حیرت سے یہاں کی ہر چیز کو دیکھتی تھی۔

۱۹۳۱ء ہماری شادی کا پہلا سال، باریسال میں، جہاں میں نے دنیش چندر سرکار کو پکڑوا دیا۔

میں نے دنیش چندر سرکار کو پکڑوا دیا۔

میں نے دنیش چندر سرکار کو پکڑوا دیا۔

میری سروس کا سب سے نمایاں کارنامہ۔

سیاہ آنکھوں والا دلکش، میرا ہم عمر نوجوان، میرے سامنے کٹہرے میں کھڑا تھا۔ ممکن تھا کہ وہ اوکسفرڈ میں میرا ہم جماعت ہوتا۔ کشتی کھیتے ہوئے مجھ سے بحثیں کرتا۔ مگر وہ کال کوٹھری میں جانے سے قبل میرے سامنے کھڑا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ بڑا جینئس انٹلکچول ہے۔ میں اس سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔

جس روز اس کی اپیل ہائی کورٹ سے مسترد ہوئی مجھے بے حد۔ کتنا۔ بےحد دکھ ہوا تھا۔

کیوں؟ وہ بالآخر میری قوم کا جانی دشمن تھا۔ اگر میں نے اسے نہ پکڑا ہوتا تو اس نے مجھے ہلاک کردیا ہوتا۔ —— مجھے اس کی اپیل مسترد ہونے کا بڑا رنج ہوا تھا۔

جس روز علی پور جیل میں اُسے پھانسی ہوئی، اسی روز ہمارے یہاں ٹام پیدا ہوا تھا۔

سنجو آیا، وائلیٹ کی منہ چڑھی اس سے کہنے لگی۔ میم صاحب۔ ہم ہندو لوگ آواگون میں بیلیو کرتا ہے۔ شکر ہے کہ دنیش بابو کی پھانسی کے دو گھنٹے پہلے ٹام بابا پیدا ہوا۔ اگر تھوڑا منٹ بعد پیدا ہوتا تو بہت سا ہندو لوگ بولتا کہ دنیش بابو نے بدلہ لینے کے لئے آپ کے گھر میں جنم لیا ہے۔

واٹ اے ہوریبل تھوٹ —— بےچاری وائلیٹ نے ذرا سا کانپ کر کہا تھا۔

اور یہ واقعہ ہے کہ آیا کی اس عجیب و غریب بات کے بعد لاشعوری طور پر میں نے اطمینان کا سانس لیا تھا کہ ٹام دنیش سرکار کی پھانسی سے دو گھنٹے قبل پیدا ہوا —— کرائسٹ۔ اس دیوانے وحشی ملک میں رہ کر انسان خود دیوانہ ہو جاتا ہے۔

میں نے دنیش چندر سرکار کو ——

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور ایک اور بھیانک خیال :۔

جیٹ لگ کی ستائی ہوئی خبر تازہ ترین خبر ہے وہ تو کل ہی لندن سے یہاں پہنچا ہے۔ اگ نے اُس امریکن افسر سے ملاقات بھی کی ہے۔

نمبر ۱۴۔ اینڈریوز کریسنٹ میں ایک امریکن کرنل BILLET کر دیا گیا ہے۔ اس میں وائیلٹ کا کیا قصور ؟

اس امریکن کا نام کرنل ڈونلڈ جوئیل ہے۔ بہت خوب صورت طرحدار جوان ہے۔ میں طرحدار کہاں ہوں۔ موٹا بھدا، اتنی موٹی ناک، وائیلٹ میری جان، میں ہرگز تمہارا مستحق نہیں تھا۔ مگر تم نے بھی تو میرے عہدے سے شادی کی تھی۔

مارچ ۱۹۳۹ء۔ اس پُرامن دنیا میں ہم آخری بار برطانیہ گئے تھے۔ کاش وہ بچوں کا داخلہ کرانے کے بعد میرے ساتھ ہی واپس آگئی ہوتی۔

اب میں پھر الف جیم کی تلاوت کرتا ہوں۔

وہ آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ صدمے، رنج، پچھتاوے، بہت کم ایسا ہوتا ہے جب انسان کو اتنی مہلت ملے کہ وہ یکسوئی سے اپنی ساری زندگی کا جائزہ لے۔ اپنے اندر جھانکے۔

اب اُسے غنودگی آرہی تھی۔ ماضی محفوظ ہے۔ یادوں کا قبرستان محفوظ ہے۔ اس نے کاہلی سے نغماتِ ہند اٹھائی اور اس کے صفحے پلٹتا رہا۔ نیم وا آنکھیں ذرا سی کھول کر اونگھتے اونگھتے کتاب کے آخر میں دوسری کتب کے اشتہاروں پر نظر ڈالی۔ ایک شفیق تبسم اس کے ہونٹوں پر بکھرنے لگا۔

"نیل کی کاشت ـــــ ایک پلانٹر کی زندگی کا دلچسپ مرقع۔"

"پرانے کلکتے کی آوازِ بازگشت" از ڈاکٹر بسٹیڈ۔ سرورق پر بلیک ہول کی تصویر۔

فہرست مضامین :۔ فلپ فرانسس کا دور، نن کومار، فرانسس اور ہیسٹنگز کا ڈوئیل، وغیرہ وغیرہ۔

"انگلش ایٹی کیٹ فار انڈین جنٹلمین۔ سوشل اینڈ آفیشل" از :۔ ڈبلو ٹریگو ریب۔ بنگال ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ۔

"بہار کی پرانی یادیں" ایک پرانے پلانٹر کے قلم سے۔

"جسٹس انوکول چندر مکرجی آنجہانی" از :۔ ایم مکرجی۔ انڈین انگلش یا بابو انگلش کا بے حد مزیدار نمونہ ـــ قارئین سے درخواست ہے کہ اس جنٹلمین کی سوانح حیات جو اُن کے بھتیجے نے لکھی ہے، ضرور پڑھ کر تفریح حاصل کریں۔

"آسام میں ایک ٹی پلانٹر کی زندگی" از جارج بارکر۔

"انڈین ریسنگ کی چند یادیں۔"

"گھوڑے، آدمی اور اسپورٹس۔"

"سیونی" ست پڑہ پہاڑیوں میں کیمپ لائف۔

"بنگلے کے پیچھے" از "ایہا" مزاحیہ کتاب

ابواب :۔ بوائے کو ملازم رکھنا، ڈوگ بوائز، مشعلچی، حمال، ہری درزی، بٹلر۔"

عبدالغفور ـــــ ابھی بنگلے کے پیچھے میرا بٹلر عبدل زندہ ہے۔ میں محفوظ ہوں، چارلس بادلو نے اونگھنا شروع کر دیا اور پھر کرسی کے ہتھے پر سر رکھ کر سو گیا۔

خاصی بوسیدہ چھتری لگائے، بارش میں بھیگتے حواس باختہ ریورنڈ بنرجی دور پھاٹک میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت دوپہر کا ایک بج چکا تھا اور ڈی ایلمز ہاؤس کے برآمدے کے ایک در میں کھڑے عبدالغفور ہیڈ چپراسی سے آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔

"صاحب چھوٹا حاضری کے بعد سے دروازے بند کیے اسٹڈی میں بیٹھا ہے۔ دیر پہ دیر پے چلا جا رہا ہے۔ اللہ جانے کیا معاملہ ہے۔ شاید ولایت سے میم صاحب کی کوئی خیر خبر نہیں آئی۔"

چپڑاسی نے متانت سے سر ہلایا۔ اتنے میں اس کی نظر پادری صاحب پر پڑی جو برساتی میں پہنچ چکے تھے۔

پادری بنرجی نے سیڑھیاں چڑھ کر جلدی جلدی پائیدان پر جوتے رگڑے، اور برآمدے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

میں آئے۔ چھتری بند کی تو اس میں سے پانی کی بوندیں فرش پر گریں۔ شفاف فرش خراب ہو گیا۔ اور وہ اور زیادہ گھبرائے۔ اور دہشت زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ عبدالغفور نے لپک کر چھتری ان کے ہاتھ سے لی، ہیٹ ایک کے کونے میں لٹکادی اور سلام کیا۔

"صاحب کہاں ہے؟" پادری بنرجی نے ہیبت زدہ آواز میں دریافت کیا۔ عبدالغفور ان کی اس حالت پر متعجب ہوئے۔

"صاحب کتاب والے کمرے میں ہے پادری صاحب۔"

"صاحب کو بولو، مہربانی ہوگی۔ ایک دم ضروری بات کرنا ہے۔ مہربانی ہوگی۔"

عبدالغفور نے سر ہلایا اور اندر گئے۔ لائبریری کا دروازہ دھیرے سے کھٹکھٹایا اور کواڑ آہستہ سے کھول کر کمرے میں داخل ہوئے۔ آرام کرسی کے پاس جاکر ذرا سا کھنکارے۔

چارلس بارلو نے آنکھیں کھولیں۔

"صاحب۔ کالا پادری آیا ہے۔"

"کون؟" چارلس نے ذرا چونک کر آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

"کالا پادری۔ بنرجی بابو۔"

"اوہ۔ کیا کام ہے؟"

"صاحب۔ وہ ایک دم ضروری بات کرنا مانگتا ہے۔ گول کمرے میں بٹھادوں؟ بے چارہ بہت گھبرایا ہوا دکھتا ہے۔"

چارلس نے سر اونچا کیا۔ "ایں۔ کیا۔ نہیں، ادھر ہی بھیج دو۔"

"ادھر صاحب؟" لائبریری صاحب کا بے حد ذاتی کمرہ تھا۔

"یس، یس، یو ایڈیٹ۔" چارلس نے گرج کر کہا۔ عبدالغفور دم دبا کر غائب ہوگئے۔

چارلس نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔ سر میں درد، خیالات میں انتشار، دل میں دکھ، کیا کروں، اب اس کالے پادری کی فریادیں سنوں۔ میں کہ ہندوستانیوں کا مائی باپ ہوں، ان داتا، غریب پرور،

جب اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں، پادری بنرجی سولا ہیٹ دونوں ہاتھوں میں لیے کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور خوش خلقی سے مسکرایا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"گڈ آفٹرنون مسٹر بارلو۔"

"ہلو۔ پادرے۔ گڈ آفٹرنون۔ گڈ ہیونز۔ کیا دوپہر ہوگئی؟"

پادری بنرجی لجاجت سے مسکرائے، مگر مسکراہٹ نے ذرا سا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب وہ پھر ہیبت زدہ نظر آرہے تھے۔

"کیا بات ہے پادرے آپ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔ ڈو ہیو اے ڈرنک، اوہ یو ڈونٹ ڈرنک، ڈو سٹ ڈاؤن پادرے۔"

"نو، یس، مسٹر بارلو۔" پادری بنرجی ہکلائے اور ایک کرسی پر ٹک گئے۔ ہیٹ گود میں رکھ لی۔ کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ چارلس نے مگ میں بیرانڈیلی، مگ اٹھا کر کہا "ٹو ڈِ کنٹری۔"

پادری بنرجی نے اسی بھونچکے انداز میں سر ہلایا۔ چارلس پھر آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب ساری چیزیں دھندلی دھندلی سی معلوم ہو رہی تھیں۔ آئی ایم ڈرنک، ہُتّرے۔ سامنے کالا پادری بیٹھا تھا۔ مجھے ہمیشہ یہ حیرت رہی ہے کہ انسان اپنا آبائی مذہب کیسے بدل لیتا ہے۔ اپنی کھال اتار کر دوسری کھال کیسے منڈھ لیتا ہے (مثال کے طور پر اگر میں مسلمان ہو جاؤں۔ ہاہاہا) سیاہ سوٹ پہنے، سفید کالر لگائے پاسا میتھو بنرجی بھی مضحکہ خیز ہے۔ جس طرح ایڈورڈ بارلو مضحکہ خیز تھے۔ ریحان الدین احمد مضحکہ خیز ہے۔ میں مضحکہ خیز ہوں، سارا ہندوستان، ساری دنیا، ساری انسانیت ساری زندگی اتنی مضحکہ خیز ہے کہ اس پر آنسو بہانے چاہئیں۔

"مسٹر بارلو۔"

وہ چونکا۔ میں اپنے فرض میں کوتاہی کر رہا ہوں۔ بیٹھو پادرے، فریاد لے کر آیا ہے۔ عدل چاہتا ہے۔ ہاہاہا۔

"مسٹر بارلو۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"اوہ جسٹ ون منٹ پادرے" اُس نے گھڑی پر نظر ڈالی، اور اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا، بھاری بھاری، اونچا اونچا، جھکا جھکا سا کمرہ عبور کر کے ریڈیو کے پاس گیا اور دھم سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ریڈیو کی سوئی گھمانے لگا۔

"دِس از بی۔ بی۔ سی لندن" ایک دم آواز گونجی۔

پادری بنرجی چونک پڑے۔

ہزاروں میل پرے۔ ڈکنی کشتیوں سے معمور سمندروں، گرم صحراؤں میں پھٹتے بموں، جلتے ہوئے یورپ کے اس پار، جلتی ہوئی آکسفرڈ اسٹریٹ کے ایک تہہ خانے میں بیٹھا ہوا اناؤنسر ٹایٹ ایر لپ کے ساتھ اپنے ہم قوم چارلس بارلو سے مخاطب تھا۔

دس منٹ تک وہ چارلس بارلو کو بتاتا رہا کہ اتحادی کہاں کہاں فتحمند رہے ہیں۔ اور برطانیہ میں کہاں کہاں بمباری ہوئی ہے۔ پھر ونسٹن چرچل کے تازہ ہمت افزا بیان کے اقتباس کے بعد خبریں ختم ہوگئیں گوڈ سیو دی کنگ بجا۔ چارلس بارلو فوراً اٹینشن کھڑا ہوگیا۔ پادری بنرجی بھی کھڑے ہوگئے۔

ریڈیو بند کر کے دائیں جھنگلی پلکوں پر پھیرتے ہوئے چارلس بارلو واپس اپنی کرسی پر آن بیٹھا اب جا کر پادرے بنرجی نے کانپتے ہاتھوں سے اخبار جیب سے نکالا۔ اخبار بھی بارش میں بھیگ چکا تھا۔ انھوں نے اُسے ذرا احتیاط سے مسٹر بارلو کے سامنے پیش کیا۔ ایک خبر پر سُرخ نشان لگا تھا۔

چارلس بارلو نے جھک کر خبر پڑھی، تیوری پر بل ڈالا۔ پادری کو دیکھا۔ ہونٹ کاٹے۔

"مجھے بڑا افسوس ہے، پادرے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی لڑکی بھی ......"

"مَیں بالکل مجبور اور لاعلم تھا مسٹر بارلو۔"

"آپ مجھ سے کیا توقع رکھتے ہیں؟"

"میری بچی ـــــ میری بچی ـــــ گمراہ ہے۔ مسٹر بارلو۔ اُسے بچا لیجیے۔" پادری نے اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیئے

وہ جھنجھلا گیا۔ اب اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا تھا، وہ اپنی ذاتی اندرونی دنیا سے واپس آ کر اپنے فرضِ منصبی پر مستعد ہو چکا تھا۔ "آپ کی لڑکی بالغ اور سمجھ دار ہے، جان بوجھ کر اس تشدد گردی میں شامل ہوئی ہے۔ بہت جلد اس رومان پرستی سے اس کا جی بھر جائے گا یا ممکن ہے وہ

ساری عمر اسی میں لگی رہے۔ آئیڈیلزم، خدمتِ قوم، اور خدمتِ خدا کا جنون انسان کو عجیب و غریب طریقوں سے اپنی زندگی تجنے اور تباہ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ میری بہن ـــــ" اب اس نے ہاتھ پھیلائے۔ "میری بہن ایلس پچیس سال سے ناگا جنگلوں کی خاک چھانتی پھر رہی ہے اور غالباً بہت مسرور ہے۔ آپ کی بیٹی بھی جیل میں خوش رہے گی۔ اور خود کو مجاہد سمجھے گی۔"

"مسٹر بارلو ـــــ"

"پادرے ـــــ" چارلس نے دفعتہً بیحد چڑ کر کہا۔ "اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ روزی کے ہتھ گولے نے کسی کی جان لی ہے تو اسے عمر قید ہوگی۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

پادری بنرجی کی آنکھوں میں بڑے بڑے آنسو ڈبڈبانے لگے۔ چارلس دوسری طرف دیکھنے لگا۔ یہ شائستہ اشارہ تھا کہ اب ملاقات کا وقت ختم ہوا۔ مگر پادری بنرجی ڈٹے رہے، ایک آخری کوشش اور ـــ

"مسٹر بارلو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مس بارلو آج کل کسی کام سے پٹنہ میں آئی ہوئی ہیں۔ اگر آپ ان کو ٹرنک کال کر دیں، کہ ـــــ کہ وہ جیل کے ہسپتال میں روزی کو جا کر دیکھ لیں۔ اور ـــ اور ـــ میں نے یہ خط بھی ان کو" انھوں نے جیب سے ایک خط نکال کر چارلس کو تھما دیا، اور ملتجی اور پرامید نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

چارلس نے پڑھنا شروع کیا۔

"ڈیر سسٹر ان کرائسٹ۔

اس مصیبت کے وقت میں ـــــ"

چپراسی کمرے میں داخل ہوا۔

"یس ـ؟" بارلو نے پرچہ پڑھتے پڑھتے سر اٹھا کر پوچھا۔ سنہری اور سُرخ وردی والے چپراسی کے ہاتھ میں چاندی کی پلیٹ تھی جس میں ایک پیلا لفافہ رکھا تھا۔

ہندوستان کے اہلکاروں، چپراسیوں اور سائیسوں کی وردیاں، پگڑیاں اور ٹوپیاں برطانوی حکومت نے پچھلی صدی میں قدیم ہندوستانی امراء و شرفاء کی ملبوسات کے نمونے کی بنوائی تھیں۔ گویا کہتے ہوں، دیکھو، جو تمہارا لباس ہے، وہ ہم اپنے نوکروں کو پہنائیں گے۔

چپراسی نے پلیٹ چارلس بارلو کو پیش کی۔ چارلس نے کیبل گرام کھولا۔ اُسے پڑھا۔ اس کا رنگ سفید

urdukutabkhanapk.blogspot.com

پڑلیا۔ ہونٹ ذرا سے لرزے۔ وہ چند لمحوں تک بالکل ساکت بیٹھا رہا۔ پھر کندھے سیدھے کرکے اٹھ کھڑا ہوا۔ کیبل گرام جیب میں رکھا۔ ابرو کے اشارے سے چپراسی سے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ پھر وہ ملبا، گہرا سانس لے کر کھوکھلی لیکن مضبوط آواز میں پادری سے مخاطب ہوا۔ "اکسکیوز می پادرے، میں ابھی آتا ہوں۔" اور جلدی سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

پادری بنرجی حیران پریشان بیٹھے رہے۔ مسز ایلس بارلو کے نام خط قالین پر گر پڑا تھا۔ اُسے اٹھا کر دوبارہ جیب میں رکھا اور صبر سے چپکے بیٹھ گئے۔

پندرہ منٹ، آدھ گھنٹہ، پینتالیس منٹ، ایک گھنٹہ۔

پورا ایک گھنٹہ گزر گیا۔ تب پادری بنرجی لائبریری سے باہر نکلے۔ کوٹھی پر ایک دم ہُو کا عالم طاری تھا۔ وہ سیڑھیاں اتر کر شاگرد پیشے کی طرف روانہ ہو گئے۔ جس کے نزدیک سارے ملازم ایک ہجوم کی صورت میں جمع آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ عبدالغفور ان کی طرف آئے۔

"کیا بات ہے عبدل۔؟"

"صاحب!" عبدالغفور نے دھیرے سے کہا۔ اور ان کو ساتھ لے کر باغ کی روش پر آ گئے۔ خوب صورت ڈک پونڈ میں بطخیں بڑے سکون سے تیر رہی تھیں۔ دور مرغی خانے میں ایک مرغی کٹ کٹائے جا رہی تھی۔ باورچی خانے کی چمنی میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

"صاحب۔" عبدالغفور نے کہا۔ "میم صاحب گزر گئیں۔"

"گوڈ ہیومرسی۔ کیسے عبدل؟"

"صاحب بیڈ روم میں بُت بنا بیٹھا ہے۔ ابھی اس نے مجھے آواز دی تھی۔ میں اندر گیا تو آہستہ سے بولا۔ عبدل۔ ہمارا میم صاحب گزر گیا۔ ولایت سے تار آیا ہے۔ جرمن والا بم گر رہا تھا۔ راکٹ بولتے ہیں۔ کیا بولتے ہیں۔"

"دی تُو راکٹ۔"

"جی پادری صاحب، وہ بدھ کی رات کو صاحب کے مکان پر گرا۔ مکان جل کے راکھ ہو گیا۔ میم صاحب اندر سو رہی تھی، وہ بھی ـــــ"

"مگر اُدھر تو عبدل ایر ریڈ کا بھونپو بجتا ہے۔ سب لوگ تہ خانوں میں چلا جاتا ہے۔"

"معلوم نہیں، صاحب نے اتنا ہی بولا۔ اور بولا کہ بابا لوگ سے باہر اسکول کے بورڈنگ میں ہے، اس وجہ سے وہ بچ گیا۔ اور بیٹی مس صاحب بھی بچ گئی۔ اس کو میم صاحب نے بڈھا لوگ کے ہوم میں ڈال دیا تھا۔"

"شکر ہے۔"

"صاحب نے بولا ہے پادری صاحب سے کہو ہم ابھی آتے ہیں۔"

"اچھا۔ تھینک یو عبدل۔"

عبدالغفور واپس چلے گئے۔ پادری بنرجی واپس آ کر لائبریری کے سامنے والے برآمدے میں ٹہلنے لگے۔

بوٹ کی چاپ سنائی دی۔ چارلس بارلو برآمدے میں نمودار ہوا۔ پادری بنرجی اس کی طرف بڑھے۔

"مسٹر بارلو۔"

"پادرے بدھ کی رات کو مسز بارلو کا ایر ریڈ میں انتقال ہو گیا۔"

"اس کی مرضی پوری ہو۔"

"آئیے بیٹھیے۔" اُس نے پھولدار گدیوں والی بید کی ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

چند منٹ تک خاموشی چھائی رہی۔ باغ میں چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ فطرت اسی بے نیازی سے زندہ رہتی ہے۔

"غم نہ کیجیے مسٹر بارلو، مسز بارلو ایک بہت بہتر جگہ چلی گئیں۔"

"بہتر جگہ ـــــ؟ آپ کو کیسے معلوم۔ اس وثوق سے کس طرح کہتے ہیں؟" چارلس نے جھنجھلا کر کہا۔ "بہتر جگہ صرف یہ دنیا ہے۔ باقی آپ لوگوں کی خام خیالی اور خوش فہمی ہے۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

پادری بنرجی خاموش رہے۔

چارلس یارلو تلخی سے ہنسا۔ "ہاہاہا THE LORD ... H.. INFINITE MERCY"

پادری بنرجی نے آہستہ سے کہا "خدا واقعی بڑا رحیم و کریم ہے۔ میرے بیٹے"

"ہاہاہا۔ اس رحیم و کریم نے میرے جوان اور نیک دل باپ کو آدم خور شیر کا نوالہ بنا دیا۔ میری جوان اور معصوم پھوپھی کو جینیوں سے RAPE کروا کے قتل کرا دیا۔ اس رحیم و کریم نے میرے جوان بھائی کے جرمنی کے اندھیرے آسمانوں پر پرخچے اڑا دئے۔ وہ رحیم و کریم اس وقت ساری دنیا کے لاکھوں بے گناہ انسانوں کو ہر طرح کی موت مار رہا ہے۔ وہ رحیم و کریم اسی بنگال میں ہر سال ان گنت بے گناہ اور مصیبت زدہ انسانوں کو طوفانوں اور سیلابوں اور وباؤں کی نذر کرتا ہے۔ اور یاد رہے تمہارا وہ رحیم و کریم خدا ننھے بچوں کو اپاہج اور اندھا کر دیتا ہے۔" وہ ایک دم چپ ہو گیا "... بوڑھے پادری"

پادری بنرجی ذاتی کرائسس کے مواقع پر اسرار ربانی سے لاعلم فانی انسانوں کے منہ سے اس قسم کے کلماتِ کفر سننے کے عادی تھے۔ انہوں نے جیب سے بائبل نکالی اور تیئیسواں لحن پڑھنا شروع کیا کہ تیئیسواں لحن جادو کا اثر رکھتا ہے۔

خداوند خدا میرا گڈریہ ہے۔ مجھے کوئی ڈر نہیں وہ مجھے ہری
چراگاہوں میں آرام کرواتا ہے۔ وہ مجھے خاموش پانیوں کے کنارے
کنارے لے جاتا ہے۔

پادری بنرجی نے کتاب گود میں رکھی اور پڑھنا شروع کیا۔

اور گو میں موت کے سائے کی وادی میں چل رہا ہوں ______

لیکن ان کے ساتھ ساتھ لحن کی تلاوت کرنے کے بجائے چارلس تیوری پر بل ڈالے سر جھکائے جا رہا تھا اور اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ پادری بنرجی نے لحن ختم کر کے بائبل کے ورق گردانی شروع کی تاکہ کوئی اور سکون بخش حصہ پڑھ کر سنائیں۔ مگر عجیب بات تھی کہ ہر صفحے پر ان کی نظریں بڑی پریشان کن سطروں پر ہی جا پڑتی تھیں۔

اے یعقوب! تم اپنی ان مصیبتوں پر جو آنے والی ہیں رؤو اور واویلا کرو۔
تمہارا مال بگڑ گیا، تمہاری پوشاکوں کو کیڑا کھا گیا، دیکھو! جن مزدوروں نے

تمہارے کھیت کاٹے ان کی وہ مزدوری جو تم نے دغا کر کے ضبط کر لی تھی چلاتی ہے۔ اور فصل کاٹنے والوں کی فریاد رب الافواج کے کانوں تک پہنچ گئی۔ دیکھو منصف دروازے پر کھڑا ہے۔

پادری بنرجی نے گردن آگے بڑھ کر ورق پلٹے۔ یوحنا کا مکاشفہ ______

خدا کا بیٹا جس کی آنکھیں آگ کے شعلے کے مانند اور پاؤں
خالص پیتل کے مانند ہیں فرماتا ہے کہ تیرے کاموں اور محنت اور ایمان
اور خدمت اور صبر کو تو جانتا ہوں اور یہ بھی ______

اور آگے ______

اور جب اس نے چھٹی مہر کھولی تو میں نے دیکھا کہ سورج کمبل کی مانند کالا اور سارا چاند خون سا ہو گیا اور ستارے انجیر کے درختوں کے کچے پھلوں کی طرح گر پڑے۔ آسمان اس طرح سرک گیا جیسے مکتوب لپٹنے سے سرک جاتا ہے۔

پھر آسمانوں پر لڑائی ہوئی اور ______

پھر میں نے شیشے کا سا ایک سمندر دیکھا جس میں آگ ملی ہوئی تھی ______

شہر بابل گر پڑا۔ زمین کے بادشاہ جب اس کے جلنے کا دھواں دیکھیں گے تو اس کے لئے روئیں گے اور دنیا کے سوداگر اس کے لئے ماتم کریں گے۔ اور سب ناخدا اور مسافر اور ملاح دور کھڑے اپنے سروں پر خاک ڈالیں گے کہ افسوس افسوس وہ بڑا شہر جس کی دولت سے سمندر کے جہاز والے دولتمند ہو گئے۔

پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا۔ اور کیا دیکھتا ہوں ایک سفید گھوڑا ہے اور اس پر ایک سوار ہے، وہ خون آلود پوشاک پہنے ہے اور قوموں کے مارنے کے لئے اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے۔ اور۔

پھر میں نے ایک فرشتے کو آفتاب پر کھڑا دیکھا اور اس نے بڑی آواز میں چلا کر آسمان میں اڑنے والے سب پرندوں سے کہا۔ خدا کی بڑی ضیافت میں شریک ہونے کے لئے جمع ہو جاؤ تاکہ تم بادشاہوں کا گوشت اور فوجی سرداروں کا گوشت اور گھوڑوں اور ان کے سواروں کا گوشت کھاؤ ______

پھر میں نے ایک نئے آسمان اور نئی زمین کو دیکھا۔ کیونکہ پہلا آسمان اور پہلی زمین جاتی رہی تھی اور سمندر بھی نہ رہا

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور روح اور دلہن ہیں آ، اور سننے والا بھی کہے آ اور جو پیاسا ہو وہ آئے اور آبِ حیات لے۔"

پادری بنرجی نے لمبا سانس لے کر بائبل مقدس بند کر دیا اور سوچ میں ڈوب گئے۔

تب چارلس کی بھاری آواز نے انھیں چونکایا۔

"پادرے! مجھے ایوب کی گریہ وزاری سناؤ۔"

"بہت اچھا۔ اور آپ بھی صبر ایوب سے سبق لیجئے۔ مسٹر بارلو۔"

"سبق بعد میں لوں گا۔ تم مجھے پہلے اس عبرانی بڈھے کی گریہ وزاری ــــ"

"خاموش مسٹر بارلو۔" پادری نے دفعتہً ڈانٹ کر کہا ـــــ "بہت بے ادبی کر لی، اب خاموش۔"

"سوری پادرے۔"

پادری نے دوبارہ عینک کا کیس کھولا، عینک تبدیل کی، اور جیب سے مداری کی طرح پرانا عہد نامہ نکالا۔

"جستہ جستہ پڑھ کر سناؤں گا، بہت طویل باب ہے ـــ

"اور پھر ایوب نے راکھ میں جھولیا۔ اور اس کے تین دوست پرسے کو آئے، اور انھوں نے خاک سروں پر ڈالی اور اس کے ساتھ زمین پر بیٹھے رہے۔ اور سات دن اور سات رات زمین پر بیٹھے رہے۔ اور ایوب نے کہا، لعنت ہو اس دن پر جب میں پیدا ہوا تھا، میرے جسم پر کیڑے رینگ رہے ہیں، میری کھال اکھڑ گئی، میرے دن جولاہے کی تکلیفوں کی مانند تیز رفتار رہیں۔ میری زندگی ہوا بن گئی۔

"خدا بے گناہوں کے مصائب پر ہنستا ہے اس نے زمین کو ظالموں کے حوالے کر دیا۔ منصفوں کے چہرے چھپا دیئے۔ میری زندگی تیز رفتار جہاز کی مانند گزر رہی ہے۔ مجھے اپنے غموں سے ڈر لگتا ہے۔

"میں خدا سے کہوں گا تجھے زیب دیتا ہے خداوند کہ اپنے بندے سے متنفر ہو اور ظالموں کا ساتھ دے؟ کیا تو بھی انسان ہے؟ ڈاکو عیش کر رہے ہیں اور خدا ان کو بڑھاوا دیتا ہے وہ قوموں کو ترقی دیتا ہے اور تباہ کرتا ہے اور پھر ترقی دیتا ہے۔ میری آنکھوں نے یہ سب کچھ دیکھا۔ کانوں نے سنا۔ اور عقل نے سمجھا۔ اور اب میں خدا سے ذرا منطقی جرح کرنا چاہتا ہوں ـــــ

"ابن حوا کی مختصر زندگی کلفتوں سے پُر ہے۔ وہ پھول کی طرح کھلتا ہے اور کٹ کر گر جاتا ہے۔ سائے کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ پانی کی خوشبو کٹے درخت کو از سر نو زندگی بخشتی ہے۔ مگر ابن آدم ایک بار تو

لیٹ جائے پھر نہیں اٹھتا۔ اے کاش تو، جب تک تیرا طیش زائل نہ ہو، مجھے قبر میں چھپائے گا۔ میں اپنے وقت کا منتظر ہوں۔

"پانی پتھروں کو بہائے جاتا ہے۔ تو انسان کی امیدوں پر پانی پھیرتا ہے۔ تو اس کی شکل بدل دیتا ہے۔ تو نے مجھے بے مکان، پاش پاش کر دیا۔ میرے چہرے پر جھریاں ڈال دیں۔ مجھے جابروں کے حوالے کر دیا، میری بانہیں توڑ ڈالیں۔ میرا چہرہ روتے روتے بد ہیئت ہو چکا ہے۔ میری پلکوں پر موت کا سایہ لرزاں ہے۔ اے زمین میرا خون نہ چھپا۔ میری شنوائی نہ کر۔ میری قبریں میرے لئے تیار ہیں۔ میری آنکھیں وفورِ غم سے دھندلا گئیں۔ مجھے تم سب میں ایک دانشمند نظر نہیں آتا۔ میرے مقاصد کا خاتمہ ہوا میرے خیالات تک ٹوٹ کر بکھر گئے۔ قبر میرا مکان ہے۔ میں نے اپنا بستر اندھیرے میں بچھایا ہے۔ میں نے جسم کی گلن سے کہا۔ تم میرے باپ ہو، کیڑوں سے کہا تم میری ماں اور بہنیں ـــــــ

"جانو کہ خدا نے مجھے اپنے جال میں گرفتار کیا۔ میری راہ میں روڑے اٹکائے، اور راہ پر اندھیرا پھیلایا۔ اس کے لشکر نے میرے صبر کو گھیر لیا۔ میرے بھائی اور میرے عزیز اور میرے دوست مجھے بھول گئے۔ میں اپنی بی بی کے لئے اجنبی ہوں، دوستو مجھ پر ترس کھاؤ کہ اس قہار وجبار کے ہاتھ نے مجھے ٹھکرایا ہے۔

"میں انسان کا شاکی نہیں۔ لیکن اشقیا بربط اور ارغنون بجاتے ہیں۔ جبکہ میں آگے بڑھتا ہوں تو مجھے خدا نہیں ملتا، پیچھے دیکھتا ہوں تو بھی نظر نہیں آتا۔ میں اس حاضر و ناظر کی موجودگی سے مضطرب ہوں۔ مجھے اس سے ڈر لگ رہا ہے۔ اس نے میرا دل گداز کر دیا ہے۔

"اہل ثروت حاجت مندوں کو اپنے راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔ مفلس سردی میں ٹھٹھرتے ہیں۔ کوہستانی بارش میں کانپ رہے ہیں۔ چٹانوں میں پناہ گزیں ہیں۔ امراء ان بھوکوں کا اناج چھینتے ہیں، جنہوں نے ان کے لئے کولہو چلائے۔ جو ان کے لئے شراب کشید کر کے خود پیاسے رہتے ہیں۔ جو شہر پناہ سے باہر کراہتے ہیں۔

"میں نے خیر کی آرزو کی اور مجھے شر ملا۔ روشنی کا منتظر رہا اور تاریکی پائی۔

"جب وہ ربِ کریم میرے شاملِ حال تھا اور میری اولاد میرے ساتھ تھی، جب میں اپنی سیڑھیاں مکھن سے دھوتا تھا۔ میں شہر میں نکلتا تھا تو نوجوان مجھے دیکھ کر چھپ جاتے۔ بوڑھے تعظیماً اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ شہزادے بات کرتے کرتے خاموش ہو جاتے تھے۔ کیونکہ میں غرباء کا حامی و نگہبان تھا۔ میری جڑیں ندی کنارے پھیلی تھیں۔ میری شاخ پر شبنم گرتی تھی۔ میری عظمت و شوکت تر و تازہ تھی۔ لیکن اب نوجوان جن

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کہ بابیوں کو تب اپنے گلّے کے کتوں کے ساتھ بھی نہ بٹھاتا، میری تضحیک کرتے ہیں، اور آندھی کی مانند مجھ پر حملہ آور ہیں، اور تب میں نے اُٹھ کر مجمع سے کہا، میں اژدہے کا بھائی اور بوم کا ساتھی ہوں۔ میری کھال جل گئی۔ میرا بربط رو رہا ہے۔ کیا خدا میری حالت نہیں دیکھتا۔ کاش وہ میری فریاد سنے۔ کاش میرے دشمن ایک کتاب لکھیں جسے میں اپنے کندھوں پر رکھوں، اور تاج کی طرح پہنوں۔ اگر میری زمینیں میری وجہ سے نالہ کناں ہیں، تو کاش گیہوں کے بجائے اُونٹ کٹارا اور جَو کے بجائے گھاس پھونس اُگ آئیں ـــــ ایوب کے الفاظ ختم ہوئے۔

"تب بگولے میں سے خداوندِ عالم نے ایوب ؑ کو جواب دیا۔"

پادری نے بائیبل بند کر دی۔ چارلس کرسی کی پشت سے سر لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اس نے چونک کر پادری کو دیکھا ـــــ

"ان تینوں دانش مند دوستوں کے نام کیا تھے جو ایوب ؑ کو سمجھانے آئے تھے؟"

"الیفز تیمانی، بِلدد سوخی اور ضوفر نعماتی ـ" پادری نے جواب دیا۔

"الیفز، بلدد اور ضوفر۔" چارلس نے ذرا اکتائی ہوئی آواز میں دہرایا۔ اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا کیونکہ وہ بہت دیر سے سوچ رہا تھا ـــــ کرنل جوزیل جو مکان میں مقیم تھا وہ بھی اسی رات ان شعلوں میں بھسم ہوا، تم بھی اس کے ساتھ جل کر کوئلہ ہو گئیں۔ تمہارا خوب صورت جسم کوئلہ بنا، تم مرتے وقت بھی مجھ سے بے وفا تھیں۔ افسوس۔ افسوس۔ افسوس ـــــ

اس نے میز پر سے نیا عہد نامہ اٹھایا اور صفحے الٹنے لگا۔ اُسے بھی یوحنا کے مکاشفے نے متوجہ کیا۔ اور سب سے پہلے اس کی نظر پڑی ـــ "اور پھر جب میں نے نگاہ کی تو آسمان کے بیچ میں ایک عقاب کو اڑتے دیکھا، اور بڑی آواز سے کہتے سنا کہ ان تین فرشتوں کے نرسنگوں کی آوازوں کے سبب جن کا پھونکنا ابھی باقی ہے زمین کے رہنے والوں پر افسوس، افسوس، افسوس ـــــ

"اور ان سات فرشتوں میں سے جن کے پاس سات پیالے تھے، ایک نے مجھ سے کہا آ میں تجھے اس بڑی کسبی کی سزا دکھاؤں جو بہت سے پانیوں پر بیٹھی ہے ـــــ"

چارلس بارلو نے زور سے کتاب بند کر لی۔ یہ سطور بابل کے متعلق ہیں۔ لندن کے متعلق نہیں ـ وائیلیٹ بارلو ـــــ مرحومہ ـــــ کے متعلق بھی نہیں۔ بابل ـــ بابل ـــ بابل ـ ـ اب میں بیمار پڑ جاؤں گا۔ اب مجھے حاضری کھانا چاہیے۔ اب مجھے ـــــ

کاویری کے کنارے اجاڑ بنگلہ ـــــ پدما کے کنارے اجاڑ بنگلہ ـــــ اجاڑ ـــــ

"عبدل" اس نے زور سے آواز دی۔

عبدالغفور اچانک سامنے آن موجود ہوئے۔ وہ بے حد ملول اور پریشان نظر آ رہے تھے۔ "صاحب چل کر تھوڑا سا حاضری کھا لیجیے۔ اب تین بج رہا ہے۔"

چارلس بارلو نے انتہائی مشکور نگاہوں سے اولڈ عبدل کو دیکھا۔ "اچھا۔ تھینک یو عبدل ـــــ پادرے میرے ساتھ لنچ کھا کر جاؤ۔"

"تھینک یو، مسٹر بارلو۔"

وہ دونوں کھانے کے کمرے میں گئے۔ میز پر بیٹھ کر پادری نے گریس پڑھی۔ سوپ کے بعد عبدالغفور نے باقی کورس خاموشی سے سرو کیے۔ اسی خاموشی سے کھانا ختم کر کے چارلس اور پادری باہر نکلے۔

"پادرے۔ میں ایلس کو آج ہی ٹیلی فون کال کر دوں گا کہ وہ روزی کی خیریت معلوم کر لیں۔ مگر افسوس ہے کہ میں رہائی کی کوشش نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وہ معافی مانگ لے۔"

"وہ معافی نہیں مانگے گی۔"

"تو پھر میں بھی کچھ نہیں کر سکتا، پادرے۔" چارلس نے پادری کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"خدا حافظ پادرے۔"

"خدا حافظ، گوڈ بلیس یُو، مسٹر بارلو۔"

چارلس بارلو اندر چلا گیا۔ پادری بنرجی نے ہیٹ ریک میں سے چھتری اٹھائی۔ اب ان کے قدم من من بھر کے ہو چکے تھے۔ اب ان کو معلوم تھا کہ روزی کی قسمت میں بہت طویل قید ہے۔ عمر قید ـــــ

وہ سر جھکائے جُوں کی چال چلتے برساتی سے باہر نکلے اور پھاٹک تک اس طرح پہنچے جیسے کسی جنازے کے ساتھ جا رہے ہوں ـــ پھاٹک پر کھڑے ہو کر انہوں نے آسمان کو دیکھا۔ پھر سوچا اب کدھر جاؤں۔ بارش بہت دیر سے تھمی ہوئی تھی۔ وہ پھاٹک سے باہر آ کر ایک طرف کو چند قدم چلے، پھر تذبذب کے عالم میں ٹھٹھک گئے، پھر چلنے لگے۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

۴۵

نواب قمر الزماں چودھری

نواب قمر الزماں چودھری کھلی سیٹ پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے چھڑی کی انگری موٹھ پر ہاتھ رکھے اپنی سیاہ بیوک میں مارٹمنڈ سٹریٹ کی طرف جا رہے تھے جو ڈی ایم ز ہاؤس سے چند فرلانگ پر واقع تھی۔ وہ اپنے گھر کے قریب پہنچ گئے تھے جب ان کو پادری ہنری گوبیوس کی چال چلتے منہ اٹھائے ایک طرف کو جاتے نظر آئے۔ ان کے چہرے کی حالت دیکھ کر نواب صاحب کا دل دہل گیا۔ انہوں نے موٹر رکوائی اور اتر کر پادری کے پاس پہنچے۔

پادری نے ان کو دیکھا اور ایک تحت اطمینان کی سانس لی۔ نواب قمر الزماں اس وقت ڈوبتے کو تنکے کا سہارا معلوم ہو رہے تھے جیسے فرشتہ رحمت۔ نواب صاحب نے خاموشی سے ان کو اپنے برابر کار میں بٹھایا۔ وہ صبح کا اخبار پڑھ چکے تھے۔

وہ منزل پہنچ کر وہ بڑے کمرے میں بڑے صوفے پر بیٹھ گئے۔ پادری کو بٹھایا اور چائے منگوائی۔

سامنے دیوار پر بیگم قمر الزماں کی تصویر تھی جو بچے کو گود میں لئے ہنس رہی تھی۔ اندر ریڈیو بج رہا تھا۔

پادری ہنری نے جیب سے اخبار نکال کر نواب صاحب کے سامنے پیش کیا۔

"میں پڑھ چکا ہوں۔ بنگلہ اخبارات میں زیادہ مفصل خبریں ہیں۔" انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "بیٹھئے چائے لے کر آیا۔"

"میں ابھی ڈی ایم کے پاس گیا تھا۔ اس نے کوئی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔"

نواب صاحب نے چائے بنائی۔

"ڈی ایم کی بیوی لندن کی بمباری میں ماری گئی اور تباہ مکان بھی جل گیا۔"

نواب صاحب نے آنکھیں پھیلا کر پادری کو دیکھا۔ پادری اس وقت ایک سیاہ پوش پیغامبر لگ رہا تھا جس کے پاس بری خبروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

"اللہ رحم کرے۔" نواب صاحب نے آہستہ سے کہا۔

اچانک پادری کھڑا ہو گیا۔ "نواب صاحب میں ڈاکٹر سرکار سے ملنا چاہتا ہوں۔ اسی وقت فوراً" صدمے کی وجہ سے پادری بوکھلا گیا ہے۔ بے چارہ۔ بے چارہ۔

"آپ بیٹھئے پادری صاحب۔ میں نتوئے بابو کو ابھی بلواتا ہوں۔ کیا وہ آپ کی کچھ مدد کر سکیں گے؟"

"میں ڈاکٹر سرکار سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" پادری نے دہرایا۔

نواب نے تالی بجائی۔ ٹہلتی ہوئی آیا قریب آئی۔

"ڈرائیور کو بلاؤ۔"

ڈرائیور حاضر ہوا۔

"نتوئے بابو کو فوراً ساتھ لے آؤ۔ کہنا بے حد ضروری کام ہے۔"

پادری اور نواب چپ بیٹھے رہے۔

کچھ دیر بعد موٹر دوبارہ برساتی میں داخل ہوئی۔ چادر لپیٹے ہوئے بابو وقار سے سیڑھیاں چڑھے۔ نواب نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور قریب کی کرسی پر بٹھایا۔ نتوئے بابو نے پادری کو نمسکار کیا اور نواب سے پوچھا۔ "میں ابھی ابھی فرید پور سے واپس آیا ہوں۔ نہا کر سفر کے کپڑے بھی نہیں بدلے۔ کیا بات ہے۔ خیریت؟"

"خیریت؟" پادری ایک دم برس پڑا۔ "میں آپ کو بتانا چاہتا تھا۔ سب کچھ آپ کی لڑکی کی وجہ سے ہوا۔ سب کچھ۔"

نتوئے بابو نے حیرت سے پہلے پادری کو دیکھا اور پھر نواب کو۔

"تمہیں نہیں معلوم نتوئے؟" نواب نے آہستہ آہستہ کہا۔ "روزی کل صبح اشرفی کی بغاوت میں پولیس چوکی پر حملہ کرتی ہوئی قید کر لی گئی۔ پولیس فائرنگ سے کئی حملہ آور مارے گئے۔ روزی کے سخت زخمی ہونے کی اطلاع خبر میں خاص ہے۔ یہ کل رات کی خبر ہے۔ یہ شاید کل صبح کے اخباروں سے معلوم ہو گا کہ اس کا کیا حال ہے اور کس جیل میں بھیجا گیا ہے۔ زخمی قیدیوں کو تو شاید جیل کے اسپتال میں رکھا جاتا ہے۔"

اندر کسی کمرے میں نیر الزماں گراموفون بجا رہے تھے۔ اچانک نذرل کا ریکارڈ بجنا شروع ہوا۔ توڑو۔ پھوڑو۔ مارو۔ آگ لگا دو۔ آندھی طوفان بن جاؤ۔ میں سرکش ہوں۔ اصول شکن۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

بربادی کا ذریعہ تھا۔ باغی۔ میں ہمیشہ سربلند رہوں گا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ "اسٹاپ اٹ" نواب نے بے حد آزردگی کے ساتھ زور سے آواز دی۔

گیت ختم ہو گیا۔

پادری نے سر اٹھا کر بنوئے بابو پر نظر ڈالی۔ اتنی دیر میں شاید وہ اپنے غصہ پر قابو پا چکے تھے۔ انہوں نے سپاٹ آواز میں کہا "بنوئے بابو میری فرمانبردار بچی کو دیپالی نے اس راستہ پر لگایا۔ اسے دیپالی کی صحبت نے برباد کیا۔ بس میں آپ سے اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں۔ اور یہ بھی کہ باپ کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ آپ دیپالی کو غنڈوں کی سنگت سے روکتے۔ میں نے اپنے بھرپور کوشش کی اپنی بچی کو بچانے کی۔ مگر اس کے دماغ میں زہر بہت اچھی طرح بھرا جا چکا تھا۔"

"آپ لوگ سب غالباً مجھے ایک رجعت پسند مسلمان زمیندار سمجھتے ہیں۔ مگر لڑکیوں کی آزادی کے یہی سب نتائج ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے اپنی لڑکیوں کو اجازت نہیں دی کہ گھر سے قدم نکالیں۔" نواب نے کہا۔

"مجھے معلوم نہیں کہ دیپالی کس حد تک سیاسی مشاغل میں حصہ لیتی ہے۔ اس نے ایک دفعہ مجھ سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ ٹررسٹ تحریک میں شامل نہ ہوگی۔ اور میں نے اس کے قول کا اعتبار کیا ہے۔ علاوہ ازیں اگر وہ مجھ سے چھپا کر کسی سیاسی تحریک میں شامل ہے تب بھی میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے منع کر سکتا ہوں۔ ہر نئی نسل اپنا راستہ خود بناتی ہے۔ آپ نے بھی اور میں نے بھی اپنے اپنے طریقے سے اپنے لئے نئے راستے تلاش کئے تھے۔ منوموہن بابو۔ آیئے خدا سے امید کریں کہ روزی خیریت سے ہو۔ آپ پر اس وقت جو بیت رہی ہے وہ میں سمجھ سکتا ہوں۔ دینش بھی ــــ" پھر وہ چپ ہو گئے۔

ملازم نے پیچوان لا کر نواب کے پاس رکھا۔ پادری نے سر اٹھا کر دفعتاً نواب کو مخاطب کیا "اور آپ بھی ـــ آپ کا انگریز کے چلے جانے سے کیا فائدہ ہوگا؟ نہرو نے دسیوں بار کہا ہے، رجواڑے ختم کر دیئے جائیں گے۔"

نواب حقہ گڑگڑاتا رہا۔ سیاست حد سے زیادہ گنجلک ہو گئی ہے۔ اللہ اکبر۔ یہ خستہ حال کالا پادری اور یہ خستہ حال ڈاکٹر۔ ان دونوں کو غالباً آزادی سے فائدہ ہوگا۔ مگر واقعی مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ ریاست ابنہ چلی جائے گی۔ میں نے اقتصادی پہلوؤں پر زیادہ غور نہیں کیا۔ مگر اقتصادی مسائل پر غور کر کے رونو نے پہلے ہی

کافی آفت مچا رکھی ہے۔

رونو کے خیال نے انہیں یک لخت بے حد مضطرب اور ملول کر دیا۔ وہ پیچوان گڑگڑایا کئے۔

پھر انہوں نے پادری سے کہا۔ "منوموہن بابو۔ میں بھی سمجھ سکتا ہوں، آپ کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ مجھے جب اپنے لاڈلے بھانجے کا خیال آتا ہے تو میرا دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس نے کس طرح میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ تم نئی نسل کی بات کرتے ہو بنوئے۔ یہ بڑی احسان فراموش، نمک حرام نئی نسل ہے۔ پچھلے سال تمہاری بچی مجھ سے بحث کرنے لگی۔ قربانی اور تیاگ۔ یا درہ میں اس بچی سے کیا کہتا کہ سیاست کی قربان گاہ پر میں اپنی مسرتوں کی قربانی دے چکا ہوں۔ میرے ہونہار بھانجے کو سیاست ہڑپ کر گئی۔"

"تمہارا کون بھانجا کومر میاں؟" بنوئے بابو نے پوچھا۔

"تم سے بنوئے برسوں میری ملاقات نہیں ہوتی۔ تم میرے حالات سے اجنبی ہو چکے ہو۔ یوں بھی اس قصہ کو بھلائے رکھنا ہی میرے لئے بہتر ہے۔ میں اپنی اس ٹریجڈی اور اپنی بیٹی کی بد قسمتی کی ہر ممکن پردہ پوشی ہی میں عافیت سمجھتا ہوں۔ رہنے دو یوں ہی بات سے بات نکل آئی۔"

"سوری کومر میاں۔ مجھے معلوم نہ تھا۔"

مگر اب نواب آہستہ آہستہ پیچوان گڑگڑاتا اور کہتا رہا۔ "میری آنکھوں کا تارا۔ میری مرحومہ بہن کی نشانی۔ میرا لاڈلا۔ جس پر فخر کرتے کرتے میں پھولا نہ سماتا تھا۔ جس کی میں نے زندگی بنا دی۔ اور اس نے میرے ساتھ ـــ میری لڑ ــــ میرے ساتھ کیا کیا؟ ــــ یہی ــــ منوموہن بابو ــــ یہی۔ توڑ دو، پھوڑ دو، آگ لگا دو، اینٹ سے اینٹ بجا دو۔ منوموہن بابو۔ آپ اور میں اور بنوئے ہم سب ایک ناؤ میں سوار ہیں۔ رونو۔ روزی۔ دیپالی۔ یہ سب مل کر ہم کو اس چیز کی سزا دے رہے ہیں کہ ہم نے ان کے لئے ایک محفوظ دنیا تخلیق کی تھی۔ یہ لوگ اسی لئے پیدا ہوئے ہیں کہ اس محفوظ اور مامون دنیا کے معماروں کو نیست و نابود کر دیں۔"

"مگر کس لئے ـــ؟" پادری نے پوچھا۔ "ہمیں نیست و نابود کرنے کے بعد یہ کس قسم کی دنیا بنائیں گے؟"

"اس بات کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔" نواب نے افسردگی سے کہا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

بنوتے بابو صوفے سے اُٹھے، پادری صاحب بھی اُٹھے۔ "مجھے معاف کر دینا بنرجے بابو، میں ہوش و حواس کھو بیٹھا ہوں۔" بنوتے بابو نے پادری کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

نواب صاحب کرسی چھوڑ کر پادری کے نزدیک آئے۔

"منموہن بابو۔ اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ دعا کرتے رہیے۔ روزی یقیناً خیریت سے بہت جلد گھر لوٹے گی۔"

پادری نے بے یقینی سے اقرار میں سر ہلایا۔ نواب نے نیچے اتر کر بیوک کا دروازہ کھولا۔ پادری اور ڈاکٹر پیچھے بیٹھ گئے۔ ڈرائیور لپک کر آیا۔ موٹر میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کیا۔ موٹر آگے بڑھ گئی۔

رات کو ارجمند منزل میں نواب کی بہلوٹھی کے پوتے منورالزماں کے عقیقے کے سلسلے میں بڑا بھاری ڈنر تھا۔ آٹھ بجے مہمان آنے شروع ہو جائیں گے۔

——— بابرِ بہ عیش کوش ———؟

نواب برساتی سے نکل کر بائیں باغ کی سمت چلے گئے۔

ہم تینوں۔ میں۔ سرکار اور بنرجی۔ ہم تین بنگالی، تین مختلف راستوں پر بھٹک رہے ہیں۔ میں اور بنرجی دو ایسے کھمبے ہیں جن کو گھن لگ چکا ہے۔ مگر اِل میتھیو بنرجی بے چارہ یہ بات سمجھ نہیں سکتا، اور کچھ کر بھی کیا کرے گا۔

پچھلے لان پر پہنچ کر ان کو بارلو کی میم کا خیال آیا۔ پادری نے بتایا تھا کہ سناؤنی سن کر بارلو نے بڑی بہادری اور ضبط سے کام لیا۔ خالص اسٹف اپر لپ۔ یعنی اگر ایسی ہمتیں نہ ہوتیں تو ساری دنیا پر حکومت کیسے کرتے۔ نواب لان پر ٹہلنے لگے۔ کل سارے عمائدینِ شہر تعزیت کے لئے جائیں گے۔ مجھے بھی جانا ہوگا۔ وائلٹ بارلو بنگال کی یوروپین سوسائٹی میں کافی دل پھینک مشہور تھی، خاصی آوارہ۔ مچھلی کی طرح بہتی تھی۔ بیچاری مر گئی غریب۔ بارلو اس کی وجہ سے بہت دکھی رہتا تھا۔ اب روزی کے لئے کیا کیا جائے ——— کچھ نہیں ہو سکتا ——— روزی کی ماں پندرہ سالہ گرِی بالا اسی تالاب کے کنارے بیٹھ کر برتن مانجھا کرتی تھی۔ اور میں اس درخت کے پیچھے چھپ چھپ کر اسے طرح طرح سے چھیڑنے کی کوشش کرتا تھا۔ وقت کس طرح گزرتا ہے، کس طرح بدلتا ہے، اللہ غنی،

"نواب صاحب ———" ایک کلرک نما نوجوان باغ کی سڑک پر پہنچ کر سائیکل سے اترا، اور ان کے نزدیک آ کر سلام کیا۔ "کل شام آفس میں یہ فون آیا تھا۔ یہ پیغام ہے" اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر پیش کیا۔ "میں نے آپ سے ملاقات کا وقت آج ساڑھے پانچ کا دے دیا ہے۔ کیوں کہ آپ کو اسی وقت ———"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے ——" نواب کا رنگ پرچہ پر لکھا نام پڑھ کر پیلا پڑ چکا تھا۔

"تم جاؤ۔ اندر جاؤ۔ متعلقہ کاغذات میز پر لگا دو۔" انھوں نے خالی خالی آواز میں کہا۔

"بہت اچھا۔" نوجوان سائیکل سنبھال کر کتب خانہ کی طرف بڑھ گیا۔

نواب چند لمحوں تک گھاس پر ٹھٹکے کھڑے رہے۔ پھر نظریں اٹھا کر اوپر کی منزل کو دیکھا، جہاں آرا کے کمرے کی نیلے شیشوں والی کھڑکی ہوا کے جھونکے نے کھٹ سے بند کر دی۔ وہ اس کھڑکی کو چند لمحوں تک مبہوت تکتے رہے۔ پھر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی، اور سر جھکائے آہستہ آہستہ کتب خانے کی سمت روانہ ہو گئے۔

۲۶

ریحان الدین احمد

اس صبح جس وقت چارلس بارلو چھوٹا حاضری کے بعد اپنی اسٹڈی میں جا کر "لغاتِ ہند" کے مطالعے میں مصروف تھا۔ ڈی ایز ہاؤس سے کچھ فاصلے پر وڈ لینڈز میں کریم خاں نے بریکفاسٹ کی میز پر حسبِ معمول تازہ پتریکا لا کر رکھا۔ اور چائے دانی لینے کے لئے اندر چلا گیا۔ او مارا ئے نے ٹوسٹ پر مکھن لگاتے لگاتے اخبار کی سرخیوں پر نظر ڈالی۔ ورق الٹے۔ اندر کے صفحے پر ایک سرخی نے ان کو متوجہ کیا۔ انہوں نے گھبرا کر آواز دی۔ "ریحان ——— جلدی آؤ"

بریکفاسٹ کی میز وڈ لینڈز کے پہلو کے برآمدے میں لگی تھی۔ گیسٹ روم کا دروازہ برآمدے کے سرے پر کھلتا تھا۔ شیو کے صابن کا جھاگ تولیہ سے صاف کرتا ریحان الدین احمد کمرے سے نمودار ہوا۔

"کیا ہوا ———؟

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"یہ دیکھو ــــ سنسنی خیز گرفتاری ۔" آدمادیبی نے سر اٹھا کر اخبار اس کی طرف سرکا دیا۔ ان کی کرسی کے قریب جھک کر اس نے اچٹتی نظروں سے پورے کالم کا جائزہ لیا۔

"کماری روزی بنرجی، کماری سندھیا گھوش اور ــــــــ" وہ تیوری پر بل ڈال کر بیٹھا اور خبر کو دوبارہ غور سے پڑھنا شروع کیا ــــــــ

بیرہ چائے دانی لے کر حاضر ہوا۔ آدما نے ریحان کے لئے چائے بنائی۔

"لو چائے تو پی لو۔"

"پی لوں گا ــــ غضب ہو گیا۔ آدما۔ محمود الحق اور جیوتی دونوں شہید ہو گئے۔ روزی جانے کتنی بُری طرح زخمی ہوئی ہوگی۔ اس خبر کا کیا، کیا بھروسہ ہے۔"

"پُور گرل۔"

"محمود اور جیوتی دونوں ــــ" ریحان نے اخبار پرے سرکا کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ اور چند منٹ تک چپ چاپ بیٹھا رہا۔ آدما نے مضطرب ہو کے دیکھا وہ چپکے چپکے رو رہا تھا۔

"اوہ ریحان ــــــ پلیز ــــــ" آدما نے اس کے بازو پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

"سوشلسٹ فرنٹ! ابھی جانے اور کتنے مارے جائیں گے ــــ اوہ گاڈ ــــ ابھی اس روز جیوتی نے کس جوش و خروش سے مجھ سے بحث کی تھی ــــ اُردو نادی، جے تی، لوہیا اندر گراؤنڈ میں جان پر کھیل کر جن اندولن کو ڈائرکٹ کر رہے ہیں، اور آپ ریحان دا۔ انگریزوں کے پٹھو بن گئے ــــ" اوہ نو۔ نو ــــ نوٹ جیوتی ۔ نوٹ ۔"

"اتنا غم نہ کرو ریحان۔ اندولن میں اسی طرح جانیں جاتی ہیں۔ سال بھر پہلے تم بھی کسی وقت مارے جا سکتے تھے ــــ لو چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے ــــ"

"اُدما ــــ" ریحان نے غصّہ سے کہا۔

"سوری اولڈ چیپ ــــ تم ہمیشہ یوں ہی مارے مارے پھرتے ہو۔ نہ کھانے کی فکر، نہ ڈھنگ کی چائے ملتی ہوگی۔ چند روز کے لئے میرے یہاں ہو تو اپنی صحت کا خیال رکھو۔"

"اوہ۔ سوری آدما ۔ لاؤ ۔ میں بہت upset ہوں۔"

"میں کیں upset نہیں ہوں۔ تم آملیٹ کھاؤ گے نا ــ؟"

"ہاں ۔ دیدو۔"

"اب کچھ دیر کے لئے یہ کلفت دہ حالات بھول جاؤ۔ آرام سے ناشتہ کرو۔ آج بھر تم کو دن بھر دوڑ دھوپ کرنی ہے۔ آتے ہی فرید پور بھاگ گئے۔" انھوں نے توسٹ دو حصّوں میں کاٹ کر ریحان کے سامنے رکھا۔ آملیٹ پر کالی مرچ نمک چھڑکا۔ اور بچوں کی طرح چھری کانٹا اٹھا کر اس کے ہاتھ میں پکڑوا دیا۔

وہ مسکرا دیا۔

"ناؤ بی اے گُڈ بوائے، اینڈ ایٹ ۔"

وہ سر جھکا کر کھانے میں مشغول ہو گیا۔ آدما اس کو دیکھتی رہیں۔

"تمہارے ابا کیسے تھے، خیریت سے تھے؟"

"کون ــــ؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"تم اپنے گاؤں گئے تھے نا۔ شونا پور۔ مجھ سے تو یہی کہہ گئے تھے۔"

"اوہ ــــ ہاں ۔ نہیں ۔ ہاں بالکل اچھے ہیں۔ تھینک یُو۔" اس نے ایک لقمہ نگل کر پھر اخبار کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ آدما نے جھپٹ کر اخبار اٹھا لیا۔

"نہیں ملے گا۔ فنش یور بریکفاسٹ فرسٹ۔"

وہ پھر پلیٹ پر جھک گیا۔

"رات تم بہت دیر سے آئے۔ کیا پارٹی آفس میں اتنی دیر لگ گئی؟"

"رات ۔ اوہ ۔ ہاں ۔ نہیں ۔ رات میں دیپالی کے ہاں چلا گیا تھا۔" "دیپالی ــ؟"

"ہاں۔ کیا بھول گئیں اُسے؟ دیپالی سرکار۔"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ "نورالرحمٰن میاں" کے زمانے کے بعد بھی تمہاری اُس سے جان پہچان ہے۔"

"ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی جس کا تم سے ذکر کرتا۔ دراصل وہ بھی کل ہی فرید پور سے لوٹی ہے۔ اسٹیمر پر اس سے اتفاقیہ ملاقات ہوگئی۔"

"اوہ ۔ آئی سی ــ" آدما نے زور سے چھری کانٹا اپنی پلیٹ پر پٹخا اور غصّہ سے بیرے کو آواز دی ــ "کریم خاں ــــــ"

بیرہ سُرعت سے نمودار ہوا ـ

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"کریم خاں ۔ روز منع کرتی ہوں کہ انڈا ہاف بائل مت کرو۔" غصے سے ایک دم ان کا چہرہ سُرخ ہو چکا تھا۔

"اوہ اَدما ۔ دوسرا انڈا بنوالو۔ ایسی بھی کیا قیامت آگئی۔"

"نہیں ۔ تم جانتے نہیں ۔ ممی گھر پر نہ ہوں تو یہ لوگ بالکل بیگار ٹالتے ہیں ۔ ڈیم ۔"

بیرہ غائب ہو چکا تھا۔

"کم آن ۔ اُدما ۔" ریحان نے ہنس کر کہا۔ "کوئی کانگریس سوشلسٹ سُنے گا تو کہے گا کمیونسٹ لیڈر اس طرح اپنے نوکروں کو ڈانٹتے ہیں!"

"اوہ شٹ اَپ ۔"

"اُدما ۔ تمہارا غصہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔" وہ آملیٹ ختم کرنے میں مصروف ہو گیا۔

سبز زینہ سیڑھیاں پھلانگتا برآمدے میں آیا اور اپنی مالکن کے قدموں کے پاس ڈھیر ہو گیا۔ اُدما نے ناگواری سے اس پر نظر ڈالی۔

بیرے نے دوسرا انڈا لا کر اَدما کے سامنے رکھا۔ ریحان نے نظر بچا کر شرارت سے کریم خاں کو آنکھ ماری۔ بوڑھا بیرہ بےحد خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ ہونٹ پچکا کر پیچھے ہٹا اور جا کر میز سے کچھ فاصلے پر اپنی ڈیوٹی پر کھڑا ہو گیا۔

چند لمحوں کے بعد یہ جان کر کہ اَدما جی کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہوگا، ریحان نے کہا۔ "اَدما ۔ میں تم کو ایک ضروری بات بتانا چاہتا تھا ۔"

"کریم خاں ـــــــ دھوبی سے پوچھو میری ساریاں استری کر دیں۔"

کریم خاں اشارہ سمجھ کر غائب ہو گیا۔

"ہاں بتاؤ کیا بات ہے۔"

"میں دیپالی سے شادی کر رہا ہوں۔"

انڈے کا چمچہ سنبھالے اَدما جی کا ہاتھ ہوا میں معلق ہو کر رہ گیا۔

"اس کے بغیر اگر میں جیتے جی مر گیا تو موومنٹ نقصان ہوگا۔" ریحان نے مصنوعی سنجیدگی سے وضاحت کی۔

اَدما اب عینک اتار کر بھونچکی سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

"کیوں اُدما؟"

"تم ۔ تم ریحان ۔ جب سے ہم کالج میں داخل ہوئے ۔ لندن میں رہے ایک ساتھ سیاسی کام کیا ۔ تم نے آج تک مجھ سے اپنا کوئی ذاتی راز نہیں چھپایا تھا ـــــ پھر اتنی بڑی بات مجھ سے کیوں پوشیدہ رکھی ۔؟"

ریحان ذرا سُرخ ہو گیا۔ عورتیں ۔ "اُدما ۔" اس نے متانت سے کہا ۔ "مانتا ہوں تم میری دوست، فلسفی اور گائیڈ ہو ۔ مگر یہ میرا بہت ہی ـــ بہت ہی ذاتی معاملہ تھا اور میرا خیال تھا کہ ایک عورت دوسری عورت کے سلسلے میں کبھی غیر جانبدارانہ رائے نہیں دے سکتی ۔"

"یہ تم کس کے لئے کہہ رہے ہو ۔ میں جو تم کو اپنا ـــ اپنا ـــ"

"اوہ ـ کم آن اُدما ـــــ مجھے افسوس ہے کہ تم کو میری اس رازداری سے دکھ پہنچا ۔"

"کیوں ـــ" اُدما ۔ نے کرسی پر پہلو بدلا ۔ "اگر مجھے پہلے ہی معلوم ہو جاتا کہ تم اسے پسند کرتے ہو تو میں پہلے سے دوگنا اس کا خیال کرتی ۔ مجھے خود وہ لڑکی بہت پسند ہے ۔"

"تمہیں بھی پسند ہے اُدما؟" ریحان کا چہرہ خوشی سے کھِل گیا ۔ "ونڈرفل ۔ تو تم میرے انتخاب کو مانتی ہو؟"

"مجھے بہت پسند ہے ۔ میں ہی اسے موومنٹ میں لائی ہوں ۔ تم بھولتے ہو کہ ایک لحاظ سے میری ہی وساطت سے اس سے تمہاری ملاقات ہوئی ۔"

"یہ تو غلط ہے اُدما ۔ اس پر تو میں بہت پہلے زہر کھا چکا تھا ۔ لَو ایٹ فرسٹ سائٹ وغیرہ وغیرہ ۔"

"تم جذباتی طور پر ابھی تک بےحد امیچور ہو ۔"

"ابھی تو تم میرے انتخاب کی تعریف کر رہی تھیں ، پھر میں امیچور کیسے ہوا؟ اُدما اپنا ہارڈ بوائلڈ انڈا تو کھاؤ ۔ تم کو اس اطلاع سے ایسا ـــ ایسی حیرت ہوئی ہے کہ بےچارے محمود اور جیوتی کی شہادت کا بھی ایسا ری ایکشن نہیں ہوا تھا ۔ کمال ہے ۔"

اُدما چہرہ سخت کر کے چاندی کے ننھے چمچے سے انڈے پر کھٹ کھٹ کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ریحان کہنیاں میز پر رکھے انہیں دیکھتا رہا۔ یہ شاید میری زیادتی ہے۔ ایسی مخلص دوست کے ساتھ میں ایسی سخت باتیں کر رہا ہوں۔ "سوری اُوما۔ واقعی مجھے بہت پہلے تم کو اپنا ہمراز بنانا چاہئے تھا۔ مگر حالات بھی تو کیسے ابنارمل تھے۔ مستقل انڈرگراؤنڈ، مسلسل احتیاط، اور پھر وہ احمق بھی نہ جانے کیوں مجھ سے خفا ہو گئی تھی، بہ نہایت محنت سے اب جاکر اسے ذرا راہ راست پر لایا ہوں۔ اُفوہ یہ عشق کرنا بھی خاصی مشقت ہے۔ تم تو کبھی اس چکر میں پڑی نہیں، تمہیں کیا معلوم۔"

اُوما چپ چاپ انڈا کھانے میں مصروف رہیں۔

"لو۔ اب تم خفا ہو گئیں۔ یہ کیا مصیبت ہے یار" پھر اس نے دفعتاً بڑی گمبھیر آواز میں کہا:

"اُوما۔ تم جانتی ہو، میں مدتوں گاؤں جا کر اپنی بہن سے نہیں مل پاتا۔ ڈھاکے میں اپنے نواب رشتہ داروں سے ملنے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔ صرف تم ہی میرے لئے سب کچھ ہو۔ تمہارے خلوص کی وجہ سے یہ گھر تک مجھے اپنا گھر معلوم ہو رہا ہے۔ حالانکہ۔" وہ مسخرے پن سے ہنسا "وہ ڈیڈیٹرز کو اپنا گھر سمجھتا ہے مگر بہرحال اتفاق سے تم اسی محل میں پیدا ہوئیں۔ کیا کیا جائے۔ تم جہاں رہو گی وہی میرا گھر ہوگا۔"

اُوما نے پلکیں جھپکائیں۔ ان کی عینک کا شیشہ دھندلا ہو چکا تھا۔ ریحان جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ وہ جذباتیت سے بے انتہا گھبراتا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ خود بھی خاصا جذباتی ہو رہا ہے۔ وہ جلدی سے کرسی پیچھے سرکا کر اٹھا۔ اور لپک کر اپنے کمرے سے سگریٹ اور ماچس اٹھا لایا۔ سگریٹ سلگا کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بشاش آواز میں اس نے کہا "لاؤ گرما گرم چائے تو بنا کر دو۔"

اُوما نے آہستہ سے ٹی کوزی اٹھا کر چائے اس کی پیالی میں انڈیلی۔

"میں۔ میں تو اب چلا جاؤں گا واپس بمبئی۔ دیپالی تمہارے حوالے۔ تم میری غیر موجودگی میں اس کا خیال رکھنا۔ وہ ذرا بے وقوف سی لڑکی ہے۔ اگر کبھی کوئی حماقت کی بات کرے تو میری خاطر اسے معاف کر دینا۔ وعدہ ـــ؟"

"وعدہ"

"گڈ اولڈ اُوما"۔ وہ اطمینان سے چائے پینے میں جٹ گیا۔

"تمہارا خیال ہے بنوئے بابو اس شادی کی اجازت دے دیں گے؟"

"کوشش تو میں ہی کروں گا۔"

"اور تم دونوں ہول ٹائمر کی تنخواہ پر گزر کر لو گے؟"

"اُوما۔ تم تو کسی ریٹائرڈ دادی کی طرح بات کر رہی ہو۔ اتنے ہول ٹائمرز نے آج تک کس طرح شادیاں کی ہیں۔؟ ان سب کی بیویاں بھی کام کر رہی ہیں۔ دیپالی اتفاق سے گریجویٹ ہے اور سنگیت کی ماہر ـــــــــ کمال ہے بھئی تم جب بیاہ کرو گی تو کوئی مارواڑی سیٹھ یا ڈپٹی کمشنر تلاش کرو گی اپنے لئے؟"

"بکواس مت کرو۔"

"اوہ۔ سوری۔ سوری۔"

"چنانچہ ـــــ دیپالی گا بجا کر گھر کا خرچ چلائے گی۔ ریڈیو پروگرام اور ریکارڈوں کی مختصر سی رائلٹی اور میوزک کے ٹیوشن۔ اور آپ بیوی کی کمائی پر ـــــ"

"اُوما ـــــ" ریحان کو اب پہلی بار غصہ آیا۔ "تم آج کیسی عجیب و غریب باتیں کر رہی ہو۔ مجھے یقین نہیں آتا۔"

"میں ریٹائرڈ دادی نہیں ہوں۔ محض چند پریکٹیکل باتوں کی طرف اشارہ کر رہی ہوں۔ یہ تمہاری ہینڈ ٹو ماؤتھ خانہ بدوش زندگی ـــــ شادی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہے ـــــ"

"اُوما ـــــ تم سچے دل سے کمیونسٹ کبھی نہیں تھیں ـــــ اس کا یہ مطلب ہے۔"

"میں سچے دل سے تمہاری دوست ہوں۔ اور دوسری بات ـــــ اگر تم اس خوش فہمی میں ہو کہ بنوئے بابو تمہیں بخوشی اپنا داماد بنا لیں گے ـــــ وہ قدامت پسند ہندو ہیں۔"

"جہاں تک میں نے چند ملاقاتوں میں اندازہ لگایا تھا، وہ بالکل کمیونل نہیں ہیں۔ اور بہرحال میں نے کہا تو۔ وہ اگر اجازت نہ بھی دیں تو کیا مضائقہ ہے۔ دیپالی اکیس سال کی ہو چکی ہے۔ ہم لوگ کلکتہ جا کر سول میرج کر لیں گے۔"

"مجھے تمہاری طرف سے بے حد پریشانی ہے ریحان۔ نہ جانے تم کس آفت میں پھنس جاؤ۔"

"اُفوہ۔ تم تو اتنی متفکر ہو گئیں گویا آج تک ہندوستان میں کوئی انٹر کمیونل شادی ہی نہیں ہوئی۔ اچھا۔ تم ایک کام کرو۔"

"کیا ـــ؟"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"چندر کنج جا کر میری سفارش کر دو۔ جھٹ پٹ۔"

"میں ——؟"

"دیپالی کہہ رہی تھی۔ ڈاکٹر سرکار پہلی ملاقات ہی میں تم سے بے حد متاثر ہو گئے تھے۔ جب تم "کلثوم آپا" کی سازش کے سلسلے میں اسے اپنے ساتھ فرضی طور پر کومیلا لے گئی تھیں۔ یوں اسے اگر اپنی سہیلیوں کے ہاں دیر لگ جائے تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں ——"

"دیپالی کیا کہہ رہی تھی؟"

"کیا —— ؟ تمہارے متعلق ——؟" اس نے ہنس کر جواب دیا۔ "کہہ رہی تھی ایسا لگتا تھا جیسے اُوما نے بابا پر جادو کر دیا ہو۔"

"گڈ گاڈ۔"

"قسمیہ۔ اوما تم سچ مچ جا کر ذرا اُن کے خیالات کا اندازہ تو لگاؤ۔"

"مجھے مڈل کلاس ہندو بنگالیوں کے خیالات کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ بھدرا لوگ۔"

"مجھے بھی اندازہ ہے۔ مگر میں ہندو بنگالی بورژوازی بھدرا لوگ کی نظروں میں کم از کم "اشراف" تو ہوں۔ ذرا غور کرو۔" وہ پھر ہنسا۔ "ہمارے بنگال کی ہندو بورژوازی مسلم بورژوازی کو کس سرپرستانہ انداز میں "اشراف" کہہ کر گویا tolerate کرتی ہے۔!!"

"اگر کوئی تمہارے اس لہجے کو سنے تو سمجھے کہ شاید تم بھی کمیونسٹ ہو۔ سچے دل سے کمیونسٹ نہیں۔" اوما نے ہنس کر جواب دیا۔

ریحان بھی کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ "بہر کیف تم اب اپنے دوسرے مشن پر چندر کنج جاؤ۔"

"کوئی ہندو یا مسلمان باپ چاہے وہ کتنا ہی روشن خیال کیوں نہ ہو اپنی لڑکی کو دوسرے فرقے میں شادی کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔"

"تمہارے ڈیڈی بھی؟"

"میرے ڈیڈی کا یہاں کیا ذکر ہے۔"

"کیوں؟" وہ ہنستا رہا۔ "فرض کرو تم کسی "اشراف" سے بیاہ کرنا چاہو، یا عیسائی سے یا انگریز سے یا چینی، جاپانی، روسی سے، تو سر پری توش اجازت نہ دیں گے، وہ تو بے حد آزاد خیال ہیں۔"

"میرے بیاہ کا کیا ذکر ہے۔"

"او کے، او کے اوما۔ بچیوں کی طرح شرماؤ نہیں۔ ہے کوئی مُرغا نظر میں؟ چلو میں سر پری توش سے تمہاری وکالت کر دوں گا۔ تم ہونے بابو سے میرا پروپیگنڈہ کرو۔ لاؤ ملاؤ ہاتھ۔" اس نے دوستانہ بے تکلفی سے اوما کا ہاتھ کھینچ کر زور سے مصافحہ کیا۔ اوما نے غصّے سے ہاتھ چھڑا لیا۔ "ریحان۔ تمہارا لونڈہارپن کب جائے گا؟"

"اسی لونڈہارپن کو ختم کرنے کے لئے تو اب گھر بسانے کا ارادہ ہے ہمارا۔"

"کل شام کیا پرپوز ——؟"

"نہیں۔"

"ابھی تک کوئی بات ہی نہیں کی؟"

"یوں ہی —— ذرا شاعری واعری بگھارتا رہتا ہوں۔ اس سے کہا تو ہے کہ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مگر باقاعدہ سنجیدگی سے۔ ایسا کہتے ہوئے بڑا عجیب سا لگتا ہے۔ اگر وہ اپنی یار دوست اور کامریڈ نہ ہوتی۔ محض لڑکی ہوتی تو دوسری بات تھی۔ اب عجیب مسخرہ پن سا لگتا ہے۔ تم۔ تم میرا مطلب سمجھ نہیں سکتیں۔ اس سے formal طور پر کیا کہوں؟ بس ایک روز بھگا کر لے جاؤں گا۔ بھگانے کا الٹی میٹم اسے البتہ دے دیا ہے۔"

"تم بالکل دیوانے ہو رونو۔"

"ہوں تو سہی۔"

اب ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ پہلو کا باغ بے حد تر و تازہ اور دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔

"اچانک اوما نے کہا —— "تم بے چاری جہاں آرا کو اتنی جلدی بھول گئے۔"

وہ ایک دم اس غیر متوقع تذکرے سے ششدر سا رہ گیا۔ پھر اس نے سگریٹ کا کش لگایا اور جھینپ کر سرخ ہوتے ہوئے کہا۔ "اتنی جلدی تو نہیں، کافی عرصہ ہو گیا۔"

"اوہ۔۔ یو مین (MEN)۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ سیتر اب اوما دیبی کے قدموں سے اٹھ کر گرانباری سے چلتا ہوا کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہیں۔ پھر انہوں نے دوسرا سوال کیا —— "دیپالی کو معلوم ہے؟"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"نہیں۔"

"تم نے اُسے کچھ نہیں بتایا؟"

"بتانے کی کیا خاص بات تھی۔ جہاں آرا، بے چاری کی میری موجودہ زندگی میں اب کیا اہمیت ہے کہ میں خواہ مخواہ اس کا تذکرہ چھیڑتا۔ اور بات بھی کیا تھی کہ جہاں آرا، کے والد مجھے اپنا گھر داماد بنانا چاہتے تھے۔ ایسا اکثر مسلمان گھرانوں میں ہوتا ہے ______"

"دیپالی جہاں آرا کی گہری دوست ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"تم ابھی کہہ رہے تھے کہ پچھلے دنوں وہ تم سے خفا ہو گئی تھی۔ ممکن ہے اُسے معلوم ہو گیا ہو اور اسی وجہ سے وہ تم سے ______"

وہ جھنجھلا گیا ___ "اگر اس وجہ سے ناراض تھی تو مجھے بآسانی بتلا سکتی تھی۔ وہ بے انتہا صاف دل اور منہ پھٹ لڑکی ہے۔" وہ دفعتاً چپ ہو گیا۔ اور تیوری پر بل ڈال کر بولا۔ "پتہ نہیں ولاحول ولا قوۃ ___ عورتوں کے دماغ بھی عجیب انداز سے کام کرتے ہیں۔ اُسے مجھے بتانا تو چاہئے تھا۔ اگر یہی بات ہے ______ مگر تم کو یہ خیال کیسے آیا؟"

"میں بھی عورت ہوں۔"

"لائیک ہیل۔" وہ یک لخت بے حد پریشان ہو کر پیالی میں چمچہ بجانے لگا ___ "او مائی گاڈ۔ اُدما، تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں واقعی عجیب آفت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ مجھے پارٹی کی طرف سے ماموں جان سے ہی بات چیت کرنی ہے۔ ارجمند منزل جا کر ___ اوہ ہل ___"

"ارجمند منزل کب سے نہیں گئے؟"

"مدتیں گزر گئیں۔"

"کیوں نہیں جاتے، کیا احساسِ جرم ستاتا ہے؟"

"یہی سمجھ لو۔"

"کبھی جہاں آرا یاد آتی ہے؟"

"اپنی پہلی محبت کو انسان کبھی نہیں بھول سکتا ہے؟"

"تم نے مجھے ایک بار لندن میں سرسری سا بتایا تھا۔ وہ تمھاری فرسٹ کزن ہے نا؟"

"سکندر۔ اب چھوڑو اس قصّہ کو۔ گڑے مردے اکھیڑنے بیٹھ گئیں۔"

"بے چاری لڑکی۔"

"یو آر اے ڈیم کروک اُدما۔"

وہ ہنسنے لگیں۔

"اور میں نے کون سا ایسا جرم کیا ہے جس کے کنفیشن کی ضرورت ہے؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کے متعلق تمہیں دیپالی کو اندھیرے میں نہ رکھنا چاہئے۔"

"ڈرٹ ___ آئی ایم افریڈ ___ اِٹ از مائی اون بزنس۔"

اُدما نے تازہ چائے کے لئے گھنٹی بجائی۔ وہ اس جذباتی چھوکرے کو ہینڈل کرنا خوب جانتی تھی۔ اخبار سرکا کر انہوں نے چند لمحوں بعد موضوع تبدیل کرتے ہوئے کہا ______ "بے چارے محمود اور جیوتی ___ ہم اپنی باتوں میں ان دونوں کو بالکل بھول ہی گئے۔"

ریحان نے پلکوں پر انگلیاں پھیریں۔ "خدا کے لئے چپ رہو اُدما۔"

وہ بھی خاموش ہو کر بارش کو دیکھنے لگیں۔ خدمت گار برآمدے میں آیا۔ اُدما نے چائے دانی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ چائے دانی اٹھا کر اندر چلا گیا۔ اُدما نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے اس وقت گرٹرڈ یاد آ رہی ہے۔ کس طرح گولیوں سے چھلنی ہو کر مری بے چاری۔ اسپین سے اتنے دنوں بعد ہمیں اطلاع ملی تھی۔ یاد ہے؟"

ریحان نے الم سے سر ہلایا۔

"اور مجھے یاد ہے جب تمہاری امّی کے انتقال کی خبر آئی تو تم نے کہا تھا۔ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا۔ اگر میں بھی گرٹرڈ کی طرح کہیں موت کے گھاٹ اتروں تو امّی زندہ نہ رہ سکیں گی۔ اس وقت نہ جانے بیچارے محمود کی ماں پر کیا گزر رہی ہوگی۔ جیوتی کے ماں باپ تو غالباً اس کے بچپن ہی میں مر چکے تھے۔"

ریحان اب یہ غمناک تذکرہ ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن اب اتنے عرصہ بعد اچانک اس کی امّی اس کے تصور میں آن موجود ہوئیں ___ میری امّی ___ میری

urdukutabkhanapk.blogspot.com

امّی ۔۔۔ اُس نے دفعتاً سر ہاتھوں میں چھپا کر میز پر ٹکا دیا۔

"روتو ۔۔۔۔"

صرف اس کی امّی اتنے پیار سے اسے روتو پکارتی تھیں۔ روتو لو چائے آگئی۔ اٹھو۔

"روتو۔ لو چائے آگئی۔ اٹھو۔" اُوما کہہ رہی تھیں۔

اُس نے ہڑبڑا کر سر اُٹھایا۔ اور چوروں کی طرح اُوما پر نظر ڈالی۔ مائی لٹل مدر۔

اُوما چائے گھولنے میں مصروف رہیں۔ وہ چپ چاپ اپنی پیالی کا انتظار کرنے لگا۔

"ایک بات سنو۔ مذاق برطرف۔" اُوما نے اسے پیالی دے کر کہا۔ "تم نے اپنی غیر موجودگی میں دیا تِلی میرے حوالے کی ہے۔ فرض کرو وہ تمہارے اس قصّے کے بارے میں مجھ سے پوچھے تو میں اُسے کیا بتاؤں۔"؟

"کوئی ایسی بات نہیں ہے، تم خواہ مخواہ اتنی دیر سے لمبا چوڑا میلو ڈرامہ بنا رہی ہو۔" ریحان نے پھر جھنجھلا کر کہا۔

"مگر مجھے پوری تفصیل تو معلوم ہونی چاہیئے۔ فرض کرو جہاں آرا اس سے کچھ کہے تو خود اُس کی پوزیشن کتنی نازک اور embarrassing ہو گی۔ اور وہ تمہارے متعلق کیا سوچے گی کہ تم نے دو لڑکیوں کو چلا دیا۔ پہلے جہاں آرا کو دغا دی اور پھر اسے دھوکے میں رکھا۔ جبکہ وہ جہاں آرا کی اتنی گہری دوست ہے ۔۔۔۔ مجھے یقین ہے وہ اسی وجہ سے تم سے بدک گئی تھی۔ نواب صاحب تم کو گھر داماد بنانا چاہتے تھے۔ مگر تم کو جہاں آرا سے خود کوئی دلچسپی نہ تھی؛ تم بالکل بے قصور ہو ۔۔۔"

"کیا میرا ٹرائل ہو رہا ہے؟ تم کو تو واقعی بیرسٹر ہونا چاہیئے تھا۔"

"تمہاری امّی نواب قمر الزماں کی سگی چچا زاد بہن تھیں۔؟"

میری امّی ۔۔۔ میری امّی۔

بارش کی لطیف دھند باغ پر منڈلاتی رہی۔ ہوا میں پھولوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔

"پھر تمہیں جائداد میں حصہ کیوں نہیں ملا؟"

"اوہ اوما ۔۔۔۔ اوما ۔۔۔ ڈونٹ بی سچ اے بور۔ تم کو بتلا چکا ہوں۔" ریحان نے اکتا کر جمائی لیتے ہوئے کہا۔ "مگر تم ساری الف لیلٰے نہ جانے کیوں پھر سننا چاہتی ہو۔ آل رائٹ۔

مجھے جائداد میں حصّہ نہیں ملا۔ جس کی مجھے مطلق پرواہ نہیں۔ میرے نانا نوابزادہ فخر الزماں چودھری نواب نور الزماں چودھری کے چھوٹے بھائی تھے۔ آیا خیال میں۔ یاد کر لو۔ گرہ میں باندھ لو۔ اور بار بار اپنے سوالوں سے مجھے بور نہ کرنا۔ میرے نانا فخر الزماں چودھری نواب قمر الزماں کے والد نواب نور الزماں کے اکلوتے چھوٹے بھائی تھے۔ اب رٹ کر سبق سناؤ۔ چلو۔ تم بھی کیا یاد کرو گی۔"

اُوما قہقہہ لگا کر ہنسیں۔ "آگے بتاؤ۔ بڑا الف لیلوی قصّہ ہے۔"

"لائیک ہل۔ الف لیلوی قصّہ یہ ہے کہ نانا جان اپنے بڑے بھائی کی طرح بے حد رنگین مزاج تھے۔ صرف کلکتہ کی گوہر جان پر ایک گاؤں نچھاور کر دیا تھا۔ اور ایک دہ۔ بچپن میں سنا کرتا تھا۔ لکھنؤ کی نوا بجو اور دلّی کی چھمیا اور بنارس کی بے نظیر۔ فیوڈل ڈیکیڈنس کی بات کرتے ہیں آپ لوگ۔" اس نے پیالی ذرا زور سے طشتری میں رکھی۔

"تم کو پتہ ہے ہم بورژوا لوگوں کو تم فیوڈل لوگ بیحد فیسی نیٹ کرتے ہو۔" اُوما نے مسکرا کر کہا۔

"بکواس۔ بہرحال۔" ریحان نے ماچس کے لئے پہلے کرتے کی ایک جیب میں پھر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"سگریٹ پینے بند کر دو۔ ہاں پھر کیا ہوا۔؟"

"پھر یہ ہوا کہ نانا جان نے ایک تھیٹر کمپنی میں روپیہ لگایا۔ مرحوم خود بھی ناٹک لکھتے تھے۔ ارجمند منزل میں باقاعدہ جلسہ گھر تھا۔ بہرحال۔ تھیٹر کمپنی کا منیجر سارا روپیہ غبن کر کے رنگون بھاگ گیا۔ اور جب عین عالم جوانی میں نانا جان کا اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال ہو گیا اُس وقت ان کے حصّے کی زمینداری مہاجن کے ہاں رہن رکھی ہوئی تھی۔

"امّی ان کی اکلوتی لڑکی تھیں۔ جب نانا جان مرے وہ شاید چھ یا سات سال کی تھیں۔ والد کے مرنے کے دوسرے سال کالرا کی وبا پھیلی اور اس میں ان کی والدہ بھی چل بسیں۔ امّی اپنے تایا کے یہاں پلنے لگیں۔ نواب زادہ فخر الزماں کی جو جائداد فضول خرچی اور عیّاشی سے باقی بچی تھی نواب نور الزماں نے رہن سے چھڑا کر بھتیجی کے قانونی سرپرست کی حیثیت سے اپنے قبضہ میں لے لی۔ قاعدے سے امّی کی شادی اپنے تایا زاد بھائی یعنے نواب قمر الزماں سے ہونی چاہیے تھی۔ بیگم نور الزماں اب شوہر کی یتیم اور نادار

urdukutabkhanapk.blogspot.com

بھتیجی کو کیوں خاطر میں لائیں۔ وہ کشتیہ کے ایک نواب کی لڑکی کو دیکھ آئی تھیں جو جہیز میں گاؤں، مکانات، باغات اور پٹ سن کے کھیت سب ہی کچھ لے کر آئی۔"

وہ سانس لینے کے لئے رکا۔ ماچس سے کھیلنے لگا، اور پھر بولا "امّی ابھی سولہ سال کی بھی نہیں ہوئی تھیں کہ نواب نورالزماں نے ان کی شادی ایک نوجوان غریب مولوی سے کردی ـــــ جو ان کے لڑکے کو عربی فارسی پڑھانے آیا کرتے تھے۔"

"اوہ ـــــ"

"امّی کا حمایتی یا پرسانِ حال ان کے ننھیال میں بھی کوئی نہ تھا۔ باقی رشتے دار حسبِ معمول آپس کی زمینداری کی مقدمہ بازیوں میں جُتے ہوئے تھے۔ ایک یتیم لڑکی کی ذمہ داری کون سنبھالتا۔ ان کے ماموں اور نانا وغیرہ سب مر چکے تھے۔ نواب نورالزماں کے قریبی رشتے دار ہی امّی کے ننھیالی لوگ تھے۔ اور سب نواب کی مطلق العنانی اور دبدبے سے خائف تھے۔ نواب صاحب نے کہا کہ لڑکا سید اور بیحد شریف ہے اور نکاح پڑھوا دیا۔ اور واقعی ابّا بہت ہی فرشتہ صفت اور بھولے انسان نکلے۔ ابّا کا گاؤں شونا پور نواب صاحب کے علاقہ کے پڑوس میں تھا۔ ان کے ہاں کاشتکاری ہوتی تھی۔ میرے ابّا، تینوں چچا اور ان کے لڑکے کاشتکار ہیں۔ خود کھیت بوتے اور جوتتے ہیں، خود فصل کاٹتے ہیں، حقّہ لے کر چوپال پر بیٹھتے ہیں۔ ہم اصل نسل کسان ہیں۔ آدما۔"

"تمہاری امّی خوش رہی تھیں؟"

"تم جدید لڑکی ہو آدما اور تم پچھلی نسل کی مسلمان اور ہندو لڑکیوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ صبر و قناعت اور شوہر کی خدمت جن کا دین ایمان تھا۔ امّی کو تو اپنے نانا یا سے بھی شکایت نہ تھی جن کی رنگ رلیوں کا اثر اس طرح ان کی اپنی زندگی پر پڑا۔" وہ چُپ ہو گیا۔

"کمال ہے۔ تم نے مجھے یہ سب اس مرتبہ لندن میں نہیں بتایا تھا۔ ہمیشہ کتراتے رہے۔"

"میرے ذاتی حالات سے کسی کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"مجھے تو ہے رو تو۔ کیا تم واقعی مجھے اپنا پُرخلوص دوست نہیں سمجھتے؟"

جب لندن میں اس کے پاس ماموں جان ـــــ نواب قمرالزماں کا کیبل آیا تھا کہ اس کی امّی کا گاؤں میں نمونیہ سے انتقال ہو گیا۔ وہ خود بیمار پڑا ہوا تھا۔ اس زمانے میں آدما نے کس لگن سے اس کی دلجوئی

کی تھی۔ دن رات وہ اس کے ارلز کورٹ کے ڈگز میں سرہانے بیٹھ کر اس کا ٹمپریچر لیتی۔ اسے دوا پلاتی۔ اس کے لئے کھانا پکاتی۔ اس کے کپڑے تک دھوتی اور استری کرتی۔ صرف اس کی امّی ہی نے اس کی ایسی دیکھ بھال اور خدمت کی تھی۔ آدما کا یہ بے لوث سلوک وہ عمر بھر نہ بھول سکتا تھا۔

"پھر کیا ہوا رو تو ـــــ؟"

"ارے تمہیں بتلایا تو تھا یار ـــــ"

"تمہاری امّی غریب کسان گھر میں کس طرح خوش رہیں؟"

وہ اُداسی سے مسکرا دیا۔ "مجھے یاد ہے۔ میں چھوٹا سا تھا اور ایک اندھیری رات برآمدے میں چٹائی بچھائے لالٹین سامنے رکھے اسکول کا سبق یاد کرنے میں مصروف تھا۔ جب اندر سے امّی کے آہستہ آہستہ رونے اور ابّا کے چلّانے کی آواز آئی۔ میں امّی کو بیحد چاہتا تھا۔ ان کے رونے کی آواز سے گھبرا کر میں نے باشا کی دیوار سے کان لگا دیے اور پھر سوراخ میں سے جھانکا۔ امّی دن بھر کام کاج کی محنت کے بعد تھک کر رونے لگی تھیں۔ وہ چولہے کے پاس پیڑھی پر سر جھکائے بیٹھی تھیں اور میرے ابّا ـــــ مجھے وہ منظر اب تک یاد ہے۔ میرے ابّا کمرے کے دروازے میں کھڑے اس متانت سے تقریر کر رہے تھے گویا جمعہ گھر کے منبر پہ وعظ کہتے ہوں۔ وہ کہہ رہے تھے، میں نے تم کو ملیحہ بی بی شادی کے دوسرے دن سمجھا دیا تھا کہ بھول جاؤ کہ تم نواب فخرالزماں مرحوم کی بیٹی اور نواب نورالزماں چودھری رئیس اعظم فرید پور کی بھتیجی ہو ـــــ اور ہمیشہ یاد رکھو ـــــ انہوں نے شہادت کی انگلی اٹھا کر کہا ـــــ کہ تم ایک غریب سیّد کی بیوی اور آلِ رسولؐ کی بہو ہو ـــــ اور یاد رکھو حلیمہ بی بی کہ شہنشاہِ کائنات کی بیٹی مولا علیؓ کے گھر میں چکّی پیستی تھیں اور ایران کی بادشاہ زادی شہید کربلاؑ کے گھر میں فاقہ کرتی تھی۔ تم تو ان سب کی خاکِ پا بھی نہیں ہو۔ توبہ استغفار کرو اور اللہ سے ڈرتی رہو۔ وہ بخشش والا اور مہربان ہے ـــــ ابّا رسول اللہ کا نام لینے کے بعد درود پڑھ کر بار بار داڑھی پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ ان کی سنجیدہ شکل اور ہوا میں لرزتی داڑھی پر میری نظر پڑی تو باشا کی دیوار کے اُدھر مجھے اپنی پریشانی کے باوجود بے اختیار ہنسی آگئی۔ اور میں اپنی شتیل پاٹی پر واپس آن بیٹھا۔ امّی ساری کے آنچل سے آنسو پونچھ کر پھر چولہے پر جھک گئیں۔ اور ابّا باہر چلے گئے۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"اس کے بعد مجھے یاد ہے، امّی نے ابّا سے پھر کوئی شکایت نہیں کی، اور خاموشی سے شوہر، ساس، سسر، دیور، جیٹھ اور نندوں کی ٹہل میں لگی رہیں۔ انہیں واقعی یہ فخر تھا کہ سیّد کی بیوی ہیں۔ بیحد مذہبی تھیں۔ پانچ وقت کی نماز، روزے رکھتیں۔ میرے لئے طرح طرح کے وظیفے پڑھتیں، منّتیں مانتیں ـــ"

ریحان کی آواز بھرّا گئی اور اس نے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"یہ سب لوگ کون تھے؟" اوما نے پوچھا۔

"کون ـــــ؟" ریحان نے چونک کر دریافت کیا۔

"یہی سب جن کی محنت کشی کی مثال تمہارے ابّا نے اُن کے سامنے پیش کی۔"

"پروفیٹ محمدؐ کی بیٹی اور ان کے نواسے کی بیوی۔ وغیرہ ـــــ ارے چھوڑو اوما۔ تم کو ان باتوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ کیا پرانے قصّے لے کر بیٹھ گئیں۔" وہ کرسی سے اٹھ کر برآمدے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔

"تمہارے ابّا بڑے بلند کردار کے انسان معلوم ہوتے ہیں۔"

"ابّا ـــــ" وہ ٹہلتے ٹہلتے ٹھٹھک گیا۔ "ابّا حیرت انگیز بے مثال شخصیت کے مالک ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے گھر والے ان کو ذرا سا خبطی گردانتے ہیں۔ مگر گاؤں والے ان کو اچھا خاصا ولی اللہ بھی سمجھتے ہیں ـــــ جب امّی کی شادی ہوئی تو نواب نورالزماں نے ان کو جہیز دیا۔ نواب زادہ فخرالزماں کا چھوڑا ہوا تھوڑا سا روپیہ موجود تھا اور بہرحال امّی نواب نورالزماں کے سگے بھائی کی اولاد تھیں اور وہ ان کی جائیداد قبضے میں کر کے ان کی کافی حق تلفی کر چکے تھے۔ بہرحال۔ تو امّی کا تھوڑا بہت جہیز بنایا گیا۔ جو غریب کسانوں کے لئے تو کسی شاہی خزانے سے کم نہ تھا۔ مگر جب ابّا کشتیوں پر لدے مولویوں اور کاشتکاروں کا قافلہ بارات میں لے کر پہنچے تو انھوں نے جہیز کا سامان قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ امّی بتایا کرتی تھیں کہ کہنے لگے وہ نواب نورالزماں کے ایسے غریب داماد نہیں کہلانا چاہتے جنھوں نے بیوی کے روپے سے اپنا گھر بھر لیا۔ لہٰذا وہ صرف امّی کے کپڑوں کے صندوق اٹھوا کر امّی کو رخصت کرا لے گئے۔ امّی کے زیور البتہ جب میری بہن رابعہ پیدا ہوئی تو نواب صاحب نے اس کے نام سے بینک میں محفوظ کر دیئے تھے۔ ابّا بہرحال اسی طرح دھان اُگاتے اور جمعہ گھر میں نماز پڑھاتے رہے ـــــ"

"سچے کمیونسٹ ـــــ" اوما نے کہا۔

ریحان ہنسنے لگا۔

"اصل قصّہ تو تم نے اب تک بتایا نہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" وہ عاجز آکر پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جب میں گاؤں کے اسکول میں داخل ہوا اور بقول شخصے میری ذہانت کی دھوم مچنے لگی تو نواب قمرالزماں امّی ابّا سے مصر ہو کر مجھے ڈھاکے لے آئے۔ میں جب چھ سات سال کا تھا تب نواب نورالزماں کا جنھیں میں بڑے نانا کہتا تھا انتقال ہو چکا تھا۔ وہ مجھے اچھی طرح یاد ہیں، بالکل پرانے فیشن کے، کارچوبی چوغہ پہنے ہوئے جاگیردار زمیندار، جیسے پرانی کتابوں کی تصویروں میں ہوتے تھے۔ بہرحال۔ اب قمرالزماں ریاست کے مالک تھے۔ وہ مجھے ڈھاکے لے آئے۔ اور اسکول میں داخل کر دیا۔ میں اس وقت بارہ تیرہ سال کا تھا۔ میں ارجمند منزل میں رہ رہا تھا۔ اور نیرّالزماں کے ساتھ کار میں بیٹھ کر اسکول جایا کرتا تھا۔ ابّا کو ماموں جان نے یقین دلایا تھا کہ امّی کا روپیہ جو ابّا نے شادی کے وقت لینے سے انکار کیا تھا میری تعلیم پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود بیس روپیہ مہینہ باضابطہ ہر مہینے ابّا گاؤں سے میرے نام منی آرڈر کرتے۔ ماموں جان مسکرا کر وہ روپیہ وصول کرتے۔ اور میرے نام ڈاک خانے میں جمع کرتے رہتے۔ اصلیت یہ تھی کہ میں ارجمند منزل میں ماموں جان کے لاڈلے نورِ نظر کی حیثیت سے پروان چڑھایا جا رہا تھا۔ ان کا بیٹا خاصا کوڑھ مغز تھا۔ ماموں جان اس کی طرف سے بہت مایوس تھے۔ اور مجھے آئیڈیلائز کر رہے تھے۔ اور اصل بات ساری یہ تھی کہ وہ جہاں آرا سے میری شادی کرنا چاہتے تھے۔ ماموں جان علی گڑھ کے معتقد تھے، انہوں نے ایف۔ اے کے لئے علی گڑھ بھیج دیا۔ وہاں میں مزید لائق اور ہونہار ثابت ہوا۔ ماموں جان بے چارے کے سارے خاندان میں واحد معقول اور ہونہار نوجوان صرف میں تھا۔ ماموں جان میرے لئے طرح طرح کے خواب دیکھنے لگے۔ بیرسٹری۔ آئی سی ایس کا مقابلہ۔ ان کے پٹ سن کے کاروبار کی دیکھ بھال۔

"جہاں آرا چھوٹی سی تھی۔ مجھ سے پانچ چھ سال چھوٹی ہوگی۔ وہ مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ بڑی ہوئی اور پتہ چلا کہ ماموں جان اس سے میری شادی کرنا چاہتے ہیں، تو میں بے حد خوش ہوا۔ میرا خیال تھا میں کالج سے نکل کر کسی اخبار میں کام کروں گا۔ میں انگریز سرکار کی ملازمت کے سخت خلاف

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہوگیا تھا۔ کسی یونیورسٹی میں پڑھاؤں گا۔ اور جہاں آرا کو لے کر اپنا گھرانگ بنا دوں گا۔

"ماموں جان کو واقعی مجھ سے محبت تھی۔ لیکن میری ذہانت وغیرہ کے علاوہ ماموں جان میرا اتنا خیال رکھتے تھے اس کی غالباً ایک وجہ اور بھی تھی۔" ریحان نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ان کے والد نواب نورالزماں پرانے ٹائپ کے جابر اور مطلق العنان زمیندار تھے۔ ماموں جان ۔۔۔ قمرالزماں۔ ان کے برعکس ایک جدید انسان ہیں! اور نیک دل۔ ان کو یہ احساس ۔۔۔ ان کے والد نے اپنی بے زبان بھتیجی کے ساتھ ہر طرح سے بڑی بے انصافی کی۔ وہ مجھے اپنا ۔۔۔ کر تلافی مافات کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ ۔۔۔ اس کے علاوہ ۔۔۔" وہ یکایک چپ ہوگیا۔

ادما ۔۔۔ اسے دیکھتی رہیں۔ "اس کے علاوہ کیا ریحانو ۔۔۔؟"

ریحان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "مجھے یہ بھی اندازہ ہے کہ ماموں جان امی کو بے حد پسند کرتے تھے۔ انہیں بچپن سے اپنی بنتِ عم ہی سے محبت تھی۔ اور اگر ان کا بس چلتا تو وہ کشتیہ کی رئیس زادی کے بجائے امی ہی سے شادی کرتے ۔۔۔"

"زندگی ۔۔۔ واقعی کتنی عجیب چیز ہے ۔۔۔" ادما نے آہستہ سے کہا۔ "اور تمہاری امی بھی نواب قمرالزماں کو پسند کرتی تھیں؟"

"یقیناً۔"

"اور کسی نے ان سے نہ پوچھا کہ ان کے دل پر کیا گزری ہوگی۔"

"نہیں۔ کسی نے ان سے نہیں پوچھا۔ اور نہ انھوں نے کسی کو بتایا۔ وہ مرتے دم تک پتی ورتا بنی رہیں۔ آخر دم تک شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں لگی رہیں۔"

"بنگالی عورت ۔۔۔!"

"ہاں۔ بنگالی عورت! ہندوستانی عورت!!"

"وہ کبھی ارجمند منزل آتی تھیں؟"

"بہت کم۔ کسی خاندانی تقریب کے لئے کبھی کبھار آجاتی تھیں اور ماموں جان ان کی خاطر مدارات میں دوڑے دوڑے پھرتے تھے۔ جاتے وقت دستور سے زیادہ تحفے تحائف ان کے ساتھ کرتے، مگر وہ سب کچھ یہیں چھوڑ جاتیں۔ کیونکہ ابا دولت مند سسرال کا ایک پیسہ لینے کے روادار نہ تھے۔ اور امی نے ساری

عمر ان کا یہ حکم مانا۔"

"شی مسٹ ہیو بین اے گریٹ وومن۔"

"شی واز۔"

اب بارش تھم چکی تھی، اور باغ کی ابر آلود فضا بے حد خوشگوار معلوم ہو رہی تھی۔ ریحان نے گھڑی پر نظر ڈالی اور جلدی جلدی داستان ختم کرنا چاہی۔

"جب میرے ولایت جانے کا پروگرام بنا تو امی نے چاہا کہ اپنے زیورات جو بنک میں محفوظ تھے فروخت کر کے میرے ولایت کے خرچ کا انتظام کریں۔ ماموں جان نے ابا کو تو یہ پٹی پڑھائی کہ مجھے سرکاری وظیفہ مل گیا ہے۔ اور امی سے چپکے سے کہا بی بی تم زیور اپنی بیٹی کے جہیز کے لئے رکھو۔ میں اپنے بھانجے کو جو مجھے بیٹے کی طرح عزیز ہے، اپنے روپے سے لندن بھیج رہا ہوں۔ امی کو معلوم تھا کہ ماموں جان کا ارادہ جہاں آرا کو مجھ سے بیاہ دینے کا ہے۔ وہ بیچاری بے حد مسرور تھیں۔ وہ اپنے شوہر کی ضد کی وجہ سے ساری عمر تنگدستی میں گزار چکی تھیں۔ انھیں اب خوشی تھی کہ اس رشتے سے ان کے غریب بیٹے کی زندگی بن جائے گی۔"

"تمہاری امی کے پاس بہت گہنے تھے؟" ادما نے خالص عورتوں کی سی دلچسپی سے پوچھا۔

ریحان نے ایک بار تعجب سے اس پر نظر ڈالی۔ "کہہ تو چکا ہوں، ان کی والدہ کے زیور تھے جو ان کے تایا نے بینک میں رکھوا دیے تھے۔

"وہ ہیرے جواہرات جو امی کو ملنے چاہئیں تھے، ان پر ان کی والدہ کے انتقال کے بعد بیگم نورالزماں ان کی تائی پہلے ہی قبضہ کر چکی تھیں۔

"چنانچہ میں ماموں جان کے خرچ پر لندن گیا۔ وہاں سے لوٹ کر آیا تو یہاں شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مجھے ہار پھول پہنائے گئے، ارجمند منزل میں زوردار دعوت ہوئی۔ تیونا پور پہنچا تو سارا گاؤں گھاٹ پر استقبال کے لئے موجود تھا۔ صرف امی نہیں تھیں۔ جن کو میری آمد کا سب سے زیادہ انتظار تھا۔ وہ سال بھر پہلے مر چکی تھیں۔ ابا نے جمعہ گھر میں جا کر شکرانے کی نماز پڑھی۔ چوپال میں گانے کی محفل ہوئی۔ بیاتیوں نے فوراً میرے لئے گیت بنائے۔ میں گاؤں والوں کے لئے ایک عجوبہ روزگار ہستی بن چکا تھا۔ جب میں ڈھاکے واپس آیا ۔۔۔ ا تم تو ابھی لندن میں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

تھیں۔ یہاں کیا کیا ہنگامے رہے میرے ساتھ۔ تو شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ ماموں جان نے مجھے گلے لگا کر سر پر ہاتھ پھیر کر مجھ سے کہا کہ شادی کے بعد میں ان کا پاٹ کا کاروبار اپنے ذمے لے لوں وہ اپنے کتب خانے کی میز پر زمینداری کے کاغذات اور رجسٹر کھولے بیٹھے تھے۔ میری رہائش کے لئے کوٹھی کی دوسری منزل کے کمرے آراستہ کئے جا چکے تھے۔ ہر چیز پہلے سے طے شدہ تھی۔

"تب میں نے ان کو اطلاع دی کہ میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کا ممبر ہو چکا ہوں۔ یہ سن کر ان پر بجلی سی گر پڑی۔"

"آئی ڈونٹ بلیم ہم —" آدما نے کہا۔

"مجھے ان کو صدمہ پہنچاتے ہوئے بڑا دکھ ہوا۔ مگر میں نے نرمی سے ان سے کہا کہ میں نہ ڈپٹی مجسٹریٹ بننے کا ارادہ رکھتا ہوں نہ ان کا خانہ داماد بن کر ان کی ریاست سنبھالوں گا۔ بلکہ میں جہاں آرا کو لے جا کر اپنے پھونس کے مکان میں رکھوں گا۔ آخر آپ کی بہن بھی تو اسی محل سے رخصت ہو کر میرے باپ کے جھونپڑے میں گئی تھیں۔

"ماموں جان بھونچکے ہو کر مجھے تکنے لگے۔ پھر غم و غصے سے تھر تھر کانپنے۔ انھیں یقین نہ آیا کہ یہ میں کہہ رہا ہوں۔ میں نے ان کو پارٹی کارڈ دکھایا اور رسان سے سمجھانے کی کوشش کی کہ میں نے کیوں یہ راستہ اپنے لئے منتخب کیا ہے۔

"عمر بھر میں پہلی بار میں نے ان کو طیش کے عالم میں دیکھا۔ وہ یک لخت اپنے مرحوم جفادری باپ کی تصویر بن گئے، انھوں نے گرج کر کہا: نمک حرام، احسان فراموش، کسان کی اولاد، جلاہے کا چھوکرا، تیرا مستقبل میں نے سنوارا، ورنہ آج ہل چلا رہا ہوتا، دھان کے گٹھے ڈھو رہا ہوتا۔ مکتب میں بچے پڑھا رہا ہوتا بدبخت!

"میں نے دبی زبان سے کہا۔" دھان کے گٹھے تو میں اب ڈھوؤں گا ماموں جان!

"مگر وہ اسی طرح گرجتے برستے رہے۔ اور مجھے خیال آیا کہ میرے نانا جان مرحوم کے لکھے ہوئے اسی قسم کے میلو ڈرامیٹک ناٹک، پچاس برس قبل ارجمند منزل کے جشن گھر میں اسٹیج کئے جاتے ہوں گے۔ کون کہتا ہے ہمارا ہندوستانی تھیٹر زندگی کی صحیح عکاسی نہیں کرتا۔

"تین دن تک گھر میں ہنگامہ ہوتا رہا۔ ماموں جان نے ہر طرح مجھے سمجھایا۔ روئے گائے۔ گرجے

برسے، اپنی عزت کا، اپنی لڑکی کی زندگی کا واسطہ دیا۔

"آپ اس کے روادار ہیں کہ آپ کی لڑکی گھٹ گھٹ کے مر جائے، مگر آپ اس کا ہاتھ ایک کمیونسٹ کے ہاتھ میں نہ دیں گے۔" میں نے کہا۔

"دہریہ، کنگال، باغی، جیلوں میں سڑے گا۔ مارا مارا پھرے گا۔ روپوشی اور سر پر انعام۔ اور یہ اور وہ —— (سچ پوچھو آدما جب وہ یہ سب کہہ رہے تھے تو مجھے ان پر پیار آ گیا) میں اپنی نازوں میں پلی بچی تیرے پلّے باندھ کر اس کی قسمت پھوڑ دوں۔

"غرضیکہ نہ وہ مانے، نہ میں مانا۔ ممانی جان کو اختلاج قلب کے دورے پڑنے لگے۔ گاؤدی سا نیّر مجھ سے کترانے لگا۔ ماموں جان نے اس کو حکم دے دیا تھا کہ مجھ سے بات نہ کرے۔ شادی کی تیاریاں منسوخ ہو گئیں۔ ارجمند منزل پر بڑا بھیانک سناٹا چھا گیا۔

"ماموں جان نے ایسا بندوبست کیا کہ شادی کی تیاریوں کی یا رشتہ ٹوٹنے کی خبر ارجمند منزل سے باہر نہ نکلے۔ ویسے بھی اس وقت تک ماموں جان نے اپنے اس ارادے کا تذکرہ ممانی اور میری امی کے علاوہ کسی سے نہیں کیا تھا۔ زمینداروں کے ہاں شادی بیاہ کے معاملات میں بہت رازداری برتی جاتی ہے۔ ورنہ کٹنیاں اور مشاطائیں اور مخالف زمینداروں کے حالی موالی رشتہ تڑواتے ہیں اور جانے کیا کیا ہوتا ہے۔ اور یہاں جہاں آرا، کے اپنے ماموں یعنی کشتیہ کے رئیس اعظم اپنے بجدیسل کا جوڑ کرنے تلے بیٹھے تھے۔ بہرحال۔ ڈھاکہ میں اس میلو ڈرامہ کی خبر زیادہ نہیں پھیلی۔ جہاں آرا خود حد سے زیادہ شرمیلی اور تھوڑی سی گھنّی لڑکی تھی۔ اس نے بھی اسکول یا کالج میں میرا تذکرہ کسی سے نہ کیا تھا۔ اسی وجہ بیاٹی کو اتنے برسوں اس کے ساتھ پڑھنے اور اس کی دوستی کے باوجود یہ بات معلوم نہ ہوئی۔

"بھئی میں سمجھتا ہوں اب پنچ بھی یہیں منگوا لو، میرا تو داستانِ امیر حمزہ سناتے سناتے حلق سوکھ گیا۔"

"کہے جاؤ۔ میں پانی منگواتی ہوں۔"

"بس میں حسب سابق اپنے پرانے کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جہاں آرا کا خیال کر کے میرا دل کٹ کٹ جاتا۔ وہ میری لندن سے واپسی کے بعد دستور کے مطابق مجھ سے سخت پردہ کر رہی تھی۔ بلکہ اپنے کمرے میں مایوں بیٹھ چکی تھی۔ جب یہ ٹریجڈی ہوئی۔ اس کی دونوں بہنیں بوکھلائی پھرے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

پاس آکر کہیں۔ آپا روتے روتے نیم جان ہوگئی ہیں۔ آپا کی آنکھیں سوج گئی ہیں۔ آپا ان تین دنوں میں آدھی بھی نہیں رہیں۔ کہاں وہ دلہن بننے کے لئے مالیوں بیٹھی تھیں اور کہاں یہ خوفناک المیہ۔ روتو بھائی۔ خدا کے لئے آپا کو مرنے نہ دیجئے۔ یہ سب سن سن کر میرے حواس باختہ ہو جاتے۔

"چوتھی رات میرا آخری فیصلہ سننے کے بعد کہ میں اپنی سیاسی زندگی ہرگز ترک نہیں کروں گا۔ ماموں جان نے مجھ سے کہا، تو آج سے ارجمند منزل کے دروازے تمہارے اوپر بند ہیں، اتنا کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

"چند منٹ بعد انہوں نے ——— بڑے چالاک ہیں میرے قرماموں ——— جذباتی بلیک میل کے لئے ایک چال چلی۔ اس وقت مجھے ایسا خیال ہوا۔ مگر اب سوچتا ہوں کہ وہ خلوص اور صدق دل سے ایسا کہہ رہے تھے۔ مگر جوانی کی اکڑ اور اپنے اصول پرستی کے زعم میں ہم یہ نہیں سمجھ پاتے کہ ہمارے بزرگوں کے بھی جذبات ہیں۔ ان کی بھی اندرونی جذباتی زندگی ہے۔ انھوں نے بھی شکستہ دلی کا سامنا کیا ہے ——— ماموں جان مجھ سے کہنے لگے: 'علیمہ مرگئی، تم اس کی نشانی تھے تم نے بھی میرے ساتھ یہ کیا۔' اتنا کہہ کر وہ ذرا دقت سے اپنی کرسی پر سے اُٹھے، اور کمرے کے باہر چلے گئے۔

"امّی کے مرنے کا غم تازہ تھا۔ میں بھی بڑی مشکل سے آنسو ضبط کر کے اپنے کمرے میں واپس آیا۔ پھر میں نے اپنا سامان باندھنا شروع کیا۔ اور انجم آرا کو بلا کر اس سے کہا اپنی آپا سے کہو رات کو باہر تالاب پر آجائیں۔ مجھے ان سے بے حد ضروری بات کرنی ہے۔ انجم آرا کا چہرہ کھِل اُٹھا۔ وہ فوراً اوپر دوڑی گئی۔

"رات کو جہاں آرا مجھے تالاب کے کنارے ملی۔ میں نے تین سال بعد اُسے دیکھا۔ تین سال تک میں اسے لندن سے خط لکھتا رہا تھا۔ اس کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ مگر زیادہ نہیں۔ مجھے معلوم تھا وہ میری ہونے والی ہے۔ اس لئے مجھے اس کے لئے کوئی خاص اضطراب نہیں محسوس ہوتا تھا۔ مجھے اس سے محبت تھی۔ مگر کوئی جنون خیز عشق نہیں تھا۔ ہو نہیں سکتا تھا۔ بچپن سے ہم اکٹھے پلے بڑھے تھے۔ وہ میرے لئے ایک پرسکون سی چیز تھی۔ مجھے ہمیشہ یہ معلوم رہتا تھا۔ کہ میں دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں، کسی حالت میں ہوں کیسی کٹھن مسافت طے کر کے لوٹوں، وہ سایہ دار درخت اور میٹھے پانی کے کنوئیں کی طرح میری منتظر ہوگی۔ اور اب وہ میرے سامنے موجود تھی۔ میری امّی کی طرح تپّی درتا کی ایک اور تصویر۔ میں اس کے سامنے گونگا سا ہوگیا۔ وہ تالاب کی سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ انجم آرا، مہر آرا اور ماما ملازمہ پہرے

پر اِدھر اُدھر چوکس تھیں۔ اگر ماموں جان کو اس ملاقات کا علم ہو جاتا تو نہ جانے وہ ہم دونوں کا کیا حشر کرتے۔ خیر۔ تو میں نے اس سے کہا۔ وہ خاموشی سے میرے ساتھ چلی چلے۔"

"تم لڑکیوں کو بھگا کر لے جانے کی تجویز کرنے میں بہت اکسپرٹ معلوم ہوتے ہو!" اُوما نے بات کاٹی۔

"میں نے اس سے کہا، میرے ساتھ جھونپڑوں میں رہے۔ روکھی سوکھی کھائے اور یہ یاد رکھے کہ وہ نواب فخر الزماں چودھری کے نواسے کی نہیں بلکہ مولوی برہان الدین احمد کاشتکار کے لڑکے کی بیوی ہے۔"

"بالکل ایسی ہی بات تمہارے ابّا نے تمہاری امّی سے کہی تھی۔" اُوما نے کہا۔

"ہاں۔ عجیب بات ہے نا۔ بہرحال۔ مگر جہاں آرا میں اپنے والد سے اتنی بڑی بغاوت کی ہمت نہ تھی۔ وہ بیٹھی ہچکیوں سے روتی رہی، اور میں اسے اسی طرح روتا چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے ارجمند منزل سے باہر آگیا ———

"چند روز بعد ہی مجھے انڈر گراؤنڈ ہونا پڑا۔ اور وہ سارا قصہ خواب و خیال ہوگیا۔"

"اور اس کے فوراً بعد تم نے ایک اور خواب دیکھنا شروع کر دیا۔ واہ رے مرد کی ذات۔"

"اب اجازت ہے؟ دوپہر ہوگئی۔"

"ابھی نہیں۔ تمہاری بہن پڑھ رہی ہے؟"

"نہیں، میں کتنا چاہتا ہوں، اس کی تعلیم کا انتظام ہو جائے۔ مگر آپا امّی کے انتقال کے بعد گھر سنبھالنے میں جٹ گئی۔ اگر مجھے کبھی ڈھاکے آنا ملا تو مکان لے کر اسے یہاں بلالوں گا۔ اگر میں ابّا کو یہ یقین دلا دوں کہ وہاں پردے کا مکمل انتظام ہے تو ابّا شاید علی گڑھ گرلز کالج بھی بھیجنے کو تیار ہو جائیں۔"

——— وہ ہنس پڑا۔ "ابّا کو اگر یہ معلوم ہو کہ میں دہریہ ——— دہریہ ہوگیا ہوں تو ان پر آسمان گر پڑے۔ میں اُوما جب بھی گاؤں جاتا ہوں، تو باقاعدہ ابّا کے ساتھ جمعہ گھر میں نماز پڑھتا ہوں۔"

"اوہ ——— ہاؤ فنی ———" اُوما نے زور سے قہقہہ لگایا۔

نہ جانے کیوں ریحان کو اُوما کا یہ قہقہہ ناگوار گزرا، وہ نظریں اٹھا کر باغ کو دیکھنے لگا۔

اُوما نے اس کی طویل خاموشی سے گھبرا کر پوچھا۔ "تمہارا گھر تو بڑا خوبصورت ہوگا۔ آرٹسٹک۔"

"ہاں بے حد خوبصورت ہے۔ تمہارے ووڈلینڈز سے کہیں زیادہ خوبصورت۔ اس کی پھونس کی چھت

urdukutabkhanapk.blogspot.com

زرد پھولوں کی بیل سے ڈھکی ہوئی ہے۔ سامنے سبزی باڑی ہے۔ اور گھنی، سرسبز بنسلی۔ پیچھے ہمارا تالاب کنول کے پھولوں سے بھرا رہتا ہے۔ اس کے کنارے سپاری اور ناریل کے سڈول درخت کھڑے ہیں۔ باڑے میں گائیں رہتی ہیں۔ پچھلے برآمدے میں پالکی رکھی ہے۔ ندی پر ابا کی ناؤ بندھی رہتی ہے! اسی کو کھیتے ہوئے ابا پار کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھانے جاتے ہیں۔ ناؤ ہی میں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے ان کی عمر گذری۔ اس کے علاوہ اور کوئی سواری نہیں جانتے ______ امی بتاتی تھیں کہ یہی نوکا کھیتے وہ ان کے چچا زاد بھائیوں کو پڑھانے اپنے گاؤں سے نواب نور الزماں کی دیہاتی حویلی جایا کرتے تھے۔ کیسا زمانہ تھا ___ کیسے لوگ ___ ابا ساری عمر میں صرف تین چار مرتبہ ہی موٹر میں بیٹھے ہیں۔ جب میرا داخلا اسکول میں کرانے ڈھاکے آئے تھے اور ماموں جان کی بیوک ان کی خدمت میں حاضر رہتی تھی ______

"اور پھر ہمارا گاؤں۔ کسانوں کے خوب صورت جھونپڑے۔ گاؤں کا تول۔ کالی باڑی۔ نٹ مندر۔ جمعہ گھر۔ چوپال۔ بازار۔ منڈی۔ برگد کے تلے گھاٹ۔ درگاہ ______ میرا گاؤں دنیا کا حسین ترین گاؤں ہے اور میرا گھر دنیا کا حسین ترین گھر ______ کبھی میں تم کو اپنا گھر لے جا کر دکھاؤں گا۔ اور دیپالی کو ____

"اور قبرستان جہاں امی کی قبر ہے ______" وہ چپ ہو گیا۔ چند منٹ بعد اس نے ادما کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری امی اتنی کم عمر تھیں۔ وہ مجھ سے صرف سترہ برس بڑی تھیں، اور میری بڑی بہن معلوم ہوتی تھیں۔ اگر آج زندہ ہوتیں تو تم سے بھی زیادہ بڑی نہ لگتیں ______ بعض مرتبہ تم میں ان کی جھلک سی دکھائی پڑتی ہے۔ خصوصاً جب ڈانٹتی ہو ____ تو بالکل امی جیسی لگتی ہو۔"

ادما کے چہرے پر کرب اور ناگواری کا بادل گزر گیا۔ جسے ریحان نے نہیں دیکھا۔ وہ کہتا رہا۔

"امی تو مر گئیں، اب کہیں تم نہ مر جانا ادما ______"

"ریحان ___" ادما نے درشتی اور تلخی سے اس کی بات کاٹی۔ "اب اٹھنا چاہیے۔ تم جا کر تیار ہو۔"

"ہاں۔" وہ چونک کر بولا۔ "ابھی جاتا ہوں۔"

"کھانا کھاتے جانا۔"

"نہیں۔ کھانا سر یندر کے ساتھ کھاؤں گا، اور اس کے بعد ___" اس نے اٹھ کر طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ارجمند منزل میں نواب قمر الزماں چودھری سے سیاسی گفت و شنید ___ کل شام لیگ آفس کے سکریٹری سے ان کے ساتھ ساڑھے پانچ بجے کا اپوائنٹمنٹ کروایا تھا۔ ابھی سر یندر کے ہاں بیگم بازار جانا ہے۔ بھاگتا ہوں۔"

وہ اپنے کمرے کی طرف لپکا۔

"ارجمند منزل جاتے ہوئے ڈر تو نہیں لگ رہا؟" ادما نے پیچھے سے آواز دی۔ "اگر وہاں ٹھکائی وغیرہ ہو تو مجھے فون کر دینا۔ تمہاری مدد کے لیے آ جاؤں گی۔"

"یو آر ناٹ بینگ ویری فنی ادما ___" ریحان نے دروازہ بند کرتے ہوئے جواب دیا۔

ادما کھوکھلی سی ہنسی ہنسیں اور میز پر بیٹھی کانٹے سے لکیریں کھینچتی رہیں۔ پھر سیتر کو جلانے کے لیے باغ میں اتر گئیں۔

۲۷

جہاں آرا بیگم

اس وقت ارجمند منزل پر یک لخت ایسی خاموشی چھا گئی، جیسے ماگوان کے جھرمٹ میں چھپے کسی جادوگر نے چپکے سے کوئی منتر پھونک دیا ہو۔ اور چرند پرند، شجر حجر، انسان سب سکتے میں رہ جائیں۔

جہاں آرا اوپر کی منزل پر پچھلے برآمدے میں چق کے پیچھے آرام کرسی پر بیٹھی نوزائیدہ بھتیجے کے لیے موزے بن رہی تھی۔ اور اپنے پاؤں جنگلے کی نچلی جالی میں اٹکا رکھے تھے۔ جنگلے کی سلاخوں میں سے اس نے ابا کی جھلک دیکھی۔ جو سوچ میں ڈوبے پائیں باغ میں ٹہل رہے تھے۔ اور پھر لیگ آفس کا بہاری کلرک ان کے نزدیک پہنچا اور ابا اس کے پیچھے باہر چلے گئے۔

باورچی خانے میں جا کر دعوت کی دیگوں کا معائنہ کرنا ہے۔ پلاؤ دم کروانا ہے۔ شاہی ٹکڑے تیار کرنے ہیں ____ دلہن بھابی اپنے کمرے میں آرام سے سو رہی ہیں۔ امی حسبِ معمول اپنے کمرے میں صاحبِ فراش ہیں۔ جانے ان کو اختلاج کے دورے اتنے کیوں پڑتے ہیں۔ ابا تو ان کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔ امی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کو ہر طرح سے خوش رہنا چاہیے۔ ان کے پاس کیا نہیں۔ سہاگ، اولاد، دولت و ثروت، بہو بیاہ لائیں۔ پوتا کھلا رہی ہیں۔ کیا وہ اب تک نہیں بھول سکیں کہ ابا ان کے بجائے تسلیمہ پھوپھی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ مگر وہ تو اتنی پرانی بات ہو گئی۔

بے چارے ابا۔ یہ بات کسی کو معلوم نہیں۔ صرف میں نے محسوس کی ہے۔ اور امی کو تو یقیناً معلوم ہے ـــــ کہ ابا تسلیمہ پھوپھی کو کبھی نہ بھلا سکے۔ وہ مر گئیں تب بھی نہیں۔ مر کے شاید وہ ابا کے دل میں زیادہ محفوظ ہیں۔ جہاں پھوپھا جان کا کوئی دخل نہیں۔

یا اللہ۔ کیسی دنیا بنائی تو نے، انسانی زندگیوں کے ساتھ ایسے بھیانک مذاق۔

انجم اور اختر آرا سگی بیگیچے سے اب تک نہیں لوٹیں۔ ہر وقت اپنی دلچسپیاں۔ صرف میں ہی اس لئے ہوں کہ ہاؤس کیپر بنی رہوں۔ دلہن بھابی بھائی کو نخرے دکھاتی رہتی ہیں۔ شادی کو ایک سال ہو گیا مگر کیا مجال جو اٹھ کر پانی بھی پی لیں۔ اب تو بھئی نئے ولی عہد کی ماں ہیں۔

بس میں سب کی دیکھ بھال کے لئے وقف۔ امی نے کل کیا منہ بھر کے شمسہ خالہ کے سامنے کہہ دیا کہ اپنا گھر تو نصیبے میں نہیں، اسی گھر کی ذمہ داری اچھی طرح سنبھال لو ـــــ

اچھا اللہ۔ ٹھیک ہے۔

ایک موزہ مکمل ہو گیا۔ اللہ رکھے میرا منوّر کتنا پیارا ہے۔ ماشاء اللہ۔ خدا بُری نظر سے بچائے۔ میں نے تو گلابی اُون بھی اتنی خرید لی تھی۔ اس کی بھی چیزیں بُن ڈالوں گی۔ لڑکے کیا گلابی رنگ نہیں پہن سکتے۔

"بی بی ـ بی بی ـ"

جہاں آرا نے چونک کر سر اٹھایا۔ مالا سامنے کھڑی ہانپ رہی تھی۔ بھاگتی ہوئی اوپر آئی تھی۔

"بی بی ـ وہ آئے ہیں۔"

دل پھر دھک سے رہ گیا۔

"کون ـــــ؟"

"رونو میاں۔"

"رونو ـــ کیا کہہ رہی ہے؟"

"اللہ قسم۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ باہر بیٹھے ہیں۔"

"باہر تو روزی اور دیپالی کے بابا آئے تھے۔"

"وہ تو کبھی کے چلے گئے۔ ابھی بشیر چائے کی ٹرے لے کر باہر گیا تھا۔ اس نے آکر بتایا، تو میں بھاگی بھاگی گئی۔ باغ والی کھڑکی میں سے جھانکا۔ سرکار اور رونو میاں دونوں دفتر میں بیٹھے ہیں۔ دروازے بند کئے۔ دونوں جنوں میں مسکوٹ ہو رہی ہے۔"

ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔

"جھوٹ مت بول مالا کی بچی۔"

"اللہ رسولؐ کی قسم، چل کے دیکھ لیجئے۔"

"دونوں میں بڑی سنجیدگی سے باتیں ہو رہی ہیں؟"

"ہاں ہاں بی بی۔"

کیا دعائیں کامیاب ہو گئیں؟ دعائیں۔ نمازیں، وظیفے۔ اللہ اللہ۔

وہ اُون اور سلائیاں میز پہ ڈال کر جلدی سے اٹھی۔

"ٹھہر۔ مالا۔ بھائی جان کہاں ہیں؟"

"نیر میاں موٹر لے کر باہر گئے ہیں۔ چلئے۔"

وہ مالا کے ساتھ زینہ اتر کر کھانے کے کمرے میں پہنچی، جو کتب خانے سے ملحق تھا۔ درمیانی دروازہ اندر سے بند تھا۔ عموماً بند رہتا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ایک درز پر آنکھ جما دی۔

وہ عین سامنے بیٹھا تھا۔ بڑی میز کے اس طرف، بالکل نہیں بدلا تھا۔ وہی شکل، وہی آنکھیں وہی بال، وہی بات کرنے کا انداز۔ مقابل میں ابا بیٹھے تھے۔ چہرہ چٹان کی طرح سخت، درمیان میں کاغذات اور چائے کی کشتی۔ خالی پیالیاں۔ ہائے اللہ۔ مجھے معلوم ہوتا تو کشتی سجا کر بھیجتی۔ اس نے درز سے کان لگا دیئے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "جی ہاں۔ میں کامریڈ جوشی کو مفصل بتا دوں گا۔"

ابا نے عینک ماتھے پر چڑھائی اور کچھ پڑھنے لگے۔ پھر انھوں نے کہنا شروع کیا۔ "جنرل صاحب

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کے نکات۔"

اس پر بجلی سی گری۔ وہ اس کے متعلق نہیں اس "امراد سیاست کے متعلق" "مسکوٹ" کر رہے تھے۔ بولتے بولتے ابّا نے سر اٹھا کر سامنے بند دروازے پر نظر ڈالی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ مالا نزدیک ہی گیلری کے صدر دروازہ پر جو لِس کھڑی تھی۔ اس نے وہاں سے اشارہ کیا "بیٹھی رہیئے۔ بیٹھی رہیئے۔"

وہ پھر کواڑ سے لگ گئی۔

اب ابّا کاغذ سمیٹ رہے تھے، وہ کھڑا ہو چکا تھا۔

"اندر جا کر اپنی ممانی کو دیکھ آؤ، بہت علیل ہیں۔" ابّا ذرا رکھائی سے کہہ رہے تھے۔ مجھے معلوم ہے، مجھے معلوم ہے۔ ابّا کی یہ سرد مہری مصنوعی ہے۔ ابّا کی خودداری کی وجہ سے ہے۔ ابّا انھیں کتنا چاہتے ہیں۔

"بہت اچھا۔"

اللہ، اب بھی ان کا دل نرم کر دے۔ ابّا کا دل بھی نرم کر دے۔ اللہ۔ ابّا اُن سے میرے لئے بات کریں۔ مولا معجزہ دکھا دے۔

"نیّر میاں کہاں ہیں؟" ریحان پوچھ رہا تھا۔

"معلوم نہیں کہیں باہر گئے ہیں۔" نواب نے جواب دیا۔

ابّا انھیں رات کی دعوت کے لئے ہی روک لیجئے۔ ایک اجنبی مسافر کی طرح واپس نہ جانے دیجئے۔ ابّا پلیز۔

"ممانی جان ـــــــ اپنے کمرے میں ہوں گی؟"

"ہاں ہاں۔ وہیں ہوں گی۔"

"اچھا ماموں جان۔ خدا حافظ۔" اس نے مصافحہ کے لئے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ اور بڑے ادب سے جھک کر ابّا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ "میں دلّی پہنچتے ہی نواب زادہ لیاقت علی خاں کو ٹیلیگرام کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"آداب عرض ماموں جان۔"

"جیتے رہو۔"

وہ فائل اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھا۔ گیلری میں سے مالا نے اشارہ کیا جہاں آرا سرعت سے ڈائیننگ روم کے پچھلے دروازے سے باغ میں اتر گئی۔ اگر کہیں مڈبھیڑ ہو جاتی۔ گیلری میں سے جانا چاہئے تھا، ضرور مڈبھیڑ ہوتی، اور پیچھے سے ابّا آ جاتے۔ تو کیا ہوتا۔؟ ابّا کا حکم ہے کہ اگر کبھی بھی رونو ارجمند منزل آئے تو جہاں آرا کا اس سے سخت پردہ کرایا جائے۔ وہ تیر کی طرح پچھواڑے پہنچی۔ اور ہانپتی کانپتی سنسان تالاب کے کنارے شکستہ "راج سنگھاسن" پر دھم سے جا کر بیٹھ گئی۔

چند منٹ بعد مالا دبے پاؤں درخت کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔ "میں نے اندر جا کر جھانکا تھا۔ رونو میاں بیگم صاحب کے کمرے میں گئے تھے۔ مگر وہ سو رہی تھیں۔ بے سدھ، وہ باہر نکل آئے۔ اب جانے کدھر ـــــــ" یک لخت وہ چپ ہو گئی۔

وہ پچھلے برآمدے سے اتر کر باہر جانے کے ارادے سے تالاب کی طرف چلا آ رہا تھا۔ جس کا چکر کاٹ کر باغ کی سڑک سامنے کے پھاٹک کی طرف جاتی تھی۔

پھر وہ عین اس کے مقابل میں آن کھڑا ہوا۔ رنگین تخت کے پاس۔ بالکل اسی طرح، جیسے اس روز خواب میں آیا تھا۔ خواب میں دیکھا تھا۔

بارش شروع ہو گئی۔ وہ جلدی سے سیمل کے نیچے آ گیا۔

اور تب اس نے جہاں آرا کو دیکھا۔

"اوہ ہلو۔ ہلو جہاں آرا۔" اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"آداب رونو بھائی۔"

کوئی بھونچال نہیں آیا۔ زمین نہیں پھٹی۔ قیامت نہیں آئی۔ وہ اس کے سامنے موجود ہے اس رات، چار سال قبل وہ اسی جگہ سے اسے خدا حافظ کہہ کر گئے، رونا بلکتا چھوڑ کر گیا تھا۔ اب سامنے موجود ہے۔ اور اس سے بات کر رہا ہے۔

مالا چپکے سے کھسک کر درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔

"آپ کب آئے رونو بھائی۔" مضبوط، پُرسکون آواز۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"ابھی تھوڑے دن ہوئے۔"

"آج کل کہاں رہتے ہیں۔"

"بمبئی ـــــ تم۔ تم اب کس کلاس میں ہو؟"

"میں نے کالج چھوڑ دیا۔ کافی دن ہوئے ـــــ پھوپھا جان کیسے ہیں۔ آپ شونا پور گئے تھے؟"

"ہاں۔ ٹھیک ہیں۔"

"اور رابعہ ؟"

"وہ بھی خیریت سے ہے۔ اچھا جہاں آرا اب ہم چلیں۔ بارش تیز ہو گی تو مشکل ہو جائے گی۔ اچھا۔ خدا حافظ ـــــ" اس نے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا پھاٹک کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ آیا، اتنے برسوں، اتنی رات دن کی دعاؤں کے بعد، اور دو منٹ میں چلا گیا۔ مگر دنیا ویسی ہی موجود تھی۔ درخت، پرندے، آسمان، زمین، بادل۔

مالا پیڑ کے پیچھے سے نکلی۔

وہ ہونقوں کی طرح مالا کی شکل تکنے لگی۔

"بی بی اندر چلئے۔"

اور تب جہاں آرا نے تخت پر زور کا مکا مارا اور دوہری ہو گئی۔ "کیوں آئے تھے مالا۔ کیوں آئے تھے، جب میں ادھر بیٹھی تھی، تو کیوں آئے تھے۔ سیدھے کیوں نہیں چلے گئے۔ تجھے معلوم ہے مالا کیوں آئے تھے؟ کیا کہہ رہے تھے؟"

"اٹھو بی بی۔ اٹھو۔"

"کیوں آئے تھے۔"

"بی بی پاگل مت بنو۔ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔ توبہ۔ توبہ ـــــ"

اس نے جلدی سے آنچل سے اپنا چہرہ پونچھا۔ شاید مجھے ہسٹریا ہو جائے گا۔ اس نے لرز کر سوچا۔ امی کی طرح ـــــ اختلاجِ قلب کی مریضہ کہلاؤں گی ـــــ لوگ مجھ پر ترس کھائیں گے۔ ـــــ ہنسیں گے ـــــ اللہ ـــــ اللہ ـــــ

مالا نے اس کا ہاتھ تھام کر "راج سنگھاسن" کے نیچے سے ہیتے ایک منے سے برساتی

نالے کو پھلانگنے میں مدد کی۔ پھر بارش کی تیز بوچھار میں وہ دونوں، سر پر آنچل ڈال کر جھکی جھکی تیزی سے کوٹھی کی طرف بھاگیں۔

۲۸

رونگیلا نائیر مانجھی

ستمبر ۴۲ء کی ابر آلود شام کی نیم تاریکی میں دو آوازیں چندر کنج کے پھاٹک کے ترچھے، نیم شکستہ ستون کے قریب۔

"اچھا بھائی۔ یہ لو تینوں کتابیں۔ بہت سنبھال کر رکھنا۔ اس پر پریم نے سروجنی دیبی سے دستخط لئے ہیں۔ دیکھو انہوں نے تمہارے لئے کیا لکھا ہے۔"

"کہاں۔ کہاں۔؟"

ماچس جلانے کی آواز۔

"یہ دیکھو۔"

"اوماں ـــ انہوں نے اپنے ہاتھ سے میرا نام لکھا ہے ـــ ہاؤ۔ اِن کریڈیبل۔ آپ کو کہاں ملیں؟"

"یہ سب تفصیلات نہ پوچھا کرو۔"

"نہیں بتائیے۔"

"دہلی میں۔"

"اور آپ نے ان سے میرے متعلق کیا بتایا؟"

"کچھ نہیں۔ صرف یہی کہا تھا کہ ایک باؤلی سی لڑکی ہے۔ اس کے لئے اپنی طرف سے اس مجموعے پر کچھ لکھ دیجئے۔"

"اوماں ـــ"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"اور یہ لو۔"

"اوہ ___ نوکشی کا تارا ٹھ! اور یہ ___؟"

"رونگٹیلا نا ئیر انجھی ___!"

"اوہاں ___!"

"مولوی جشیم الدین سے بھی دستخط کروائے بھائی۔ دونوں کتابوں پر۔ اور یہ لو ___ مولوی منصور الدین کی نئی جلد ___"

"ہیرا موتی ___؟ دوسری جلد آگئی؟"

"ہاں۔ مع مصنّف کے دستخط۔ اب تم بھی کیا یاد کرو گی۔ کس شوپر انٹیلیکچول چاہنے والے سے واسطہ پڑا ہے ___"

"یاسمین ایک دن کہہ رہی تھی۔ ایک روز وہ اپنا ٹروپ بنائے گی۔ اور نوکشی کا تارا ٹھ کا ہیلے تخلیق کرے گی۔"

"وہ بھی تمہاری چیلی ہے؟"

"یاسمین؟ نہیں۔ دراصل وہ روزی بیچاری کی چیلی تھی۔ پھر میری چیلی بھی بن گئی۔"

"بس تو پھر اب اللہ اس پر رحم کرے۔ روزی کا حشر دیکھو تمہاری چیلی بن کر کیا ہوا۔ اچھا بھئی، اب ہم بھاگتے ہیں۔ تمہارے بابا آ ہی نہیں چکتے۔"

"وہ شاید مترا بابو کی طرف چلے گئے۔ اب پھر کب آئیں گے؟"

"جب بھی تم بلاؤ گی۔ فوراً ___ اچھا ۔ اب چلتے چلتے یہ بتا دو کہ کیوں خفا تھیں۔"

"اُفوہ۔ وَن ٹریک مائینڈ۔"

"ہرگز نہیں بتلاؤ گی وجہ؟"

"نہیں۔"

"میں آدما سے کہے جا رہا ہوں کہ معلوم کر رکھیں۔ ان کو بتا دو گی؟"

"ہرگز نہیں ___ دہلی میں ڈھاکہ صاف سنائی دیتا ہے؟"

"ہمیں بالکل صاف سنائی دے گا۔ ۲۹ تاریخ شام کے ساڑھے چھ بجے۔ پھر ساڑھے سات،

پھر سوا دس، تمہارا ہندوستانی پروگرام کس وقت ہے؟"

"ساڑھے سات۔"

"کیا کیا گا رہی ہو؟"

"ہندوستانی پروگرام میں؟ 'مائی ری میں تو' والا بھجن۔"

"سناؤ۔ سناؤ۔"

"یہاں سڑک پر ___؟"

"یہ سڑک ہے؟ سنسان، جنگل بیابان۔ ہُو کا عالم، آہستہ سے گنگنا دو۔"

خاموشی۔

"مائی ری میں تو لیو ر تیو مول۔"

"ہاں۔ ہاں اور آگے۔"

"کوئی کہے چھانے، کوئی کہے چوڑے۔ لیو ہے بجنتا ڈھول۔"

خاموشی۔

"پھر رک گئیں، ارے گاؤ بھائی۔"

"کوئی کہے کارو، کوئی کہے گورو۔ لیو ہے انکھیاں کھول۔"

"شاباش بالکل ٹھیک کہتی ہو۔"

"جائیے ہم نہیں گاتے۔"

"کیری اُون۔ کیری اَون۔ ایڈیٹ۔"

"کوئی کہے ہلکو، کوئی کہے بھارو۔ لیو ہے ترا جو تول۔
تن کا گہنا میں سب کچھ دینا
دیو ہے باجو بند کھول۔"

"اور تین عدد بالوچر ساڑیاں بھی۔"

"دِل یُو شٹ اَپ۔"

"آگے۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"آگے کیا، بس ختم۔ مائی ری میں تو لیو رہتو مول۔"

خاموشی۔ پتّوں کی سرسراہٹ، بہت دور کوئی ڈھول یکسانیت سے بجے جا رہا ہے۔ کیرتن اور کرتال کی مدھم گونج۔

"کیا آج منگل کی شام ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اُفوہ۔ یاد ہے۔ وہ شام بھی اتنی ہی اندھیری تھی۔ جب "نورالرحمٰن میاں" پہلی بار اس پھاٹک پر آکر کھڑے ہوئے تھے۔ ۵ ہ اکتوبر ۳۳ء۔"

"نہیں۔ ۴ ہ اکتوبر۔"

"ہرگز نہیں ۵ ہ اکتوبر۔ ہمارے تو دل پر نقش ہے بھائی۔ اچھا سنو ابھی تمہارے میوزک کے کورس میں دو سال اور باقی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"اس کے بعد کیا کہلاؤ گی ۔۔ لیکچرر ۔۔۔؟"

"جی جناب۔ لیکچرر۔ فیکلٹی آف میوزک۔ وشوا بھارتی انٹرنیشنل یونیورسٹی!"

"اُفوہ۔ رعب پڑ گیا بہت سخت، مگر تم ساتھ ہی ساتھ اپنی ایم۔ اے کی پڑھائی بھی شروع کر دینا۔"

"بہت اچھا۔"

"گڈ۔ تو تمہارے فوری مستقبل کی طرف سے تو اطمینان ہے، ویسے یہ یاد رکھو کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہارا مستقبل محفوظ ہے ۔۔۔۔۔۔ سنو۔ گرجی راج کیا کہیں گے؟"

"گرجی راج۔"؟

"ہاں اُن کی لاڈلی گوری، ایک لے تکے سنیاسی کے ساتھ چلی جائے گی تو بہت خفا ہوں گے؟"

"میرا خیال ہے کہ زیادہ خفا نہیں ہوں گے۔ آپ بابا کو نہیں جانتے۔ بس مجھے صرف اپنی بشی ماں کے غصّے سے ڈر لگتا ہے۔ وہ ایک کٹّر مذہبی خاتون ہیں۔ مگر بابا ان بے چاری کو سمجھا لیں گے۔ وہ بابا کی unconventional باتوں کی عادی ہیں۔ بابا خاصے قدامت پسند ہیں۔

مگر جہاں میرے رنج و راحت کا سوال پیدا ہو وہ سماجی قوانین کو بالکل نظرانداز کر سکتے ہیں۔ پہلے ہی انھیں اپنے سماج سے کیا سروکار ہے۔ برسوں سے گوشہ نشین بیٹھے ہیں۔"

"تو اب میں اطمینان سے پردیس جاؤں؟"

"بالکل اطمینان سے۔"

"بھئی واہ۔ کیا چرّخ چوں گاڑی چلی آرہی ہے۔"

"کہاں ۔۔۔؟ ارے، ارے بھاگئے۔ بشی ماں آرہی ہیں۔"

"اس وقت کہاں گئی تھیں؟"

"ریس کورس کے قریب جو پرانا مندر ہے نا، وہاں ہر منگل کی شام کو کیرتن ہوتا ہے۔"

"تمہارے عبدالقادر میاں کس قدر چرّخ چوں گاڑی ہانکتے ہیں۔"

"بھاگئے۔"

"ہشت۔ میں ڈرتا ہوں تمہاری بشی ماں سے؟ مگر یہ گاڑی تو اِدھر نہیں آرہی۔"

"بشی ماں سیدھی جا کر ڈیوڑھی پر اتر جائیں گی۔ تھینک گوڈ۔"

"تو اب میں اطمینان سے کھڑا رہوں۔؟"

"نہیں۔ اب بھاگئے۔ تینوں لڑکے آتے ہوں گے۔ اور بعد میں طرح طرح کے سوال کریں گے۔ نہیں ابھی ۔۔۔ بھاگئے۔"

"بھائی فیصلہ کر لو۔"

"کیا آپ کو فیصلے کرنے مشکل نہیں لگتے؟"

"قطعی نہیں۔"

"مجھے بھی نہیں۔ میں کسی سے ڈرتی ہوں۔"

"اب کی بار میں تم کو شونا پور لے جاؤں گا۔"

تبسّم۔

"کیوں کیا خیال ہے۔"

"سادھو! میں تمہارے گھر ہرگز نہ آؤں گی۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"ہاہاہا ــــــ گوری ـــ! میں نے تمہارے لئے تالاب کھودا ہے۔ سبزی باڑی بنائی ہے۔ میں تمہارے لئے سیندور کی ڈبیا اور تیپشوری ساری لاؤں گا۔ ڈھاکے سے سینگ کی چوڑیاں۔ میں راجہ کا ملازم ہوں۔ تمہارے بالوں سے کھینچتا ہوا لے جاتا۔ مگر کیا کروں عورت کی عزت کرتا ہوں ــــــ"

بشاشت بھری ہنسی۔

"اچھا سنو۔ روزی کے متعلق کوئی اطلاع ملے تو مجھے ضرور لکھنا۔"

"بہت اچھا۔"

"اب واقعی چلوں۔ ورنہ ٹرین چھوٹ جائے گی۔ دیکھو میں آوما سے کہے جارہا ہوں کہ وہ میری غیر موجودگی میں تمہاری دیکھ بھال رکھیں۔ اور تمہارے بابا سے بھی ذرا میری خوب تعریف وایف کردیں۔ راستہ ہموار کرنے کے لئے۔ اور یہ یاد رکھو۔ آوما۔ فرشتہ خصلت بے مثال لڑکی ہے۔ اس سے بڑھ کر پُرخلوص دوست تمہیں اور کوئی نہ ملے گا۔ یہ بات میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ اچھا اب چلے۔ بہت لمبا سفر ہے۔ کلکتہ۔ دلی۔ بمبئی۔"

"اپنا خیال رکھئے گا۔"

خاموشی، کیلے کی ڈالیوں کی سرسراہٹ ــــــ ــــ دور ایک ستارہ روئے جارہا ہے ــ

اندر سوئی گھر میں روشنی جل گئی۔

"مسکراؤ ــــ لو ہم روشنی میں تمہارا چہرہ دیکھیں۔"

ماچس جلانے کی آواز

"لے لو وہ لب پہ آئی ہنسی۔ لے لو وہ مسکراتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟ سُوں سُوں؟"

"ہم نے اردو کا ایک حسبِ موقع مصرعہ پڑھا تھا۔ بے وقوف۔"

"آپ نے اتنی فر فر اردو کہاں سے سیکھ لی۔"

٭ بنگلہ لوک گیت۔

"علی گڑھ میں بے وقوف۔"

"مجھے بھی سکھلا دیجئے؟ سُوں سُوں۔"

"ضرور سکھلا دیں گے۔"

دُور گھنٹے کی آواز۔

"ارے آٹھ بج گئے۔ اب چلوں۔ بائی۔ بائی ــــ"

آواز بازگشت

آواز بازگشت

آواز بازگشت

۲۹

شریمتی رادھیکا سانیال

ڈیر لیسٹ دیپالی

میں تم سے دلی معافی چاہتی ہوں۔ اگست کی اس طوفانی رات اپنی مہم پر جانے سے پہلے تمہارے گھر آ کر میں نے تمہیں بہت بُرا بھلا کہا تھا۔ مگر ہم سب ایک زبردست قومی کرائسس سے گذر رہے ہیں۔ اور اتنی قربانیاں دے کر محمود دام میری آنکھوں کے سامنے گولی کا نشانہ بنے۔ جیوتی دا کو پولس نے اتنا مارا کہ انہوں نے حوالات میں ہی دم توڑ دیا۔ جب ہمارے ساتھیوں نے پولس چوکی پر حملہ کیا میں بالکل نہتی تھی۔ اور صرف جلوس کی قیادت کر رہی تھی۔ اسی وجہ سے میرے اوپر کوئی فرد جرم فوجداری کی عائد نہیں کی جا سکی۔ جب ہمارے ساتھیوں نے تھانے پر ہتھ گولے پھینکے پولس نے فوراً گولی چلا دی۔ ہجوم پر اشک آور گیس چھوڑا اور بہری لوڈی چارج کیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میری بائیں ٹانگ میں سخت تکلیف تھی۔ اور میں ہتھکڑی پہنے زنانہ حوالات کے فرش پر پڑی تھی۔ اور باہر شام ہو چکی تھی۔ بالکل سناٹا تھا۔ کچھ دیر بعد کچھ سپاہی اندر آئے۔ مجھے پولس کی لاری میں بٹھا کر جیل لے گئے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور زنانہ وارڈ میں ڈال دیا۔ جہاں مچھر ہی مچھر تھے۔ ایک لالٹین میرے پاس رکھ دی گئی۔ باہر کھٹ سے تالا۔ جب میں زور زور سے کراہنے لگی تو ایک بڑھیا وارڈر اندر آئی اور بڑبڑاتی ہوئی پھر باہر نکل گئی۔ چند منٹ بعد جیلر آیا۔ اس نے گندا سا اسٹریچر منگوایا۔ مجھے پھر پولیس کی لاری میں لادا گیا۔ دو مسلح سپاہی میرے ساتھ بیٹھے۔ لاری ہچکولے کھاتی اندھیرے شہر میں سے گزرتی سول ہسپتال پہنچی۔ مجھے اتار کر زنانہ جنرل وارڈ کے ایک میلے سے لوہے کے پلنگ پر ڈال دیا گیا۔ اس طرح ہتھکڑیوں سمیت وارڈ میں مجھے دیکھ کر ہنگامہ سا ہو گیا۔ ایک بوڑھی عورت زور زور سے بین کرنے لگی۔ اس کا لڑکا بھی چند روز قبل اندولن میں شہید ہو گیا تھا۔ خیر ڈاکٹر آیا۔ میری مرہم پٹی ہوئی۔ کھانا کھلایا گیا۔ سپاہی دروازے پر پہرے پر بیٹھ گئے۔

تین دن تک جنرل وارڈ میں رہی۔ مریض عورتیں ہمدردی سے ہر وقت میرے پاس گھری رہتیں چنانچہ حکام نے میرا پلنگ ایک خالی کمرے میں منتقل کر دیا۔

خوش قسمتی سے میری ٹانگ کی ہڈی پر ضرب نہیں آئی تھی۔ سر میں البتہ زیادہ چوٹ لگی تھی۔ ہسپتال کے ڈاکٹر بڑی توجہ سے میرا علاج کرتے رہے۔ رات کو جنرل وارڈ کی عورتیں سپاہیوں کی نظر بچا کر مجھے پھل اور مٹھائیاں دے جاتیں اور ہر طرح میری خدمت کو تیار رہتیں۔ اور میں سوچتی۔ میں اس لائق نہیں ہوں کہ میری بے بس قوم کے افراد میرا اتنا خیال کر رہے ہیں۔

اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ تب ایک روز صبح صبح کمرے میں ایک میم صاحب داخل ہوئیں۔ سرہانے آ کر میرے اوپر جھکیں اور آہستہ سے کہا۔ "روزی!" ادھیڑ عمر کی خاتون۔ چھوٹا سا جوڑا باندھے۔ بھورے بال بھورے رنگ کا فراک۔ پاؤں میں بھدے بوٹ۔ یہ مس ایلس بارلو تھیں۔ اور ان کو دیکھتے ہی باہر بیٹھے سپاہیوں نے انہیں فوراً اندر آنے دیا۔ مس بارلو چارلس بارلو کی بڑی بہن ہیں۔ مشنری۔ انہوں نے نرمی سے بتایا کہ میرے بابا پریشان حال مسٹر بارلو کے پاس پہنچے تھے۔ اور مسٹر بارلو نے فوراً چینہ کے انگریز بڑے پادری کو ٹرنک کال کیا تھا۔ جن کے ہاں مس بارلو گارو ہلز سے آئی ہوئی تھیں۔ میں چپ چاپ لیٹی اس عجیب و غریب صورتحال کی تفصیل سنا کی۔ مس بارلو نے اسٹول پر بیٹھ کر مجھے سمجھانا بجھانا شروع کیا۔ جیزس کے رحم و کرم کی تبلیغ کی اور کہا کہ وہ اپنی گمشدہ بھیڑوں کی واپسی کا منتظر ہے اور یہ کہ اگر میں معافی نامے پر دستخط کر دوں تو مجھے فوراً رہا کر دیا جائے گا۔ اور چینہ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سرکاری حفاظت میں ڈھاکے پہنچوا دیں گے (چینہ کے ڈی۔ ایم مسٹر پرفل سین گپتا ہیں) میں نے صاف انکار کر دیا۔ مس بارلو اٹھ کر چلی گئیں۔ دوسرے روز صبح پھر آئیں۔ کیک، پھل، بسکٹ،

چادر ذرا سا کسا اٹھائے چپراسی ساتھ (میری یہ نئی شان و شوکت دیکھ کر ہسپتال کے عملے اور پہرے کے سپاہی بہت مرعوب ہوئے اور ان کا رویہ بدل گیا) مس بارلو نے پھر مجھے اسی نرمی سے لیکچر پلانا شروع کیا گویا میں کوئی کم عقل ناگا قبائلی ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ اپنا وقت ضائع کر رہی ہیں۔ وہ مایوس ہو کر چلی گئیں۔

اسی رات زنانہ جنرل وارڈ کی ایک مریض لڑکی خدیجہ چپکے سے میرے پاس آئی (اس کا باپ کچہری کا معمولی اہلکار تھا) اور کہنے لگی دیدی ہم سب عورتیں برابر آپ کی صحت کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ لیکن آپ نے اگر معافی نامہ پر دستخط کر دیئے تو ہم آپ کو کبھی معاف نہ کریں گے۔

میں نے اس سے کہا۔ خدیجہ۔ تم سب اطمینان رکھو۔ میں ہرگز معافی نہ مانگوں گی۔ اسی وقت باہر پہرے کے سپاہی نے ڈنڈا بجایا اور وہ چپکے سے کھسک گئی۔

ایلس بارلو تیسرے روز شام کو آئیں۔ اب کے سے ایک بنگالی افسران کے ساتھ تھے۔ انہوں نے تعارف کرایا۔ مسٹر سین گپتا کے اسسٹنٹ۔ مسٹر ربی کمار سانیال۔ یہ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ مسٹر سانیال نے بھی مس بارلو کے الفاظ دہرائے۔ معافی نامے پر دستخط کر دیجئے۔ میں نے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ مسٹر سانیال نے کہا۔ میں کل معافی نامہ لے کر آؤں گا۔ کل تک اچھی طرح سوچ لیجئے۔ ایلس بارلو کو شاید امید ہو چلی تھی کہ میں نرم پڑ جاؤں گی۔ چند منٹ بعد وہ اور مسٹر سانیال واپس چلے گئے۔

چوتھے روز صبح صبح مسٹر سانیال پھر آن موجود ہوئے۔ لیکن ان کے ہمراہ مس بارلو کے بجائے ان ہی کے ہم شکل ایک اور صاحب تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ان کے کزن بسنت کمار سانیال ہیں۔ کلکتہ کے ایڈووکیٹ اور جرنلسٹ میرا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں۔ اشرودی کے معرکے کے بعد کے حالات "کور" کرنے کے لئے کلکتے سے آئے ہوئے ہیں۔ اور میرا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ذرا حیرت سے سوچا کہ ایک سرکاری افسر اس قسم کے انٹرویو کی اجازت کس طرح دے رہا ہے۔ مگر یہ اندولن کا ابنارمل زمانہ تھا۔ ہر چیز ممکن تھی۔ کچھ پتہ نہیں کون ہمارا ساتھی ہے کون دشمن۔

ربی کمار سانیال مسکرا رہے تھے۔ مسٹر بسنت کمار سانیال اب تک بت کی طرح بیٹھے مجھے تکے جا رہے تھے۔ میں ایک دم گھبرا گئی۔ میرا حلیہ بھی کیسا ہو گا۔ اس وقت ماتھے پر پٹی بندھی۔ سر جھاڑ منہ پہاڑ۔ جیسے برسوں کی روگی۔ سات آٹھ دن سے آئینہ تک نہ دیکھا تھا۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ یہ انٹرویو کیا تک ہے اور میں کون سی اتنی بڑی قومی ہیروئن ہوں۔ میری جیسی ان گنت لڑکیوں نے کہیں زیادہ بہادری سے یہ اندولن چلایا ہے۔ میں تو پولیس کی ایک لاٹھی سے ہی چکرا کر گر پڑی۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

خیر۔ تو بسنت کمار سانیال نے مجھ سے چند عام سے سوالات کیے۔ کہاں پڑھا ہے۔ تحریک میں کب سے ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد وہ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور نمسکار کر کے دونوں باہر چلے گئے۔

میں نے چونکہ معافی مانگنے سے قطعی انکار کر دیا تھا اور میری ٹانگ اور سر کے زخم ٹھیک ہو چکے تھے اس لیے دس روز بعد مجھے ہتھکڑیاں پہنا کر پولیس گاڑی میں سوار کروایا گیا اور دوبارہ جیل پہنچا دیا گیا۔

اس روز رات بھر زنانہ وارڈ میں رت جگا رہا۔ مریض لڑکیاں چپکے چپکے قاضی نذرالاسلام کے گیت الاپتی رہیں۔ صبح کو جب میں اپنے کمرے سے نکل کر جا رہی تھی بہت ساری مریض عورتیں برآمدے میں کھڑی رو رہی تھیں۔ ان سب کو معلوم تھا کہ اگر مجھ پر گولے پھینکنے کا جرم مجھ پر ثابت ہو گیا تو عمر قید ہو سکتی ہے جو عورتیں پلنگ سے نہ اٹھ سکتی تھیں وہ بھی نرسوں کے چلانے کی پرواہ کئے بغیر کھسکتی کھسکتی وارڈ کے دروازے میں آ گئی تھیں۔

چنانچہ میں ڈسٹرکٹ جیل کے زنانہ وارڈ میں پہنچا دی گئی۔ کوٹھری میں پہنچ کر مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ اب میں واقعی قیدی ہوں۔

شام کو ملاقات کے وقت بسنت کمار سانیال آن پہنچے۔ انہوں نے کہا کہ میں قطعی فکر نہ کروں۔ ان کے بڑے بھائی کلکتہ کے نامور بیرسٹر ہیں۔ اگر مجھ پر مقدمہ چلا تو وہ پیروی کریں گے۔

میں نے کہا کہ آپ میرے لیے اتنی پریشانی کیوں اٹھا رہے ہیں۔ وہ ایک دم ہنسنے لگے۔

قصہ مختصر کرتی ہوں دیپالی بسنت کمار سانیال روزانہ شام کو جیل آ کر مجھے قانونی صورت حال سے باخبر کرتے رہے۔ راشٹروی کے معرکے کے بعد ہم بیالیس لوگوں کو بغیر مقدمہ چلائے جیل میں رکھا گیا تھا۔ سندھیا اور دوسری لڑکیاں گذشتہ جیل بھیجی جا چکی تھیں۔

اب دیپالی غور سے سنو۔ مجھے یہ انکشاف ہوا کہ بسنت کمار مجھے بے حد پسند کرنے لگے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ جو صرف دو روز کے لئے پٹنہ آئے تھے آج ایک مہینے سے یہاں ڈٹے ہوئے تھے۔ یہ صحیح تھا کہ وہ قومی ناتے میری مدد کرنا چاہتے تھے مگر اور بھی تو اتنی لڑکیاں جیلوں میں بھر دی گئی تھیں۔ صرف میری مدد ہی کیوں؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا۔ کہ ان سب لڑکیوں کے گھر والے ان کے لئے دوڑ دھوپ کریں گے میری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ (میں ان کو پاپا کے متعلق بتا چکی تھی) مگر مجھے لگتا ہے یہ بھی گپ تھی۔ دراصل ان کو مجھ سے عشق ہو گیا تھا۔ لو ایٹ فرسٹ سائیٹ گپ نہیں ہے۔

ایک روز وہ خوش خوش آئے اور کہنے لگے مجھے دس ہزار کی ضمانت پر رہا کیا جا سکتا ہے۔ میری اتنی بھاری ضمانت کون دے گا۔ میں نے کہا۔ اس کے متعلق سوچنا ہی بے کار ہے۔ دراصل دیپالی میں نے اپنے آپ کو تیار کر لیا تھا کہ ایک نامعلوم مدت تک جیل میں پڑی رہوں گی اور پاپا میرے غم میں رو رو کے اندھے ہو جائیں گے یا مر جائیں گے۔ (ایلس بارلو ہسپتال کے بعد ایک مرتبہ جیل بھی آئی تھیں۔ مگر میرے ارادہ کی مضبوطی کا اندازہ لگا کر دوبارہ نہ آئیں۔ گارڈ ہلز واپس چلی گئیں)

دوسری صبح دروازہ کھلا۔ جیلر نے اندر آ کر کہا آپ کو رہا کیا جاتا ہے۔ ضمانت مسٹر بسنت کمار سانیال نے دی تھی۔ میں بالکل ہی بھونچکی رہ گئی۔

جیل کے پھاٹک پر بسنت کمار اپنے بھائی بھادج ربی اور رنجنا سانیال کے ساتھ موٹر لیے منتظر تھے مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ ربی کمار سانیال کی کوٹھی سول لائنز میں تھی۔ وہاں پہنچ کر افوہ دیپالی۔ مجھے ایسا عجیب لگا۔ زنانہ جیل اور ہسپتال کے زنانہ جنرل وارڈ کے بھیانک افسردہ ماحول کے بعد یہ دوسری دنیا معلوم ہوئی۔ میں نے سوچا میں خوش قسمت ہوں۔ میں جو اکثر اپنی لیلی کاٹیج کی محدود سی زندگی سے شاکی رہا کرتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اسی دنیا میں بیشتر انسان کتنی تکلیفوں میں زندہ رہتے ہیں۔ کیسی کیسی ذلتیں اور اذیتیں اٹھاتے ہیں۔ مجھے وہ سب زنانہ جنرل وارڈ کی غریب، میلی کچیلی لیکن باہمت عورتیں یاد آئیں اور مجھے پتہ چلا کہ ہماری جنتا، ہماری عورتیں واقعی کتنی بہادر ہیں۔ کیسی بہادری سے زندہ رہتی ہیں۔ اور کیسی بہادری سے مرتی ہیں۔

اتنے دنوں بعد اچھے سے غسلخانے میں اچھی طرح نہائی۔ صاف ساری پہنی۔ میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اور برابر یہ احساس رہا کہ کروڑوں انسانوں کو زندگی کی یہ بنیادی آسائشیں ہی میسر نہیں۔ یہ احساس مجھے سچ مچ پہلی بار ہوا۔

شام کو ہم تینوں برآمدے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ بسنت نے مجھ سے کہا۔ کل روانگی ہے سامان باندھ لو۔ (میرے پاس سامان ہی کہاں تھا۔ جو ساری پہن کر میں مہم پر گئی تھی وہ خون میں تربتر ہو چکی تھی۔ ہسپتال میں انہوں نے ایک بھدا سا روب پہننے کو دیدیا تھا۔ مجھے وہ روب بہت چبھتا تھا بے چاری خدیجہ نے مجھے اپنی ساری اور بلاؤز اور بیٹی کوٹ پہننے کو دیدیا تھا۔ روزانہ وہ اپنی ایک ساری دھو کر سکھا کر مجھے پہننے کو دیتی۔ وہ خود بہت غریب لڑکی تھی۔ ایک مسلمان چپراسی کی بیٹی۔ دوسری عورتوں نے بھی مجھے اپنی ساریاں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

پہننے کو دیں۔ یہ سب مفلس عورتیں تھیں ۔ دیپالی ۔

"سامان میرے پاس کہاں ہے ؟" میں نے کہا ۔

وہ ہنس پڑے اور کہنے لگے ۔ "بالکل عادتاً منہ سے نکل گیا ۔"

"میں رودی کو کل بازار لے جاؤں گی ۔" رنجنا بولیں ۔

"یہاں کے بازار میں کیا رکھا ہے ۔ جب وہ کلکتہ پہنچے گی تو ــــ" بسنت بابو نے کہنا شروع کیا ۔

"کلکتہ کیوں ـــ ؟" میں نے ان کی بات کاٹی ۔

"کلکتے اس لیئے کہ میں تم سے شادی کر رہا ہوں ۔" بسنت بابو نے جواب دیا ۔

ایسے ویمنز میگزین رومانس ، طوفانی محبت ، سنڈریلا اسٹوری وغیرہ وغیرہ کیا کہتے ہیں ۔ اپنا تجربہ تو بہرحال یہ بتاتا ہے کہ اس طرح کے واقعات زندگی میں یقیناً ظہور پذیر ہوتے ہیں ۔

میں نے پاپا کا غیظ و غضب ، یہ انوکھی ، پر مخطر صورت ، ہر چیز نظرانداز کر دی ۔

سول میرج کے لئے عدالت جانا پڑتا ، اور نئے قضیئے اٹھ کھڑے ہوتے ۔ چنانچہ دوسرے روز رات کو چپکے سے پنڈت کو بلایا گیا ۔ ٹیکل موٹا تازہ برہمن ۔ ڈرائنگ روم میں پھیرے پڑے ۔ باقاعدہ ۔ میرا نام رادھیکا رکھا گیا ۔ بسنت نے مجھے بتایا کہ بنگالی ویشنو مت میں ہر مرد کرشن اور ہر عورت رادھا کا تصور ہے ۔ نو آئیڈیا ۔ مذہب وذہب سب میرے لئے بے معنی بات ہے ۔ چرچ کا پادری چند الفاظ دہرا دیتا ۔ پنڈت نے بھی اسی طرح کچھ ممبو جمبو کہہ دیا ۔ اصلی چیز محبت ہے ۔

تین روز بعد ہم لوگ کلکتے آ گئے ۔ بسنت کی کوٹھی بالی گنج میں ہے ۔ بیحد اعلیٰ خاندان ۔ ان کے پاپا کلکتہ کے مشہور سرجن ہیں ۔ بڑے بھائی بیرسٹر ۔ بسنت کی بھابی بھی ڈاکٹر ہیں ۔ میری نند ، برد بورن کالج میں کیمسٹری کی لیکچرر ہے ۔ بڑا روشن خیال اور کلچرڈ خاندان ہے ۔ میرے سسر اور جیٹھ نے جو بڑے جوشیلے قوم پرست ہیں فخر سے میرا سواگت کیا ۔ لیکن ساس اور کنبے کی دوسری بڑی بوڑھیاں اس شادی سے خوش نہیں ہیں ۔ کیونکہ بہرحال میں عیسائی ہوں ۔ اور ایک گمنام غریب پادری کی لڑکی ۔ مگر یہ لوگ اتنی شائستہ ہیں کہ اپنے کسی رویے سے اپنی ناخوشی کا اظہار نہیں کرتیں ۔ اور انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ بسنت کمار مجھے کتنا چاہتے ہیں ۔ یہ ایک بیحد sophisticated خاندان ہے ۔ ادا رائے کے خاندان جیسا ۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد میری ساس اور دوسری بوڑھی خواتین میرے برتاؤ سے خوش ہو جائیں گی ۔

ہماری کوٹھی سسر پری توش رائے کے بیٹے کی کوٹھی کے پڑوس ہی میں ہے ۔ میرے جیٹھ اور بسنت کی مسز رائے سے بہت دوستی ہے ۔ چنانچہ دیپالی اب میں جہاں آرا اور ادا رائے والے اس اونچے طبقے میں شامل ہو چکی ہوں جس پر مجھے اپنے احساس کمتری کی وجہ سے اتنا رشک آیا کرتا تھا ۔ یہ سب باتیں میں اس سچائی سے تم کو لکھ رہی ہوں ۔ کسی اور کو نہیں لکھ سکتی ۔

سانیال بہت دولت مند خاندان ہے اور دیپالی میری ساری عمر عسرت میں کٹی ۔ اب میں خوش ہوں کہ آسائش اور آرام کی زندگی گزاروں گی ۔ روپے کی قدر اسی کو ہوتی ہے جس نے ہمیشہ تنگی و ترشی سے بسر کی ہو ۔ ہماری لیلی کالج کی زندگی تمہیں یاد ہے ؟

پاپا اکثر اسرار ربانی کی بات کیا کرتے تھے ۔ اور ذرا سوچو تو مجھے بسنت کس ذریعے سے ملے اپنے پرانے دشمن چارلس بارلو کے ذریعے ! اگر چارلس بارلو اپنی بہن کو ٹرنک کال نہ کرتا ، وہ مجھ سے ملنے نہ آتیں ۔ وہ اپنے ساتھ رنجی بابو کو لے کر آئیں اور رنجی بابو کے ساتھ بسنت کمار آئے !!

پاپا ظاہر ہے کہ ہندو سے شادی کرنے کی وجہ سے مجھے قطعی معاف نہ کریں گے ۔ میں نے بھی ایک کے بعد ایک ان کو کیسے عظیم صدمے پہنچائے ہیں ۔ کلکتے پہنچتے ہی میں نے اور بسنت نے اکٹھے پاپا کو خط لکھا ۔ اور ان سے ان کی BLESSINGS کی درخواست کی ۔ آج صبح ان کا چند سطروں میں جواب آیا ہے لکھا ہے کہ وہ خداوند خدا کے شکرگزار ہیں کہ میں زندہ بچ گئی اور خیریت سے ہوں ۔ مگر میں نے یسوع کا دامن چھوڑ کر ایک بت پرست کافر سے شادی کر لی ۔ اس وجہ سے وہ عمر بھر میری شکل نہ دیکھیں گے ۔ اور ان کے کالج کے دروازے میرے اوپر ہمیشہ کے لئے بند ہیں ۔ اور یہ کہ وہ میری روحانی نجات اور بخشش کے لئے برابر دعا کرتے رہیں گے ۔

اب ختم کرتی ہوں ۔ دیپالی ۔ بہت لمبا خط ہو گیا ۔ ڈائننگ روم میں لنچ کا گھنٹہ بج رہا ہے ۔ اب بھاگوں ۔ سسرال کا معاملہ ہے بھائی ! پی ۔ ایس ۔ بسنت نے تم کو بہت بہت سلام کہا ہے ۔ اور تم سے ملنے کے سخت مشتاق ہیں ۔ اب تم جلدی سے ہمارے پاس کلکتہ آؤ ۔

تمہاری

رادھیکا روزی سانیال

بالی گنج ۔ کلکتہ ۔ ۸ راکتوبر ۴۳ء

urdukutabkhanapk.blogspot.com

۳۰

ڈاکٹر بنوئے چندر سرکار

بھوتارنی دیبی نے کھانے کے کمرے کی کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا کالے رنگ کی لمبی موٹر پھاٹک پر کھڑی تھی۔ یہ مس صاحب کل بھی آئی تھیں۔ بنوئے گھر پہ نہیں تھا۔ باہر سے باہر چلی گئیں۔ اب آج پھر آئی بیٹھی ہیں۔ بھوتارنی دیبی نے بیٹھک خانے کے دروازے میں جا کر پردے کے پیچھے سے نظر ڈالی۔ مہمان خاتون کو تیوری پر بل ڈال کر غور سے دیکھا اور کھڑاویں پہنے کھٹ کھٹ کرتی رسوئی کی طرف چلی گئیں۔

ٹوٹو نے جا کر ڈاکٹر سرکار کو ان کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ "اچھا۔ بٹھاؤ۔ میں آتا ہوں۔" مریض اُٹھ کھڑا ہوا۔ ڈاکٹر سرکار نے چلمچی میں ہاتھ دھوئے اور تولیہ سے کلائیاں پونچھتے بیٹھک خانے میں آئے۔ اس وقت مہمان بی بی مسز سرکار مرحومہ کی تصویر کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔

"نومشکار۔ اوما دیبی۔"

"نومشکار۔ بنوئے بابو۔" انہوں نے چونک کر کہا۔

"دیپالی تو بولپور جا چکی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ مسکرائیں۔

شیریں مسکراہٹ۔ ڈاکٹر سرکار صوفے پر چپکے بیٹھے رہے۔ بڑی عجیب بات ہے شباّنی کے مرنے کے بعد سے آج تک۔ اس گھر میں۔ اس کمرے میں۔ دیپالی اور بھوتارنی کے علاوہ اور کسی عورت کے قدم ہی نہیں آئے تھے۔

اُوما نے باتیں شروع کیں۔ سوشل "اسمال ٹاک"۔ ٹوٹو اندر سے سلیقے سے بید کی کشتی میں چائے لے کر آیا۔ بھوتارنی دیبی نے باقاعدہ چاندی کا سیٹ مقفل الماری سے نکال کر نئی پیالیوں کے ساتھ چائے بھیجی تھی۔ عمدہ ٹرے کلاتھ۔ جلدی میں ٹی کوزی کا غلاف تبدیل کرنا البتہ بھول گئیں۔

"دیپالی تو اسی اتوار کو بولپور گئی ہے۔ اگر آپ جب آگئی ہوتیں تو اس سے ملاقات ہو جاتی۔"

"کیوں بنوئے بابو۔ کیا میں آپ سے ملاقات کرنے نہیں آسکتی؟"

بنوئے بابو جھینپ گئے۔ "کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔" وہ ذرا اسیلف کونشس سے ہو کر میز پر انگلیاں بجانے لگے۔ شباّنی کے مرنے کے بعد سے انہیں خواتین سے غیر ضروری 'اسمال ٹاک' کرنے کی عادت ہی نہیں رہی تھی۔

اُوما نے اُن پر ایک محظوظ نظر ڈال کر دنیش چندر آنجہانی کے پورٹریٹ کو دیکھا۔ واقعی دونوں بھائیوں میں بڑی گہری مشابہت تھی۔ بنوئے بابو بھی خاصے دلکش تھے۔ یہ آج غور سے دیکھنے پر پتہ چلا۔ دیپالی نے اس روز پہلے روز وڈ لینڈز کے مورننگ روم میں ان کے متعلق غلط نہیں کہا تھا۔ بنوئے بابو واقعی بہت جاذب نظر تھے۔ اور بیحد تنہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بنوئے بابو ان کو پہنچانے کے لئے پھاٹک تک گئے۔ واپس آکر پھر مطب میں جا بیٹھے۔

چند روز بعد اُوما پھر چندر کنج آئیں۔ یہ اتوار کا روز تھا۔ کوئی پندرہ منٹ تک مطب میں بیٹھیں اور کہا کل شام آؤں گی۔

دوسری شام وہ دیر تک دنیش چندر آنجہانی کی باتیں کرتی رہیں جن کی وہ عقیدتمند اور پرستار تھیں۔ پھر شباّنی کا تذکرہ چھڑا۔ ڈاکٹر سرکار مرحومہ شباّنی کے متعلق کسی سے باتیں نہ کرتے تھے وہ اُن کے نہاں خانۂ دل کا ایک ایسا انمول خزانہ تھا کسی دوسرے سے اس کا ذکر کرنا ہی اس کی توہین سی تھی۔ مگر اُوما نے ایسے خلوص اور محبت سے شباّنی کے متعلق پوچھا کہ وہ بے اختیار اس کا تذکرہ کرنے لگے۔ اس عورت کو وہ اپنا ہمراز بنا سکتے تھے۔ یہ عورت شاید جانتی تھی کہ مرد دراصل کتنا HELPLESS ہوتا ہے اور ہر عورت میں شاید اپنی ماں کو ڈھونڈتا ہے۔

اب وہ شام کے وقت اُوما کا انتظار سا کرنے لگے تھے۔ تینوں لڑکے اس وقت کھیلنے کے لئے باہر چلے جاتے تھے ورنہ اپنے بابا کو برآمدے میں ذرا الجھن کے ساتھ ٹہلتا دیکھ کر نہ جانے کیا سمجھتے۔ مگر بھوتارنی دیبی ان کو بخشنے والی نہ تھیں۔ وہ تو ایسے کسی موقعے کے لئے برسوں سے ادھار کھائے بیٹھی تھیں۔ ایک روز انہوں نے بنوئے بابو سے کہا۔ "سر بری توش رائے کی ولایت پلٹ لڑکی تیرے جاندے بھیا پر لٹو ہو گئی ہے۔ اب اسے زیادہ دبدھے میں نہ رکھو۔ بڑھیا ہوئی جا رہی ہے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

لاکھوں کا جہیز لائے گی ـــ کیوں کھوکا ـــ ؟"

"دیدی ـــ" جوتوئے بابو نے یک لخت بے حد جھنجھلا کر کہا۔ "آئندہ ایسی لچر حماقت کی بات نہ کہنا۔"

وہ ہونٹ بچکا کر مسکراتی اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

مگر کہاں ماننے والی تھیں۔ دوسری شام جب اُوما دیبی آئیں بھوتارنی دیبی نے جھپاک سے اندر سنیچ کریان پیش کیا۔ اوما دیبی کھڑکی کے پاس بیٹھی ڈاکٹر سرکار کا وہ ذاتی البم دیکھ رہی تھیں جس میں ان کی لڑکپن، کالج کے زمانے، سیاسی دور، شادی اور ہنی مون کی تصویریں تھیں۔ اُن کی فرمائش اور اصرار پر جوتوئے بابو نے فوراً یہ البم لا کر ان کو دیدیا تھا۔ اور خود کسی کام سے اپنے مطب کی طرف چلے گئے تھے۔

اُوما کی بھوتارنی دیبی سے اب تک ملاقات نہ ہوئی تھی۔ وہ ان سے بھی بہت گھُل مِل کر باتیں کرنے لگیں۔ کچھ دیر بعد بڑی بی نے پھٹ سے کہا۔ "اے تم بیاہ کب کرو گی بٹیا؟"

اسی لمحے ڈاکٹر سرکار کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے انتہائی کوفت اور ندامت سے بڑی بہن کو دیکھا۔ "دیدی ـــ!"

اُوما بھی صاف جھینپ گئی تھیں۔ لیکن بھوتارنی دیبی نے اطمینان سے جواب دیا "اے کیوں، تمہیں تو اپنی بیٹی تک کی شادی کی فکر نہیں۔ تم کو ان معاملات سے کیا غرض۔ جاؤ۔ تم باہر جا کر اپنے فقطے مریضوں کا ٹمپریچر لیتے رہو۔"

اُوما دیبی سر جھکا کر مسکرانے لگیں۔ اس ہینڈسم، شرمیلے، تارک الدنیا ڈاکٹر سے ہلکا ہلکا فلرٹ کرنے میں لطف آرہا تھا۔ بڑی بی نے لے کے بیچارے کو بالکل ہی شرم سے لال بھبوکا کر دیا۔

بھوتارنی دیبی اٹھیں اور فاتحانہ انداز سے قدم اٹھاتی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

"آپ۔ دیدی کی حماقت کا برا مانیے گا اُوما دیبی۔"

"قطعاً نہیں۔ میں پرانی نسل کی خواتین کو کیا جانتی نہیں ہوں!" انہوں نے شگفتگی سے جواب دیا۔

لیکن اسی رات جب سب لوگ سو گئے۔ تو بھوتارنی دیبی نے سرہانے کی کارنس سے قلم دوات اتار، بچوں کے کمرے میں دبے پاؤں گئیں اور کھوکھو کی کاپی بک میں سے چند سادے کاغذ پھاڑے۔ اپنے کمرے میں آکر پلنگ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھیں اور بھتیجی کو خط لکھنا شروع کیا۔ بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ حروف بنا کر انہوں نے لکھا۔ "بیٹی۔ بھگوتی ماتا نے میری برسوں کی پرارتھنائیں سن لیں۔ شاید تمہارے باپ کا گھر بس جائے۔

اُوما دیبی کے آنے کی تفصیل۔ اُوما دیبی کی محبت اور خلوص۔ (اتنے بڑے باپ کی بیٹی۔ مگر غرور نام کو نہیں)۔ کھوکا کو پسند کرنے لگی ہے۔ کھوکا کا بھی عورت کے معاملے میں، میں سمجھتی ہوں اب جا کر شاید دل نرم پڑا۔ یہ رشتہ مجھے لگتا ہے بہت مبارک ثابت ہوگا۔ کھوکا کے اور تم سب کے دن بدل جائیں گے۔ اب تم بھی سمجھو تمہاری شادی ہو جائے گی۔ (ماں سے پیار تھا ہے تم کو کوئی ڈپٹی مجسٹریٹ ملے۔ رانی بن کر رہو۔ تم نے میری بچی بہت مصیبتیں بھوگ لیں) لڑکے کالج چلے جائیں گے۔ رہ گئی میں۔ کسی روز بھی میری آنکھ بند ہوگئی تو پھر کھوکا کا پرسان حال کون ہوگا۔ تو میں خوش ہو جاؤ کہ اُوما جیسی امیر اور سمجھدار ماں ملے گی۔ باقی اس خط کا کھوکا سے ذکر نہ کرنا۔ میں تمہیں بڑے راز سے لکھ رہی ہوں۔

تمہاری پھوپھی
بھوتارنی دیبی

ڈاکٹر سرکار کے ایک مریض مِترا بابو سر پری توش رائے کے موکل تھے۔ اور اکثر مطب آتے رہتے تھے زیادہ تر اُوڑے کی خاطر۔ انہوں نے کئی بار سر پری توش رائے کی کار باہر دیکھی اور اُوما دیبی کو آتے جاتے دیکھا۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ دیپالی گھر پر موجود نہیں ہے۔ پھر انہوں نے ذرا کرید کے جوتوئے بابو سے پوچھا کہ کیا آج کل اُوما دیبی اُن سے اپنے دردِ سر کا علاج کروا رہی ہیں۔ جوتوئے بابو صاف گو اور بھولے آدمی تھے۔ کہنے لگے۔ نہیں ایسے ہی ملنے کے لئے چلی آتی ہیں۔

مِترا بابو نے فوراً گھر جا کر اپنی بی بی کو یہ قصہ سنایا۔ مسز مِترا دوسرے ہی روز دوڑ کی نیلنڈ پہنچیں۔ لیڈی رائے پچھلے برآمدے میں بیٹھی صبح کی کافی پی رہی تھیں اور اسٹیٹسمین پڑھتی جا رہی تھیں۔ جب مسز مِترا پیچ پیچ چلتی آکر نزدیک کی کرسی پر بیٹھ گئیں اور نمسکار کیا۔

"اوہ ہلو اورن دھتی۔" لیڈی رائے نے مسکرا کر اخبار رکھ دیا۔ اور ان کے لئے کافی بنانے لگیں۔ تھوڑی سی رسمی گفتگو کے بعد مسز مِترا اس خوبصورتی اور فنکاری سے، جو اس قسم کے معاملات میں صرف خواتین کا حصہ ہے، اصل مقصد کی طرف آئیں۔ "اُوما کی طبیعت اب کیسی ہے؟" انہوں نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے دریافت کیا۔

"اب تو بالکل ٹھیک ہے۔ آپ تو جانتی ہیں وہ ہمیشہ سے کتنی زود رنج اور چڑچڑی رہی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہے۔" لیڈی رائے نے جواب دیا۔

"جبھی تو میں نے پوچھا۔"

"نہیں۔ اب تو شکر ہے کچھ دنوں سے کافی شگفتہ نظر آرہی ہے۔"

"یہ بھی ہمیشہ مجھ سے کہتے ہیں کہ ڈاکٹر سرکار کا علاج بالکل جادو کا اثر رکھتا ہے۔"

"ڈاکٹر سرکار ——؟"

"یہ بھی ڈاکٹر صاحب سے اپنے دمے کا علاج کروا رہے ہیں۔ بہت تعریف کرتے ہیں۔ انہوں نے ہی کئی مرتبہ اُوما کو ڈاکٹر صاحب کے مطب میں دیکھا تو مجھ سے آکر بولے کہ یہ بڑا اچھا ہوا ——"

"اچھا۔ اُوما نے مجھ سے ذکر نہیں کیا۔"

مسز مترا اب باقاعدہ GLOAT کر رہی تھیں۔ انہوں نے بات جاری رکھی۔ "آپ نے اُن کا نام تو سنا ہوگا۔ نتوئے چندر سرکار۔ وہی جن کی لڑکی دیپالی سرکار ریڈیو پر گاتی ہے۔"

"اوہ ——"

"بے چارے بڑے شریف آدمی ہیں۔ بی بی تو عرصہ ہوا پرلوک سدھاریں۔ چار بچے ہیں۔ لڑکی بس دیپالی ہی ہے۔ بڑا اچھا خاندان ہے۔ ان کے بابا میمن سنگھ کے زمیندار تھے۔"

لیڈی رائے قطعاً بیوقوف نہیں تھیں۔ وہ مسز مترا کا لہجہ اور عندیہ دونوں بھانپ گئیں اور فوراً ذرا رکھائی اور ناگواری سے دوسری طرف دیکھنے لگیں۔ لیکن مسز مترا کہے گئیں۔ "یہ تو نتوئے بابو کو بالکل دیوتا سمجھتے ہیں۔ ایسے خاندانی اور وضعدار لوگ آج کل کہاں ملتے ہیں اور رہا روپیہ پیسہ تو وہ تو ہاتھ کا میل ہے۔" اس نکتے تک پہنچ کر مسز مترا نے کوئی بالکل غیر متعلق موضوع چھیڑ دیا۔ اس کے دس منٹ بعد گھما پھرا کر بات کو پھر وہیں لے آئیں۔ "لڑکیوں کی شادی آج کل ایسا کٹھن مرحلہ بنتی جا رہی ہے۔ آخر کیا کیا جائے۔ میری ماشی ماں کے دیور کی لڑکی انجلی داس گپتا تو آپ کو یاد ہوگی اُوما کی سہیلی تھی۔ اس کی عمر نکل گئی بال سفید ہو گئے وہ تنگ آکر بھگوان جانے لنکا یا برما یا کہاں چلی گئی۔ اسکول پڑھانے۔ اب خیال آتا ہے۔ نتوئے بابو جیسا کوئی مل جاتا تو بیچاری کی قسمت بن جاتی۔ نتوئے بابو بے چارے اب جا کر کوئی چوالیس پینتالیس سال کے ہوئے ہوں گے۔ زمیندار کے لاڈلے بیٹے تھے۔ باپ ماں نے نوعمری ہی میں بیاہ کر دیا تھا۔"

یہاں تک پہنچ کر مسز مترا نے سوچا کہ اتنا آج بھر کے لئے کافی ہے۔ اور پھر دوسری باتوں میں لگ گئیں۔

لیڈی رائے مسز مترا کی گفتگو سے کافی پریشان ہو چکی تھیں۔ رات کو ڈنر کے بعد انہوں نے سر پری توش سے اس کا تذکرہ کیا۔ ڈھاکہ بہت چھوٹا اور پروونشل قسم کا شہر تھا۔ اُوما کی چندر گنج جانے کی خبر اڑتی اڑتی سر پری توش تک بھی پہنچ چکی تھی۔ وہ ڈاکٹر سرکار سے واقف تھے۔ اس وقت انہوں نے لیڈی رائے سے کہا۔ "شکر کرو کہ اُوما نے کسی میں دلچسپی لینی شروع تو کی۔"

"اس کا مجھے احساس کھائے جا رہا ہے کہ وہ اکتیس ۳۱ سے اوپر ہو چکی ہے۔ مگر ایسا بھی کیا۔" لیڈی رائے نے آزردگی سے کہا۔ وہ اب تک آس لگائے بیٹھی تھیں کہ شاید کوئی ہم رتبہ داماد مل جائے۔ حالانکہ لڑکی روز بروز زیادہ چڑچڑی اور موٹی اور بھدی ہوتی جا رہی تھی۔ ہماری قسمت میں نہ جانے یہ دُکھ کیوں لکھا تھا۔ معمولی معمولی لوگوں کی لڑکیاں ایک سے ایک حسین، نازک، دلچسپ۔ ہماری بچی شکل و صورت اور حلیے سے استانی لگتی ہے۔ باتیں شروع کرتی ہے تو سوائے اس کے ان بے تکے کامریڈز کے، سمجھدار نوجوان ڈر کر دور بھاگ جاتے ہیں۔ کارل مارکس اور لینن اور اسٹالن اور یہ اور وہ۔ لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلانا ہمارے مصلحین کی شاید ہمالیہ سے بھی بڑی غلطی تھی۔

بالی گنج کلکتہ میں سر پری توش اور لیڈی رائے کے اکلوتے فرزند نرملیندو کمار رائے کے پڑوس میں ایک بیحد دولتمند سانیال خاندان رہتا تھا۔ اس خاندان کے چھوٹے بیٹے بسنت کمار سے نرملیندو کی بڑی دوستی تھی۔ پچھلے دنوں جب اُوما کلکتہ اپنے بھائی کے پاس جا کر رہی تو وہ نوجوان اس سے بھی ملنے آیا کرتا تھا اور لیڈی رائے کو امید بندھی تھی کہ شاید بسنت اُوما میں کچھ دلچسپی لے۔ مگر اس نے بھی اُدیبا کر اُوما کو دیدی کہنا شروع کر دیا اور پھر وہی کارل مارکس اور لینن اور اسٹالن اور وہ۔ جس نے بھی ذرا سی بھی جو اس میں دلچسپی لی ہو۔ بس وہی کمبخت ہیگل اور مارکس۔ اور بسنت نے اس غریب کالے پادری کی حسین لڑکی روزی سے بیاہ کر لیا۔ غضب خدا کا۔

اور اب ساری دنیا دیکھنے کے بعد یہ بے چارہ نتوئے چندر سرکار اُوما کو بھایا ہے۔ چلو۔ واقعی شکر ہے۔ کوئی تو پسند آیا۔ سرکاری افسر سے شادی کرے گی نہیں۔ کمیونسٹ ہو گئی ہے تو ظاہر ہے کسی ایسے ہی نادار آدمی کو چھانٹے گی۔

"مگر نتوئے بابو بہرحال خاندانی آدمی ہیں۔ ان کے باپ زمیندار رومیش چندر کو لوگ آج بھی ڈھاکے میں بھولے نہیں ہیں۔" سر پری توش کہہ رہے تھے۔ لیڈی رائے نے گہرا سانس بھرا۔

"ان کی ایک جوان لڑکی بھی ہے۔" لیڈی رائے نے سوچ کر کہا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"دیپالی ــــــ؟ اللہ کرے گانے تو تم بڑے شوق سے سنتی ہو۔ اور ہمارا ارتل اس کے ریکارڈ بڑی لگن سے بجایا کرتا ہے۔" مسز ریتی قوش نے ہنس کر کہا۔

لیڈی رائے خاموش ہو گئیں۔ اور سوچنے لگیں۔ دیپالی کچھ عرصے بعد اپنے گھر چلی جائے گی۔ رو کے اپنی ... ہو گی۔ ٹھیک ہے۔ بحالت مجبوری اُوما کے لئے بنوتے بابو ہی بالکل ٹھیک ہیں۔ اگر وہ آج ہی اپنا عندیہ ... تو بات آگے بڑھائی جائے۔

صبح کو ریٹی رائے نے اُوما سے ڈاکٹر سرکار کے متعلق گول گول الفاظ میں استفسار کیا تو وہ مسکرا کر چپ ہو گئیں۔ لیڈی رائے نے فوراً چپکے چپکے بنوتے بابو کے متعلق مزید معلومات شروع کروا دیں۔

ایک روز اُوما چندر کنج گئیں تو ڈاکٹر سرکار سے کہنے لگیں۔ "دیپالی کے لئے اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"دیپالی ــــــ؟ ابھی تو وہ اپنے میوزک ڈپلومے کے لئے پڑھ رہی ہے۔"

"اس کے بعد؟"

"پتہ نہیں۔"

"آپ کے خیال میں ہے کوئی لڑکا؟"

"نہیں۔ آپ اتنے لوگوں کو جانتی ہیں آپ ہی کوئی تجویز کیجئے۔ مگر آپ کو معلوم ہے میں لمبا چوڑا جہیز نہیں دے سکتا۔"

"مجھے وہ اپنی چھوٹی بہن کی طرح عزیز ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ جلد از جلد اس کا اچھی جگہ بیاہ ہو جائے۔"

"جلد از جلد ــــــ؟ ابھی دو سال تو اس کے میوزک ڈپلوما میں باقی ہیں۔ پھر اس کی ضد ہے کہ ایم اے کرے گی۔ ابھی اس کی عمر زیادہ نہیں ہے۔"

"نہیں۔ جلدی ہی وہ اپنے گھر چلی جائے تو بہتر ہے آج کل زمانہ ــــــ"

"ــــــ بڑا خراب ہے؟" بنوتے بابو ہنس پڑے۔ "آپ جیسی ترقی پسند یہ کہہ رہی ہیں!"

"میں آپ کو قدامت پرست سمجھتی تھی مگر آپ شاید مجھ سے بھی زیادہ ترقی پسند ہیں!"

"نہیں۔ میں پرانی وضع کا آدمی ہوں۔ مگر میں دیپالی کی خلاف مرضی اس کا بیاہ ہرگز نہ کروں گا۔"

"اگر وہ آپ کی خلاف مرضی کرے تو؟"

"وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتی۔ بڑی معصوم، سیدھی بچی ہے۔"

اُوما ذرا مسکرائیں۔ بنوتے بابو نے ان کو تعجب سے دیکھا۔

"ہر باپ اپنی بیٹی کو معصوم سیدھی ننھی بچی ہی سمجھتا ہے!"

"آپ کے والد بھی آپ کو یہی سمجھتے ہوں گے ــــــ!" بنوتے بابو نے ہنس کر جواب دیا۔ اُوما رائے لاجواب ہو گئیں۔ چند سیکنڈ بعد انھوں نے کہا۔ "فرض کیجئے۔ دیپالی غیر فرقے میں شادی کرنا چاہے۔؟"

"غیر فرقے میں؟ آپ کو یہ خیال کس طرح آیا؟"

"بنوتے بابو۔ وہ ایک مسلمان لڑکا نہیں ہے۔ کامریڈ ریحان۔ وہ شاید آپ کے ہاں بھی کئی بار آ چکا ہے۔ میں نے کچھ یونہی افواہ سنی تھی کہ ــــــ"

"افواہ ــــــ؟" بنوتے بابو نے گھبرا کر پوچھا۔

"بنوتے بابو۔ ڈھاکہ اتنا چھوٹی سی جگہ ہے۔ افواہیں اڑتے کیا دیر لگتی ہے۔"

"لیکن آپ نے کیا سنا؟"

"کچھ نہیں۔" اُوما نے اطمینان سے صوفے پر پہلو بدل کر عینک اتاری۔ لگائی۔ اور ذرا بے پرواہ آواز میں کہنے لگیں۔ "دیپالی پچھلے سال جون میں جب بولپور سے گھر آنے کے بجائے سندربن چلی گئی تھی نا ــــــ"

"درستھال پر گئے ــــــ" بنوتے بابو نے تصحیح کرنا چاہی مگر اُوما دیبی کہے گئیں "وہ سندربن گئی تھی نا۔ پچھلے سال جون میں۔ ریحان سے ملنے۔ آپ کو تو خیر معلوم ہی ہوگا۔ تب ڈیڈی کے کسی موکل نے ضلع کھلنا کے ایک ریلوے اسٹیشن پر، شاید باگیر ہاٹ پر ریحان کو اسے ٹرین پر سوار کراتے دیکھا تھا۔" اچانک وہ سراسیمگی کے ساتھ بات ادھوری چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔ کیونکہ ان کو لگا جیسے بنوتے بابو پر دل کا دورہ پڑنے والا ہے۔ وہ بھونچکے سے انھیں تکے جا رہے تھے۔

"اوہ ــــــ آئی ایم سو سوری۔ بنوتے بابو۔ میرا خیال تھا کہ آپ جانتے ہوں گے۔ آئی ایم سوری ــــــ پلیز ــــــ اوہ ــــــ"

بنوتے بابو نے ہاتھ اٹھا کر ان کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ذرا کرب سے اُن پر نظر ڈالی اور صوفے کی پشت سے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحوں بعد وہ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اور تیوری پر بل ڈال کر کھڑکی سے باہر

urdukutabkhanapk.blogspot.com

دیکھنے لگے۔

"مجھے افسوس ہے بنوئے بابو" اُوما نے پھر کہنا شروع کیا۔ "میرا خیال تھا آپ خود جانتے ہوں گے۔ دیپالی بڑی راستباز بچی ہے۔ وہ آپ سے جھوٹ نہیں بولتی ہوگی۔"

"اُسے جھوٹ بولنا آپ نے سکھایا ہے اُوما دیبی۔" بنوئے بابو نے مدھم آواز میں کہا۔

"میں نے ـــــ ؟ میں نے بنوئے بابو ــــ ؟" اُوما نے عینک اتار کر حیرت سے پوچھا۔

"جس طرح آپ اسے ایک ہفتے کے لئے اپنے ساتھ گویا کو تیلا لے گئی تھیں۔ مجھے آج تک معلوم نہیں کہ دراصل وہ کہاں گئی تھی۔ یہ سب آپ کی ٹریننگ کا نتیجہ ہے اُوما دیبی۔"

"مجھے افسوس ہے بنوئے بابو ــــ اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں۔" اُوما اب ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئیں۔

"میں آپ کو پانی لا دوں ؟" بنوئے بابو خاموش رہے۔ اُوما جلدی سے کھانے کے کمرے میں گئیں۔ ڈوئی پر رکھی صراحی میں سے گلاس میں پانی انڈیلنے سے قبل ایک نظر سے کمرے کا جائزہ لیا۔

شام کا وقت تھا اور رسوئی گھر سے کڑاہی کی چھن چھن کی آواز آرہی تھی۔ کھانے کے کمرے کی کھڑکی کے باہر عبدالقادر کے مریل گھوڑے گھاس چر رہے تھے۔ اُوما گلاس لے کر بیٹھک خانے میں واپس پہنچیں۔ مگر بنوئے بابو اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ اور دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ اُوما تذبذب کے عالم میں دروازے کے پاس کھڑی رہیں۔ اتنے میں بھوتارنی دیبی کھڑاویں پہنے کھٹ کھٹ کرتی اندر آئیں۔

"کیا ہوا ـــــ ؟" انہوں نے بھویں جوڑ کر دریافت کیا۔

"کچھ نہیں۔ شاید بنوئے بابو کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے۔ یہ لیجیے۔" گلاس بڑی بی کو تھما کر وہ جلدی سے باہر کار میں جا بیٹھیں۔ اور گھر روانہ ہو گئیں۔

دوسری صبح اُوما پھر حیندر کنج پہنچیں۔ مطب کے دروازے میں تالا پڑا تھا۔ بچے اسکول جا چکے تھے۔ بھوتارنی دیبی عبدالقادر کی گاڑی میں بیٹھ کر مہینے کی جنس لانے بازار گئی ہوئی تھیں۔ اُوما نے اندر جا کر بنوئے بابو کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ بنوئے بابو نے اخبار ہاتھ میں لئے لئے کواڑ کھولا۔

"اوہ ـــــ تھینک گوڈ ـــــ" اُوما نے کہا۔

"کیوں ـــــ ؟"

"رات بھر مجھے فکر کے مارے نیند نہیں آئی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو یہ صدمہ پہنچایا۔"

"میں زندگی میں بڑے سے بڑے دھچکے کو سہار لینے کا عادی ہو چکا ہوں۔ مگر میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اصل صورت حال سے آگاہ کر دیا۔" وہ باہر بیٹھک خانے میں آنے لگے مگر اُوما ان کے کمرے میں داخل ہو چکی تھیں۔ انہوں نے چاروں طرف نظر ڈالی۔

"آپ تو واقعی بالکل سادھو بن چکے ہیں۔"

بنوئے بابو نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اُوما نے عینک اتار کر آنکھیں ہتھیلیوں سے ملتے رہنے کے بعد کہا: "بنوئے بابو آپ سے اب صرف ایک درخواست ہے۔"

"کہیے ـــــ"

"آپ دیپالی پر ہرگز ہرگز یہ نہ ظاہر کیجیے کہ میں نے آپ کو اس کے سندر بن جانے کا واقعہ بتایا ہے۔"

"آپ کو یہ درخواست کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اس سے اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔"

"کچھ بھی نہیں کہیں گے ؟" اُوما نے حیرت سے دُہرایا۔

"نہیں ــ" بنوئے بابو آہستہ آہستہ دروازے کی سمت بڑھے۔ "آیئے باہر چل کر بیٹھیں۔ دیپالی سمجھدار اور بالغ لڑکی ہے۔ آپ کا خیال ہے میں اس طرح کی کوئی بات کہہ کر اُسے شرمندہ کروں گا ؟"

اُوما ان کے پیچھے پیچھے بیٹھک خانے میں آکر ایک کرسی پر ٹک گئیں۔

بنوئے بابو آہستہ آہستہ کہتے رہے۔ "اُوما دیبی۔ شاید۔ شاید ایک غیرت مند باپ کی حیثیت سے مجھے دیپالی کو کال کوٹھری میں بند کر دینا چاہئے۔ اور شاید فوراً کوئی ہندو لڑکا تلاش کر کے اس کی شادی کر دینی چاہئے۔ لیکن اُوما دیبی ــ" انہوں نے ایک لمبا سانس لیا۔ "میں یہ سب کچھ نہیں کروں گا۔" اس اثنا میں وہ جھکے جھکے سے کمرے کا ایک چکر لگا کر شکستہ صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔ "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اپنی نوعمری کی رومانیت، آئیڈیلزم، اس مسلمان لڑکے سے محبت، جو کچھ بھی ہو، اس کی وجہ سے مجھ سے بہانہ بنا کر ریحان سے ملنے اکیلی وہاں چلی گئی اور غالباً اس کے ساتھ ایک ہی جگہ رہی۔ مگر اس نے کوئی بھی ایسی حرکت نہ کی ہوگی جو اسے نہ کرنا چاہئے ــــ مجھے اس کا یقین ہے۔"

"کس طرح ــ ؟"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"آپ اُوما دیبی ۔۔۔ آپ ولایت میں تین چار سال اکیلی رہیں۔ آپ کے والد کو کس طرح یقین ہے کہ آپ نے وہاں کوئی ایسی حرکت نہ کی ہوگی جو آپ کو نہ کرنا چاہیے۔"

اُوما بےجواب ہوگئیں۔ انھوں نے دھیمی آواز میں سوال کیا "اب آپ کیا کریں گے؟ دیپالی اور ۔۔۔ اور ریحان کو بیاہ کی اجازت دیدیں گے؟ میں ریحان کو عرصہ سے جانتی ہوں۔ وہ کافی لاابالی اور غیر ذمہ دار لڑکا ہے۔ ایک مرتبہ وہ اپنی کزن کو let down کر چکا ہے۔ اور یوں بھی، وہ بالکل hand to month زندگی گذارتا ہے۔ دیپالی ایک ہول ٹائمر کے الاؤنس پر کس طرح گذر کرے گی۔؟ علاوہ ازیں وہ مسلم سماج میں کس طرح ایڈجسٹ کرے گی؟ خود اس شادی سے آپ کی اپنی پریکٹس پر بُرا اثر نہیں پڑے گا؟ آپ کے زیادہ تر مریض کٹر ہندو بھدرا لوگ ہیں ۔۔۔ معاف کیجئے گا بتوئے بابو آپ تو ایک لامذہب رشی ثابت ہوئے مگر میں آپ کی ایک پُرخلوص دوست کی حیثیت سے دیپالی کی بھلائی کے خیال سے یہ سب کہہ رہی ہوں۔ حالانکہ "It is none of my business!

بتوئے بابو سر پیچھے ڈالے چھت کو تک رہے تھے۔ وہ ذرا سا مسکرائے۔ "اُوما دیبی۔ آپ یقیناً میری اور دیپالی کی بھلائی کے لئے یہ سب کہہ رہی ہیں۔ اور میں آپ کا ممنون ہوں۔ مگر بات یہ ہے۔" انہوں نے پھر ایک لمبا سانس لیا۔ "میرے نزدیک انسانی زندگی ایک انتہائی انمول شے ہے۔ اپنی نوجوان بیوی، اور اپنے نوجوان بھائی کو کھو دینے کے بعد مجھے احساس ہوا ہے کہ زندگی کتنی انمول شے ہے۔ اور انسان کا دل ۔۔۔ انسان کا دل ۔۔۔" ایک دم ان کی آواز میں جوش سا آگیا ۔۔۔ "اُوما دیبی آپ کو کیا اتنا بھی علم نہیں۔ آپ اتنا پڑھ لکھ گئیں۔ دنیا گھوم آئیں۔ آسا نہیں جانتیں کہ انسان کا دل کتنی قیمتی چیز ہے، جوان دل اور جوان زندگی بید ۔۔۔ بیحد بیش قیمت چیزیں ہیں۔ اُوما۔ اور اس ایک مختصر سی انسانی زندگی کو دکھی بنانا دنیا کا سب سے بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ زندگی بار بار نہیں ملتی۔ انسان صرف ایک بار جنم لیتا ہے میں پُنر جنم میں یقین نہیں رکھتا۔ وہ ایک لغو تصور ہے۔ انسان کا دنیا سے، دوسرے انسانوں سے صرف ایک بار رشتہ بندھتا ہے اور موت آتی ہے تو یہ رشتہ بھی ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جاتا ہے ۔۔۔ اگر ۔۔۔ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ دیپالی اس لڑکے کو اتنا چاہتی ہے۔ وہ لڑکا دیپالی کو اتنا چاہتا ہے، کہ ان کے راستے میں حائل ہونے کی وجہ سے ان کی زندگیاں ہمیشہ کے لئے خزاں آلود ہو جائیں گی۔ تو میں یقیناً اسے شادی کی اجازت

دیدوں گا ۔۔۔ ہندو سماج اور مسلم سماج اور میری پریکٹس، میری بچی کی مسرت سے زیادہ اہم نہیں۔"

"شادی کی اجازت دے دیں گے ۔۔۔؟" اُوما نے بھونچکی ہو کر دہرایا۔

"یقیناً ۔۔۔!" وہ بہت محظوظ ہو کر اُوما کو دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔ "تعجب ہے، بکثر پروگریسو تو آپ تھیں۔ آپ کو میرے ان پروگریسو خیالات پر بہت خوش ہونا چاہیے۔"

اُوما۔ کرسی سے اُٹھیں۔

"جارہی ہیں۔؟ بیٹھئے۔ چاء وائے پی کر جائیے گا۔ دیدی ابھی بازار سے آتی ہوں گی۔"

"نہیں اب میں چلوں" اُوما نے جواب دیا۔

بتوئے بابو صوفے پر سے اٹھے اور انھیں کار میں سوار کرانے کے لئے باہر آگئے۔ جب اُوما کار میں بیٹھ گئیں تو انھوں نے ہاتھ اونچا کر کے مسکراتے ہوئے نمسکار کیا۔ اور فوراً دو مریضوں سے بات چیت میں منہمک ہوگئے جو اسی وقت پھاٹک پر پہنچے تھے۔

وڈلینڈز واپس پہنچ کر اُوما رائے نے سرپرتی توش کے سکریٹری کو حکم دیا کہ جلد از جلد بولپور جانے کے لئے اسٹیمر اور ٹرین میں ان کا ریزرویشن کروا دے۔ وہ دیپالی سے ملنے شانتی نکیتن جا رہی تھیں۔

۳۱
دلہن کی پالکی

دیپالی دیدی آداب

پرسوں یعنی جمعے کے روز جہاں آرا آپا کی شادی ہوگئی۔ آپ کو معلوم کر کے ضرور تعجب ہوگا مگر چپکے چپکے بات چیت چلائی جا رہی تھی تاکہ بقول شمسہ خالہ کوئی باہر والا اڑنگا نہ لگا دے۔ خود جہاں آرا آپا کو تاریخ طے کرنے سے چند روز قبل ہی اطلاع دی گئی۔ یہ شادی بھی شمسہ خالہ ہی نے کروائی ہے۔ نواب اجمل حسین مرشد زادہ نیر بھائی کی دلہن کے سگے خالو ہیں۔ دلہن بھابھی کی خالہ کا عرصہ ہوا انتقال ہوگیا۔ اولاد کوئی نہیں ہے۔ بقول شمسہ خالہ جہاں آرا آپا کی عمر ڈھل رہی تھی اور کنوارا کم عمر لڑکا مل نہیں رہا تھا۔ خصوصاً جبکہ جہاں آرا آپا کی صورت شکل بھی معمولی ہے۔ نواب اجمل حسین

urdukutabkhanapk.blogspot.com

چکی تھیں۔ میں نیّر بھائی کے بچّے منوّر کو گود میں لے کر پیچھے والے برآمدے میں ٹہلنے لگی کہ اندر بیگم قمرالزماں کے کمرے سے آواز آئی۔ نواب صاحب بے چارے اپنی بیوی سے آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے "میں جہاں آرا کو جان بوجھ کر کنویں میں نہیں ڈھکیلوں گا۔" تو وہ چمک کر بولیں۔ "اور کیا کروگے؟ چاہتے ہو کہ وہ تمہاری بھتیجی ملیحہ کے لفنگے بیٹے کے ساتھ بھاگ جائے؟" نواب صاحب نے متانت سے کہا۔ "انوری بیگم۔ خاموش رہو۔ خاموش رہو۔" وہ بھلا کہاں خاموش رہتیں۔ بولیں۔ "معلوم بھی ہے وہ لفنگا جیل سے چھوٹ گیا۔ پھر ڈھاکے کے چکّر لگا رہا ہے۔ ابھی پرلے روز یہاں آیا تھا۔ میں سو رہی تھی۔ وہ میرے کمرے سے باہر نکلا تو آہٹ سے میری آنکھ کھلی۔ جاتے ہوئے اس کی جھلک دیکھی تو گھبرا کر کھڑکی میں گئی۔ باہر جھانکا تو کیا دیکھتی ہوں۔ باہر تالاب کے کنارے دونوں کھسر پھسر کر رہے ہیں۔ تمہیں کچھ بستی کی خبر بھی ہے نواب صاحب۔ تم اپنی اسٹڈی میں بیٹھے پاکستان زندہ باد کرتے رہو۔ تمہیں یہ ہوش کہاں کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ اب تم یہی چاہتے ہو کہ صاحبزادی تمہارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا کر اس منحوس اٹھائی گیرے کے ساتھ گھر سے نکل جائیں؟ اور فرض کرو وہ نہ بھی بھاگ سکے تو یہ خبر کہ رونو میاں واپس آگئے ہیں کم بدنامی کی بات ہے؟ بے چاری شمسہ بہن اور اللہ رکھے نیّر کی دلہن نے جوڑ توڑ کر کے ایک رشتہ لگایا ہے وہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ رونو میاں کا قصہ اب تک چھپا ہوا تھا۔ مگر اب بات پھیل گئی تو جہاں آرا تو خیر ہیں ہی بد نصیب۔ چھوٹی دونوں کے بھی رشتے نہیں آئیں گے۔"

نواب صاحب چپ چاپ بیگم کی یہ تقریر سنتے رہے۔ پھر آہستہ سے بولے۔ "انوری بیگم۔ رونو اگر شادی کے لئے اب کہے تو میں اسے اجازت دے دوں گا۔ چار برس قبل میں نے حماقت کی تھی۔ اب اجازت دے دوں گا۔" یہ سننا تھا کہ انوری بیگم پر دورہ سا پڑ گیا۔ کہنے لگیں۔ "میں مرتی مر جاؤں گی یہ شادی نہ ہونے دوں گی۔ اور یاد رکھو وہ اب تمہاری لڑکی سے بیاہ کرے گا بھی نہیں۔ میں اس روز کے بعد شمسہ بہن کے ذریعے اس کے رتّی رتّی حالات معلوم کروا چکی ہوں۔ وہ اس ہندو بیرسٹر کی لڑکی کے چکّر میں مبتلا ہے۔ سر پری توش کی لڑکی۔ یوں کہو کہ بیرسٹر کی لڑکی نے اسے رکھا ہوا ہے۔ توبہ توبہ توبہ۔ اس خاندان میں ایسا بے غیرت آدمی پیدا ہوا۔ مگر کیا کرے۔ ہے بھی تو پاٹ کوٹنے والے دو ٹکے کے کسان کی اولاد۔ ابھی وہ نواب سونے کا بن کر بھی آئے تو میں اس دہلیز کو نہ پھلانگنے دوں۔ آوارہ۔ دو کوڑی کی اوقات۔ میری شہزادی کو لے جائے گا؟ اور اجی تم بھی سٹھیا گئے ہو کیا۔ یا مرحوم ملیحہ بیگم کی محبت نے جوش مارا ہے؟ بلواؤ تو اس کو۔

مرشد زادہ آباد سے عمر میں دو گنے بڑے ہیں۔ وہ بھی دیناج پور کے بہت بڑے زمیندار ہیں۔ میٹرک پاس ہیں۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ بقول شمسہ خالہ وہ اپنے سسر نواب قمرالزماں چودھری کے توڑ کے رئیس ہیں۔ تین موٹریں اور تین چار ہاتھی رکھتے ہیں۔ آپا کے لئے سیروں زیور چڑھاوے میں آیا۔ شمسہ خالہ امّی سے کہہ رہی تھیں لڑکا میٹرک پاس ہے تو کیا ہوا کون سا جہاں آرا کو اس کے ساتھ بیٹھ کر شیکسپیئر ڈسکس کرنا ہے۔ لیکن امّی نے مجھ سے کہا کہ بے چاری جہاں آرا کی قسمت پھوٹ گئی۔ سنا ہے اجمل حسین صاحب کافی عیاش ہیں۔ شراب بھی پیتے ہیں۔ امّی نے شمسہ خالہ سے ان کی عیاشی کی خبر پر پوچھ گچھ کی تو وہ بولیں۔ لو بہن بس اب چپکی رہو۔ جب لڑکی والوں نے سب طرح سے اطمینان کروا لیا ہے تو ہم غیر لوگ کیوں فکر میں گھلیں۔ دوسرے یہ کہ لڑکا ایک زمانہ میں ذرا رنگین مزاج ضرور تھا۔ کلکتے جا کر ریس کھیلتا تھا اور ذرا پینے پلانے اور گانا وانا سننے کا شوقین تھا۔ مگر غریب کیا کرتا۔ بیوی مر چکی تھی۔ اکیلا دم۔ اللہ کا دیا پیسہ بہت سا مرے اُڑاتا تھا۔ مگر اب پھر سے گھر گرہست میں لگ کر ٹھیک ہو جائے گا۔ جہاں آرا بڑی نیک بخت ہے۔ اس کی اصلاح کرے گی۔

سچ کہتی ہوں دیدی۔ مجھے شمسہ خالہ اور نیّر بھائی کی دلہن دونوں پر بڑا غصّہ آیا کہ انھوں نے مل کر آپا کو کہاں جھونک دیا۔ نواب صاحب اس رشتے سے قطعی خوش نہیں ہیں مگر سب گھر والوں نے مل کر اُن کا پیچھا لے لیا۔ اُوئی کیا لڑکی کا کوار کوٹ چُننا ہے۔ جب تک وہ بیٹھی رہے گی انجم آرا، اختر آرا کے لئے بھی پیغام نہیں آ سکتے۔ نواب صاحب نے پھر بھی حامی نہ بھری تو جہاں آرا کی امی پر فوراً اختلاج قلب کا دورہ پڑ گیا۔ (اختلاج قلب نہیں دیدی۔ اب میں بڑی ہوتی جا رہی ہوں تو دنیا کی بہت سی باتیں سمجھ میں آتی جا رہی ہیں۔ بیگم قمرالزماں کو دراصل ہسٹریا کا مرض ہے اور نواب صاحب بے چارے امن پسند آدمی ہیں بیوی کے ان دوروں سے ان کی روح فنا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بیچارے نے ساری عمر اپنے اس ڈیپریسنگ کتب خانے میں بیٹھے بیٹھے گذار دی) بہرحال تو بیگم قمرالزماں نے الٹی میٹم دے دیا کہ لڑکی کا رشتہ اس جگہ نہ ہوا تو وہ زمین آسمان ایک کر دیں گی۔ نواب صاحب تب بھی ٹس سے مس نہ ہوئے۔

اور تب ان کی بیوی نے ایک ترپ چال چلی۔ یہ مجھے بالکل اتفاقیہ معلوم ہوا اور بڑی سخت حیرت ہوئی۔ ایک روز میں ارجمند منزل گئی ہوئی تھی۔ جہاں آرا آپا باورچی خانے کی طرف جا

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ذرا دیکھوں کیسے شادی کرتے ہو جہاں آرا سے اس کی ۔" اتنا کہہ کر وہ تو نسوے بہانے لگیں اور نواب صاحب کمرے سے باہر چلے گئے ۔

جب اندر یہ باتیں ہو رہی تھیں تو انجم آرا بھی برآمدے میں آگئی تھی اور کان لگا کر والدین کا یہ مکالمہ سن رہی تھی ۔ جب باپ باہر چلے گئے تو وہ لمبا سانس بھر کر مجھ سے بولی ۔ "اب دیکھو کیا ہوتا ہے ۔ اللہ کرے ایسا ہو جائے ۔ اللہ کرے ایسا ہو جائے ۔" میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ قصہ کیا ہے نجمہ کہنے لگی ابھی آپا سے کچھ ذکر نہ کرنا ۔ ممکن ہے کچھ بھی نہ ہو اور آپا پھر غلط آس لگا کر بیٹھ جائیں ۔

مگر دیدی بے چاری انجم کو تو وہ لگ گئی کہ اب آپا کیا کرتے ہیں ۔ اور وہ اور مالی دونوں جاسوسی پر مستعد ہو گئیں ۔ انہوں نے اپنی جاسوسی کے ذریعے معلوم کیا کہ نواب صاحب نے شمسہ خالہ کو بلا کر ان سے پوچھا ۔ "رونو میاں اور اُومارائے کا قصہ کیا ہے ؟" شمسہ خالہ ہاتھ کانوں پر رکھ کر بولیں ۔ "بھیا مجھے کچھ معلوم نہیں ۔ میں نے تو ایسے ہی اڑتی اڑتی سنی تھی ۔ وہی میں نے انوری بہن کو بتلا دیا ۔" اب نواب صاحب نے جلد از جلد اپنے رونو میاں کو کونٹیکٹ کرنے کی کوشش کی ۔ ان کو دہلی خط لکھا کہ فوراً آ کر ملیں ۔ اُومارائے کو فون کر کے پوچھا کہ رونو اس وقت کہاں ہیں ۔ انہوں نے کچھ گول سا جواب دیدیا ۔

ادھر دیناج پور سے عقد کی تاریخ جلد طے کرنے کے تقاضے پر تقاضے آ رہے تھے ۔ اور بیگم قمرالزماں کے اختلاج قلب میں زیادتی ہوتی جا رہی تھی ۔ جس روز نواب صاحب نے ان سے کہا کہ وہ جب تک رونو میاں سے بات ذکر لیں نکاح کی تاریخ طے نہ کریں گے ۔ تو اُن کی بیگم نے قیامت برپا کر دی ۔ نواب صاحب نے دلی ، بمبئی ، کلکتہ جانے کہاں کہاں ہر ممکن پتے پر رونو میاں کو تار دیئے ٹرنک کال کئے ۔ مگر وہ حضرت جانے کہاں غائب ہو چکے تھے ۔ کوئی جواب نہ آیا ۔ ادھر انوری بیگم پر اتنا زبردست دل کا دورہ پڑا کہ لینے کے دینے پڑ گئے ۔ نواب قمرالزماں نے ہار مان لی ۔ نواب اجمل حسین سے شادی کی تاریخ طے کر دی گئی ۔

مجھے اس زمانہ میں دیدی نواب صاحب پر اتنا ترس آیا کہ کیا بتاؤں ۔ ایسے ٹوٹے ہوئے اور دکھی اور غمزدہ لگتے تھے کہ دیکھا نہ جاتا تھا ۔ آپا کو مایوں بٹھایا گیا ۔ ان کو بس چپ سی لگ گئی تھی ۔ بڑی دھوم دھام کی شادی ہوئی ۔ روزی آپا کی اور آپ کی عدم موجودگی کا ہم سب کو افسوس تھا (روزی آپا کا اب تک کچھ پتہ نہیں چلا ۔ ایک خبر ہے کہ معافی مانگ کر جیل سے نکل آئیں ۔ دوسری خبر ہے کہ کالے پانی بھیج دیا گیا ۔ اور ایک خبر ہے کہ کسی انگریز سے بیاہ کر لیا ۔ اور ایک خبر ہے کہ ہتھکڑیوں سمیت جیل سے فرار ہو گئیں ۔

افواہوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں !) اس بدامنی کے زمانے میں بھی بڑی شان و شوکت کی تقریب رہی ۔ نواب قمرالزماں چودھری کی بیٹی کی شادی تھی کوئی مذاق تھوڑا ہی تھا دیدی ۔ دیناج پور سے برات آئی ۔ جو دراصل سب نیر بھائی کے سسرال والے ہی تھے ۔ ایک سے ایک دقیانوسی زمیندار نرائن گنج میں اسٹیمر سے اترا ۔ (پچھلے سال ہم لوگ اسی برسات کے زمانے میں نیر بھائی کی بارات لے کر دیناج پور گئے تھے) خیر صاحب تو جب بارات ارجمند منزل کے دروازے پر آئی اور دولہا ہاتھی سے اترا تو ہم سب دھک سے رہ گئے ۔ کالا بھجنگ ۔ تمباکو کا پنڈا ۔ منہ پان سے رچا ہوا ۔ بس ٹھیٹھ قصباتی زمیندار ۔ نواب اجمل حسین نواب قمرالزماں کے ہم عمر ہیں بلکہ ایک آدھ برس نواب صاحب سے بڑے ہی لگتے ہیں ۔ اور ان کے گھر کی عورتیں ٹھیٹھ قصباتی ان پڑھ بنگالنیں ۔ جن کے نزدیک ڈھاکہ بھی لندن سے زیادہ آزاد ہے ۔ یا اللہ ۔ یہ آپا کی سسرال ہے ۔ اور یہ آپا کے شوہر ہیں ۔ اللہ کی شان ہے ۔

اب اللہ کی ایک اور شان کا قصہ بھی سنئے اور غور کیجئے کہ بڑی بوڑھیاں جو "قسمت کا کھیل" "قسمت کا کھیل" رٹتی ہیں تو کچھ غلط نہیں کہتیں ۔

شادی میں رخصتی کے وقت ، رونو میاں بحیثیت مہمان آن موجود ہوئے ! نکاح ہو چکا تھا ۔ پیچھے چھوہاروں کی لٹس مچی تھی ۔ قہقہے لگ رہے تھے ۔ میں نے فرید پور سے آئے ہوئے کسی نوجوان رشتے دار کی آواز سنی ۔ "رونو بھائی ۔ آپ بھی کھا لیجئے ۔ جلدی سے دُکیلے ہو جائیں گے ۔" میں نے پلٹ کر دیکھا مگر ہال میں اتنی بھیڑ بھی کہ کچھ پتہ نہ چلا ۔ اتنے میں انجم میرے پاس بھاگی بھاگی آئی ۔ اور کہنے لگی ۔ "غضب ہو گیا یا امین ۔ رونو بھائی آ پہنچے ۔ ان کو اب آنے کی کیا ضرورت تھی ۔ کیا اُن کو ابا کے تار نہیں ملے ؟ اور اگر مل گئے تو ان کا جواب کیوں نہ دیا ۔ پہلے کیوں نہ آئے ؟ اب کیوں آئے ہیں ۔ زخموں پر نمک چھڑکنے ؟" اتنے میں شور مچا ۔ دولہا آ رہا ہے ۔ دولہا آ رہا ہے ۔

آپا جو بالکل بے جان سی ہو گئی تھیں ۔ ان کو زینے سے اتار کر زنانہ دیوانخانے میں لایا گیا اور مسند پر بٹھال دیا گیا ۔ دولہا میاں مسکراتے ہوئے آئے ۔ آرسی مصحف ہوا ۔ ساری رسمیں ادا کی گئیں ۔ ہم لوگوں کا (انجم ، اختر آرا اور میرا) جی جوتا چرانے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا ۔ مگر مجبوراً چرایا ۔

اس وقت مجھے پہلی بار رونو میاں نظر آئے جو دیوانخانے کے دروازے میں کھڑے اطمینان سے نیر بھائی سے باتیں کر رہے تھے ۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اب دیدی اللہ کی تیسری شان سنیے ـــــــ یہ رونو میاں آپ کے مشہور و معروف ریحان الدین احمد ہیں۔ جن کو آپ بھی شاید جانتی ہوں۔ کمال ہو گیا۔ یہ آپا کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ ان کی منگنی آپا سے کیسے ٹوٹی ایک اور لمبا قصہ ہے جو مجھے انجم آرا نے بعد میں بتایا اور اگر میں اس خط میں لکھوں تو خط بہت ہی طویل ہو جائے گا۔ زبانی بتاؤں گی۔ بہرحال تو دیوانخانے میں عورتوں کی وہ بھیڑ جمع تھی کہ دم گھٹا جا رہا تھا۔ اُسی وقت میں نے آپا کے خاندان کی چند بڑھیوں کی کھُسر پُسر سُنی ـــــ فرید پور سے آئی ہوئی ایک بڑی بی بولیں۔ "اے ہے یہ تو اللہ بخشے فخرل بھائی کا نواسہ ہے۔" دوسری نے کہا۔ "وہ تو روپوش تھا میں نے سنا ہے۔" تیسری بولیں۔ "نکل آیا جیل سے نگوڑا۔ یونہی خدائی خوار پھرتا ہے۔" چوتھی نے فرمایا۔ "اے جنت مکانی ملیحہ کا پُوت۔" "ہاں۔ ہاں دہی۔ اچھا ہوا جہاں آرا سے بیاہ نہ ہوا۔ بے چاری کی قسمت پھوٹ جاتی۔ کیا خود کھاتا۔ کیا نواب کی بیٹی کو کھلاتا نگوڑا دہریہ کمیونشٹ۔"

اب رُخصتی کا وقت آیا۔ نیّر بھائی نے پکارا۔ "کمرہ خالی کرو۔ بھیڑ کم کرو۔ دلہن کے بزرگ آ رہے ہیں۔ بزرگ آ رہے ہیں۔" خیر بہت سارے بزرگ آئے۔ آپا کو دعائیں دینے (ہاں دیدی آپ کے بابا، پشپی ماں اور تینوں بھائی بھی آئے تھے شادی میں) آپ کے بابا آپا کے لئے ایک بنارسی ساری لائے تھے۔ دوسرے بزرگوں کے ساتھ جب وہ آئے سر پر ہاتھ رکھنے تو وہ آپا کے سر پر ہاتھ رکھ کر ایک منٹ کے لئے چُپ سے کھڑے رہے۔ نواب صاحب نے کہا۔ "بیٹی تمہارے ڈاکٹر چچا آئے ہیں۔ نواب صاحب دراصل رخصتی کے وقت دیوانخانے کے ایک کونے میں گم سم کھڑے تھے۔ (میں نے کسی مرد کو روتے زندگی میں پہلی بار جبھی دیکھا۔ مگر سنا ہے کہ بیٹیوں کی شادی پر سب باپ لوگ روتے ہیں) جب دیدی آپ کے بابا آپا کے قریب آئے تو نواب صاحب اُن سے کہنے لگے۔ "بنوئے! ایک دن دیپالی بھی اسی طرح رخصت ہو جائے گی۔ تم بہت کچھ بوجھ کر اسے وداع کرنا۔" میں مسند کے پیچھے والے دریچے میں چڑھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اور یہ سارا نظارہ دیکھ رہی تھی۔ پھر پادری جنرجی روزی کے پاپا آگے بڑھے۔ انہوں نے بھی آپا کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔ اور "آئیڈیل وائف" قسم کے عنوان کی ایک مذہبی و اخلاقی پند و نصائح کی مجلّد کتاب ربن سے بندھی ان کے پاس رکھ دی۔ پھر نواب صاحب سے کہا خدا باپ کا شکر ہے۔ آپ نے اپنی لڑکی اپنے ہاتھوں سے عزت کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت کی۔ خدا کا شکر ہے۔ اور سر جھکائے کمر کے پیچھے ہاتھ باندھے باہر چلے گئے۔

وہ تو گویا رمجی تھی کہ کیا بتاؤں۔ اور انجم بار بار جب موقع ملتا مجھ سے آ کر کان میں کہہ جاتی۔ "رونو

بھائی کو نہ آنا چاہیے تھا۔ ایسی بے رحمی کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کہاں کی جدلیاتی مارکسیت ہے۔ کیا آدمی مارکسسٹ بن کر جذبات سے عاری ہو جاتا ہے؟"

رونو میاں اُوما دیبی کے ساتھ آئے تھے۔ مہمانوں میں سر رپّی توش اور لیڈی رائے بھی شامل تھیں۔ مگر رونو میاں اُوما دیبی کے ساتھ بعد میں پہنچے۔ رخصتی کے وقت وہ دروازے میں کھڑے نیّر بھائی سے باتیں کر رہے تھے۔ نیّر بھائی نے کہا اخاہ۔ رونو بھائی یہ عید کا چاند کہاں سے نکلا۔ آپ سے تو آج چار ساڑھے چار برس بعد ملاقات ہوئی ہے۔ کہنے لگے۔ ہاں بھئی۔ ذرا ادھر خاصا مصروف رہا۔ (یہ بھی کس قدر بُرژوا انڈر اسٹیٹمنٹ تھا!) میں ابھی پچھلے مہینے ڈھاکہ آیا تھا۔ تب تم لوگوں سے ملاقات نہ ہو سکی۔

انجم تو اس موقعے کی تاک میں تھی کہ ان سے نچیٹا کر سکے۔ وہ بچپن سے ان کی کافی منہ چڑھی کزن ہے وہ لپک کر آگے بڑھی اور بولی۔ "رونو بھائی آپ ڈھاکے سے کہاں گئے تھے۔ دلّی؟" کہنے لگے۔ "نہیں بی بی میں دلّی کے بجائے پارٹی کے ایک ضروری کام سے سیدھا لاہور چلا گیا تھا اور وہاں سے پشاور۔ یہ پچھلا مہینہ پنجاب اور سرحد کے دورے میں گزرا۔ پشاور میں مجھے پارٹی ہیڈ کوارٹرز کی طرف سے حکم پہنچا کہ فلاں کام کے لئے پھر فوراً ڈھاکے واپس جاؤ۔ تو دوبارہ سیدھا یہاں آ رہا ہوں۔ آج صبح ہی پہنچا تو اُوما نے بتلایا کہ شام کو جہاں آرا کی شادی ہے ـــــــ کیوں بھئی۔ اب تم کب شادی کر رہی ہو۔ کم از کم تم تو آگے پڑھ ڈالو۔ بے چاری جہاں آرا کو ماموں جان نے کالج سے نہ جانے کیوں اٹھا لیا تھا۔"

نجمہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ جب وہ اس قدر سادگی سے یہ سب کہہ رہے تھے تو میرا جی چاہا کہ دھاڑیں مار مار کر روؤں اور پھر ان کو قتل کر ڈالوں۔ آپا ان کے دُکھ میں رو رو کر زندہ درگور ہو گئیں اور یہ ان کی شادی میں کس قدر مطمئن اور بے نیاز نظر آ رہے تھے۔

ساتھ ہی اُوما کھڑی تھیں۔ دیوار سے لگی۔ اور عینک کے پیچھے سے آنکھیں جھپکا جھپکا کر رخصتی کا نظارہ ملاحظہ کر رہی تھیں۔

اب وداع کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ آپا کو گود میں اٹھا کر صدر دروازے تک لایا گیا۔ پھر رونا پیٹنا مچا۔ نیّر بھائی آپا کو پالکی میں بٹھانے لگے۔ اس وقت رونو میاں بھی قریب کھڑے تھے۔ شمّہ خالہ بولیں ایک ہی خرانٹ ہیں۔ جھک کر بولیں۔ "اے ہے رونو میاں۔ تم بھی تو بہن کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے رخصت کرو۔" اس وقت دیدی مجھے ایسا لگا جیسے سُرخ گٹھری بنی آپا سر سے پیر تک لرز کر رہ گئیں۔ چنانچہ رونو میاں نے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

آگے بڑھ کر ان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ سے کہا ALL THE BEST بی بی۔ اور جلدی سے پیچھے ہٹ گئے۔ نواب صاحب قریب کھڑے تھے۔ وہ چہرہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگے۔ دراصل اس وقت وہ زار و قطار رو رہے تھے۔ اور اسی بھیڑ بھڑکے میں ایک بڑی بی دوسری بڑی بی سے بولیں "ہائے ہے اسی طرح دُکھیا ملیحہ کو بھائی کی حیثیت سے قمر میاں نے رخصت کیا تھا۔"

باہر بینڈ بج رہا تھا۔ ہاں ایک بات بتانا تو بھول ہی گئی۔ میں، انجم اور اختر اس شادی سے اس قدر ڈیپریسڈ تھے جن دنوں شادی کی تیاریاں کی جا رہی تھیں تو میں نے سوچا کہ دل خوش کرنے کے لئے کچھ تو کیا جائے۔ چنانچہ سروجنی دیبی کی وہ نظم "پالکی بردار" ہے نا۔ کالج کی چند لڑکیوں کے ساتھ مل کر میں نے اس کا بیلے بنایا اور اسے رخصتی سے کچھ دیر پہلے ارجمند منزل کے جلسہ گھر میں پیش کیا۔ آپا کی پالکی سامنے ہی رکھی تھی۔ اور وہ تاج پور پہنچ کر بھی آپا اشٹمر گھاٹ سے بیس میل دور اپنی سسرال پالکی میں جائیں گی۔

ہمارا بیلے دیکھنے کے لئے سارے مہمان مرد عورتیں جلسہ گھر پر ٹوٹ پڑے۔ بہت سے اوپر جا کر روشندانوں سے جھانکنے لگے۔ بیحد پسند کیا گیا۔ دیدی یہ گویا میری پہلی پبلک پیش کش تھی۔ ابا بہت خفا ہوتے مگر وہ خوش قسمتی سے جل پائے گوڑی گئے ہوئے تھے۔ آپ کو معلوم ہے نا ابا بڑے قدامت پسند پکے مولوی ہیں۔

بھیڑ بھڑکے میں رونو میاں بھی جلسہ گھر کی ایک دیوار سے لگے "پالکی بردار" دیکھ رہے تھے۔ اُفّارا ان کے ساتھ کھڑی تھیں۔ وہ بڑے سوچ میں ڈوبے ہمارا رقص دیکھا کئے۔ جب بیلے ختم ہوا تو وہ بھیڑ چیرتے میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ بھئی تم تو کریوگرافی کا خوب صلاحیت رکھتی ہو۔ شاباش۔ کہاں سیکھ رہی ہو۔ میں نے جواب دیا۔ کہیں بھی نہیں۔ کہنے لگے مگر یہ تو بڑی زیادتی ہے۔ تم کو باقاعدہ یہ فن سیکھنا چاہیے۔ میں نے کہا ابا کی اجازت نہیں۔ حالانکہ میں شانتی نکیتن جانا چاہتی تھی وہاں ہماری دیپالی دیدی بھی ہیں۔

دیپالی کے نام پہ دیدی وہ مسکرانے لگے۔ بولے اچھا۔ تمہاری دیپالی دیدی وہاں ہیں۔ بہت خوب۔ کوشش کر کے تم وہاں ضرور جاؤ۔ اور ان کے چہرے پر ایک دم آپ کا نام سنتے ہی روشنی سی آ گئی۔

کیوں دیدی؟ کیا قصّہ ہے؟ چھپی رستم؟

جس وقت رونو بھائی مجھ سے باتیں کر رہے تھے اُدھر اُفّارا عینک کے گول گول شیشوں کے پیچھے سے کھڑی مجھے گھور رہی تھیں۔ میں تو بھیّا فوراً وہاں سے کھسک گئی۔ ارے بھئی آپ ہی سوچئے رونو میاں سے کیسے مطالب؟

دیدی سروجنی دیبی کے "پالکی والوں کا گیت" کتنا دلدوز ہے۔ پالکی چلے ہو ہو — پالکی چلے ہو ہو — گیتوں کی تھاپ پر پھولوں سی جھومتی۔ ندیا کے جھاگ پر چڑیا سی ڈولتی۔ پالکی چلے ہو ہو — ہنس ہنس ہم گاتے چلیں، تیز تیز، جلدی جلدی، گیتوں کی شبنم میں تارا سی پالکی، بھاٹا کی موجوں پر کرنوں کی لہریں۔ یا دلہن کے آنسو — سبج سبج پالکی چلے — پالکی چلے۔" سچ دیدی اس گیت پر بہت ہی موثر بیلے بنا۔ خوب تالیں بجیں۔ اس کے بعد آپا کو پالکی میں بٹھلا گیا۔ وہ بے چاری روتی بلکتی سسرال سدھاریں۔ جب ان کی پالکی ارجمند منزل کے پھاٹک سے باہر نکلی رونو میاں اس وقت لان پر ایک طرف کھڑے دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں معروف تھے۔ افسوس کو تو بس پیسے پہ رکھ کے مارے۔

اچھا دیدی بائی بائی   فقط

یاسمین مجید
سگن بگیچہ۔ ڈھاکہ
۲۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء

۳۲
کمل اور اکمل

اکتوبر ۱۹۴۳ء۔ تیسرا پہر۔ ارجمند منزل کا پچھلا برآمدہ۔ جہاں آرا، روزی، یاسمین، انجم آرا اور اختر آرا جڑے تخت پر بیٹھی ہیں۔ جہاں آرا، روزی کے تین ماہ کے بچے کو گود میں لئے کھلا رہی ہے۔ روزی۔ جہاں آرا کے ڈھائی ماہ کے بچے کی گاڑی پر جھکی "بے بی ٹاک" میں مشغول ہے۔ پھر وہ دونوں لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہتی ہے۔ "کلکتے میں میں نے لبنت سے کہا۔ جہاں آرا کے بیٹے کا نام اس کے باپ اجمل حسین کے نام کے وزن پر اکمل رکھا گیا ہے۔ میں اپنے بیٹے کا نام اکمل کے وزن پر کمل رکھوں گی۔ لبنت ہنسنے لگے۔ بولے۔ سنسکرت میں کسی شبد کا مخالف شبد بنانا ہو تو اس کے شروع میں ا لگا دیتے ہیں۔ دیکھو کہیں تمہارا اکمل کمل کا مخالف نہ ہو جائے!"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

جہاں آرا روزی کے بچے کو اس کے گدیلے پر لٹا کر کہتی ہے۔ "کیوں ماسٹر کمل! تم بڑے ہو کر میرے انکل سے لڑو گے؟"

نیر الزماں کا سوا سال لڑکا منور الزماں اپنے گڈو لنے کو برآمدے میں دھکیلتا پھر رہا ہے۔ تینوں بچوں کی آیائیں گٹ بنائے سامنے تالاب کی سیڑھیوں پر بیٹھی پان چبا رہی ہیں۔ روزی سانیال اپنے شوہر، بچے اور آیا کے ہمراہ چند روز قبل کلکتے سے ڈھاکے آئی ہے۔

"روزی آپا اپنی مہم کا قصہ تو سنائیے۔ جب آپ کل لیلی کالج پہنچیں تو کیا ہوا؟" اختر آرا پوچھتی ہے۔

"کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں کمل کو لے کر لیلی کالج گئی تھی۔ ماما کو کلکتے سے خط لکھ دیا تھا کہ پاپا کے ڈر کے مارے سیدھی گھر نہیں آؤں گی۔ ووڈلینڈز والے بسنت کے خاندانی دوست ہیں۔ نرلیندر رائے نے اصرار کیا تھا کہ ڈھاکے جاؤ تو ہمارے ہاں ہی اترنا۔ ڈھاکے پہنچ کر اسی شام ووڈلینڈز سے میں لیلی کالج گئی۔ ماما بے چاری سنگ سے راہ دیکھ رہی تھیں۔ سارا مشن کمپاؤنڈ پھاٹک پر جمع تھا۔ میں کمل کو لے کر لیڈی رائے کی کار سے اتری۔"

"بسنت بابو ساتھ گئے تھے؟" یاسمین مجید نے پوچھا۔

"نہیں۔ ماما تو روتی ہوئی آکر لپٹ گئیں۔ بیچاری نے پھولوں سے سارا گھر سجایا تھا۔ دعوت کا انتظام کیا تھا۔ میں اندر گئی تو بولیں تمہارے پاپا اپنے کمرے میں بیٹھے ہیں۔ چلی جاؤ کچھ نہیں کہیں گے۔ میں سہمی سہمی اندر گئی۔ پاپا کھڑکی میں کھڑے کچھ پڑھ رہے تھے۔ ماما نے کہا 'پال ۔۔۔!'"

"وہ کچھ نہ بولے۔ معلوم تھا میں دہلیز پر کھڑی ہوں۔ ماما نے پھر کہا۔ پال! خدا باپ کے ناشکرے نہ بنو۔ ایک سال ہوا تمہاری لڑکی اس طوفانی رات موت کے منہ میں جانے کے لئے گھر سے نکلی تھی۔ خدا باپ نے اسے زندہ سلامت رکھا۔ اسے برکت دو۔ دیکھو اس کے ساتھ ایک ننھا فرشتہ تمہارے گھر مہمان آیا ہے۔ (گڈ اولڈ ماما ۔۔۔! میں نے دل میں کہا) غرضیکہ پاپا شاید کیو CUE کے انتظار میں کھڑے تھے ذرا چہرہ سخت کر کے میری طرف مڑے۔ عینک ماتھے پر سرکائی۔ ذرا جھجک کر آگے بڑھے اور میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ کمل اپنی غوں غاں کرنے لگا۔ پاپا بولے۔ خدا باپ لمبی عمر کرے۔ اور پُر تکلف لہجے میں مجھ سے پوچھا ۔۔۔ کیا نام رکھا ہے؟ کمل میں نے جواب دیا۔"

"بسنت بابو کے لئے کچھ نہ پوچھا؟" جہاں آرا نے دریافت کیا۔

"نہیں۔"

"جی۔ خیر کچھ تو برف پگھلی۔" اختر آرا بولی

"بالکل پگھل گئی۔ کچھ دیر بعد پاپا نے کمل کو گود میں لیا۔ اس سے لاڈ پیار کرنے لگے۔ اس نے ان کا سوٹ بھی خراب کر دیا۔ مگر پھر وہ اسے اپنے سے الگ ہی نہ کریں۔ جب میں چلنے لگی پوچھا کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا میں ووڈلینڈز میں ٹھہری ہوں۔ کہنے لگے۔ کیوں؟ کیا یہ گھر تمہارا نہیں ہے؟ میں نے کہا۔ کل آجاؤں گی۔ چنانچہ دوسرے روز جو میں گئی تو وہ جیسے کمل کے انتظار میں باہر ہی ٹہل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر کھل اٹھے۔ ماما نے چپکے سے پوچھا۔ بسنت بابو کو نہ لیتی آئیں؟ میں نے جواب دیا۔ کل لاؤں گی آپ ذرا راستہ ہموار کر رکھئے۔"

"پھر لے کر گئیں بسنت بابو کو؟" یاسمین نے دریافت کیا۔

"نہیں۔ کل تو نہیں جا سکی۔ پرسوں نرسوں کسی روز لے جاؤں گی۔"

"اتنی دیر کیوں لگا رہی ہو روزی آپا؟ میں تمہاری جگہ ہوں تو فوراً لے جاؤں۔" یاسمین نے اپنی سابق استانی سے کہا۔

روزی چپ ہو گئی۔ اتنے میں ماسٹر اکمل حسین مرشد زادہ نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ پانچوں لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ جہاں آرا نے روزی سے کہا۔ "بسنت بابو کو آج ہی لیلی کالج لے جاؤ۔ روزی ۔۔۔"

"کل شام تو ہم لوگ سر پری توش سے باتوں میں لگ گئے تھے۔ میرے سسر بسنت کو دلی بھیجنے کی فکر میں ہیں کہ وہ وہاں رہ کر قانون کی پریکٹس شروع کریں۔ نئی دلی میں ان کی کوٹھی بھی ہے۔ اس کے کرائے دار کے جانے کا انتظار ہے۔ اسی سلسلے میں ضروری باتیں ہونے لگیں۔ اور آج شام کو سر پری توش اور لیڈی رائے نے ہم دونوں کے اعزاز میں ڈنر کیا ہے۔ اس لئے آج بھی نہ جا سکیں گے۔"

"سر پری توش اور ان کے ڈنر کی وجہ سے روزی تم اپنے ماں باپ کے گھر نہیں گئیں۔" جہاں آرا نے کہا۔

"جہاں آرا ۔۔۔" روزی نے آہستہ سے ذرا کوفت کے ساتھ جواب دیا۔ "اب میں بسنت کو وہ پھٹیچر لیلی کالج دکھلانا نہیں چاہتی۔"

جہاں آرا نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا ۔۔۔ "روزی۔ تم کو اب اپنے گھر سے شرم آتی ہے اپنے والدین کو اپنے POSH شوہر سے ملاتے بھی شرم آتی ہے۔ تم جھینپتی ہو کہ پادری بنرجی کی لڑکی ہو۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اسی وقت بیگم قمرالزماں اپنے کمرے سے نکلیں۔ ڈھاکے کی سُرخ پاڑ والی سفید ساری بنگالی طرز سے باندھے۔ بیحد نازک اندام آکر تخت کے کنارے پر ٹِک گئیں۔ کمل کو گود میں لے کر قریب آئی مالا کو ابرو سے اشارہ کیا۔ وہ اندر سے صندوقچہ نکال کر لائی۔ بیگم صاحبہ نے صندوقچہ کھول کر دو سَو ایک روپے کے نوٹ نکالے اور کمل کے گدیلے کے نیچے چُپکے سے سرکا دیئے۔

"اور سناؤ روزی۔ ماں باپ سے صلح صفائی ہو گئی؟" انھوں نے دریافت کیا۔

"جی ہاں۔"

"اچھا ہوا۔ اللہ مبارک کرے۔" لڑکیوں سے چند منٹ باتیں کرنے کے بعد بیگم قمرالزماں اندر واپس چلی گئیں۔

روزی نے قیمتی جارجٹ کی ساری پہن رکھی تھی اور نو نگے کا پورا سیٹ۔ مالا نزدیک آکر بڑے اشتیاق سے اس کے گہنے چھُو چھُو کر دیکھنے لگی۔ ارجمند منزل کی خواصوں کے لئے بیچارے غریب پادری صاحب کی بٹیا کی بڑے گھرانے میں شادی نہایت اہم واقعہ تھی۔ خواصوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ پادری صاحب سے شادی سے پہلے روزی کی ماں گری بالا ارجمند منزل میں ماماگیری کر چکی تھیں۔ ان سب کو وہ قصہ معلوم تھا۔ کس طرح ایک غریب برہمن بال ودھوا سسرال والوں کے مظالم سے بچنے کے لئے فرید پور کے ایک گاؤں سے بھاگ کر اپنے زمیندار آقا نواب قمرالزماں چودھری کی پناہ میں ارجمند منزل پہنچی تھی۔ یہاں برتن مانجھنے کے کام پر لگادی گئی تھی۔ کس طرح نواب صاحب نے اسے اپنے نوعمر بیٹوں کی عنایات سے بچانے کے لئے انگریز لاٹ پادری کی میم کے حوالے کر دیا تھا۔ جس نے اسے عیسائی کر کے اس کی شادی نوجوان کالے پادری بنرجی سے کر دی تھی ــــ روزی کو بھی ماضی کی ان تلخ حقائق کا شدّت سے احساس تھا۔

ملازمہ مالا مو صاحب خاص کی حیثیت رکھتی تھی اور صاحبزادیوں کی گپ شپ میں حصہ لیتی تھی۔ اس نے روزی سے پوچھا۔ "یہ سب سسرال سے ملا ہے بی بی؟"

"ہاں۔ مالا۔"

"کیا کیا ملا؟"

"ایک سیٹ ہیرے کا۔ سات جڑاؤ اور سادے۔ یہ والا سیٹ ہماری شادی کی پہلی سالگرہ پر کمل کے ڈیڈی نے دیا ہے۔"

"اللہ مبارک کرے۔"

(مسز ایستھر گری بالا بنرجی نے اپنے گلے کی باریک طلائی زنجیر جس میں ننھی سی صلیب آویزاں تھی اور کانوں کے مختصر سے پھول اور چار باریک چوڑیاں اتار کر اس کے لئے رکھ لی تھیں۔ جب لدھیانہ مشن کے مسٹر لوتھر بسواس سے اس کا رشتہ طے ہوا تھا۔ اور پچھلے سال جب روزی نے کلکتے سے ان کو اپنی شادی کی اطلاع بھیجی تو مسز بنرجی نے گھر کے خرچ میں سے تھوڑے تھوڑے پیسے بچا کر اپنے بنائے ہوئے اچار مربّے میز پوش اور سوئیٹر بیچ بیچ کر روپیہ جمع کیا۔ اور ساری عمر کی گرہستی میں جو چند تھوڑے سے انھوں نے پس انداز کئے تھے ان کو اس رقم میں ملا کر ڈھاکا کا مخصوص کھوکھلے سونے کا ایک سیٹ [illegible] بنائیں۔ اور تین ریشمی ساریاں۔ ان کی اپنی شادی میں ان کے انگریز مربّی رائٹ ریورنڈ والفرڈ براؤن اور مسز براؤن نے چاندی کا ٹی سیٹ دیا تھا۔ انھوں نے اسے بھی روزی کے لئے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ یہ سب چیزیں جب روزی پہلے روز لِلی کاٹیج گئی تو انھوں نے ایک سوٹ کیس میں رکھ کرا سے دیں۔ روزی سانیال نے آج ارجمند منزل میں اپنی بلند مرتبت سہیلیوں سے اور مالا سے اس کم مایہ جہیز کا ذکر نہ کیا)

ارجمند منزل کی ایک باندی چاء کی کشتی لے کر حاضر ہوئی۔ جہاں آرا نے اکمل کو اختر آرا کی گود میں دیا اور چاء بنانے میں مصروف ہو گئی۔

نواب قمرالزماں چودھری باہر تشریف لائے۔ پانچوں لڑکیاں تعظیماً کھڑی ہو گئیں۔ انھوں نے روزی سے بات کی۔ اس کے بچّے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کیا نام رکھا ہے؟"

"کمل کمار سانیال۔"

"اکمل کے وزن پر۔" اختر آرا نے خوشی سے کہا۔ اور بسنت کمار سانیال کی کہی ہوئی بات دہرائی کہ کسی لفظ میں 'ا' کی اضافت اس لفظ کا الٹ ظاہر کرتی ہے۔

"کیوں بے؟ میرے اکمل سے لڑے گا؟ کان کھینچوں گا۔" نواب صاحب نے خوشدلی سے کہا۔

"جی نہیں نواب صاحب ـ!" روزی نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اکمل کمل کا مخالف ہے تو وہ اس سے ــــ میرے کمل سے لڑے گا۔"

"دونوں کے کان کھینچوں گا۔ بدمعاش کہیں کے ـــ!" پھر نواب صاحب ٹہلتے ہوئے برآمدے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

نیچے اتر گئے۔ اور پائیں باغ کی روشوں پر چہل قدمی کرنے لگے۔ کچھ دیر قبل قمرالزماں کی دلہن ایک سَو ایک کے نوٹ کمل کے گدیلے کے نیچے سرکا گئی تھیں۔ جہاں آرا نے چاندی کے ننھے منّے برتنوں، نقرئی جھنجھنوں، بیش قیمت انگریزی کھلونوں اور کپڑوں سے بھرا سوٹ کیس مع ایک سَو ایک روپے کے دیا تھا۔ سوٹ کیس تخت کے نزدیک رکھا تھا۔

"نوٹوں کا رَین! " روزی نے چار پیتے ہوئے شگفتگی سے کہا۔ "دیکھو ہر طرف سَو سَو کے نوٹ بکھرے پڑے ہیں۔"

روزی کے اس جملے سے تینوں نوابزادیاں اور یاسمین جھینپ گئیں۔ روزی بطور مسز نیال اپنی نئی دولتمند حیثیت سے بیحد سرور تھی۔ یاسمین کو بہت مایوسی ہوئی۔ شاید روزی آپا تھوڑی سی بددماغ بھی ہوگئی ہیں۔ وہی روزی جو آج سے صرف سال بھر قبل سر پر کفن باندھ کر میدان کارزار میں کود پڑی تھی۔ پولیس کی لاٹھیاں کھائی تھیں۔ جیل میں، معافی مانگنے سے انکار کیا تھا۔ دولت، مرتبہ اور آسائش انسان کی اتنی جلدی کایا پلٹ دیتے ہیں؟ اب یہ کس مربّیانہ انداز میں مجھ سے باتیں کر رہی ہیں کیونکہ میں محض ایک غریب مولوی کی لڑکی ہوں۔ یہ بھی بھول گئیں کہ سال بھر قبل تک پندرہ روپے ماہوار پر مجھے ٹیوشن دیتی رہی ہیں۔ یاسمین نے سوچا۔

عین اسی لمحے روزی نے اسے مخاطب کیا۔ "ارے یاسمین اب تم بھی جھٹ پٹ شادی کر ڈالو۔ دیپالی کو بھی چاہئے بیاہ کرے۔ اور نکلے اپنے اس ڈیپرسنگ جندر کنج سے۔"

"وہ دیپالی دیدی کا گھر ہے روزی آپا۔ اور وہ ان کے لئے شاید بالکل ڈپریسنگ نہیں ہے۔" یاسمین نے نرمی سے جواب دیا۔

"نون سنس۔ شادی سے پہلے ماں باپ کا گھر لڑکی کے لئے قید خانہ ہوتا ہے۔ آزادی تو شادی کے بعد ملتی ہے۔ خودمختاری کی زندگی۔ کیوں جہاں آرا؟"

جہاں آرا مسکرا کر خاموش رہی۔

روزی نمائش پسند، چھچھوری اور بددماغ ہونے کے علاوہ ذرا سی بے وقوف بھی ہوگئی ہے۔ جہاں آرا نے افسوس کے ساتھ سوچا ــــ اور اسے ایک نہایت کمینہ خیال آیا۔۔۔ آخر ہے تو ہماری پرانی نوکرانی کی اولاد ــــ دوسرے لمحے اسے اپنے اس خیال پر ندامت ہوئی۔ اس نے جلدی سے کہا۔۔۔

"ارے دیپالی کا بیاہ ہوگا تو دیکھنا میں کیسی دھوم دھام کروں گی۔ اس کے بابا تو کچھ کرنے سے رہے۔ سادھو آدمی ٹھہرے۔ میں دو مہینے پہلے سے دیناج پور سے آجاؤں گی۔ سارا انتظام خود کروں گی۔ مگر وہ روزی کی طرح چھپ کر کسی سے بیاہ نہ کر لے ــــ سِول میرج ــــ"

"آپا تم اپنے ہاتھی بھی لیتی آنا۔ دیناج پور سے" انجم آرا نے لقمہ دیا۔

"ضرور۔ ہاتھی گھوڑے پالکی سب لاؤں گی۔ مگر دیپالی کوئی مرغا ڈھونڈے تو سہی جیسے روزی نے ڈھونڈلیا۔"

"دیپالی ہے کہاں؟ تم سسرال سے آئی ہوئی ہو۔ کیا تم سے ملنے اسے نہیں آنا چاہئے تھا؟" روزی نے ذرا بلندی سے ترش لہجے میں کہا۔

"آپا کے ڈھاکہ آنے سے پہلے ہی دیپالی دی ریڈیو پروگرام کے لئے دلّی بلالی گئیں۔ آج کل یہ خبر گرم ہے کہ اُدما رائے ڈاکٹر سرکار سے بیاہ کرنے والی ہیں۔ شاید دیپالی دی کو یہ بات پسند نہ ہو۔ اور اسی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ گھر سے دور رہتی ہوں۔" اختر آرا نے کہا۔

"ڈاکٹر سرکار سے ــــ؟ اُدما رائے ــــ؟ میں نے تو وُوڈلینڈز میں کوئی تذکرہ نہیں سنا۔" روزی نے حیرت سے کہا۔

"کیوں ــــ؟ ادما رائے جیسی ہیں ویسی ہیں۔ ڈاکٹر سرکار نے انہیں قبول کرلیا تو ادما دی کی خوش قسمتی ہوگی۔ مگر دنیا یہی سمجھے گی کہ ڈاکٹر سرکار نے اُدما رائے کی دولت سے شادی کی ہے۔" جہاں آرا نے جواب دیا۔ انجم آرا اٹھ کر اندر گئی اور ایک قیمتی ولایتی کھلونا لا کر کمل کے قریب رکھ دیا۔

"ہائے تم لوگوں نے کتنی پیاری پیاری چیزیں کمل کو دی ہیں۔" روزی نے تینوں نوابزادیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"ڈونٹ بی سِلی۔" جہاں آرا بولی۔

تخت کے کنارے بیٹھی ہوئی یاسمین نے سوچا۔ میرا تحفہ ان سب تحائف کے مقابلے میں حقیر اور کم قیمت ہے۔ مگر میں نے کتنے پیار سے بچّے کے یہ دو فراک سی کر انہیں دیے ہیں۔ انھوں نے میرے پریزنٹ کا ذکر تک نہیں کیا۔ اب وہ دوستی کو تحائف کی قیمت سے ناپا کریں گی؟

"لیڈی ارجنا رائے نے تو بس ایک چیک دیدیا ہے۔" روزی بے پروائی کے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کو کمل کے نام جمع کروالوں۔ ویسے تو اس کے ٹھاکر دادا نے اس کے پیدا ہوتے ہی بنک میں اس کا اکاؤنٹ کھول دیا ہے۔"

بے چاری روزی نئی نئی دولت پا کر بوکھلا گئی ہے۔ چاروں لڑکیوں نے سوچا۔

برآمدے سے موٹر آن لگی۔ اور نواب اجمل حسین مرشد زادہ چوڑی دار پائجامہ، سیاہ شیروانی، ترکی ٹوپی نیچے اترے۔ برآمدے میں آ کر وہ تخت کے قریب ذرا سا ٹھٹھکے۔ جہاں آرا نے روزی سے ان کا تعارف کرایا۔ انہوں نے ذرا گھبرا کر "آداب عرض۔ آداب عرض۔ مزاج شریف ___؟" کہا اور زینے کی سمت چلے گئے۔

یہ پان چباتے، بھدے، حبشی نما، بدہیئت مہرک فیل جاگیردار جہاں آرا کے خدائے مجازی! روزی سوچ رہی تھی۔ اسرار خداوندی! میں جہاں آرا کو کتنا خوش قسمت سمجھا کرتی تھی اور خود کو کتنی بدنصیب۔ مجھے لبنت کمار سانیال جیسا دلکش اور اسمارٹ شوہر ملا۔ جہاں آرا بے چاری کی تقدیر میں نواب اجمل حسین لکھے تھے۔ اسرار ربانی!

نواب قمر الزماں پائیں باغ میں ہوا خوری کر کے برآمدے کی طرف آ رہے تھے۔

"ارے بھئی بیگم ___ ذرا یہاں آئیے گا۔ میری سفید شیروانی کہاں ہے۔" اوپر زینے پر آ کر نواب اجمل حسین نے آواز دی۔

"جی ابھی آئی۔"

"اور تازہ پان ___"

"جی۔ آتی ہوں ___" جہاں آرا نے فوراً اکمل کو تخت پر لٹایا۔ اور چپل پیروں میں ڈال کر بسرعت زینے کی طرف بھاگی۔

نواب قمر الزماں اس وقت برآمدے میں پہنچ کر گیلری کی جانب جا رہے تھے۔ انہوں نے کرب کے ساتھ جہاں آرا پر نظر ڈالی۔ بے زبان مہر چودھری کی بے زبان بھتیجی! اسی کی طرح بتی ورتا! ملیحہ کی شادی ایک غریب کسان، سولوی کے ساتھ کر دی گئی تھی۔ وہ اس سے نباہ لے گئی۔ لیکن یہ کالج کی تعلیم یافتہ لڑکی بھی اس زبردستی کے بے تکے رشتے کو کس سلیقے سے نباہ رہی ہے۔ میں تجھ سے شرمندہ ہوں بچی! اور اپنی مجبوریوں سے شرمندہ ہوں۔ میں تو ساری عمر ملیحہ سے بھی نادم رہا تھا۔ مگر میری ندامت سے ملیحہ کے لئے کیا فرق پڑا؟ میری شرمندگی یا پشیمانی سے تیرے لئے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تو مرتے دم تک اپنے اس نامعقول

خدائے مجازی کی اسی طرح خدمت کرتی رہے گی۔ میری بچی ___ میری بے چاری بچی ___ کاش ___ کاش میں نے ریحان سے تیرا بیاہ کر دیا ہوتا ___ شاید میں ملیحہ کی روح کے سامنے بھی سرخرو ہو سکتا ___ کاش ___ کاش۔ وہ آہستہ آہستہ گیلری میں سے گزرتے اپنی جائے پناہ ___ اپنے کتب خانے کی طرف چلے گئے۔

دو ڈلینڈز سے مسٹر لبنت کمار سانیال کا فون آیا "تھوڑی دیر میں مسز سانیال کے لئے کار بھیج دی جائے گی۔" نیر الزماں نے برآمدے میں آ کر روزی سے کہا۔

روزی کی آیا تالاب کی منڈیر سے اٹھ کر آئی۔ اور کمل کا سامان اور تحائف پیک کرنے میں مصروف ہو گئی۔ کمل اور اکمل دونوں برابر گدیلوں پر پڑے بے خبر سو رہے تھے۔ ڈھائی تین ماہ کی دو مختصر، کمزور، نازک ننھی منی سی جانیں۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ تالاب کا پانی گلنار ہو گیا۔ گلاب خاص کے نیچے رکھے "وکرم آدتیہ کے سنگھاسن" کی رنگین مورتیاں کرنوں میں جھلملا اٹھیں۔

جھٹ پٹے کا وقت گھروں کے اندر بہت ڈیپریسنگ ہو سکتا ہے۔ نواب قمر الزماں گھبرا کر اپنے کتب خانے سے پہلو کے باغ میں اتر گئے اور ٹہلتے ہوئے تالاب کے کنارے آ کر "راج سنگھاسن" پر ٹک گئے۔

برآمدے میں تخت پر لیٹے دونوں بچے سوتے میں کنمنائے۔

سنا ہے جب ننھے بچے کوئی پیارا سا خواب دیکھتے ہیں تو کنمناتے ہیں۔ یاسمین نے مسکرا کر بچوں پر نظر ڈالی۔ اسی لمحے اس نے دل ہی دل میں روزی کے نئے کمینے پن اور نو دولتے پن کو معاف کر دیا۔ اور اپنی فطری نیک دلی سے اسے مخاطب کیا۔ "روزی آپا ___! آپ نے یہ نام خوب سوچا۔ کمل بروزن اکمل ___! اور دونوں ایک مہینے ___ ایک سن کی پیدائش ___! دو نئے ہندوستانی!"

"انسان ___ جدید ترین موڈل ___" روزی نے کہا۔

دونوں لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"روزی آپا ___ سروجنی دیبی کی ایک نظم ہے۔" فنکار یاسمین کمل اور اکمل کو دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ بولی ___

"سو جاؤ میرے بچو ___
صبح تک کے لئے محفوظ و مامون
سوتے رہو

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کہ ہمارا رت جگا بہت طویل ہے۔
جتنی دیر تم سوؤ۔ ہم۔ ہم کھیتی بوئیں گے
ہم آرزوؤں، اور رنجوں اور آنسوؤں سے بھرپور سپنے بوتے ہیں۔
تاکہ جب تم جاگو تو ان کی فصل کاٹ سکو
بچو ــــ
صبح ہوتی ہے۔ رات گذر گئی۔
ہماری مشقت ختم ہوئی ــ ہماری کھیتیاں لہلہا رہی ہیں
ہمارے ہاتھ کمزور تھے
لیکن اندھیارے میں ہم نے تمہاری آنے والی شان و شوکت کے خواب دیکھے۔
تمہارے بچوں کو اپنے آنسوؤں سے سینچا ــ ہمارا رت جگا ختم ہوا۔
جاگو بچو
ہم نے سپنوں کی جو فصل تمہارے لئے بوئی ہے
اس کے صلے میں
ہماری محنتوں کے ثمر کو
تم توصیف سے یاد کرو گے
یا دُکھ سے؟
ہمیں ملزم ٹھہراؤ گے۔ یا ہمیں معاف کر دو گے۔؟"

یاسمین مجید نے سر اٹھایا۔ نواب قمر الزماں برآمدے میں آ چکے تھے اور تخت کے قریب کھڑے غور سے سن رہے تھے۔ انہوں نے یاسمین کے سر پر ہاتھ رکھا اور چُپ چاپ واپس اندر چلے گئے۔

پائین باغ کے درخت شام کی سنہری ہوا میں لوریاں گنگنا رہے تھے۔
کمل اور اکس بے خبر سویا کیے۔

۳۴

برڈز آف پیراڈائیز

"اگر تمہارا وہ خط مجھے صرف ایک دن پہلے مل گیا ہوتا تو شاید ہم لوگ آج یہاں نہ ہوتے۔" دیپالی نے کہا۔

ہسپانوی لباس پہنے مسٹرلیس سرسوتی نے کیلے کے جھنڈ میں سے نکل کر قہوے کی کشتی میز پر رکھی۔ ایک برڈ آف پیراڈائیز رین ٹری کی شاخوں سے اتر کر نیچے آئی اور گھاس پر چلنے لگی۔ یاسمین اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ پہاڑی کے نیچے اسپینش کولونیل وضع کے بنگلے میں سے کلیپسو میوزک کی آواز آنے لگی۔ "شونو کی گرل فرینڈ سان فرنینڈو سے آئی ہوئی ہے۔" دیپالی نے کہا۔ پانی کی ایک بوند ٹپ سے میز پر آن گری۔ یاسمین نے اوپر دیکھا۔ بادل کریبین پر سے سرکتے ٹیلے کی سمت آ رہے تھے۔ چوڑے پتوں اور موٹے تنے والے رین ٹری کے جھرمٹ میں شفاف نالہ بہہ رہا تھا۔ سر پر سرخ بندھنی والا بندانا باندھے اسکرٹ میں ملبوس ایک ایسٹ انڈین عورت نالے کے کنارے کپڑے دھو رہی تھی۔ سامنے ایک درخت پر بنے ٹری ٹاپ ہاؤس پر بورڈ لگا تھا ــــ ڈاکٹر منوئے چندر سرکار، پلانٹیشن میڈیکل آفیسر، ڈسپنسری۔ اس درخت کے نیچے بھی پرندِ فردوس اڑتے پھر رہے تھے۔ چند مریض جمع تھے۔ چینی ایسٹ انڈین نیگرو۔ اپنی اپنی جنتوں سے نکالے ہوئے انسان۔ آدمی کی عادت ہے اسے اس کی جنت سے نکالو تو وہ اپنے لئے بڑی جلد ایک اور جنت بنا لیتا ہے۔

"دیدی۔ کیا ہوا تھا۔؟" یاسمین نے کمزور آواز میں پوچھا۔

"ماسٹر کا فون۔" مسٹرلیس سرسوتی نے بنگلے کے برآمدے سے آواز دی۔ دیپالی نے کہا: "ابھی آئی۔" اور اٹھ کر بنگلے کی سمت چلی گئی۔ مسٹرلیس سرسوتی باہر آ کر کرسی پر بیٹھیں۔ اور بولیں: "ہمارا میم صاحب کہتا ہے تم ڈانسر ہے۔ پاکستان سے آیا ہے۔" "ہاں مسٹرلیس سرسوتی۔ ہم تمہارا میم صاحب کو بہت زمانے سے جانتا ہے۔" یاسمین نے بنگلا اردو میں جواب دیا۔ "ہم اور دیپالی میم صاحب ایک ہی کنٹری کا رہنے والا ہے ــ مطلب ــــ پہلے ایک ہی کنٹری تھا۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"تم سینما میں بھی ناچتا ہے ؟ جیسے مس گڈو ۔" مسز لیس سرسوتی نے کھڑے ہو کر دو تین چک پھیریاں لیں ۔ یاسمین کھلکھلا کر ہنس پڑی ۔

سرخ بندا نا والی عورت اسکرٹ گھماتی کپڑوں کی ٹوکری کمر پر رکھے نالے کی طرف سے آئی ۔ گارڈن امبریلا کے قریب پہنچ کر اس نے ٹوکری گھاس پر رکھی اور مسز لیس سرسوتی کے ساتھ ناچنے لگی ۔ اب وہ دونوں ہپانوی رقص کر رہی تھیں ۔ سمرسٹ ماہم کے کسی قبل از جنگ استوائی سیٹنگ کے ناول کا سین ۔ یاسمین نے آنکھیں ملیں ۔

سرخ بندا نا والی عورت نے گلے میں پنجتن پاک کا بڑا سا تعویذ پہن رکھا تھا ۔ وہ مسز لیس سرسوتی سے زیادہ خوبصورتی سے ناچ رہی تھی ۔ دیپالی بنگلے سے واپس آئی ۔ کرسی پر بیٹھ کر چائے بنانے لگی ۔

کتنی بے فکری کی زندگی ہے یہاں یاسمین نے سوچا ۔ "یہ لڑکی بہت اچھی ڈانسر ہو سکتی ہے ۔ کون ہے ؟" یاسمین نے پوچھا ۔

"مسز لیس خیر النسار ؟ بابا کے کمپاؤنڈر شرافت علی کی بیوی ۔" دیپالی نے جواب دیا ۔

مسز لیس خیر النسار نے عقیدت سے پوچھا ۔ "آپ پاکستان سے آیا ہے ؟"

"ہاں ۔" یاسمین نے جواب دیا ۔

"آپ نے نورجہاں کو دیکھا ہے ؟"

"کون نورجہاں ؟"

"میرے لئے جہان میں چین ہے نہ قرار ہے ۔" مسز لیس خیر النسار نے گا کر جواب دیا ۔ "خاندان موُوی والا ۔ ہم نے سب موُویز دیکھی ہیں ۔ کنگن ۔ بندھن ۔ گاجی صلاح الدین ۔ سکندر ۔ جندگی ہے پیار سے پیار میں بتائے جا ۔ عشک کے حجور میں اپنا سر جھکائے جا ۔"

"مگر یہ تو بہت پرانی فلمیں ہیں ۔" یاسمین نے کہا ۔

"بس وہی یہاں چلتا ہے ۔ اور دو نئی فلم دیکھا ۔ انداج اور برسات ۔" مسز لیس سرسوتی نے جواب دیا ۔

"ہم لوگ مس صاحب یہ موُویز دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے ۔ ہمیں پتہ چلا ہے ہمارا دلدار کنٹری ایسا ہی ہو گا ۔" مسز لیس خیر النسار نے اداس آواز میں کہا ۔

دیپالی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ وہ دوسری طرف دیکھنے لگی ۔

"فرگٹ اِٹ ۔ دیدی ۔" یاسمین نے کہا ۔

"تم بہت خوش ہو ۔ تم دنیا کے TOP پر ہو ۔ ورلڈ ٹور پر نکلی ہو ۔ اپنے ملک کی مشہور ڈانسر اور ڈھاکہ اب بھی تمہارا وطن ہے ۔" دیپالی نے ذرا ترشی سے جواب دیا ۔

"سوری دیپالی دی ۔" یاسمین نے کہا ۔ واقعی میں بہت مسرور ہوں ۔ ساری دنیا اب میرے قدموں میں ہے ۔ کامیاب کریر ۔ ان گنت مداح ۔ گلیمر ۔ سلیبرٹی ۔ شہرت ۔ ان بے چاری دیپالی دیدی کو کیا ملا ۔ ؟ اور جہاں آرا آپا کو ۔ ؟ محض مایوسی ۔ لیکن مجھے روزی سانیال کی طرح اپنی کامیابی پر مغرور نہیں ہونا چاہئے ۔" گو میں نے اپنی کامیابی کی بھاری قیمت ادا کی ۔ اپنے آپا کو ڈیفائی کیا ۔ مگر آرٹسٹ کی لگن ۔" اس نے باآواز بلند اضافہ کیا ۔

"بوُش ۔" دیپالی بولی پھر اچانک چپ ہو گئی ۔

شاید یہ مجھ سے جلنے لگی ہیں ۔ انہیں اب کون جانتا ہے ۔ مجھے ساری دنیا جاننے لگی ہے ۔ جیرلڈ کہتا ہے اگر کوشش کی جائے تو میں اپنے "موڈرن اور نیشنل بیلے" کا نیویارک میں باقاعدہ اسٹوڈیو قائم کر سکتی ہوں ۔ مگر ابھی یہ بات ان کو نہیں بتاؤں گی اور جل جائیں گی ۔ کیا پتہ لاشعوری طور پر متعصب بھی ہوں ۔ بہرحال ایسٹ پاکستان سے ان کو نکلنا ہی پڑا ۔ نہیں ۔ پرانی مارکسسٹ ہیں ۔ متعصب تو شاید نہیں ہیں ۔ اتنی پرانی دوست ہیں ۔ اگر ان کو یہ بتا دوں کہ ہینڈسم ، مشہور انگریز فیشن ڈیزائنر جیرلڈ بلونٹ سے شادی کرنے والی ہوں تو شاید اور حسد کریں ۔ نہیں بتاؤں گی ۔ نظر لگ جائے گی ۔ پری نژاد جیرلڈ ایک طرف ۔ بے مثال یونانی مجسمہ ۔ اور ایک طرف ان بے چاری کے موٹے کالے للت موہن سین ۔ وہ تو جہاں آرا آپا کے میاں سے بھی گئے گذرے ہیں ۔

سرسوتی اور خیر النسار گھاس پر بیٹھی ایک اجنبی زبان میں گفتگو کر رہی تھیں ۔ شونو نے بنگلے کے برآمدے میں آ کر آواز دی ۔ "دیدی ۔ آپ کا فون ۔" دیپالی پھر اٹھی اور عمارت کی طرف چلی گئی ۔

سرسوتی نے آہستہ سے پوچھا ۔ "مس صاحب ہمارا میم صاحب رو کیوں رہا تھا ؟ ہم نے دیکھا ہے وہ کبھی کبھی ایسے ہی بیٹھے بٹھائے رونے لگتا ہے ۔"

"معلوم نہیں ۔ مسز لیس سرسوتی ۔ شاید ۔ شاید ان کو اپنا کنٹری یاد آتا ہے ۔ اور ۔ اور ۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"اور کون ——— ؟"

یاسمین نے جلدی سے بات بنائی۔" وہ — مسز لیس سرسوتی ادھر ڈھاکہ میں دیدی کا ایک فرینڈ تھا۔ جہاں آرا بیگم ——"

"جہاں آرا بیگم ——!" مسز لیس خیر النسا نے خوشی سے دہرایا۔ "بادشاہ کا بیٹی ؟"

"نہیں۔ ایک معمولی سے نواب کا بیٹی ۔"

"پھر کیا ہوا —— کیا ہوا ——؟" دونوں عورتوں نے بے صبری سے پوچھا۔

"جہاں آرا بیگم کا لو اسٹوری بہت ٹریجک تھا۔ اُسی کو یاد کر کے تمہارا میم صاحب دُکھی ہو جاتا ہوگا ۔"

"کیا ہوا ؟ — کیا ہوا ؟ — عاشق معشوق کی ——؟" سرسوتی نے پوچھا

خیر النسا نے سوال کیا۔" عسک مجاجی تھا یا عسک حکیکی — ؟ ہیرو کون تھا ——؟"

یہ عورتیں بے حد سنیما دیکھتی تھیں۔

"خیر النسا شاید عسک مجاجی اور حکیکی دونوں تھا۔ جہاں آرا آپا اپنے کزن کو لو کرتا تھا وہ اُس کو ۔"

"سمجھ گیا۔" مسز لیس سرسوتی نے طمانیت سے کہا۔

"پھر اُن کا کزن اُن کو چھوڑ کر بھاگ گیا ۔"

"کیوں —؟ سچ سچ ۔ ہائے ہائے۔ ہائے رے ۔"

"آئیڈیالوجی کی خاطر ——"

"آئیڈیالوجی — کیا —؟" خیر النسا نے دریافت کیا۔

"مطلب — مطلب —— ایسا کہ — غریب امیر سب برابر ہونا چاہیے۔ ہیرو امیر لوگ کو HATE کرتا تھا —— ہیروئن بہت امیر تھا —۔ اُس زمانے میں خیر النسا ۔ لڑکا لڑکی آئیڈیالوجی کی خاطر ایک دوسرے کو چھوڑ دیتا تھا ——"

"تب تو وہ پاگل لوگ تھا۔" سرسوتی نے کہا۔

"ہاں ۔ ایک دم پاگل ۔ اور اگر سوچو تو —— تو ہم بھی پاگل ہے ۔ ہم نے آئیڈیالوجی کی خاطر

ڈانس سیکھا۔ کہ ہمارا دیش میں کلچر خوب پھلے پھولے۔ ہم نے اس کے لیے بہت محنت کیا۔ بہت کوشش کیا۔ ہمارا ایک انکل کا دوست سنٹرل منسٹر — تھا۔ اس نے ہمیں فارن ٹور پر بھجوایا — پاکستان گورنمنٹ نے —"

"کون گورنمنٹ ——؟" سرسوتی نے پوچھا۔

"ہمارا اپنا پاکستان گورنمنٹ ۔ تم لوگ تو ابھی برٹش کولونی ہے ۔"

"کولونی ہے تو ٹھیک ہے ۔ آرام سے ہے ۔"

"آہا۔ تمہاری مینٹلٹی اب تک کولونیل ہے ۔" یاسمین نے حقارت سے کہا۔ بے چاریاں غلاموں کی اولاد۔ خود غلام ۔

"اور تمہاری مینٹیلٹی کیا ہے ؟" سرسوتی نے چمک کر پوچھا۔ نیو ورلڈ میں پیدا ہو کر ہندی نژاد مزدور بھی نڈر ہو جاتے ہیں۔ اور بے ادب ۔ اب ان جاہلوں سے کون بحث کرے ۔ وہ چُپ ہو گئی۔

دیپالی واپس آئی ۔" میرے شوہر کا فون آیا تھا کہ تم سے کہہ دوں ۔ انہوں نے کل رات کو تمہارے ڈانس کا پروگرام گورنمنٹ ہاؤس میں رکھوا دیا ہے — گورنر جنرل کے لیے ——"

"گورنر جنرل کے لیے — ؟" یاسمین نے خوشی سے اچھل کر دہرایا۔ مسز لیس سرسوتی زیر لب مسکرائی۔ قہوے کی ٹرے اٹھا کر بنگلے کی طرف چلی ۔ یاسمین نے اس کی طنزیہ مسکراہٹ دیکھی اور جھینپ گئی ۔

"اچھا اب ہم بھی چلتا ہے —" خیر النسا نے کہا۔ سر خم کر کے مسکرائی اور کپڑوں کی ٹوکری اٹھا کر شاگرد پیشے کی سمت روانہ ہو گئی ۔

"عجیب مسخری عورتیں ہیں ۔" یاسمین نے اظہار خیال کیا۔" تم کن لوگوں میں آ پھنسیں ۔"

"بہت بھلے لوگ ہیں ۔" دیپالی نے جواب دیا۔ "انہیں یقیناً ہم اور تم مسخرے لگتے ہوں گے۔ اپنی سرزمین کو چھوڑے انہیں سو سال سے اوپر ہو گئے ۔ اب تک اسے یاد کرتے ہیں۔ یہ خیر النسا اور سرسوتی ان دونوں کے پُرکھے یو۔پی کے ضلع اعظم گڑھ سے آئے تھے۔ سو سال پہلے۔ جب انگریزوں نے یہاں اپنے نیگرو غلاموں کو آزاد کیا تھا۔ تب ان کی جگہ اپنے نئے ہندوستانی غلام یہاں منگوائے تھے ۔ اب یہ آدھے اسپینش آدھے ایسٹرن یو۔پی کے ہندو یا مسلمان آدھے برٹش ہیں ۔ سترہویں صدی کے انگریزی الفاظ یہاں رائج ہیں۔ پچ میل زبانیں ۔ یہ بے چارے اب تک بھی قلی کہلاتے ہیں۔ مگر یہ بڑے ذہین لوگ ہیں انہیں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

معمولی مت سمجھنا ـــ"

"دیدی۔ کہاں سے کہاں بات نکل گئی۔ کچھ دیر ہوئی میں نے آپ سے پوچھا تھا ـــ کیا ہوا تھا؟ اس کا جواب تو دیجئے۔ مجھے اب تک معلوم نہیں۔ کیا ہوا تھا ـــ ذرا سوچنے کی بات ہے۔ ۱۹۴۳ء کے بعد آپ سے اب ملاقات ہوئی ہے ـــ اور اس اجنبی دور افتادہ جگہ ـــــــ آخر ہوا کیا تھا ـ؟"

دیپالی نے ایک برڈ آف پیراڈائز کو دیکھ کر کہا ـــ "دیکھو یہ کتنے خوب صورت پرندے ہیں ـ"

"دیدی ـ پلیز ـ بات مت ٹالئے" "یاسمین بھائی تم تو ہمیشہ کی نوزی پارکر ہو!"

"پوری بات بتائیے نا ـ آپ سن بیالیس میں جب جہاں آرا آپا کی شادی ہوئی اس کے بعد کبھی اُن سے ملی کیوں نہیں؟ وہ جب بھی دیناج پور سے ڈھاکہ آتیں آپ کے لئے معلوم کراتیں ـ اطلاع ملتی کہ شانتی نکیتن میں ہیں یا ریڈیو پروگرام کے لئے کلکتہ گئی ہوئی ہیں ـ"

"نہیں ـ میں چند ایک بار جہاں آرا سے ملی تو تھی ـ دراصل اس سے نظریں چار کرتے ہوئے مجھے احساسِ جرم ستاتا تھا ـ"

"آخر کیوں ـ؟ کیا ہوا تھا؟"

دیپالی ہنس پڑی ـ "کیا ہوا تھا؟ اُس نے دُہرایا ـ "کچھ بھی نہیں ـ جہاں آرا کی شادی کی اطلاع کا جب تمہارا خط آیا اس سے صرف دو روز قبل اُوما رائے شانتی نکیتن پہنچیں ـ مجھ سے بہت میلوڈرمیٹک انداز میں کہا ـــ ریحان اپنی کزن کا بچپن کا منگیتر ہے ـ تم بیچ میں آگئیں بڑے شرم کی بات ہے ـ تم اپنی سہیلی کی زندگی برباد کر رہی ہو ـ اپنے نیک دل باپ کو صدمہ پہنچا رہی ہو ـ جہاں آرا اور ڈاکٹر سرکار دونوں کہیں تمہاری وجہ سے اپنی جانوں سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں ـــ

"جب سے میں نے بالکل غیر متوقع جہاں آرا کی الماری میں ریحان کی تصویر رکھی دیکھی تھی میں بھونچکی تھی ـ اور احساسِ جرم مارے ڈال رہا تھا ـ اس کے بعد میں نے ریحان سے بات نہیں کی ـ ان کے بہت اصرار پر جب ان کو وجہ بتائی انہوں نے پورا قصہ سنایا کس طرح ان کی نسبت ٹوٹی ـ اور وہ ان سے میری ملاقات سے پہلے کی بات تھی ـ پھر بھی مجھے تشفی نہیں ہوئی ـ بہت سمجھا بجھا کر ریحان نے مجھے ان سے بیاہ کر لینے پر راضی کر لیا ـ لیکن اب شانتی نکیتن پہنچ کر اُوما یہی کہنے لگیں ـ جہاں آرا اب تک یہ آس لگائے بیٹھی ہے کہ ریحان شاید ارجمند منزل واپس آجائے اور نواب اس سے شادی کر دیں

کے لئے تیار بھی ہو جائیں ـ اگر تم نے ریحان سے بیاہ رچایا تو جہاں آرا غریب شاید زہر کھالے ـ پردہ نشین محمڈن لڑکیوں کے ایسے ٹریجک قصے سنے ہیں ـ علاوہ ازیں ریحان ایسا ناقابل اعتبار شخص ہے جب اس نے اپنی کزن سے بے وفائی کی جس کے باپ کے روپئے سے وہ ولایت پڑھنے گیا تھا تو بھلا تمہارا کب تک ساتھ دے گا ـ تم کو بھی چھوڑ دے گا ـ پھر تم کیا کرو گی ـ چندر کنج کے دروازے بھی تمہارے لئے بند ہوں گے ـ وغیرہ وغیرہ میں کم سن تھی اور ناتجربہ کار ـ یہ سب سن کر دہل گئی ـ اُوما رائے کے واپس جانے کے بعد اسی رات میں نے ریحان کو بڑا کڑا خط لکھا کہ آئندہ مجھ سے کبھی نہ ملیں ـ اسی رات میں نے وہ خط پوسٹ کر دیا ـ اس کے دوسرے روز تمہارا خط ملا ـ جس میں تم نے اطلاع دی تھی کہ بیچاری جہاں آرا کی شادی دیناج پور کے کسی زمیندار سے ہو گئی ـ اگر تمہارا وہ خط مجھے دو روز پہلے مل گیا ہوتا تو میں اُوما رائے کے بھرّے میں نہ آئی ہوتی اور پروگرام کے مطابق ریحان سے سول میرج کرنے کلکتہ چلی جاتی ـ مگر ہونی کو کوئی ٹال نہیں سکتا ـ

"ریحان کلکتہ جا چکے تھے ـ میرا عتاب نامہ موصول ہونے کے بعد انہوں نے مجھ سے ملنے کی کوشش کبھی نہیں کی ـ میں نے ان کو بہت ہی سخت خط لکھا تھا ـ آئیڈیالوجی کی خاطر ـ یعنی یہ کہ انسان کا دل نہ دُکھائے ـ اور وہ جہاں آرا کا دل دُکھا رہے تھے ـ اور میں اپنے والد کا ـ"

"دیپالی دیدی ـ ایک بات بتاؤں ـ ہم سب پاگل لوگ تھا ـ بقول مسز لیس سرسوتی ـ صرف اُوما دیبی صحیح الدماغ تھیں ـ اور ریحان بھائی کے بارے میں آگے میں بتاؤں، سنئے ـ سن پینتالیس میں آل انڈیا کسان سبھا کی طرف سے ایک لوک گیت کانفرنس ہوئی تھی ـ یاد ہے؟ لوک گیت منڈلیاں سارے ملک سے آئی تھیں ـ اس کانفرنس میں ریحان بھائی میرے پیچھے لگ لئے ؟"

"راسکل ـــ!" دیپالی نے قہقہہ لگایا ـ

"آپ اُس میں نہیں آئی تھیں ـ"

"مجھے معلوم ہوا تھا کہ ریحان اور اُوما وہاں جانے والے ہیں اس لئے نہیں گئی تھی ـ"

"مسلمان فوک سنگرز بہت بڑی تعداد میں آئے تھے ـ کیونکہ بنگال کی فوک میوزک زیادہ تر مسلمانوں کی تھی ـــ یہ دراصل مجھے اب مشرقی پاکستان بننے کے بعد اندازہ ہوا ـ ریحان بھائی ان فوک سنگرز کے کیمپ کے انچارج تھے ـ ایک دستہ متی پور سے آیا تھا ـ گاروہلز سے مس ایلیس بارو

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کو انہوں نے بھگا دیا تھا۔ کیا زمانہ تھا کہ منی پور کے راجہ کا بھائی کمیونسٹ لیڈر تھا! آج یہ سب قصے اتنے عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ پیپلز تھیٹر کے لوگ تھے۔ کیا جوش و خروش تھا۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ خونا ر بنگال عنقریب تقسیم ہونے والا ہے۔ بس صرف یہی خیال تھا کہ انگریز کو نکالتے ہی ملک میں دودھ کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ ــــ

"اور کتنی جنگجو اصطلاحات تھیں! ہماری ٹولیاں اسکواڈ کہلاتی تھیں ــ چاٹگام اسکواڈ۔ سُرما ویلی اسکواڈ۔ منی پورا اسکواڈ۔ پیپلز تھیٹر اسکواڈ ــــ دیدی وہاں اڑیسہ اسکواڈ نے ایک گیت سنایا تھا۔ اس پیٹ کی خاطر میں بنگال گیا۔ پاپڑ بیلے۔ دھان کوٹے۔ دھان کاٹی۔ چاکری کی۔ بیٹھ پر کوڑے کھائے ناچا۔ چرخہ کاتا۔ گالیاں دیں۔ یم راج سے ملا۔ اس پیٹ کی خاطر ــــ"

"اور ہم ڈھاکہ سے ٹری نِنڈاڈ آ گئے۔ اس پیٹ کی خاطر۔" دیپالی بولی۔

یاسمین کہتی رہی "ایک گونڈ گیت تھا۔ میں نے گائے بیچ کر جنگل کا ٹیکس دیا۔ بیل بیچ کر ــــ اب بھی کافی نہیں۔ انگریز کے راج میں ہم بھوکے رہتے ہیں۔" ہمیں اس وقت ایسا پکا معصوم یقین تھا کہ اپنے قومی راج میں کوئی بھوکا نہیں رہے گا ــــ اور وہ حیدرآباد اسکواڈ۔ ہم سرخ سپاہی سُتانِ وطن ــــ"

"ریحان کے متعلق بتاؤ یاسمین۔"

"ہاں دیدی تو وہ اس کانفرنس میں میری بہت سرپرستی کرتے رہے۔ میں نے ان کو بتایا میں دیپالی سرکار کی دوست ہوں۔ ان پر مطلق اثر نہ ہوا۔ اچانک میں بہت بور ہو گئی۔ طبیعت بیزار ہو گئی۔ پارٹیشن سے ذرا پہلے میں اپنے کٹر مذہبی قدامت پرست مولوی والد اور سارے گھر والوں سے بغاوت کر کے ایک اسکالرشپ پر نرسنگ سیکھنے مدراس چلی گئی۔ اور وہاں سے ایک سال بعد اپنے ایک روشن خیال رشتے دار کے پاس سیدھی کراچی۔ وہ بہت بارسوخ آدمی تھے۔ انہوں نے ایک بنگالی جنرل منسٹر کے ذریعہ کوشش کر کے مجھے باہر بھجوانے کا بندوبست کیا۔ انہی دنوں ڈھاکہ سے جہاں آرا آپا نے لکھا کہ آپ لوگ چندر کنج فروخت کر کے کلکتہ اور وہاں سے ٹری نیڈاڈ جا چکے ہیں ــــ جہاں آرا آپا کو بڑا افسوس تھا کہ جاتے وقت آپ ان سے ملی نہیں۔ خط تک نہ لکھا۔ ان کو صدمہ زیادہ یہ تھا کہ شاید ہندوستان پاکستان کی سیاست کی تلخی آپ دونوں کے درمیان آ گئی ــــ"

"کاش میں اسے سمجھا سکتی کہ اس کا سامنا کرنے کی مجھے ہمت کیوں نہ پڑتی تھی۔ شاید اسے بھی تھوڑا بہت اندازہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ قصور میرا بالکل نہ تھا۔ اس کی نسبت ٹوٹنے کے بعد ریحان مجھ سے ملے تھے ــــ بہر حال حالات پر انسان کا بس نہیں۔ میں تقدیر کی قائل ہو چکی ہوں۔ شاید جہاں آرا بھی تقدیر کی قائل ہو گی۔ اور جس وقت پارٹیشن ہوا جہاں آرا دیناج پور میں تھی میں اس سے کس طرح مل سکتی تھی۔ گو ہم لوگ سن اڑتالیس تک ڈھاکہ میں رہے ــــ بابا کے ایک مریض مترا بابو تھے ان کی بیوی بابا سے اُوما رائے کی شادی کی بات چیت چلا رہی تھیں۔ مترا بابو کلکتے کے کسی مسلمان سے اپنا مکان ایکسچینج کر کے پارک سرکس کلکتہ چلے گئے تھے۔ سریری توش رائے کا خاندان بھی جا چکا تھا۔ ــ وڈ لینڈز میں ایسٹ پاکستان گورنمنٹ کا کوئی دفتر بن گیا تھا۔ پارٹیشن سے ان بڑے لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ لیڈی رائے اطمینان سے ڈھاکہ آ کے وڈ لینڈز کا کرایہ وصول کرتیں۔ پرانے دوستوں کے ساتھ ڈھاکہ کلب میں اپنی شامیں گزارتیں۔ اور واپس چلی جاتیں۔ کلکتے میں وہ لوگ نرملیندو کے پاس بالی گنج میں مقیم تھے۔ نرملیندو کلائیو رو کا بڑا کاروباری تھا۔ بے حد شراب پیتا تھا۔ اور کنفرمڈ بیچلر تھا۔

"اب مترا بابو نے کلکتے سے بابا کو لکھا کہ وہ فوراً وہاں آ جائیں۔ کھوکھو پہلے ہی ویسٹ بنگال جا چکا تھا۔ بورشیا ما پرشاد مکرجی کا ورکر بن گیا تھا۔ اس نے کہا تھا وہ سکنڈ کلاس شہری بن کر ایسٹ پاکستان میں نہیں رہے گا۔ بالکل یہی بات انڈیا سے آنے والے مسلمان وہاں کے لئے کہہ رہے تھے۔ آخر ایک روز بابا رکشا پر بیٹھ کر ارجمند منزل نواب قمر الزماں سے مشورہ کرنے گئے۔ انہوں نے کہا ہرگز مت جاؤ۔ یہاں ڈاکٹروں کی کمی ہے۔ ہندو ڈاکٹر سب جا رہے ہیں۔ تمہاری پریکٹس چمک جائے گی۔ بابا نے کہا لیکن میرے بچوں کا مستقبل کیا ہو گا؟ چندر کنج ایک بہاری مسلمان کے ہاتھ اونے پونے بیچ کر ہم لوگ کلکتے روانہ ہو گئے۔ رخصت کرتے وقت نواب قمر الزماں اور عبد القادر کوچوان بہت روئے۔ بے چاری جہاں آرا دیناج پور میں تھی۔

"گوالندو گھاٹ پر اسٹیمر کے فرسٹ کلاس ڈیک پر چارس بارلو اکیلا ایک کونے میں بیٹھا بیئر پیتا نظر آیا۔ بڑا علامتی منظر تھا۔ معلوم ہوا انگلستان واپس جانے کے بجائے آسٹریلیا جا رہا ہے۔ وہاں فارمنگ کرے گا۔

"سیالدہ اسٹیشن پر پہنچ کر ہم لوگ سیدھے مترا بابو کے ہاں گئے۔ بابا نے دوستی کی وجہ سے برسوں ان کا مفت علاج کیا تھا۔ مترا بابو مزے میں تھے۔ بزنس شروع کر رکھی تھی۔ کسی تارک الوطن مسلمان سے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

تبادلے میں لیا ہوا بڑا سا مکان تھا۔

"مسز ابابو نے نہ جانے کس طرح یہ طے کر لیا تھا کہ بابا اُوما رائے پر عاشق ہو گئے ہیں۔ لیڈی رائے بھی چاہتی تھیں کہ اُوما کسی سے بھی جلد از جلد شادی کر لیں! اور ریحان کے FIXATION سے آزاد ہوں۔ ریحان بھی شہر میں موجود تھے۔ میری ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ نیا نیا پارٹیشن ہوا تھا۔ کمیونلزم بہت شدید تھی۔ ریحان سے دوستی کی افواہ کی وجہ سے اپنی ساری دولت کے باوجود اُوما دیبی کے لئے رشتے مفقود تھے۔ نرلیندو بھی بہت پریشان تھا۔ وہ ایک پکا سرمایہ دار۔ وہ بہن کے سیاسی رجحانات سے ہمیشہ نالاں تھا! اب اس نے بھی اُوما پر شادی کے لئے زور ڈالا۔ آخر ایک روز اُوما دیبی خود ہی آکر ہڑبڑاہٹ میں بابا سے کہہ گئیں کہ وہ اُن سے بیاہ کریں گی۔ شاید ان کی اسکیم یہ بھی رہی ہو کہ بیاہ کے بعد شوہر کی موجودگی میں ریحان سے ملنا جلنا اتنا قابلِ اعتراض نہ سمجھا جائیگا

"میرے بابا بہت سادہ لوح ہیں۔ وہ کسی انسان کو بُرا سمجھ ہی نہیں سکتے۔ مگر اُوما کے وہ بھی مدّاح نہ تھے۔ اس کے باوجود، چونکہ اپنی جگہ سے اُکھڑ چکے تھے، وہ کسی جذباتی سہارے کے متلاشی تھے۔ اور اُوما دیبی ان کو بھی خوب FLATTER کر رہی تھیں۔ مسز ابابو جو شادی کی گفت و شنید ڈھاکے کے زمانے سے چلا رہے تھے بڑے کائیاں بزنس مین تھے۔ بابا رائے خاندان کے داماد بن جائیں تو اُن کے ذریعے وہ نرلیندو رائے سے اپنے دسیوں کام نکلوا سکیں گے۔ کیونکہ نرلیندو اتنا "ہماؤن صاحب" اور بد دماغ مغرور آدمی تھا کہ کوئی نتھو خیرا اس کے پاس پھٹک ہی نہ سکتا تھا۔

"میں محوِ حیرت یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ اصول پرست بابا نے مجھ سے ریحان کے بارے میں کبھی ایک لفظ نہ پوچھا تھا۔ اوما دیبی سے میں بات ہی نہیں کرتی تھی۔ بڑے شدید تناؤ میں وقت گذر رہا تھا۔

"اب دیکھو۔ کلاس کی پیدائشی خرد ماغی کبھی جاتی نہیں۔ اُوما رانی "فیلو ٹریولر" تھیں۔ بابا سے شادی کرنے والی تھیں مگر ہمارے کنبے سے اس طرح کا برتاؤ کرنے لگی تھیں جیسے ہم غریب ریفیوجی لوگ ان کے محتاجِ کرم تھے۔

"میں نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ بابا مطب جمانے کی فکر میں تھے۔ چندر گنج کی قیمت کا روپیہ آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا تھا۔ شونو اور ٹوٹو آوارہ گردی کرنے لگے تھے۔ مسز ابابو کے گھر پر رہتے

ہم لوگوں کو تقریباً ایک سال ہو گیا۔ اب مسز ابا نے پشی ماں سے لڑنا شروع کر دیا۔ بھوتارنی دیبی کو د بلیس ہر۔ خود ایک نرالا کا خاتون۔ گھر میں روز کھٹ پٹ ہونے لگی۔ میں گھبرا کر باہر نکل جاتی۔ ریڈیو پروگراموں سے ذرا سی آمدنی ہو جاتی تھی۔ باقی وقت میں یوزیم یا کسی لائبریری میں گذارتی۔ مسز ابابو کے گھر واپس جاتے مجھے وحشت ہوتی تھی۔ اور اس پر یہ اور زیادہ کوفت ہوتی کہ ریحان اسی شہر میں موجود ہیں۔ اور ان کو معلوم ہے کہ میں کس حال میں ہوں۔ ایک بے روزگار ریفیوجی۔

"ایک صبح میں وکٹوریہ میموریل میں گھوم رہی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں ٹیپو سلطان کے بیٹے عبدالخالق کے پورٹریٹ کے نیچے کھڑی جانے کیا کیا سوچ رہی تھی۔ سراج الدولہ۔ کلائیو۔ کارنوالس۔ ٹیپو۔ ٹیٹو میر۔ اچانک اُوما دیبی کی آواز سنائی دی۔ پلٹ کر دیکھا وہ کسی انگریز کے ساتھ وہاں موجود تھیں۔ مجھے اس سے ملوایا۔ وہ ان کا لندن کا کوئی پرانا ہم جماعت تھا۔ کلکتہ آیا ہوا تھا اسے سیر کرا رہی تھیں۔ پھر انہوں نے نہایت بلندی سے میرا تعارف کرایا۔ مس دیپالی سرکار۔۔۔ میرے بھائی نرلیندو رائے کی پرسنل اسسٹنٹ۔

"میں ہکا بکا ان کی شکل دیکھنے لگی غصّے کے مارے میرا بھیجا آؤٹ ہو گیا۔ میں نے فوراً کہا معاف کیجئے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں کسی مسٹر نرلیندو رائے کی پی۔ اے نہیں ہوں

"اُوما دیبی نے جو اس وقت وکٹوریہ میموریل کے اندر انگریز دوست کے ساتھ بڑی شان سے کھڑی تھیں مجھے گھور کر دیکھا۔ اور کسی برطانوی ڈچز کے سے انداز میں کہا۔ "اس کے متعلق ہم پھر بات کریں گے۔ کم ایلونگ برٹ۔

"انگریز بہت مہذب ہوتا ہے۔ وہ اس غیر متوقع جھٹکے سے خاصا نادم نظر آیا۔ میں لال پیلی ہو کر وہاں سے ہٹ گئی۔

"اسی روز شام اُوما رائے مسز ابابو کے ہاں پہنچیں۔ میں باہر چبوترے پہ کھڑی تھی انہوں نے موٹر سے اترتے ہی مجھے پھٹکارنا شروع کیا۔ تم۔ تم کو میرے انگریز دوست کے سامنے یوں جواب دینے کی ہمت کیسے ہوئی۔

"آپ حد سے آگے بڑھ رہی ہیں اُوما دیبی۔ میں نے جواب دیا۔

"حد سے تم آگے بڑھ چکی ہو۔ احسان فراموش۔ تم پہلی تاریخ سے نرلیندو کے آفس میں کام کرو گی۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

تمہاری جیسی ریفیوجی لڑکیوں سے کلکتہ پٹا پڑا ہے۔ ہر چوتھی بنگالی لڑکی تمہاری طرح گاتی ہے۔ تم مجوبۂ روزگار نہیں ہو۔ یہاں تم کو ویسٹ بنگال کا گورنر کوئی نہیں بنا دے گا۔ شکر کرو کہ میں نے نرملیندو کے دفتر میں تمہاری ملازمت کا بندوبست کر دیا۔

"اگر آپ سمجھتی ہیں کہ میں آپ کے شرابی، بدمعاش، بددماغ بھائی کی سکریٹری بننا قبول کروں گی تو آپ بہت سخت غلطی پر ہیں۔ اُما دیدی۔

"میں نے اب ذرا سکون سے جواب دیا۔

"میں تمہارے باپ سے بات کرتی ہوں۔ انہوں نے پیر پٹخ کر کہا۔

"کر لیجیے۔ میں نے جواب دیا۔

"بابا اور مسز مترا گھر پر موجود نہ تھے۔ لشی ماں کالی گھاٹ گئی ہوئی تھیں۔ مسز مترا کان لگائے اندر سے یہ سارا مکالمہ سن رہی تھیں۔ اوما دیبی اُلٹے پاؤں واپس گئیں۔ جب بابا گھر آئے مسز مترا نے یہ سارا قصہ نمک مرچ لگا کر ان کو سنایا۔ بابا نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ رات کے کھانے کے بعد وہ نزدیک میدان میں ٹہلنے جاتے تھے۔ کھانے کے بعد مجھے آواز دی۔ میں باہر چبوترے پر آئی۔ اس رات میں اُما کے جانے کے بعد کمرہ بند کر کے بہت روئی تھی۔ بابا نے کہا دیپالی ہمت سے کام لو

"میں نے کہا۔ بابا کیا آپ واقعی اس خوفناک عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟

"وہ چپ رہے۔ میں نے کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں نرملیندو رائے کی پرسنل سکریٹری بنوں؟ علاوہ ازیں مسز پریتی توش اوما دیبی کے لیے علیحدہ کوٹھی بنوا رہے ہیں۔ آپ وہاں رہیں گے۔ ریحان بھی وہاں آیا کریں گے۔ میں ریحان کی ساری عمر شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ یہ کیسی ہولناک صورت حال ہے۔ پھر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس روز میں نے پہلی بار بابا کے سامنے ریحان کا نام لیا تھا۔

"بابا چند منٹ تک خاموش رہے۔ پھر بولے چلو۔ ہم اس ملک کو ہی خیرباد کہتے ہیں۔

"واپس ڈھاکہ ـــــ؟ میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ ٹری نیڈاڈ۔ مُکل کا خط آیا تھا۔ اگر میں وہاں آنا چاہوں تو وہ میرے لئے وہاں انتظام کر سکتا ہے۔ کسی بھی پلانٹیشن پر میڈیکل آفیسر کی جگہ مل سکتی ہے۔

"بابا کے ایک چچازاد بھائی مدتیں گذریں ڈھاکے سے پورٹ آف اسپین چلے گئے تھے۔ ڈاکٹر تھے

وہاں بہت پیسہ کمایا۔ ایک مرتبہ وطن آئے تو چندر گنج آئے تھے۔ بڑھیا سوٹ۔ ہوانا سگار۔ میری ماں زندہ تھیں۔ انہوں نے جھینپ جھینپ کر گھر کا افلاس چھپاتے ہوئے ان کی میزبانی کی تھی۔ اب میں نے بابا سے کہا "مگر آپ اب اُما دیبی کو کس طرح SHAKE OFF کریں گے؟

"بابا ہنس پڑے۔ کہنے لگے۔ میں ان سے کہوں گا شادی کے بعد وہ میرے ساتھ ٹری نیڈاڈ چلیں۔ وہ انکار کریں گی۔ قصہ ختم ہو جائے گا۔

"ایسا ہی ہوا۔

"چندر گنج کی قیمت کا جو روپیہ باقی بچا تھا اس سے جہاز کے پانچ ٹکٹ خریدے گئے۔ بابا۔ لشی ماں۔ میں۔ شونو۔ ٹونو۔ بہت لمبا بحری سفر کر کے ہم لوگ یہاں پہنچے۔ کھوکھو آنے پر راضی نہ ہوا۔ وہ مہاسبھائی لیڈر بنتا جا رہا تھا۔ اور آر۔ ایس۔ ایس میں شامل ہو چکا تھا۔

"ازدواجی زندگی کا آرام جو پندرہ برس بعد ان کو دوبارہ حاصل ہو سکتا تھا شاید بابا نے میری وجہ سے اس کی قربانی دی۔ پتہ نہیں۔ لشی ماں مجھ سے بہت خفا تھیں کہ گھر آئی لکشمی کو واپس کر دیا۔"

"ارے وہ لکشمی تھی کہ وبال جان۔" یاسمین بولی۔ "آپ سب کی زندگی اجیرن کر دیتیں۔"

"یہاں پہنچ کر میں نے لشی ماں کو سمجھایا کہ اشنان کریبین میں بھی ہو سکتا ہے۔ مہا کالی ہر جگہ ہے۔ مندروں کی یہاں کمی نہیں۔

"یہاں سوشل رسوم انیسویں صدی کے ہندوستان کی ہیں۔ ہنومان جی کے مندروں میں پوجا کے بعد لوگ باگ چوراہوں پر آ کر فیشا کرتے ہیں اور کلیپسو ڈانس۔ شونو کو یہاں فرنینڈو میں نوکری مل گئی ہے۔ ٹونو وینیزولا چلا گیا ہے۔

"للت سین سے میری شادی یہاں پہنچنے کے دوسرے برس مُکل چاچا نے طے کروا دی۔ اور میں بڑے اطمینان سے مسز سین بن گئی۔ للت یہاں کے کامیاب ترین بیرسٹر ہیں۔ پہلی بیوی اسپینش نژاد اور لاولد تھی اسے عرصہ ہوا طلاق دیدی۔ شریف آدمی ہیں۔ میں کافی خوش ہوں۔ بابا اور لشی ماں ہمارے ساتھ بطور P.G. رہتے ہیں۔ بابا کے مطب کے لئے دیکھو للت نے کیسا خوب صورت ٹری ٹاپ ہاؤس بنوا دیا ہے۔"

یاسمین نے ذرا تعجب سے دیپالی کو دیکھا۔ کچھ لمحے خاموش رہی اور بولی: "اس کا مطلب ہے جہاں آرا آپا بھی اپنے دیناج پور کے رئیس کے ساتھ خوش ہوں گی؟"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"شاید۔"

"یہ مجبوریوں سے سمجھوتہ ہے یا سچی خوشی؟"

"معلوم نہیں۔"

ایک طویل امریکن کار پھاٹک میں داخل ہوئی۔ اسے وردی پوش نیگرو شوفر ڈرائیو کر رہا تھا۔ بھاری بھرکم اور کم رو للت سین بریف کیس سنبھالے کار سے برآمد ہوئے۔ رین ٹری کی سمت آئے۔

ڈاکٹر منوہر چندر سرکار اپنی ٹاپ ہاؤس کی سیڑھیاں اترے۔ وہ چاروں باتیں کرتے اپیشل کونسل بنگلے کی طرف چلے گئے۔ اندر ڈائننگ روم میں نیگرو بٹلر لنچ کے انتظام میں مصروف تھا۔ یاسمین طویل برآمدے میں سے گزرتی ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ اس نے دریچے سے باہر جھانکا۔ بھوتارنی دیبی ایک درخت کے نیچے آنکھیں بند کئے بیٹھی ہل ہل کر مالا جپ رہی تھیں۔ سامنے پالتو خرگوش اور اعلیٰ نسل کتے دوڑتے پھر رہے تھے۔ نہایت پُرسکون منظر تھا۔ یاسمین دریچے میں سے ہٹ کر وسیع ڈرائنگ روم میں ادھر سے ادھر بیش قیمت سامان آرائش دیکھتی پھری۔ ایک بڑے اور نیچے گراموفون کے نزدیک دیپالی سرکار کے پرانے ریکارڈ رکھے تھے۔ یاسمین نے کوک بھر کے سفید کتے اور بھونپو والا ایک ریکارڈ گراموفون پر لگایا۔ سوئی کہیں بیچ میں پڑ گئی۔ اچانک دیپالی کی آواز بلند ہوئی۔ کوئی کہے کالو — کوئی کہے گورو — لیو ہے — لیو ہے بجنتا ڈھول۔

یاسمین پر پھر بیزاری کا دورہ پڑا۔ اس نے سوئی اٹھائی۔ ریکارڈ پلٹا۔ کماری دیپالی سرکار کا دوسرا بھجن۔ سوئی پھر وسط پر پڑی۔ جو پہرادے سوہی پہنوں۔ جو کھلادے سوہی کھاؤں جہاں بٹھاوے تاہیں بیٹھوں — میرا کے پربھو —

واہ ری عورت کی اوقات۔ یاسمین نے دل میں کہا۔

نیگرو بٹلر کمرے میں آکر بولا "مس! لنچ از سروڈ۔"

گراموفون بند کر کے وہ ایوان طعام کی طرف بڑھی۔ سامنے آتش دان پر روزی کی دستخط شدہ تصویر پر نظر پڑی۔ "رادھیکا سانیال۔ نئی دہلی۔ ۱۶ مارچ ۱۹۴۹ء"

۳۴

الیستھر گری بالا بنرجی

ڈھاکہ۔ مشرقی پاکستان۔ دسمبر ۱۹۴۹ء

مشن کمپاؤنڈ کے ایک کوارٹر کے سٹنگ روم میں کروشیا کے میز پوش سے ڈھکی چھوٹی میز پر تین تصویریں رکھی ہیں۔ کمل۔ نیرا۔ ایلا۔ نئی دہلی۔ روزی کے بچے۔ پادری بنرجی آرام کرسی پر آنکھیں بند کئے لیٹے ہیں۔ ڈاکیہ سامنے سے گزر جاتا ہے۔ وہ اس کے قدموں کی آہٹ پہچانتے ہیں۔

"روزی کا خط آیا؟"

"نہیں۔" الیستھر گری بالا اسٹوو پر بھات اُبالتے ہوئے جواب دیتی ہیں۔

"اتنے برسوں سے وہ آئی بھی نہیں۔ کب آئے گی؟ ہر سال انتظار کرتا ہوں کہ شاید اس کرسمس پر آجائے۔"

"ہاں۔ اس کے لئے یہاں آنا اتنا آسان نہیں ہے۔ ویزا بڑی مشکل سے ملتا ہے۔"

"جب پارٹیشن نہیں ہوا تھا تب کونسا آتی تھی۔ اسے اب بھی ہم سے شرم آتی ہے۔ وہ ہم سے ہمیشہ سے چڑتی تھی۔ وہ بڑے آدمی کی بیوی ہے۔ ہم دیسی کرسچین غریب لوگ ہیں۔ مگر ہمارے مرنے کے بعد اسے شاید ہماری قدر آئے۔ ہم اس کے ماں باپ تھے۔"

چرچ سے ریٹائر ہونے کے بعد ان کو دو کمروں کا کوارٹر مل گیا ہے۔ عسرت سے گذر ہوتی ہے۔ گری بالا اچار چٹنی بنا کر بیچتی ہیں۔ دونوں کا باری باری موتیا بند کا آپریشن ہو چکا ہے۔ پادری صاحب کا آپریشن ٹھیک سے نہیں ہوا۔ ان کی بصارت زائل ہو چکی ہے۔ لیسوع۔ لیسوع۔ لیسوع۔ وہ جو آسمانوں سے گذر گیا۔ لیسوع۔ شام کو گری بالا پادری صاحب کا ہاتھ تھام کر ان کو ٹہلانے لے جاتی ہیں۔ سفید داڑھی۔ نابینا۔ پُرنور چہرے والے پادری بنرجی سنسان سڑک پر آہستہ آہستہ چلتے لیسوع کے ایک حواری معلوم ہوتے تھے۔ آلے لُویاہ۔ آلے لُویاہ

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کل رات پادری بنرجی اپنے منجی سے جا ملے۔ آخر وقت میں وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو نہ دیکھ سکے۔ گرجی بالا نے روزی کو موت کی اطلاع کا تار بھیجا۔ اس کا خط آیا۔ ماما تم فوراً میرے پاس چلی آؤ۔

لیکن بزرجمہر خرادماما اپنے داماد کے ٹکڑوں پر پلنے نئی دہلی نہیں جائیں گی۔ اور نہ اپنے امیر زادے نواسوں کی آیاگیری کریں گی۔ مشن والے ان کی مدد کر رہے ہیں۔ مشن اسکول میں ہوسٹل وارڈن کا کام دلوا دیا ہے۔ مگر پرنسپل سے اُن کی نہیں بنتی۔

ایک روز وہ رکشا پر بیٹھ کر ارجمند منزل پہنچی ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں ایک بال ودھوا برہمن ہندو پندرہ سالہ بچی سسرال والوں کے مظالم سے بچنے کے لئے کشتی پر بیٹھ کر فریدپور کے گاؤں سے بھاگ کر اپنے زمیندار آقا کے ہاں پناہ لینے ارجمند منزل ڈھاکہ آئی تھی۔ ایک بوڑھی عیسائی غریب بیوہ نے ارجمند منزل پہنچ کر نواب قمرالزماں کے دفتر کے دروازے پر دستک دی۔

پینتالیس سال قبل، نوعمر قمرالزماں اپنی بنت عم طیبہ بی بی پر دم دے رہے تھے۔ مگر اپنی رعیت کی اس دلکش ہندو بال ودھوا کے تیر نظر کے بھی گھائل ہو گئے تھے۔ بوڑھے نواب قمرالزماں نے خود اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ایک پوپلے منہ والی پریشان حال ضعیفہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔

اسکول پرنسپل کے خلاف اس کی شکایات سُن کر نواب نے کہا۔ "الستھر! ارجمند منزل تمہارا گھر ہے۔ یہیں رہو۔ تم کو اس عمر میں ہم محنت مزدوری نہیں کرنے دیں گے۔"

"نواب صاحب۔ پال بڑے خوددار آدمی تھے۔ میں کسی بھی جگہ مفت خوری کر کے ان کی روح کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گی۔ میری صحت بہت اچھی ہے۔ مجھے کہیں کام دلوا دیجئے۔"

گرجی بالا دیبی کے اصرار پر نواب صاحب ان کو یونیورسٹی کے گرلز ہوسٹل میں کچن سپروائزر کی ملازمت دلوا دیتے ہیں۔ دو سال بعد وہ بعارضہ نمونیہ مر جاتی ہیں۔ چرچ یارڈ میں پال کے پہلو میں دفن کی گئیں۔ کسی کو علم نہیں کہ نئی دہلی کی مشہور دولتمند سوشل ورکر رادھیکا سانیال ان کی بیٹی ہے۔

نئی دہلی میں جس وقت روزی کو مسز بنرجی کی وفات کا تار ملا جو نواب قمرالزماں نے بھجوایا تھا وہ اپنی عالیشان نئی کوٹھی میں ڈنر کے انتظام میں مصروف تھی۔

مہمان آ چکے تھے۔ تار بسنت کمار سانیال نے لیا۔ وہ روزی کے پاس گیا جو چند غیر

ملکی مہمانوں کا سواگت کر رہی تھی۔ ایک امریکن اسکالر ۱۹۴۲ء کی تحریک کے بارے میں ایک امریکن فاؤنڈیشن کی طرف سے کتاب لکھ رہا تھا۔ اس سلسلے میں روزی سے ملنے آیا تھا۔ اس نے بسنت کمار سانیال سے کہا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی بیوی ۱۹۴۲ء کے موومنٹ کی ایک ہیروئن تھی!" بسنت سانیال دھیرے سے مسکرایا۔ پھر اس نے روزی کے ہاتھ میں وہ تار دیا جو ڈھاکہ سے آیا تھا۔ اور آہستہ سے کہا۔ "روزی۔ تم ہیروئن نہیں تھیں۔ تمہاری ماں ہیروئن تھیں۔"

جہاں آرا دیناج پور سے میکے آئی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ سب ارجمند منزل کے پچھلے دالان میں جمع تھے۔ اس کا تجرا اکمل۔ والدہ۔ بھاوج۔ دونوں چھوٹی بہنیں۔ نیرالزماں نے اندر سے آ کر کہا۔

"ذرا اپنی چہیتی یاسمین مجید کی حرکتیں دیکھو۔ یہ دیکھو لندن کے ایک اخبار میں اس کی تصویر۔ کسی انگریز سے شادی کر لی۔"

جہاں آرا نے عینک لگا کر اخبار دیکھا۔ "بلیک بیوٹی ویڈز۔ ڈارک ڈانسر یاسمین مجید ودھ وائٹ پرنس چارمنگ۔" "ننگے پاؤں والی کالی رقاصہ کی شادی۔"

"معقول۔ اور یاسمین کیا رسی کا گھونٹا ہے۔ بلیک بیوٹی۔ ڈارک ڈانسر۔ حد ہو گئی۔" نیرالزماں نے سر ہلا کر کہا۔ "جل پائے گوری کے مولویوں کا خاندان۔ اور یہ انجام۔ ننگے پاؤں والی رقاصہ۔"

"اور وہ نگوڑا انگریز کیا کرتا ہے؟" بیگم قمرالزماں نے پوچھا۔

"ہو گا کوئی بھڑبھونجا۔" نیرالزماں نے کہا۔

"فیشن ڈیزائنر ہے۔" جہاں آرا نے اخبار پڑھ کر کہا۔ "مگر جب دیپالی کا ٹری نیڈاڈ سے خط آیا تھا اس نے لکھا تھا کہ یاسمین ڈانس کرنے پورٹ آف اسپین گئی تھی۔ اس خط میں تو کسی انگریز ونگریز کا ذکر نہیں تھا۔ جیرالڈ ایڈرین بلمونٹ۔ بہت خوب!"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

۳۵

یاسمین بلمونٹ "ڈارک ڈانسر"

دیپالی دیدی۔ آپ کا خط ملا۔ اب آپ کو ساری بات بتاتی ہوں۔ بہت عرصے بعد آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ جیرلڈ سے میں نے کہا تھا کہ شادی اسلامی طریقے سے ہو۔ وہ مان گیا۔ نکاح کے لئے ہم نے ایک دوست کو بلایا جو پہلے باقاعدہ مولوی رہ چکے تھے۔ اب بے دین تھے۔ ہم سب پب سے نکل کر رات کے بارہ بجے ان کے گھر پہنچے۔ وہاں مزید مے نوشی ہوئی۔ پھر مولوی صاحب نے نکاح پڑھا۔ دولہا دلہن مولوی گواہ سب نشے میں آؤٹ تھے۔

شادی کے بعد ہم دونوں نے چیلسی میں ایک میوز کرائے پہ لے لی۔ جیرلڈ کی آمدنی بہت اچھی تھی میں نے رقص ترک کر دیا۔ گھرہستن ہاؤس وائف بنی۔ بچی پیدا ہوئی۔ اس کا نام شہرزاد رکھا۔ جب وہ ذرا بڑی ہوئی میں نے پھر اپنا ڈانس گروپ تیار کیا۔

ایک روز اچانک اور بالکل غیر متوقع جیرلڈ میرے گروپ کے ایک بنگالی رقاص کے ساتھ بھاگ گیا۔ معلوم ہوا دونوں پیرس میں ہیں۔ میں پتہ چلا کر پیرس پہنچی۔ ان کو ڈھونڈ نکالا۔ صبح کو میں ان کے فلیٹ پہ پہنچی بنگالی چھوکرا ایپرن باندھے گھریلو عورتوں کے سے انداز میں اسٹوو کے سامنے کھڑا ناشتہ تیار کر رہا تھا۔ جیرلڈ ڈریسنگ گاؤن پہنے بیٹھا اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔ گرہستی کا یہ نظارہ دیکھ کر مجھے ابکائی سی آئی اور میں بغیر کچھ کہے سنے الٹے پاؤں لندن واپس آگئی۔ پھر میں نے جیرلڈ کو لکھا کہ طلاق دیدے اور مہر ادا کرے اس کا جواب آیا کہ شادی ہی کب ہوئی تھی۔ مولوی اور گواہ سب نشے میں دھت تھے۔ وہ نکاح نہیں تھا مذاق تھا۔ علاوہ ازیں ہم نے بلحاظ برطانوی قانون سول میرج نہیں کی۔ لہٰذا بچی کی پرورش کی ذمے داری بھی مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ مجھے صنف نازک میں کبھی دلچسپی نہیں تھی۔ تم لندن میں اپنا ڈانس اسکول اور یوگا کلاسیں چلانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں اور ڈاؤن اینڈ آؤٹ تھیں۔ اور وطن واپس جانے کے لئے کرایہ تک پاس نہ تھا۔ میں تمہارے ساتھ رہ کر تمہاری کفالت کرنے لگا تھا۔ محض از راہِ ہمدردی۔ لیکن میں امید کرتا ہوں ہم اچھے دوست رہیں گے۔

جیرلڈ کی والدہ جو ایک متمول اور نہایت کنجوس ریٹائرڈ اسٹیج ایکٹریس ہیں وہ شہرزاد کو اپنے ساتھ اپنے گاؤں لے گئی ہیں اور اس شرط پر اس کی ذمے داری لینے کو تیار ہیں کہ وہ اسے رومن کیتھولک اٹھائیں گی۔ میں نے کہا رومن کیتھولک کیا ہوٹن ٹوٹ، شنتو، بدھسٹ کچھ بھی بنا دیجئے۔ اسے میری طرح دھکے تو نہ کھانے پڑیں۔ میں اب ایک دفتر میں کلرکی کر رہی ہوں۔ ڈانس گروپ چلانا بہت مشکل تھا۔ انڈیا سے آنے والے نامور ڈانسرز کا کمپیٹیشن بہت سخت ہے۔ پچھلے مہینے امید کی کرن نظر آئی۔ معلوم ہوا کریان الدین احمد آئے ہوئے ہیں۔ پچھلی مرتبہ پورٹ آف اسپین میں آپ کو میں نے بتایا تھا کس طرح یہ حضرت ایک زمانے میں میرا تعاقب کرتے رہتے تھے۔ اب وہ منسٹر تھے اور یہاں ایک وفد کے ساتھ آئے تھے۔ اور ڈورچیسٹر میں ٹھہرے تھے۔ میں نے فون کیا۔ ملنے کی کوشش کی۔ انہوں نے صاف ٹال دیا کہ بہت مصروف ہیں۔ پھر میں نے سنا انھوں نے کہا "پرانے شناسا اب سب قریبی دوست ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ مجھے تنگ کرتے ہیں۔ یہ کام کروا دو۔ وہ کام کروا دو۔ میں کس کس سے ملتا پھروں۔" جس ہم وطن سے انہوں نے یہ کہا، اتفاق سے وہ مجھے بھی جانتا تھا۔ اس نے آکر مجھے بتایا۔

جہاں آرا آپا سے آپ کی خط و کتابت ہے؟ میں نے ان کو کئی خط لکھے۔ جواب نہیں آیا۔ غالباً ارجمند منزل والے بھی میرے طرز زندگی سے سخت متنفر اور بیزار ہیں۔ مگر میں کیا کر سکتی ہوں۔ زمین اور آسمان میرے سامنے سے بھاگ گئے۔ مجھے کہیں پناہ نہ ملی۔

آپ کی یاسمین بلمونٹ

۳۶

پائلیٹ آفیسر اکمل مرشد زادہ

لاؤڈ اسپیکر پر دہرایا جا رہا تھا۔ مسز دیپالی سین۔ مسز دیپالی سین۔ وی آئی پی لاؤنج میں آپ کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ مسز دیپالی سین ٹی ڈبلیو اے کی مسافر ــــ پورٹ آف اسپین کی مسز دیپالی سین ــــ

ششدر اور مضطرب وہ مسافروں کی بھیڑ سے نکلی۔ پاکستان ایرفورس کے یونیفارم میں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ملبوس ایک سانولا نوجوان اس کی طرف آیا۔ "دیپالی آنٹی ـــــ ؟" اس نے ذرا جھجک کر پوچھا۔ "میں اکمل ہوں۔ امّی لاؤنج میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ آپ کی فلائیٹ بہت لیٹ تھی۔"

وہ پائلیٹ آفیسر اکمل حسین مرشد زادہ کے ساتھ وی۔ آئی۔ پی لاؤنج کی طرف بڑھی۔ کمرے کے اندر ڈھکئی ململ کی سفید ساری میں ملبوس ایک غمگین آنکھوں والی دبلی پتلی عورت، کھچڑی بال، خیر مقدم کے لئے صوفے سے اٹھی۔ دیپالی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"یہ امّی ہیں۔" نوجوان اکمل نے ذرا گھبرا کر کہا۔

"میں تمہاری شادی میں شریک نہ ہو سکی تھی دیکھو اتنی دور سے تمہارے بیٹے کی شادی میں شرکت کے لئے آگئی!" دیپالی نے مصنوعی بشاشت سے کہا۔ جہاں آرا کو اس حالت میں دیکھنے کی ذمہ دار میں خود ہوں۔ میں ریحان کو آسانی سے بھلا سکی۔ لیکن ریحان کی وجہ سے ان کی زندگی ہمیشہ کے لئے غارت ہوگئی۔ زندگی کی بربادیوں کا یہ کیسا لامتناہی سلسلہ ہے۔ اس نے اُداس آنکھوں والی جہاں آرا پر پھر نظر ڈالی۔ دو سال قبل وہ بیوہ ہوگئی تھی۔ اکمل اس کا اکلوتا لڑکا تھا۔

دیپالی نے اتنی شان و شوکت پہلے ارجمند منزل میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ اُدمارائے کے وہ ؤلیدنگ٘ز میں بھی نہیں۔ پاکستان کا نیا اوپری طبقہ واقعی بیحد متموّل ہو چکا تھا۔ دلہن بھی ایک ملک التجار کی لڑکی تھی۔

جب اکمل کے سہرا باندھا جانے لگا جہاں آرا وہاں سے ہٹ گئی۔ وہ کونے میں جا کر اپنے مرحوم شوہر کو یاد کر کے رو رہی تھی۔ دیپالی نے ایک بار پھر اسے حیرت سے دیکھا۔ ہندوستانی ـــ خیر ـــ پاکستانی ـــ عورت! خلاف مرضی اسے ایک ایسے عیاش بدقوارہ بدہیئت شخص سے بیاہا گیا جس نے ساری عمر اسے جلایا۔ مگر اس نے دوسروں کے سامنے ہمیشہ اپنے شوہر کی حمایت کی اور اس کی خدمت گذار رہی۔ اور اب اسے یاد کر کے رو رہی تھی۔

چند سال قبل جہاں آرا، کی چھوٹی کنواری بہنیں انجم آرا اور اختر آرا اپنے بھتیجے منوّر الزماں سے ملنے لندن جا رہی تھیں جو وہاں اسکول میں پڑھتا تھا۔ طیارہ آلپس پر گر کر پاش پاش ہوگیا۔ سارے مسافر ہلاک ہوئے۔ برف میں لاشیں بھی نہ ملیں۔ اس دہشتناک جوانمرگی کے صدمے نے ان کی ماں بیگم قمر الزماں کی جان لی۔ نواب قمر الزماں اس کے بعد سے بہت کم بولتے تھے۔ اس وقت یتیم نواسے کی شادی کے عصرانے میں

شامیانے کے نیچے ترکی ٹوپی اوڑھے (اگلے وقتوں کے لوگ ننگے سر رہنا خلاف تہذیب گردانتے تھے) گورنر وزراء اور اعلیٰ افسروں سے ایک آدھ بات کر لینے کے بعد پھر خاموش ہوگئے۔ صوفے پر گم صم بیٹھے رہے۔ ان کی نظر دیپالی پر پڑی جو ایک طرف کھڑی جہاں آرا کی پرانی خادمہ مالا سے باتیں کر رہی تھی۔ انہوں نے اشارہ کر کے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ ان کے قریب جا بیٹھی۔ وہ دونوں چپ چاپ سامنے کی چہل پہل کا نظارہ کیا کئے۔

دیپالی کی آنکھ بھر آئی۔ اس نے چپکے سے آنسو پونچھے۔ نواب صاحب نے دیکھ لیا۔ آہستہ سے بولے "رونا نہیں چاہئے بیٹی۔ بُری بات ہے۔ صبر بڑی چیز ہے۔"

کچھ دیر بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ "آپ کے بھانجے ریحان الدین احمد ـــــ میں ابھی ان سے کلکتہ میں مل کر آ رہی ہوں۔"

نواب صاحب نے چاندی کی موٹھ والی چھڑی کو آہستہ سے قالین پر کھٹکھٹایا اور ذرا توقف کے بعد بولے۔ "ریحان اب وہاں بڑا آدمی ہے۔ اپنی پرانی سیاست چھوڑ کر کانگریس میں شامل ہوگیا۔ منسٹر رہ چکا ہے۔ اب کیا کر رہا ہے؟"

"اُدمارائے کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ اُن کے بھائی کی کوئی بہت بڑی بزنس ہے۔ ردنواں کی ایک فرم کے جنرل منیجر ہو گئے ہیں۔ میں اپنے چھوٹے بھائی کھوکھو کے ہاں ٹھہری تھی۔ اس نے ان کو فون کر کے میرے آنے کی خبر دی۔ خود ملنے نہیں آئے۔ اپنی کار بھیج دی۔ میں، کھوکھو اور اس کی بیوی اُدمارائے کے ہاں علی پور روڈ گئے۔ کوٹھی کی دوسری منزل میں اُدمارائے خود رہتی ہیں۔ نیچے ایک ونگ میں ریحان اور ان کی بیوی اور لڑکا۔ چند روز ہوئے لڑکا گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اُدمادیدی کے بھائی نرلیندو رائے نے اب تک شادی نہیں کی۔ چوبیس گھنٹے شراب میں غرق۔ بنگال کلب میں بیٹھا رہتا ہے۔ سارا کاروبار ریحان کے ہاتھ میں ہے۔ سنا ہے چند ماہ کے لئے منسٹر بنے تھے نرلیندو اور اُدمارائے کے اس کاروبار کو بہت فائدہ پہنچایا تھا۔ اس وجہ سے وہ لوگ ان کے اور زیادہ احسان مند ہیں۔ ریحان صاحب اپنے اکلوتے لڑکے کے متعلق بہت پریشان تھے۔ مجھ سے کہنے لگے باغی ہو کر گھر سے نکل گیا۔ تیرہ سال کی عمر میں۔ ابھی سے شاعری کرتا ہے۔ بھوکی پیڑھی کا ہمدرد شاعر۔"

نواب قمر الزماں نے جو مرآگے بڑھائے بغور سن رہے تھے۔ یک لخت ایک تلخ قہقہہ بلند کیا۔ لوگوں نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔ انجم آرا، اور اختر آرا، کی موت کے بعد آج وہ پہلی بار ہنسے تھے۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

بنگال کے ایک قدیم کوی ابھی نند نے کہا تھا "تالاب کنول سے بھر گئے بہار میں مکھیاں آم کے بور پر جمع ہیں۔ مسافت چھوٹی ہو تب بھی، ہوا جب گاڑی کے راستے میں رقص کرتی ہے، غریب الوطن کا دل دکھ سے بھر جاتا ہے۔" اور ڈھاکہ سے پورٹ آف اسپین کا راستہ بہت طویل تھا۔ واپس جانے سے قبل اس آخری شام وہ سنگِ سرخ کے تالاب کے کنارے پرانے "راج سنگھاسن" پر بیٹھی جہاں آرا سے باتیں کرتی رہی۔ اس نقلی شاہی تخت پر لڑکپن میں یہ لوگ اسی طرح بیٹھا کرتی تھیں۔

معاً جہاں آرا نے پوچھا: "ریحان بھائی کی دلہن کیسی ہیں، کون لوگ ہیں؟"

"عام سی گھریلو بی بی ہیں" دیپالی نے جواب دیا۔ "غریب شریف گھرانے کی لڑکی۔ بتا رہی تھیں اُوما رائے کے بھائی زمیندار رائے نشے میں عین کار چلا رہے تھے۔ گارڈن ریچ میں۔ ان زہرہ بی بی کے باپ اُن کی کار کے نیچے دب کر مر گئے۔ وہ ایک غریب کاریگر تھے۔ زردوز۔ جن کے دادا لکھنؤ سے کلکتے آ گئے تھے۔ اُوما دیدی نے تگ و دو کر کے بھائی کو پولیس کچہری سے بچا لیا۔ متوفی کی ایک ہی لڑکی تھی۔ ماں مر چکی تھی بھائی آوارہ نکل گئے تھے۔ اُوما رائے بطور تلافی اس یتیم بے سہارا لڑکی کو اپنے ہاں اپنی نئی کوٹھی میں لے آئیں۔ اپنے وارڈ روب کی دیکھ بھال اس کے سپرد کر دی۔ رہنے کے لئے ایک کوٹھری دیدی۔ زردوز کی لڑکی سینے پرونے میں طاق۔ بسلیقہ مند۔ احساس کمتری کی شکار۔ ریحان صاحب جو حسب معمول اُوما کے ہاں آتے رہتے تھے انہیں یہ لڑکی بھا گئی۔ یہ پارٹیشن کے ڈھائی تین سال بعد کی بات ہے۔ ریحان صاحب کے دل میں جانے کیا سنک آئی ایک دن اس بے چاری مظلوم لڑکی سے نکاح پڑھوا لیا۔ اُوما اس کے ساتھ بڑی ساس نند کا سا برتاؤ کرتی ہیں۔ وہ خاموش رہتی ہے۔ ریحان بھی اس کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیتے۔

"اُوما رائے کا ایک دلچسپ مشغلہ زہرہ نے بتایا۔ دائم المریض ہیں، سیاست سے کب کی کنارہ کش ہو چکی ہیں۔ صبح سویرے اُٹھ کر نزدیک بیلویڈیر چلی جاتی ہیں۔ ایک ملازم چھچھڑوں اور ہڈیوں کا برتن لے کر پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ سڑک اور باغ کے سائے آوارہ بلیوں اور کتوں کو ناشتہ کراتی پھرتی ہیں۔ پھر کوؤں کو دانہ ڈالتی ہیں۔ گھر واپس آ کر ریحان کی بیوی سے جھائیں جھائیں کرتی ہیں۔ ریحان عموماً گھر سے باہر رہتے ہیں۔

داٹس لائف۔"

جہاں آرا نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور اٹھ کر مغرب کی نماز کے لئے اندر چلی گئی۔ باورچی خانے کی طرف سے رابعہ آتی نظر آئی۔ ریحان کی چھوٹی بہن رابعہ جو اکمل کی شادی کے لئے اپنے گھر عظیم پورے سے

چند روز کے لئے ارجمند منزل آئی ہوئی تھی۔ وہ راج سنگھاسن کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔ شفق رنگ آسمان پر نظر ڈالی اور کہا۔ "میں بھی نماز پڑھ آؤں۔ ناصرہ کو تمہارے پاس بھیجتی ہوں۔"

"ناصرہ نماز نہیں پڑھتی ۔۔۔؟" دیپالی نے پوچھا۔

"نماز ۔۔۔؟ وہ خدا ہی کو نہیں مانتی۔ وہ اپنے ماموں پر پڑی ہے۔ اللہ کی شان ہے۔ مولانا برہان الدین احمد کا بیٹا اور نواسی دونوں ملحد۔" رابعہ نے جواب دیا اور تیز تیز چلتی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی۔

چند منٹ بعد اس کی لڑکی ناصرہ نجم السحر ارجمند منزل سے باہر آ کر "راج سنگھاسن" پر ٹک گئی۔ وہ ایک حساس، ذہین چہرے والی بیس سالہ لڑکی تھی۔ اور ایک جوشیلی اسٹوڈنٹ لیڈر۔ لگ بھگ اسی عمر میں میں نے انقلابی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا تھا۔ دیپالی نے سوچا۔ پچھلے ایک ہفتے میں دیپالی کی ناصرہ سے بہت دوستی ہو گئی تھی۔ ناصرہ اسے ایسٹ پاکستان کی پیچیدہ سیاست کے قصے سناتی رہی تھی۔ مولانا بھاشانی کی عوامی لیگ۔ باریسال اور کھُلنا کے قحط۔ جیسور کی زرعی تبھاگا تحریک۔ پولیس فائرنگ۔ زبان کا ایجی ٹیشن۔ پولیس فائرنگ۔ مظاہرے۔ آدم جی جوٹ مل کا فساد۔ عوامی محاذ۔ جیل یاترائیں۔ بنگال کی سیاست کا پرانا نقشہ۔ ادھر مغربی بنگال میں بھی تقریباً یہی سب ہو رہا تھا۔

"میں تمہارے ماموں کے متعلق تمہاری جہاں آرا خالہ کو بتا رہی تھی۔" دیپالی نے کہا۔

"مجھے ان کے متعلق سب معلوم ہے۔" ناصرہ نے ناگواری سے جواب دیا۔ "امی اپنے بھائی کو ہمیشہ سے آئیڈیلائز کرتی رہی ہیں۔ اور جہاں آرا خالہ بھی۔ اور شاید ۔۔۔ اور شاید ۔۔۔ آپ بھی۔ مگر ہم لوگ آپ لوگوں سے زیادہ تیز فہم ہیں۔ ہم کھرا کھوٹا پہچان لیتے ہیں۔ ماموں جان ۔ کیا خوب چیز ہیں۔ مکمل آدرش وادی۔ مجسم انٹرنیشنل گڈ وِل۔ آج پراگ میں ہیں۔ کل قاہرہ۔ پرسوں نیویارک۔ آج اس پولیٹیکل پارٹی میں ہیں کل اس میں۔ جہاں منسٹر بننے کے مواقع زیادہ نظر آئیں اُدھر کو لڑھک گئے۔ ماسکو اور واشنگٹن دونوں کے خیر خواہ۔ مکمل غیر جانبداری اسے کہتے ہیں۔"

"ناصرہ ۔۔۔" دیپالی نے رسانیت سے کہا۔ "کل کے باغی آج کے اسٹیبلشمنٹ میں شامل ہو چکے ہیں۔ تم آج کی باغی ہو۔ ممکن ہے تم کل کے اسٹیبلشمنٹ میں شامل ہو جاؤ۔"

ناصرہ نجم السحر استہزا کے ساتھ ہنسی۔

"دیپالی آنٹی ۔۔۔ معاف کیجئے گا آپ عمر کی اس اسٹیج پر پہنچ چکی ہیں جہاں انسان CYNICISM

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کو ایک دفاعی ہتھیار ۔ ایک نقدہ بکتر کی طرح استعمال کرتی ہے ۔ اس کا زاویۂ نگاہ بدل جاتا ہے ۔"

دیپالی کھلکھلا کر ہنس پڑی ۔ اس نے کہا " ناصرہ ڈیر ۔ تم نے ایلس ان ونڈرلینڈ پڑھی ہے ؟ اس کی وہ نظم یاد ہے ۔۔

YOU ARE OLD FATHER
WILLIAM, THE
YOUNG MAN SAID
AND YOUR HAIR HAS
BECOME VERY
WHITE
AND YET YOU INCESSANTLY
STAND ON YOUR
HEAD —
DO YOU THINK, AT
YOUR AGE
IT IS RIGHT ?

ناصرہ بھی ہنسنے لگی ۔ اور بولی ۔ " یہ بات تو آپ کے پنڈت نہرو سے کہنی چاہئے ۔"

ماّلا اندر سے قہوے کی ٹرے لے کر آئی اور اسے تخت پر رکھ دیا ۔ اس کے واپس جانے کے بعد دیپالی نے کہا ۔ " ناصرہ ۔ تم جہاں آرا سے ملتی رہا کرو ۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ وہ بیحد تنہا ہے ۔ قمر الزماں کی بیوی سے اس کی نہیں بنتی ۔ دیناج پور اپنی سسرال میں اب وہ رہنا نہیں چاہتی ۔ ماں مر گئیں ۔ دو جوان بہنوں کی خوفناک موت کا غم سہہ چکی ہے ۔ باپ چراغ سحری ہیں ۔ اور وہ اُن سے ہمیشہ سے خائف رہی ہے ۔ شوہر مر گیا ۔ جیسا کچھ بھی تھا ۔ اب لڑکے نے اپنا گھر بسا لیا ۔ وہ کتنی اکیلی ہے ۔"

" ہوں گی ۔ مجھے ان سے کوئی ہمدردی نہیں ۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اکمل مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا ۔ مجھے بھی وہ بیحد پسند تھا ۔ مگر میرے باپ معمولی آدمی ہیں ۔ کلاس ٹو افسر ۔ ہم لوگ عظیم پورے کے

ایک بہت معمولی سرکاری فلیٹ میں رہتے ہیں ۔ ہماری کوئی سماجی حیثیت نہیں ۔ جہاں آرا خالہ اپنے اکلوتے بیٹے کی خواہش رد کر کے ایک کروڑپتی انڈسٹریلسٹ کی لڑکی بیاہ لائیں ۔ یہ طبقہ ناقابل معافی ہے ۔ جب میں پیدا ہوئی تھی جہاں آرا خالہ نے میرے بڑے چاؤ چونچلے کئے تھے ۔ میرا نام نجم السحر انہوں نے ہی رکھا تھا ۔ امّی کو کپڑے بنا کر دیتی تھیں ۔ گویا ہماری سرپرستی کرتی تھیں ۔ ہم لوگ ان کے POOR RELATIVES تھے ۔" غصّے میں بھر کر اس نے ایک کنکر اٹھایا اسے زور سے تالاب میں پھینکا ۔ اور بات جاری رکھی ۔۔ " اور یہ نواب قمر الزماں ۔ ہمارے نانا ۔۔۔ یہ اب تک اس تگ و دو میں رہے ہیں کہ ان کو مرکزی کابینہ میں لے لیا جائے ۔ ناکام رہے ۔ ساری زندگی ان کی سیاسی داؤ پیچ میں گذری ۔ اولڈ گارڈ مسلم لیگی ۔ جب یہاں زبان کا ایجی ٹیشن ہوا انہوں نے اردو کی موافقت میں آواز اٹھائی ۔ جلوس نعرے لگاتا یہاں ارجمند منزل کے پھاٹک پر آیا ۔۔ اردو بھاشا چولبے نا ۔۔ اردو بھاشا چولبے نا ۔۔۔ یہ اپنی چھڑی ہاتھ میں لئے ترکی ٹوپی اوڑھے برآمدے میں جا کر چلائے ۔ ضرور چولبے ۔۔۔ ضرور چولبے ۔ جلوس اتنا مشتعل ہوا کر پتھراؤ کر دیتا ۔ بچ گئے ۔ اب یہ ایک پولیٹکل ریک نمبر ہیں اور فرسٹریٹیڈ ۔ لیکن یاد رکھئے ۔۔ " اس نے سنگھاسن پر سے اٹھ کر خطیبانہ انداز میں کہا ۔" یہ نہ سمجھئے کہ چونکہ ہم لوگ اردو امپیریلزم کے خلاف ہیں یا مغربی پاکستان جو ہمارا استحصال کر رہا ہے اس سے متنفر ہیں تو اس وجہ سے ہم انڈیا سے جا ملیں گے ۔ ہرگز نہیں ۔ جہاں انڈیا سے مقابلے کا سوال پیدا ہوا ہم پاکستان کی حفاظت اور سالمیت کے لئے کٹ مریں گے ۔ ہم پکّے پاکستانی ہیں ۔۔۔ اچھا دیپالی آنٹی ۔ اب میں چلوں ۔ کل آپ کو ایرپورٹ پہنچانے آجاؤں گی ۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی ۔

" اس وقت کہاں جا رہی ہو ۔۔ ؟"

" گھر ۔ عظیم پورہ ۔"

" تم شادی کے لئے یہاں ارجمند منزل میں نہیں ٹھہری ہو ۔ ؟"

" ہرگز نہیں ۔ امّی آگئی ہیں ۔ وہی ان لوگوں کی محبت میں گھُلی جا رہی ہیں ۔ میں روزانہ آپ سے ملنے یہاں آجاتی تھی ۔ اچھا خدا حافظ ۔"

دیپالی اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی ۔ وہ روش پر سے گذر کر بسرعت پھاٹک کی طرف چلی گئی ۔

دیپالی نے رات کی تاریکی میں ڈوبی کائی آلود ارجمند منزل پر نظر ڈالی ۔ اندر کمروں میں تیز روشنی ہو رہی تھی ۔ چہل پہل گہما گہمی ۔ مہمانوں سے گھر بھرا ہوا تھا ۔ دو دن بعد اکمل اپنی دلہن کے ساتھ مغربی پاکستان واپس

urdukutabkhanapk.blogspot.com

جانے والا تھا۔ وہ پشاور ایر فورس اسٹیشن میں تعینات تھا۔ اپنی کزن ناصرہ کی طرح وہ بھی بڑا شدید قوم پرست پاکستانی تھا۔ پاکستان کی دفاعی سرحد میں کا ایک فرض شناس جوشیلا، محبِ وطن ہوا باز۔

۳۷

شنکری کا ناچ

نئی دہلی

۳ اکتوبر ۱۹۶۵ء

مائی ڈیئر دیپالی

تمہارا خط آیا تھا۔ جلد جواب نہ دے سکی۔ اپنی شدید پریشانیوں اور فکروں میں مبتلا تھی۔ میرا بڑا لڑکا کمل اب فوج میں لفٹنٹ ہے۔ وہ محاذ پر لڑ رہا تھا۔ خدا باپ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ خیریت سے گھر واپس آ گیا۔ مگر ایک بری خبر سناتی ہوں۔ جہاں آرا کا بیٹا اکمل جموں پر بمباری کرتے ہوئے مارا گیا۔ یہ خبر مجھے بالکل اتفاقیہ معلوم ہوئی۔ میں سوچ سکتی ہوں کہ جہاں آرا بے چاری کا کیا حال ہوگا۔ تم تو اس بے چاری کی شادی میں شرکت کے لئے پچھلے سال ہی وطن آئی تھیں۔

جب کمل اور اکمل پیدا ہوئے ہی تو یاد نہیں کس نے یا تم نے یا میرے شوہر نے کہا تھا کہ کسی لفظ کے پہلے اُ ([illegible]) لگانے سے اس لفظ کی ضد بن جاتی ہے۔ سچ یہ نام ہی منحوس نکلا۔

موجودہ صورتِ حال میں جہاں آرا کو تعزیت کا خط لکھنا بھی ممکن نہیں۔ کیا قیامت ہے۔ تم اور جہاں آرا ٹیگور کا "شنکری ناچے۔ اتی گمبھیر نیل او مبرے ڈمرو باجے" بہت گایا کرتی تھیں۔ سو بے چارہ اکمل مرشد زادہ نیل او مبر میں ڈمرو بجانے گیا اور اس کے اپنے پرخچے اڑ گئے۔ ہندوستان اور پاکستان کی سرحد پر تمہاری شنکری زوروں میں ناچ گئی۔ تم وہاں آرام سے بیٹھی ہو۔ خوش قسمت ہو۔ پچ ڈوڈ۔

بیرسٹر صاحب کو سلام۔

تمہاری

رُوذی

۳۸

گُڈلک ڈائری

یکم جنوری ۱۹۶۶ء — ۱۲ ر پوش ۱۳۷۳ء — ۱۹ ر رمضان ۱۳۸۶ھ — ۱۸ ر پوہ ۲۰۲۳ء

نام: یاسمین بلمونٹ

دفتر کا پتہ:۔

گھر کا پتہ:۔

ٹیلیفون نمبر:۔

کار نمبر:۔

ڈرائیونگ لائسنس نمبر:۔

ٹی وی۔ لائسنس نمبر:۔

بینک اکاؤنٹ نمبر:۔

پاسپورٹ نمبر:۔

لائف انشورنس پالیسی:۔

بلڈ گروپ:۔ عینک نمبر:۔

آج سالِ نو ہے۔ اللہ کا نام لے کر اس نئی نویلی ڈائری کو شروع کرتی ہوں۔ جوڑھا کہ سے کوئی آفس والا مجھے دے گیا ہے۔ نام ہے "گُڈ لک ڈائری" اس میں میں لکھ رہی ہوں۔ لہٰذا اس کا نام بیڈلک ڈائری ہونا چاہئے۔ توبہ۔ توبہ۔ یا اللہ میں تیری ناشکری نہیں کرتی۔ ہزاروں سے اچھی ہوں۔ توبہ۔ توبہ۔ اللہ معاف کرنا۔ اللہ تجھ پر میرا سارا حال روشن ہے۔ میرے گناہوں کو معاف کرنا۔ تو غفور و رحیم ہے۔ میں نے بہت نافرمانیاں کیں۔ اپنے حافظ قرآن مولوی باپ کو صدمہ پہنچایا۔ اسٹیج پر ناچی گائی۔ مشرک سے بیاہ کیا۔ وہ بھی جائز نکاح ہی نہ تھا۔ بیٹی کو عیسائی بنوا دیا۔ اللہ میں تیرے غضب کے خوف سے تھر تھر کانپتی ہوں۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

مجھے عذابِ قبر سے بچائیو۔ اللہ تجھے اپنے حبیبؐ کا واسطہ۔

آج سال نو ہے۔ میں نے سینئر مسز بلمونٹ کو ٹرنک کال کی تھی کہ نئے سال کی مبارک باد اپنی بیٹی کو دوں۔ معلوم ہوا دادی پوتی دونوں ماس کے لئے چرچ گئی ہوئی ہیں۔ اللہ مجھے معاف کرنا۔ اللہ میں اپنے حالات اپنی مجبوریوں کا شکار تھی۔ اللہ تو تو میرے سب مصائب یا مجبوریوں سے واقف ہے۔ پھر بھی مجھے سزا دے گا؟

ڈیر ڈائری۔ اس ملک کی عورتوں کے بھی خون سفید ہیں۔ شہرزاد بیمار پڑی ہے۔ بڑھیا مسز بلمونٹ نے اسے ہسپتال میں ڈال دیا۔ اسے دیکھنے بھی نہیں جاتی۔ وہ گاؤں یہاں سے اتنی دور ہے۔ صبح کو ٹرین سے جاؤ رات کو تھکن سے چور ٹرین سے لوٹو۔ صبح سویرے پھر فیکٹری وقت پر پہنچو۔ یہ بے کیفی مسلسل محنت، جدوجہد کی زندگی کب تک چلے گی۔ ڈاکٹر نے کہہ دیا ہے تمہارا دل کمزور ہے۔ ڈانس کرنا بالکل چھوڑ دو۔ میری بیٹی شہرزاد جس کا اب پورا نام شہرزاد کرسٹینا جوزفین بلمونٹ ہے۔ مجھ سے کہتی ہے۔ اس کے دین میں احساسِ جرم اور احساسِ گناہ کی شدت ہی بخشش کا باعث بنتی ہے۔ بہت سے راہب اپنی پیٹھ پر خود کوڑے لگاتے ہیں۔ تو کوڑے تو مجھے زندگی ہی لگا رہی ہے۔ اللہ میرے عیوب سے چشم پوشی کرے۔

ڈیر گڈ لک ڈائری۔ پرسوں شام میں شیری کو دیکھ کر ہسپتال سے باہر آئی۔ گاؤں کی خاموش سڑک شدید بارش میں لنٹروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ میں بس اسٹاپ پر کھڑی ہو گئی۔ شیری مجھ سے بہت رکھائی سے پیش آئی تھی۔ شاید اس کی دادی نہیں چاہتی کہ میں اس سے زیادہ ملوں جلوں۔ شہرزاد ابھی تک برابر جھوکری ہے مگر اپنے باپ کی طرح بے رحم اور رکھائیاں اور دادی کی طرح سرد مزاج۔ وہ شاید یہ بھی نہیں چاہتی کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس کی ماں ایک کالی عورت ہے۔ اس کا اپنا رنگ سفید ہے۔ سبز آنکھیں۔ چوکلیٹ بال۔ اپنے حسین و جمیل باپ پر گئی ہے۔ وہ اپنے آپ کو دوغلا ظاہر کرنا نہیں چاہتی۔ آج وہ مجھ سے صاف صاف کہہ رہی تھی "ممی تم بار بار ہر ہفتے مجھے دیکھنے اتنی دور سے کیوں آتی ہو۔ مت آیا کرو۔ میں اچھی ہوں۔" میرا دل ٹوٹ گیا۔ میں باہر آ کر سنسان بس اسٹاپ پر کوچ کا انتظار کر رہی تھی۔ مینہ زیادہ تیزی سے برسنے لگا۔ بارش کے قطروں اور میرے آنسوؤں نے میرا چہرہ بھگو دیا تھا۔

اچانک مجھے محسوس ہوا کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ اللہ اللہ کہتے ہوئے میں چہرے پر ادث کر کے ذرا پیچھے ہٹی۔ اس اجنبی نے مجھے اللہ اللہ کہتے سن لیا۔ اردو میں بڑے ہمدردی کے ساتھ دریافت کیا "کیا آپ کا کوئی عزیز اس ہسپتال میں ہے؟"

میں نے جھجک کر اس کی صورت پر نظر ڈالی گورا چٹا۔ لمبا تڑنگا۔ پنجابی یا پٹھان۔ خاصا خوش شکل برساتی اوڑھے۔ وہ بھی اسی کوچ کا منتظر تھا۔ اس کے دردمند لہجے کے یہ دو بول سن کر میں جو اس وقت اس لمحے اس اتنی بڑی دنیا میں خود کو بالکل تنہا اور بے سہارا اور بے یار و مددگار محسوس کر رہی تھی مجھے ایسا لگا جیسے تاریک طوفانی بحیرہ کی لہروں پر ایک روشن محفوظ نو کا اچانک نمودار ہو گئی۔ میں نے ممونیت کے ساتھ اُسے جواب دیا۔ میری لڑکی ہسپتال میں ہے۔ اچھی ہے۔ اگلے ہفتے اُسے ڈسچارج کر دیں گے۔

تو پھر میں اس بری طرح بلک بلک کر رو کیوں رہی تھی۔ اس نے وجہ نہ پوچھی۔ روشن کوچ سلیٹی پھواروں میں سے نمودار ہوئی۔ وہ میرے ساتھ ہی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ راستے میں اس نے بتایا بیڈفرڈ سے آرہا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس کی کار خراب ہو گئی۔ اُسے ایک گیراج میں چھوڑا اب بس پکڑ کر شہر جا رہا ہے۔ آبائی وطن رامپور۔ یہاں لاہور سے آیا ہے۔ بزنس کرتا ہے۔ باتوں سے اعلیٰ تعلیمیافتہ معلوم ہوتا تھا۔ کہنے لگا آپ بنگالی ہیں۔ مگر اردو اتنی صاف کیسے بولتی ہیں اور وہ بھی پنجابی لہجے میں۔ میں نے بتایا میں برسوں سے لندن کی ایک ایسی گارمنٹ فیکٹری میں مزدوری کر رہی ہوں جہاں میری ساتھ والیاں سب پنجابی عورتیں ہیں۔ جی ہاں۔ میں ڈانسر ہوں لیکن ہول سیل قمیص سیتی ہوں۔ ناکام ڈانسر۔

ڈیر گڈ لک ڈائری۔ آج شام میں اور مقبول دیر تک ہیمپٹن کورٹ کے باغات میں ٹہلتے رہے۔ وہ کہہ رہا تھا عنقریب بارنز میں ایک بہت بڑا مکان خریدنے والا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا۔ مگر عقلمند کو اشارہ کافی ہے۔

مقبول کہتا ہے میں فیکٹری میں مزدوری کرنا چھوڑ دوں اور اس کی فرم میں کام کروں۔ چار گنی زیادہ تنخواہ مگر نہ جانے کیوں دل گوارا نہیں کرتا۔ میں اس کی احسان مند نہیں ہونا چاہتی۔ ابھی وہ میری بہت عزت کرتا ہے بہت رکھ رکھاؤ سے ملتا ہے۔ پھر میں اس کی ملازم ہو جاؤں گی اور وہ میرا آقا۔ نہیں۔ یہ بات غلط ہو گی۔ جتنا اللہ

urdukutabkhanapk.blogspot.com

تو مجھے صراط مستقیم پر چلائے جائیو۔ آمین۔

جب شہرزاد چھوٹی سی تھی۔ میں اور جیرالڈ جیلسی کی ایک تیوزمیار رہتے تھے۔ ٹیلی ویژن پر ایک پلے دیکھا تھا۔ AUTUMN CROCUS ایک غریب اسکول ٹیچر جس کی زندگی میں کوئی رنگ نہیں اسپنسٹر۔ کم مایہ۔ وہ پیسہ جوڑ کر چھٹی گذارنے سوئٹزرلینڈ جاتی ہے۔ وہاں اسے ایک بڑا دلاویز سا شخص ملتا ہے۔ نہایت اداس۔ ہلکا پھلکا غمناک سا رومانس۔ چھٹیاں ختم ہوتی ہیں۔ وہ آدمی اپنے ملک چلا جاتا ہے۔ اسکول ٹیچر اپنی اجاڑ زندگی میں واپس انگلستان آجاتی ہے۔

بڑھیا مسز بلمونٹ نے آج تک مجھے اپنے گھر نہیں بلایا۔ حرامزادی۔

شہر لوکہتی ہے بہت خوبصورت دومنزلہ مکان ہے۔ بہت بڑا باغ۔ بڑھیا اپنی جوانی میں ونڈمل تھیٹر میں بھی ناچ چکی ہے۔ بہت دولت مند ہے۔ شیری اسی لئے اس کی خوشامد میں لگی رہتی ہے۔ اور کوئی رشتہ دار ہے نہیں۔ بڑھیا اپنے اکلوتے لڑکے جیرالڈ کو عاق کر چکی ہے۔ شہرزاد نے آج تک مجھے کوئی معمولی سا تحفہ تک خرید کر نہیں دیا۔ ہاں پچھلی کرسمس پر ایک ہینڈبیگ لے آئی تھی۔ سال میں ایک دو بار مجھ سے مل لیتی ہے۔ خیر۔ خدا اسے خوش رکھے۔ ابا مجھے عاق کر چکے ہیں۔ دوسرے رشتہ داروں نے مجھے بھلا دیا۔ شاید وہ لوگ میرا ذکر بھی کرتے ہوں گے تو اس طرح کر چل پائے گوری کے مولویوں کے خاندان کی لڑکی اور آوارہ نکل گئی۔ خاندان کی ناک کٹا دی۔ خیر میرا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ میرے ہم وطن جب کبھی یہاں ملتے ہیں خصوصاً ڈھاکے والے بڑے جوش سے کہتے ہیں۔ کراچی آجائیے۔ آپ کے لئے حکومت ڈانس اکیڈیمی بنا دے گی۔ جب میں نے اس کے لئے خط و کتابت شروع کی۔ وہاں سے کوئی جواب ہی نہ آیا۔ میں بہت کمزور، بہت غیر اہم بہت معمولی ہستی ہوں۔ کون میری سنے گا۔ وہ تو بالکل شروع شروع کی بات تھی۔ ایک بنگالی منسٹر کو خوش کرنا تھا جس کی سفارش پر حکومت نے میرے فارن ٹور کا بندوبست کر دیا تھا۔ اس کے بعد ٹائیں ٹائیں فش۔

ڈیر ڈائری۔ دنیا بہت ہی ذلیل کمینی جگہ ہے۔ منسٹر ریحان الدین احمد کا رویہ دیکھا؟

فیکٹری میں میرے ساتھ کی دو پنجابی لڑکیاں بہت اچھی سنگرز ہیں۔ ان میں سے ایک نے مجھے خواجہ فریدؒ

کی ایک چیز سکھائی ـــــــ

مرنے تے مینوں ہٹک نہ ملاں
مینوں مرن دا شوق مٹاون دے
کجری بناں میری عزت نہ گھٹدی
مینوں نچ کے یار مناواں دے ـــــــ

کراچی میں بندر روڈ کے جگمگاتے اونچے فلیٹوں کے نیچے رات کے وقت ایک اندھا فقیر۔ سر پہ گول ٹوپی۔ ایک بچے کی انگلی تھامے آنکلتا۔ اور منہ اٹھا کر چلاتا ــ لے غم کے مارو ــ خدا تمہارا غم دور کرے۔ اور دفعتاً بڑے سریلے دلدوز آواز میں گانے لگتا ـــــ نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر۔ رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا ـــــــ

اتوار، ۳۰ جولائی ۱۹۶۷ء ـــ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ ـــ ۱۵ ساون ۲۰۲۴ ـــ ۸ امرداد ۱۳۴۶

گڈ لک ڈائری۔ اس برس کے بھی سات مہینے نکل گئے۔ اور ایک اکیلا تنہا انسان اور اتنے سارے کیلنڈروں میں گھرا ہوا ہے۔ کیوں؟ مسیحی۔ اسلامی۔ بنگالی۔ بکرمی۔ اور شاید ایرانیوں کا ایک اور کیلنڈر ہے۔ نہ جانے اس ڈائری کے چھاپنے والوں نے ایرانی کیلنڈر بھی کیوں نہ شامل کر دیا۔ ذرا وقت کا کنفیوژن اور بڑھتا۔

او مانجھی رے۔ او رنگین کشتی والے ملاح۔ کشتی موڑ لے۔ اس گھاٹ سے لگا دے۔ یہ ندی کب تک اس طرح بہے گی۔ اس ناؤ کو کب تک کھینا ہے۔ کس دھن میں شام سویرے کس دھن میں چلا جاتا ہے۔ تیرے دل میں کیا راز چھپے ہیں۔ بھائی مانجھی۔ کیا اس دریا کا کوئی انت نہیں۔ اس کا کوئی سرا نہیں او مانجھی رے۔

اور ـــ مانجھی رے بھائی۔ اب ہاتھ تھک گئے۔ کشتی کھینے کی اب سکت نہیں۔ میں نے دریا کے مخالف

urdukutabkhanapk.blogspot.com

سمت بھی چپّو چلائے۔ پر اب ہمت نہیں۔ او مانجھی رے۔

یہ سارے بھٹیالی گیت بار بار یاد آتے ہیں۔ میرے دکھی مظلوم خوبصورت دیس کے ملاحوں کے دلنواز دلدوز گیت۔ کیا میں کبھی واپس جاسکوں گی؟

آج میں نے دیپالی کو خط لکھا۔

روزی، اپنے میاں اور چاروں بچوں کے ساتھ مغرب کی سیاحت پر نکلی ہے۔ کیا ٹھاٹھ ہیں۔ میں نے اسے نہیں بتایا کہاں رہتی ہوں۔ کیا کرتی ہوں۔ شام کو ان کے ساتھ جاکر پکیڈلی میں کھانا کھایا۔ ہمارا پرانے دنوں کا ذکر نکلا جب روزی اور دیپالی انڈر گراؤنڈ انقلابی ورکرز تھیں۔ روزی کے بچوں کے ساتھ اُن کے ہندوستانی میزبان کے لڑکے لڑکیاں بھی تھے۔ میں نے ذکر کیا اسکول میں ہم لوگوں کی آرزو تھی کہ ریتی لتا، کلپنا دت اور کننک بردا کی طرح کی ہیروئن بنیں تو روزی کے میزبان کی لڑکی نے پوچھا آنٹی کیا یہ لوگ آپ کے زمانے کی فلم اسٹار تھیں؟

"کافکا کہتا ہے کہ بعض الفاظ کا مطلب محض اپنے زخموں کے ذریعے ہی سمجھ میں آتا ہے۔" اور ٹیگور نے بھی ایسا ہی بولا۔"

"اوہ گوڈ۔ کیپ کوائٹ یا سمین یو آر کریزی۔ ڈونٹ ڈسٹرب می۔ میں اپنی کمپنی کے کاغذات دیکھ رہی ہوں۔"

"چھن چھن چھن ۔۔ اچھا۔ سنو۔ ایک پولش رائٹر نے کہا ۔۔"

"ہُن۔ تم نے پھر ناچ شروع کردیا۔ ڈاکٹر نے تم کو منع کیا ہے۔"

"مینوں نچ کے یار مناون دے ۔۔ ہاہاہا۔"

"فور گوڈز سیک۔ گھنگرو اتارو۔ ڈاکٹر کا حکم مانو۔"

"سنو پولش رائٹر نے کہا ہے۔ انسان کی روح جو سات تالوں میں بند ہے اس میں ایک پوشیدہ گوشہ ۔۔ بتاؤں۔ سُن رہے ہو ۔۔"

"بکو ۔۔"

"ایک پوشیدہ گوشہ ہے۔ جس کو صرف مصائب کی کنجی ہی کھول سکتی ہے۔ اور اس گوشہ میں کامل مسرت اور افضل ترین فہم اور ادراک چھپا ہوا ہے ۔۔ اور مقبول ایک جگہ میں نے لکھا دیکھا ہے کہ جب میں مریم تھی میں نے خدا کو دیکھا۔"

"اور بکو۔"

"اور جب ہم اپنی مسرت کے بارے میں سوچتے ہیں اس وقت ہمارا تخیل بچے کے تخیل کی طرح بھولا اور معصوم ہوتا ہے ۔۔ اور یہ بھی کہ ہم جس دریچے میں کھڑے ہوتے اس کے سامنے کا منظر ہماری ملکیت ہوتا ۔۔

"اور ٹیگور ایسا بول گیا ہے کہ یاد مندر کی وہ پجارن ہے جو حال کو مار کر اس کا دل مردہ ماضی کے سامنے پیش کرتی ہے۔"

"اور کیا کیا بول گیا ہے؟ تمہارے ٹیگور نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔"

"چھن چھن چھن ۔

جو پہرا دے سو ہی پہنوں

جو دے سو ہی کھاؤں ۔۔

جہاں بٹھا دے تاں ہی بیٹھوں ۔۔

سے یُو لو می۔" میں نے التجا کی۔

"آئی لو یو" اس نے جواب دیا۔

مقبول اچانک اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ گھڑی دیکھی اور کہا اسے ضروری کام سے جانا ہے۔ خدا حافظ کہہ کر باہر گیا کار میں بیٹھا اور چلا گیا۔ مقبول ایک سیلف میڈ بیحد دولتمند کاروباری ہے اور عموماً سیلف میڈ کامیاب لوگ خود غرض ایگو سنٹرک اور خود پسند اور مغرور ہوتے ہیں۔ وہ بھی ایگو سنٹرک، خود پسند اور مغرور ہے۔ مگر بہت سی چیزوں میں اصول پرست اور راستباز۔

وہ اپنی ایک کتاب میرے کمرے میں بھول گیا تھا۔ میں نے کتاب اٹھائی کہ سنبھال کر رکھ دوں جب دوبارہ آئے گا دے دوں گی۔ کتاب میں سے ایک کھلا خط سرک کر نیچے گرگیا۔ مناز کچی اردو تحریر۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ڈیر بیڈ لک ڈائری میں نے وہ خط پڑھا:

میرے پیارے خاوند عالی جناب خان مقبول احمد خان صاحب ۔ کنیز دست بستہ آداب بجالاتی ہے اور عرض کرتی ہے کہ واضح ہو کہ منی آرڈر موصول ہوا ۔ میں خیریت سے ہوں ۔ بچے بھی خیریت سے ہیں گے اور آپ کو یاد کرتے ہیں گے ۔ دیگر یہ کہ آپ کو ولایت گئے بہت برس ہو گئے ۔ اب آکر اپنی پیاری صورت دکھا جائیے یا ہم لوگوں کو وہاں جلد از جلد کر کے بلا لیجئے ۔ اپنی ہیلتھ کا خیال رکھیں ۔ مکرمہ ساس صاحبہ مکرم سسر صاحب آپ کو دعا لکھواتے ہیں ۔ پیاری نند شاہدہ خاتون سلام عرض کرتی ہے ۔ باقی ہر دم آپ کو یاد کرنے والی

آپ کی

ناچیز زوجہ میمونہ سلطان

آج بتاریخ ۹ ستمبر بمقام لاہور سے پوسٹ کیا۔

اصول پرست ، راستباز خان مقبول احمد خاں صاحب ۔ عالی جناب خان صاحب ۔ تم بھی

---

۳ اکتوبر ۔ گہری رات ۔ اُلو کی آنکھ ۔ بلی کی آنکھ ۔ چیتے کی آنکھ ۔ برہن کی آنکھ ۔ خاموشی سمندر ہی ہے دردِ خزاں ایک ایسی کمزور بے بس عورت ہے جس کا آدمی اسے چھوڑ کر بھاگ گیا ہو ۔ میمونہ سلطان خزاں ۔ ہری ہری کایا جانے کس کا دلداری کا ایک بہت پرانا گھسا پٹا ریکارڈ ارجمند منزل میں موجود تھا ۔ اور جہاں آرا آپا اسے اکثر بجایا کرتی تھیں ۔ جل جانے دو ۔ جل جانے دو اس دنیا کو ۔ یاں کوئی کسی کا یار نہیں ۔

تم بھی غم مت کرو میمونہ سلطان ۔ اے غم کے مارو غم مت کرو ۔

ڈیر ڈائری ۔ میں نے ابھی ابھی طے کیا ہے ۔ کل گارمنٹ فیکٹری کے سالانہ جلسے میں خوب ناچوں گی ۔

WHAT THE BLOODY HELL

ڈیر ڈائری ۔ تم تو وہی مسز سرتھ کی پرانی ڈائری ہو ۔ آج میں نے اتنے برسوں بعد الماری کے نچلے خانے میں تم کو پڑا پایا ۔ ۳ اکتوبر کے بعد سارے ورق سادے ۔ کیا ہوا تھا ؟ ہارٹ اٹیک ۔ طویل بیماری پھر DOLE پر جینا ۔ شہزادہ سوڈلنگ کر رہی ہے ۔ کبھی دیکھنے بھی نہیں آتی ۔ روزی ، دیپالی کسی کو میں خط نہیں لکھتی کیا لکھوں ؟ اپنی ساس کا سر ۔ مقبول نے اچانک ملنا جلنا چھوڑ دیا ۔ ایک دائم المریض عورت کے ساتھ کون اپنا وقت خراب کرے ۔ سنا ہے ایک حسین انگریز لڑکی اس کے ساتھ رہتی ہے ۔

اور جب تم گئے تو میں نے دیکھا کہ خدا کے پاؤں کے نشان فرش پر بنے تھے ۔ ٹیگور نے کہا تھا ۔ ہا ہا ہا دیر ہو گئی ۔

BUT WHEN THE NIGHT IS
ON THE HILLS, AND THE
GREAT VOICES
ROLL IN FROM THE SEA,
BY STARLIGHT AND BY
CANDLELIGHT HE COMES
BACK TO ME

دھت ۔

نادر دام تانا دی رے نا ۔ نادر دام تا نا دی رے نا ۔

شیری کا باپ جیرلڈ بلومنٹ ایک GAY LIB رسالے کا اسسٹنٹ اڈیٹر ہو گیا ہے ۔ سنا ہے اب ایک جرمن لڑکا اس کے ساتھ رہتا ہے ۔ زندگی بڑی ڈراؤنی چیز ہے ۔ بھیانک ۔

ڈیر گڈ لک ڈائری ۔ آج صبح برسوں بعد مقبول نے فون کیا ۔ بڑی دردمندی سے کہا اگر مجھے ملازمت کی ضرورت ہو ۔ ہیمبرگ میں اپنی برانچ میں ہلکا پھلکا ریسپشنسٹ کا کام دیدے گا جس میں مجھے محنت نہ کرنی پڑے ۔ میں نے یہ پیشکش قبول کرنے سے انکار کیا ۔

ڈیر بیڈ لک ڈائری ۔ آج میں خود مقبول کے دفتر گئی تھی ۔ وقت مغرور انسانوں کو بھکاری بنا دیتا ہے ۔ میں نے

اس نے کہا مجھے وہ جرمنی والی نوکری دیدے۔ بڑے اخلاق سے ملا۔ میرے متعلق خاصا متفکر نظر آتا تھا۔ اگلے مہینے سے انشاء اللہ میں ہیمبرگ میں کام شروع کردوں گی۔ شہرزاد لاپتہ ہے۔ شاید امریکہ چلی گئی۔ باہر برف موسلی کی طرح گر رہی ہے۔ پرسوں کرسمس ہے۔ میرے ساتھ کرسمس منانے والا کون ہے۔ چچا سارتر نے سچ کہا ہے۔ جہنم دوسرے لوگ ہیں HELL IS OTHER PEOPLE

کرشن چترودشی میں ـــــ اندھیری رات میں ایک بار میں دیپالی کے ساتھ پدما پر گئی تھی۔ وہاں دیپالی نے ہم سب کے نام کے چراغ جلا کر پتوں کی کشتیاں بنا کر ان میں رکھے تھے اور ان کو پانی میں چھوڑ دیا تھا۔ وہ چراغ پانی پر بہتے کچھ دور جاکر گھپ اندھیرے میں کھو گئے تھے۔

ریحان الدین احمد سنا ہے۔ کلکتہ سے ڈھاکے واپس چلے گئے۔ انڈیا میں دال زیادہ نہیں گلی۔ اب واپس ڈھاکہ میں بھی منسٹر نہ ہوجائیں تو میرا نام بدل دینا۔ لوگ پرسنلٹی چینج کی بات کرتے ہیں۔

"اور میں تو ایسی رحمدل تھی کہ کتوں بلیوں بے عقل چڑیوں تک کی دلآزاری نہ کرتی تھی۔ لوگوں نے مجھے اتنے دکھ کیوں دیئے؟"

"MUSIC IN WHERE YOU HEAR IT"

گارمنٹ فیکٹری میں میری سکھ رفیق کار منجیت کور بڑے جذبے سے گایا کرتی تھی ـــــ اگ بار جو ترے دوارے۔ وہ بھوَ ساگر توں تر جاوے۔ جن آجا عرشاں والیا ـــــ

جانے وہ ہے بھی کہ نہیں۔ اب ذرا ذرا شبہ ہوچلا ہے۔

"LOVE IS THE STATE
OF TOTAL SECURITY
NON-LOVE IS THE
STATE OF TOTAL ABSENCE"

ڈیر گڈ ڈائری۔ کل مقبول آیا تھا۔ بہت دیر بیٹھا رہا۔ کہنے لگا میمونہ سلطان پیدائشی IMBECILE ہے۔ چچا کی لڑکی تھی اس لئے نوعمری میں اس سے شادی کردی گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اس کے ساتھ کبھی زیادہ نہیں رہا۔ اب تک وہ اپنی بزنس پھیلانے میں مصروف تھا۔ اسلام میں چار جائز ہیں۔ کیا میں ـــ ؟

"ہاں" میں نے جواب دیا۔

"میں جلد سب معاملات طے کرتا ہوں"

"وہ بارنز والا مکان ـــــ ؟"

"اس سے زیادہ بڑا اور زیادہ شاندار گروونر اسکوائر میں۔"

اس کے بعد سے وہ پھر غائب ہے ـــــ او مانجھی رے۔ افسوس کہ یہ نادر بھی۔

ہیمبرگ برانچ کا منیجر پنجابی ہے۔ جب سے بنگلہ دیش والی خبر چھپی ہے مجھے طعنے دیتا رہتا ہے۔ میں چپ رہتی ہوں۔ جواب دے کر کہاں جاؤں گی۔ زمانہ انسان کو بزدل اور مصلحت پسند بھی بنا دیتا ہے۔ کل معلوم ہوا مقبول کی بہن بہنوئی اور دو بھائی سب کے سب دوسرے "بہاریوں" کے ساتھ چٹا گانگ میں مارے گئے۔ سنا ہے مقبول کا صدمے کی وجہ سے نروس بریک ڈاؤن ہوگیا ہے۔ مجھے اپنے گھر والوں کی خیریت معلوم نہیں۔ اس کالی آندھی میں کس سے معلوم کرواؤں۔ آج صبح یہاں کے سابق مشرقی پاکستانی حال بنگلہ دیشیوں کا ایک گروہ میرے پاس آیا تھا۔ انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں فوراً اس دفتر میں کام کرنا چھوڑ دوں۔ کیونکہ مقبول پاکستانی ہے۔ میں نے کہا پہلے ہم ہندوؤں کے خلاف تھے۔ اس لیے پاکستان بنایا۔ کیا مقبول مسلمان نہیں ہے؟ مگر وہ پاکستانی ہے۔ اور اگر میں یہاں کام کروں تو غدار۔ پھر کہاں جاؤں۔ دوسری ملازمت مجھے آسانی سے نہیں ملے گی۔ میرے پاس کوئی اکیڈیمک کوالیفکیشن نہیں ہے۔ میں نے محض رقص میں مہارت حاصل کی تھی۔ میرے ہم وطن لڑ جھگڑ کر چلے گئے۔

آج صبح پنجابی منیجر نے مجھے خود ہی نوٹس دیدیا۔ میں نے مقبول کو ٹرنک کال کیا۔ وہ کراچی گیا ہوا ہے۔ اب میں پھر ڈول پر جاتی ہوں۔

---

urdukutabkhanapk.blogspot.com

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہندو بنگالیوں کے ہاں کالی اور مہادیو کا تصور لرزہ خیز ہے۔ تخریب۔ سنسنی۔ قہر۔ بلاخیز ہلاکت۔ بھینکر اندھکار۔ خون۔ قیامت۔ دیپالی کی پھوپھی بھوتارنی دیبی چندر گنج میں بڑی عقیدت سے جھوم جھوم کر ایک ہندی کیرتن گاتی تھیں۔

اگڑ دم بگڑ دم باجے ڈمرو۔ ناچے سدا شو جگت گرد
برہما ناچے وشنو ناچے ناچے مہادیو
کھپڑلے کے کالی ناچے ناچے چاروں دیو
کھپڑلے کے کالی ناچے۔ کھپڑلے کے کالی ناچے۔

نذر الاسلام کو کالی کے اس تصور نے کتنا فیسی نیٹ کیا تھا۔ کھپڑلے کے۔۔۔ آتش نوا نذرل کا بنگال اس وقت آگ اور خون میں ڈوب گیا۔ یہ جملہ بھی ڈیڑ ڈاری ایک کلیشے بن چکا ہے۔ اور کلیشے میں تبدیل ہو کر الفاظ اپنی معنویت اور اہمیت کھو دیتے ہیں۔

چار سال گذر گئے۔ چار سال سے میں منتظر ہوں۔ شاید ایک دفعہ مقبول کے دل میں پھر تنکی آجائے اور وہ یاد کرلے۔ لیکن اب ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ وہ خود گروونر اسکوائر میں منتقل ہو چکا ہے۔ میں یہاں اس ملک میں شہر بہ شہر ادنیٰ ترین نوکریاں کرتی پھر رہی ہوں۔ مزدور طبقہ کے ترکوں اور ایشیائیوں کی بھیڑ میں شامل ہم وطن اعلیٰ مرتبت بنگلہ دیشی یہاں ملتے ہیں کنی کترا کے نکل جاتے ہیں کہ شاید میں اُن سے امداد کے لئے کہوں گی۔ زیادہ تر نئی جنریشن والے تو مجھے پہچانتے ہی نہیں۔ انہوں نے میرا نام تک نہیں سنا۔ پرانی نسل والوں کے لئے میں اب ایک EMBARRASSMANT ہوں۔ چند ایک نے مجھے سپرٹن مشہور کردیا ہے۔ کیا واقعی میرا کریک اپ ہوتا جارہا ہے؟ برتن دھو چکنے کے بعد رات گئے تک، جب تک ریسٹوران خالی نہیں ہو جاتا ایک کونے میں تنہا بیٹھی سڑک کو تکتی، لگاتار سگریٹ پیتی مغربی پوشاک میں ملبوس سانولی عورت۔ خالص انتظار۔ کچھ نہ ہونے کا انتظار۔ کیا مقبول اب بھی سامنے سڑک کے دھندلکے میں سے نمودار ہو سکتا ہے؟ ناممکن۔ اب یہ کیسے ممکن ہے۔

اسی طرح میں ایک روز ایک گوشہ میں بیٹھی سیاہ قہوہ پی رہی تھی۔ ایک خوفناک بوڑھے گلف عرب نے دور سے مجھے نوٹوں کی گڈی دکھائی۔ اس رات سے میں نے طعام خانے میں بیٹھ کر سڑک کو تکنا بھی چھوڑ دیا۔

رات آئینے میں مجھے اپنا عکس نظر نہیں آیا۔

کل میں فرینک فرٹ جارہی ہوں۔

فرینک فرٹ۔ ۲۸ جنوری۔ آج میں نے بنگلہ میں ایک ایسا سیاہ پوش FUGUE لکھا ہے کو مارتھا گریہم دیکھ لے تو جھوم جائے۔ INDIAN MODE PURAVI - SAD EVENING MELODY.
OVERTURE ۔۔۔ وہ دیکھو دریا سے کہرہ اُٹھا۔ غبار تاروں کا اُڑ رہا ہے۔
BASS ۔۔۔ کھنڈروں کے دھندلکوں میں الم کے مغنی پکارتے ہیں کہ وقت نے مرہم دیا ہے کہ وقت نے مرہم۔ وقت نے۔
POINT ۔۔۔ ہمیں یقین تھا کہ روز فردا کرن کرن دل میں آبسے گا۔ کیا کرے گا جہاں کو روشن۔
COUNTERPOINT ۔۔۔ الم کے ساتھی سیاہ کپڑوں میں، ہیدلی کے علم اٹھائے یوں نوحہ زن ہیں: یہ وقت کرب و بلا ہے آؤ۔ جھکاؤ سر۔ آنسوؤں کے دریا بہاؤ۔ یہ وادیٔ محن ہے۔
BASS ۔ جنازے واپس گھروں کو آئے۔ جنازے واپس۔ جنازے واپس۔

بکواس۔ مور بڈ بکواس۔ او۔کے۔ میں MODE بسنت میں موسم بہار کا ہیلے کرو گرات کرتی ہوں۔ دل سخت کرو۔ دل سخت کرو۔ اسی طرح زندہ رہنا ممکن۔
یہ جتنے لوگ سامنے ہم بولت استراسہ پر اس وقت چل رہے ہیں: یہ دراصل کسی قبرستان، کسی کریمٹوریم کی سمت قدم بڑھا رہے ہیں۔ جتنے لوگ زندہ ہیں سب POTENTIAL لاشیں ہیں۔ میرے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اس میٹے ہاؤس میں جتنے لوگ مقیم ہیں سب فانی ۔

۲۴ر جنوری ۔ فرینک فرٹ میں کام نہیں بنا ۔ واپس ہمبرگ ۔

اب دریا اور سمندر برف سے ملتے ہیں ۔

اللہ ۔ میں ترے اسرار سمجھنے سے انکار کرتی ہوں ۔ میں تیرے قہر اور ترے جلال اور تیرے غضب کے آگے ایک ذلیل کتیا کی طرح لرزاں ہوں ۔ سزائے موت کے قیدی کے مانند جو جلاد کی دستک کا منتظر ہو ۔ خداوندا میں تیرے سامنے حاضر ہوں ۔

میرا دل ۔۔ جو کالی کا مندر ہے جس میں خلقت اٹاٹوٹ گھسی ہوئی ہے ۔ جس کے تنگ صحن میں بکری کے بچوں کا سر کلہاڑی سے جدا کیا جاتا ہے ۔ کالی کی تین سرخ آنکھیں سامنے دیکھ رہی ہیں جدھر جہنم ہے ۔ کالی کی مورتی کلکتہ کی کالی باڑی میں سوا تین سو سال سے زمین میں آدھی دھنسی ہوئی ہے ۔ آدھی دفن ہے ۔ ہر عورت کی طرح جو ہمیشہ آدھی دفن رہتی ہے ۔ اور کالی کے مندر کے فرش پر کتوں کے پلّے لوٹتے پھر رہے ہیں ۔ عورتیں بکروں کا سرخ سرخ گوشت کاٹ رہی ہیں ۔ میرا دل سونا گاچی کی تاریک گلی ہے جس میں میری آرزوئیں میری پشیمانیاں میری حسرتیں پاؤڈر سے لپی پُتی سستی ساڑیوں میں ، کونوں کھدروں میں ، غلیظ دیواروں سے لگی کھڑی ہیں اور آنے والوں کو تک رہی ہیں ۔ ہر آرزو یہ سوچتی ہے ۔ اب کا آنے والا مکتی لائے گا ۔ اور اس گلی سے نکال لے جائے گا ۔

اب سارے دروازے مقفل ہیں ۔

گلی تو چاروں سمت بند ہوئی ۔ میں ہری ملن کیسے جاؤں ۔

جب فون کی گھنٹی بجتی ہے دل لرزتا ہے ۔ شاید مقبول نے فون کیا ہو ۔ شاید شہرزاد نے فون کیا ہو ۔ اس لمحے سے میری عقوبتوں میں اضافہ ہو گا ۔ میراں دیکھا عقوبت رساں مجھے مرتے دم تک کوڑے مارتا رہے گا ۔ خداوندا تو جو رحیم و کریم ہے تو نے مجھے اس لئے پیدا کیا کہ میں اس طرح زندہ رہوں ــــــ اور جانے کس طرح مروں گی ــــــ ؟ میری زندگی میں او خدائے ذوالجلال تو خوب جانتا ہے کہ بیشتر وقت ایسے آ گئے ہیں جب میں نے کہا ہے یہ میری زندگی کا بدترین ، خوفناک ترین لمحہ ہے ۔ اس وقت مجھے علم نہیں تھا کہ ابھی بھی اس سے کہیں زیادہ برے وقت آنے باقی ہیں ۔ میرا خدا میرے دشمنوں کے سامنے میرا سر جھکاتا ہے ۔

ڈیر بیڈرنگ ڈائری ۔ میرا کریک اپ ہوتا جا رہا ہے ۔ کیا مجھے پرسیکیوشن کو میلیکس ہو گیا ہے ؟

مگر ایک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہیں ـــــ

او مانجھی رے ۔ اپنی پتوار الگ رکھ دو ۔ تمہاری ناؤ ٹوٹ چکی ۔ جانے کا وقت آ گیا ۔

"آخری نقطہ نظر کے آگے اور کوئی منظر نہیں ہے ۔"

دوسرا ہارٹ اٹیک ۔ میں نے ریحان الدین احمد کی بہن رابعہ آپا کو ان کے ڈھاکے کے پرانے پتے پر خط لکھا ہے ۔ کہ اگر میں یہاں مر جاؤں تو میری غائبانہ نماز جنازہ ڈھاکے کی کسی مسجد میں ادا کروا دیں ۔

کیا یہاں سب بدباطن ہیں ؟ بھرتری ہری نے لکھا تھا معصوم انسانوں کے لئے ہر جگہ بدباطن انسان موجود ہیں ۔ سانپ کی طرح ایک آدمی کا کان چاٹنے کے لئے دوسرے کو ختم کر دیتا ہے ۔ برے انسان پستی سے بلندی کی طرف ترقی کرتے ہیں ۔ جس طرح شفاف پانی سانپ کے منہ میں پہنچ کر زہر بن جاتا ہے ۔ اسی طرح "معصوم آدمی کے الفاظ بدمعاش کے منہ میں پہنچ کر زہر بن جاتے ہیں ۔ میں بدمعاشوں کے نشتروں کو ضبط کر کے ہنستا ہوں ۔ کب تک ؟ کب تک بھرتری ہری ؟

کہیں میں نے یہ بھی پڑھا کہ دنیا THERMODYNAMICS کے دوسرے اصول پر عمل کر رہی ہے ۔ کنفیوژن بڑھ رہا ہے ۔ نظامِ عالم ختم ہو رہا ہے ۔ دنیا اسی طرح بہت جلد نیست و نابود ہو جائے گی ۔ سورج سرد پڑ جائے گا ۔ مذہب کہتا ہے قیامت آ جائے گی ۔ شاعر کہتا ہے ۔ نہیں سب کچھ باقی رہے گا ۔ انسانیت زندہ رہے گی ۔ اللہ جانے ۔

میں بہت وقار سے مرنا چاہتی ہوں ۔

دکھ سکھ ۔ جنون اور صحیح الدماغی ۔ محبت اور نفرت ۔ جنگ اور امن ۔ غربت اور امارت ۔ شکست اور فتح ۔ شرافت اور رذالت ۔ گناہ اور معصومیت ۔ زندگی اور موت سب میں فقط بال برابر کا فرق ہے ۔ پل کی پل میں انسان ادھر سے اُدھر ہو سکتا ہے ۔

ڈیر گڈ لک ڈائری ۔ کل رات میری بیٹی شہرزاد کی شکاگو سے ٹرنک کال آئی میں گھر پر نہ تھی ۔ آج

urdukutabkhanapk.blogspot.com

وہ پھر ذکر کرے گی۔ بہت دنوں بعد اس کی آواز سنوں گی۔ میں بے انتہا مسرور

(نا تمام)

۳۹

شہر زاد کرسٹینا بلمونٹ

ہمبرگ۔ ۱۹ جون

ڈیر مسز سین۔ آپ مجھے نہیں جانتیں لیکن میں نے اپنی ممی سے آپ کا ذکر بہت سنا ہے۔ آپ کو شاید اخباروں سے معلوم ہوا ہو۔ میری والدہ مادام یاسمین بلمونٹ ایک حادثے کا شکار ہو گئیں۔ ایلب کے کنارے کنارے جا رہی تھیں پاؤں پھسل گیا۔ میرا ذاتی خیال ہے وہ خود دریا کے اندر چلی گئیں۔ میں آپ سے واقف نہیں۔ ممی سے خاصی واقف تھی۔ میرا ذاتی خیال ہے آپ جگنو، گاندگی مسز نجی نائیڈو۔ نہرو ٹیگور کے پرستار لوگ خاصے کنفیوزڈ اور بھولے تھے۔ آپ لوگ اب C O P E نہیں کر سکتے۔ C O P E تو میں بھی نہیں کر رہی ہوں لیکن مجھے کوئی دعوے نہیں ہیں۔ آپ لوگوں کو (ممی سمیت) بہت دعوے تھے۔ میں جانتی ہوں میں ایک تیرتا ہوا تنکا ہوا میں اڑتا ہوا پتہ یا چیونٹی یا کیچوے کی طرح بے بضاعت جاندار ہوں۔ زمان و مکان میں میری کوئی حیثیت نہیں۔ حیاتِ انسانی بالکل مہمل اور لایعنی ہے۔ یقیناً آپ کہیں گی میرے منفی بیمار خیالات مغربی یورپین ڈیکیڈنس کا نتیجہ ہیں۔ یوں ہی سہی۔ آپ لوگوں کے مثبت، صحتمند، اعلیٰ روحانی خیالات کا کیا نتیجہ نکلا۔ بات یہ ہے مسز سین کہ میں چوبیس سال کی عمر میں آپ سے اور اپنی بے چاری رومینٹک غمزدہ آئیڈیلسٹ دکھی ممی سے کہیں زیادہ ہوشمند، تجربہ کار بلکہ خرانٹ ہوں۔ دنیا کا کوئی تجربہ پوچھیے ـــــ ذہنی۔ روحانی جسمانی۔ وہ میں کر چکی ہوں۔ کسی صوامی، گرو، مرکٹ کا ذکر کیجیے۔ میں وہاں جا چکی ہوں۔ کسی خطرناک سے خطرناک منشیات کا نام لیجیے۔ خاکسار اس سے بہرہ ور ہو چکی ہے۔ اخلاقیات کا آپ لوگوں کا نسخہ بیکار ثابت ہوا۔ ممی کے ساتھ ٹریجڈی یہ ہوئی کہ وہ دورا ہے کی تہذیب سے آئی تھیں۔ بنگالی، مسلمان، پاکستانی ہوتے ہوئے انہوں نے مغربی روئیے اپنانا چاہے۔ اندرونی روحانی تصادم شدید تھا اسی لیے تاب نہ لا سکیں اور ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ اب میں آپ کو اصل وجہ بتاتی ہوں وہ کیوں مریں۔

وہ پچھلے بیس بائیس سال سے مغرب میں کافی تنگی ترشی سے گزر کر رہی تھیں۔ مختلف کارخانوں میں مزدوری کی۔ رقص کا انٹرنیشنل کیریر بنانے میں ناکام رہیں۔ کیونکہ ڈانسر کی عمر دس سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اور مصائب اور مایوسیوں نے ممی کو قبل از وقت کمزور اور بوڑھا کر دیا۔ دل کا عارضہ لگ گیا۔ لیکن غالباً وہ اس وجہ سے مریں کہ پچھلے دنوں میں نے ان کو شکاگو سے فون پر مطلع کیا کہ میری تصویر پلے بوائے کے سنٹر اسپریڈ پر چھپنے والی ہے۔ میرے لیے یہ بڑے فخر کی بات تھی۔ بہت کم لڑکیاں اتنی خوش نصیب ہیں جن کو یہ اعزاز میسر ہو۔ میں نے ان کو بڑی مسرت کے ساتھ شکاگو سے یہ بتانے کے لیے ٹرنک کال کیا۔ جواباً وہ خوب چیخیں چلائیں اور ریسیور پٹخ دیا۔ چند روز بعد مجھے اُن کے حادثے کی خبر ملی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کپڑے پہننے اور اتارنے اور جسم کی اناٹومی کو آپ لوگوں نے اتنی شدید اہمیت کیوں دے رکھی ہے۔ جنس کے بارے میں یہ سارے بے معنی اور لغو رویّے میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ بہر حال میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ میں اب اچھی خاصی کامیاب موڈل ہوں۔ اور اب تک ہر نسل اور قوم کے اتنے آدمیوں کے ساتھ سو چکی ہوں کہ ان کی گنتی بھی مجھے یاد نہیں۔ اور ممی بے چاری محض ایک مدد جیرلڈ ایڈرین بلمونٹ سے شادی کر کے بقیہ عمر اس احساسِ جرم میں مبتلا رہیں کہ جس شخص سے ان کا نکاح "غلط سلط پڑھا دیا گیا تھا۔ وہ تین سال تک اس کے ساتھ رہیں۔ میرے والد سے علیحدگی کے بعد مجھے یقین ہے مرحومہ نے نہایت پاک دامنی کی زندگی گزاری ہوگی۔ بے مصرف، بے کار، بے معنی زندگی۔ کتنا انمول وقت ضائع کیا بے چاری نے۔ گئی جوانی واپس نہیں آتی۔ انسان دنیا میں صرف ایک بار ہی آتا ہے۔

دوسرا "احساسِ جرم" ممی کو یہ تھا کہ انہوں نے اپنی اجازت سے مجھے رومن کیتھولک بنوا دیا۔ یہ سب میں آپ کو اس لیے لکھ رہی ہوں کہ میں پرسوں شکاگو سے یہاں آئی۔ ان کے کمرے میں ان کے سرہانے سے ایک ڈائری برآمد ہوئی کئی سال پرانی ڈائری ہے جس میں وہ وقتاً فوقتاً لکھتی رہی تھیں۔ اردو۔ بنگلہ۔ کہیں کہیں انگریزی۔ اس میں آپ کا نام اور پتہ بھی درج ہے۔ نہ مجھے بنگلہ آتی ہے نہ اردو۔ آپ کی پرانی دوست تھیں لہٰذا یہ بے چاری المناک ڈائری میں آپ کو بھیج رہی ہوں۔ میں امید کرتی ہوں آپ اسے ممی کی یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھنا پسند کریں گی۔

میں ہوں آپ کی مخلص،
شہر زاد کرسٹینا بلمونٹ

urdukutabkhanapk.blogspot.com

P.S. نامعلوم میرے والد کہاں ہیں۔ سنا ہے لندن میں GAY LIB تحریک کے آرگنائزز میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان سے آج تک ملاقات نہیں ہوئی۔ میری دادی کا انتقال ہو چکا ہے۔

یہ مقبول احمد خاں کون صاحب ہیں۔ ان کو گولی ماردینی چاہئے۔

P.P.S. آپ کی نسل کا دوغلا پن اور اخلاق کے دوہرے معیار حیرت انگیز ہیں۔ آپ لوگ لندن آکر جوق در جوق "OH! CALCUTTA!" اور "HAIR" دیکھتے ہیں۔ اور پھر ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔ ہم نے خود کو پرانی زنجیروں سے آزاد کر لیا ہے۔ شاید اس وجہ سے آپ ہم سے جلتے ہیں۔ معاف کیجئے۔ میں یہ سب آپ کو اس لئے لکھ رہی ہوں کہ میرے بچپن میں ممی اکثر آپ کی روشن مثال دے کر مجھے لیکچر پلایا کرتی تھیں۔ آپ کیسی بڑی انقلابی تھیں۔ جان پر کھیل کر حصول آزادی کی جدوجہد کی۔ کتنا اعلیٰ کردار تھا آپ کا۔ ہا ہا ہا۔ آپ کی حاصل کی ہوئی آزادی ایسی آئی کہ خود آپ ہی کو تارک الوطن ہونا پڑا۔ اور آپ کے انقلابی بلند کردار ہیرو ریحان الدین احمد کو بھی دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ لندن میں پلے بوائے کلب میں نظر آئے تھے مخالف ملک کے دو منسٹر ساتھ تھے۔ سب بیٹھے ایک ساتھ شراب پی رہے تھے۔ صبح کو کانفرنس ہال میں ایک دوسرے کے خلاف کڑے بیان دیئے۔ جن کے اثر سے دونوں ملکوں میں مزید خون خرابہ ہوا۔ معصوم غریبوں کی جانیں گئیں۔ اس سے پہلے آئے تھے ممی نے ملنا چاہا۔ صاف ٹال گئے کہ وقت نہیں ہے۔ اگر ممی کوئی اہم ہستی ہوتیں دوڑ کر ملتے۔ سِک۔ سِک۔ سِک۔ یہ آپ لوگوں کے دوہرے معیار تھے۔ مجھے آپ کی نسل نے بہت ڈِز الوژن کیا ہے مسز سین۔ اور اگر ہم لوگ آپ لوگوں سے بغاوت کر کے DRUGS اور سوامیوں کے ریکٹ میں پناہ ڈھونڈتے ہیں تو آپ کیوں متعجب ہیں؟ آپ نے امن کے لئے کام کیا تھا؟ اصل عالمی امن تو ہم چاہتے ہیں مسز سین۔ اگر نوجوان لوگ فلاور چلڈرن بن گئے آپ کی بنائی ہوئی دنیا بہت بھیانک معلوم ہوئی۔ وہ اس سے علیحدہ ہو گئے۔ امید ہے آپ میری اس صاف گوئی کو معاف کریں گی۔ اوم شانتی شانتی شانتی۔

شہرزاد

۴۰

سوامی آتم آنند شنکر پریمی

روم ایرپورٹ پر ایک نوجوان سفید فام سوامی جی ترشول اور جھولا سنبھالے ساتھ چلنے طیارے پر سوار ہوئے۔ اور سیٹ پر مسز سین کے برابر بیٹھ گئے۔ شِواشِوا۔ انہوں نے لمبا سانس لے کر کہا۔ اور پھر مالا جپنے لگے۔ مسز سین نے تعجب سے ان کی سنجیدہ صورت کو دیکھا۔ ایسا نوعمر لڑکا اور مسکرانا نہیں جانتا۔

مسز سین نے دوبارہ اس کی شکل پر نظر ڈالی۔ ذرا مانوس معلوم ہوئی۔ مسز سین کو اپنی طرف بغور دیکھتا پا کر سوامی جی نے جھولے سے اپنا تبلیغی لٹریچر نکال کر ذرا درشتی سے اُن کی گود میں سرکا دیا۔

"معاف کرنا بیٹے تمہارا کیا نام ہے؟"

"سوامی آتم آنند شنکر پریمی۔" لڑکے نے نہایت متانت سے جواب دیا۔

"نہیں بیٹے۔ اس سے پہلے کا نام؟"

"مجھے پہلے کا نام یاد نہیں۔ میں اپنی پہلی زندگی بھول چکا ہوں۔"

"او۔ آئی سی۔" انھوں نے گورے چھوکرے کو نظر بھر کے دیکھا۔ یہ شکل کس کی تھی۔ کس کی تھی۔ چارلس بارلو۔ آئی سی ایس۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ڈھاکہ۔ شاید وہ نہ ہو۔ مسز سین خاموش رہیں۔ کچھ توقف کے بعد انھوں نے گھڑی دیکھی اور بولیں۔ "ہم لوگ کتنی جلدی ایتھنز پہنچ جائیں گے۔ سائنس کی ترقی کمال ہے۔"

"سائنس — ؟ پراچین کال میں ویمان اڑتے تھے۔ اور مہا بھارت کے زمانے میں ٹیلی ویژن ایجاد ہو گیا تھا۔ انگریز ہندوؤں کی قدیم کتابیں چرا کر لے گئے اور ان کی بنا پر اتنی ترقی کر لی۔ اب امریکن روسی کہتے ہیں چاند پر پہنچ گئے۔ یہ جھوٹ ہے۔ چاند پر کوئی نہیں پہنچ سکتا۔" سوامی جی نے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"ایتھنز۔ وہاں آشرم قائم کروں گا۔ پھر انڈیا۔ ہردوار۔ لارڈ شوا کا شہر۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"انڈیا جا رہے ہو تو قحط زدگان میں کام کرو۔ آج کل وہاں خشک سالی ہے۔"

"قحط زدہ لوگوں کو چاہئے کہ رین گوڈ کی پوجا کریں۔ تاکہ وہ پانی برسائے۔ ہر ہر مہادیوا۔"

"تم کو چاہئے بیٹے کہ تم رام کرشنا مشن والوں کی طرح خدمت خلق کرو۔ ہندوستان میں بڑی غربت ہے۔"

"غریب لوگ ہمارے شنکر پریم فاؤنڈیشن کے قائم کئے ہوئے مندروں میں آکر پرسادم کھا سکتے ہیں۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"دیکھو بیٹے۔ میں بھی شکتی — مہاکالی کی پجارن ہوں شاید شنکر بھگوان کی مرضی تھی کہ تم مجھے اس طرح ملو۔ اس لئے میری بات دھیان سے سنو۔ شاید میں تمہارے والد سے واقف ہوں۔ کیا تم انڈین سول سروس کے مسٹر چارلس بارلو کے لڑکے ہو؟"

گورا سنیاسی چونک پڑا۔ پھر اس نے زیادہ مضبوطی سے آنکھیں میچ لیں چہرہ سخت کر کے جواب دیا۔ "او۔ کے۔ چارلس بارلو۔ لیکن میرے لئے وہ ایک اجنبی نام ہے۔ میں اُن سے دس سال سے نہیں ملا۔ وہ میرے والد نہیں دادا ہیں۔ میں اُن کے بڑے بیٹے ٹامس بارلو کا لڑکا ہوں۔"

وقت اتنی تیزی سے گزر گیا؟ ڈھاکے کے جواں سال حاکم اعلیٰ چارلس بارلو! وہ اس کی بیحد بری طور پر حسین بیوی وائلیٹ بارلو کا پوتا اتنا بڑا ہے کہ سوامی بن چکا ہے۔

"بیٹے اگر تم —"

"شوا — شوا — میم آپ کیا پوچھنا چاہتی ہیں۔ آپ کو کیا دلچسپی ہے؟" سوامی شنکر پریمی نے درشتی سے کہا۔ "میرے گرینڈ پا چارلس بارلو آسٹریلیا میں ہیں۔ ان کی بیوی میری دادی لندن میں جرمن بمباری کا نشانہ بن گئی تھیں۔ اب تک وہ دوبارہ جنم لے کر بھی دوبارہ مر چکی ہوں گی۔ کیا معلوم میرے والد ٹام بارلو بھی مر چکے ہیں۔ میری پھوپھی کیرل بارلو شاید زندہ ہیں۔ مجھے پتہ نہیں۔ میں اور میری بہن بچے تھے جب ڈیڈ اور ممی کی طلاق ہو گئی تھی۔ ممی ایک غیر اخلاقی زندگی گذارتی ہیں۔ انہوں نے ہماری کبھی پرواہ نہیں کی۔ گرینڈ پا چارلس بارلو نے آسٹریلیا میں دوسری شادی کر لی تھی۔ ان کا ایک لڑکا ہے۔ میرا سوتیلا چچا رچرڈ۔ اس کا نام گرینڈ پا نے اپنے مرحوم بھائی ونگ کمانڈر رچرڈ بارلو کے نام پر رکھا تھا۔ جو سیکنڈ ورلڈ وار میں جرمنی پر بمباری کرتے ہوئے مارا گیا تھا۔ یہ رچرڈ سڈنی میں انٹیریر ڈیکوریٹر ہے۔ اور آدھا GAY۔ میری

بہن سو ہو لندن میں ایک لزبین کلب چلاتی ہے۔ میری والدہ ایک رئیس زادی ہیں۔ ایک فرینچ جگ لو کے ساتھ ساؤتھ آف فرانس میں رہتی ہیں۔"

شکر ہے وہ تو نارمل ہیں۔ مسز سین نے دل میں کہا۔

"مجھے اس دولت عیش و عشرت، کامیابی، گناہ آلود دنیا سے، چوہوں کی دوڑ سے نفرت ہو گئی۔ سب مایا ہے۔ میں سنیاس لے چکا ہوں۔ ممی آپ کو کہاں ملیں؟"

"تمہاری ممی مجھے نہیں ملیں۔ میں پورٹ آف اسپین میں رہتی ہوں۔ میرے شوہر بیرسٹر ہیں۔ پچھلے سال وہ ایک سرکاری مقدمے کے سلسلے میں پرتھ گئے تھے۔ میں بھی ساتھ گئی تھی۔ بحیثیت انڈین سنگر ٹیلی ویژن پر میرا انٹرویو لیا گیا تھا۔ تمہارے دادا نے وہ پروگرام دیکھا اور پتہ لگا کر ہمارے ہوٹل ہم سے ملنے آئے۔ ہمیں اپنے شیپ فارم پر لے گئے۔ وہ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ مجھ سے مل کر بے حد خوش ہوئے جیسے میں ان کی مدتوں کی بچھڑی ہوئی رشتہ دار ہوں۔ حالانکہ ہندوستان کی جنگ آزادی کے زمانے میں وہ مجھے اپنا سب سے خطرناک دشمن سمجھتے تھے۔ اب وہ اتنے اکیلے تھے۔ تن تنہا اور ضعیف۔ ہاں انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ بنگال سے آسٹریلیا آ کر انہوں نے ایک امریکن لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ اس سے طلاق ہو گئی۔ اس امریکن بیوی سے ان کا لڑکا سڈنی میں رہتا ہے مگر ان سے نہیں ملتا۔ مسٹر بارلو تم سب کو بہت یاد کرتے ہیں۔ صحت گر چکی ہے۔ تم لوگوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم سب ان سے ایک بار ہی مل آؤ —؟ ان کا پتہ لکھ لو —"

لڑکا رودراکش کی مالا جپتا رہا۔ "ان کو اپنا کرما بھگتنا ہے۔" اس نے سرد مہری سے کہا۔ "ایک سنیاسی کے لئے خون کے رشتے بے معنی ہیں۔"

مسز سین نے جھنجھلا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اور اتھنز تک اس سے بات نہیں کی جب طیارے نے ایرپورٹ پر اترنے کے لئے نیچا ہونا شروع کیا سوامی آتم آنند شنکر پریمی نے اچانک دیپالی سین کو مخاطب کیا۔ "میرا سوتیلا چچا رچرڈ بارلو جو سڈنی میں انٹیریر ڈیکوریٹر ہے مجھے ابھی چند ہفتے قبل پیرس میں ملا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ایک نیا ہوٹل سجانے کے لئے اسے بنگلہ دیش ڈھاکہ بلایا گیا ہے۔ اگر اتفاق سے آپ کی وہاں اس سے ملاقات ہو تو اس سے کہئے گا کہ میں اگلے مہینے کی پندرہ تاریخ کے بعد ہردوار میں ہوں گا۔ یہ رشی کیش میں میرے آشرم کا پتہ ہے۔" اس نے اپنا کارڈ تھمایا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"اُس سے کہئے گا مجھ سے وہاں آن کر مل لے۔ میں اُسے راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا۔ وہ مایا جال میں بری طرح پھنسا ہوا ہے۔ اور آپ بھی کبھی رشی کیش آئیے۔ شوا۔ شوا۔"

طیارے نے لینڈ کیا۔ سوامی جی مسافروں کی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ ایرپورٹ پر اتر کر ہجوم میں ان کا جھنڈا اور ترشول کچھ دیر تک نظر آتا رہا۔

۴۱

جلہ گھر

ڈھاکہ ایرپورٹ پر یاسمین مجید یادگار کمیٹی کے اراکین ہار پھول لئے منتظر تھے۔ شریمتی دیپالی سین بنگلہ دیش کی ایک قابلِ فخر بیٹی، مشہور مغنیہ، بنگلہ دیش کی دوسری قابلِ فخر بیٹی، نامور رقاصہ اور شاعرہ مرحومہ یاسمین بلمونٹ کی یاد میں منائے جانے والے تہذیبی جشن کے لئے اتنی دور جنوبی امریکہ سے مدعو کی گئی تھیں۔ مرنے کے بعد یاسمین بلمونٹ "عظیم شاعرہ" بھی قرار دیدی گئی تھی۔ واہ۔ جب وہ زندہ تھی پچیس برس پردیس کی فیکٹریوں میں مزدوری کر کے، فاقے کر کے، ریسٹورانوں میں برتن دھو کے رشتے داروں اور ہم وطنوں کی گالیاں کھا کے، ایڑیاں رگڑ رگڑ کے، سرد بے رحم دریا میں ڈوب کر مر گئی۔ اب اس کے نام پر بین الاقوامی تہذیبی جشن منایا جا رہا ہے جس پر لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہو جائے گا۔ یادگار کمیٹی نے مسز سین کو آمد و رفت کا ایر ٹکٹ پیش کیا تھا۔ جسے لینے سے انہوں نے انکار کیا۔ یہ ایک بڑا GHOULISH آسیبی سفر تھا۔ وہ اپنے سورگیہ پتا ڈاکٹر ہوئے چندر سرکار اور سورگیہ پھوپھی شریمتی بھوتارنی دیبی کی راکھ ساتھ لائی تھیں کہ ان کی وصیت کے مطابق اسے ہردوار لے جا کر گنگا میں ڈال دیں۔ یہ شاید خود دیپالی سین کی وطن کی آخری وزٹ ہو۔ جلد شاید خود ان کا بلاوا سفرِ آخرت کا آجائے۔ سنسار میں کافی تو رہ لیں۔

"آپ کے لئے انٹر کونٹیننٹل میں انتظام کیا گیا ہے۔" استقبالیہ کمیٹی کے سکریٹری نے کہا۔ "انڈیا سے آئے ہوئے فنکار بھی وہیں ٹھہرے ہیں۔ یا آپ کسی دوست کے ہاں قیام پسند کریں گی؟"

اب ایک وردی پوش شوفر آگے بڑھا۔ "میم صاحب" وہ دانت نکوس کر بولا۔ "نواب صاحب نے ارجمند منزل سے گاڑی بھجوائی ہے۔ خود تشریف نہیں لا سکے۔ آج صبح اخبار میں آپ کا نام دیکھا حکم دیا ترنت تیج گاؤں جا کر آپ کو لے آؤں۔ چلئے۔" دیپالی نے استقبالیہ کمیٹی سے معذرت چاہی۔ شوفر کے ساتھ تیز تیز چلتی باہر آئی۔ شوفر نے ایک سفید مرسیڈیز کا دروازہ کھولا۔

نواب صاحب بیچارے اب کتنے ضعیف ہو گئے ہوں گے۔ مدتوں سے اس خاندان کی خیر خبر معلوم نہیں۔ ڈھاکہ اور پورٹ آف اسپین میں بہت بڑا فاصلہ ہے۔ جو محض ایر لیٹرز کے ذریعے نہیں پاٹا جا سکتا۔ ۱۹۶۴ء میں وہ پچھلی مرتبہ یہاں آئی تھی۔ اگلے سال اکمل کے مرنے کی خبر معلوم کر کے بھی جہاں آرا کو خط لکھنے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ اب اتنے برسوں بعد ان سب سے ملنے کی خوشی اور اضطراب سے اس کا دل دھڑکنے لگا۔

مرسیڈیز ڈھاکہ کی سمت رواں تھی۔

"سب لوگ کیسے ہیں؟" اس نے شوفر سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں۔" اُس نے جواب دیا اور انہماک سے کار چلاتا رہا۔ وہ لڑکا سا تھا۔ شاید ارجمند منزل میں نیا نیا ملازم ہوا تھا۔ اس وجہ سے اسے اپنی اہمیت کا بہت احساس معلوم ہوتا تھا۔ اس کی گردن کے پچھلے حصے پر زخم کا گہرا نشان تھا۔

دیپالی نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچتی رہی۔ جہاں آرا، کا سامنا کس طرح کروں۔ اکمل کی تعزیت کن الفاظ میں کروں۔ اکمل کو مرے بھی اتنے برس گذر گئے۔ جہاں آرا اب اپنے پوتے کے سہارے ہی جی رہی ہوگی۔ ممکن ہے بہو نے دوسری شادی کر لی ہو۔ اس نے دل ہی دل میں تعزیت کے جملوں کی ریہرسل شروع کی۔ پھر دل کڑا کر کے آنکھیں کھولیں۔ چاروں طرف شہر تھا اور یادیں بندوق کی گولیوں کی طرح بوچھار کر رہی تھیں۔ یادیں LAND MINES کی طرح دفن تھیں۔

"میم صاحب گانا سنئے گا۔۔؟ بنگلہ دیش ریڈیو۔" ڈرائیور نے کہا۔ اور ریڈیو کا سوئچ آن کر دیا۔ گنگا کی بھاٹا کا گیت۔ بھٹیالی ختم ہو رہی تھی۔ اب نذرل گیتی شروع ہوئی: "بدروہی۔۔۔ کہہ دے اے جوان میں سربلند ہوں۔ اتنا بلند کہ ہمالیہ کی چوٹی بھی میرے آگے سرنگوں۔ کہہ دے اے بہادر کہ اس وسیع آسمان کو چیر کر چاند سورج ستاروں کو توڑ کر جنت دوزخ دہلا کر آسمان سے ٹکرا کر میں سارے عالم کے لئے مجسمۂ حیرت بن گیا ہوں۔" نوجوان ڈرائیور نے مڑ کر اطلاع دی: "میم صاحب۔ ہم بھی بہت لڑا۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

گانا جاری رہا: میں سرکش، سنگدل، آتش نوا، قیامت کا دوست طوفان تباہی دہشت ہوں۔
دنیا کے لئے سراپا ہلاکت۔ میں ہر چیز کو چکنا چور کر دیتا ہوں۔ اصول شکن۔ بربادی کا دیوتا۔

وہ بے اختیار خود بھی اس کے ساتھ ساتھ گانے لگی۔ اور پل کی پل میں اپنے کالج کے زمانے میں واپس پہنچ گئی۔ جب وہ اور ریحان اور روزی بنرجی اور محمود الحق اور حیوتی سب مل کر خوش و خروش سے یہ گیت گاتے تھے۔

اُسے پتہ بھی نہ چلا مرسیڈیز ارجمند منزل کی برساتی میں کب پہنچی۔

ایک پاگل سی عورت جھبرے سفید بال بکھرائے برآمدے کے ایک در میں بُت بنی کھڑی تھی۔ دیپالی کو کار سے اترتا دیکھ کر فوراً اندر بھاگ گئی۔

ایک ملازم نے آکر اسباب کار سے اُتارا۔ دیپالی اندر گئی۔ ارجمند منزل سنسان پڑی تھی۔ جہاں آرا۔ جہاں آرا۔ پکارتی وہ زنانخانے میں پہنچی۔ وسطی ہال ابھی خالی پڑا تھا۔ دیپالی اوپر جانے کے لئے منقش چوبی زینے کی طرف مڑی ہی تھی کہ وہ دیوانی عورت بھاگتی ہوئی اندر آئی اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر آ۔ آ۔ آ۔ کرنے لگی۔

"مالا۔ میم صاحب کو تنگ مت کر۔" ملازم نے جو اسباب اٹھائے پیچھے پیچھے آرہا تھا جھڑک کر کہا۔ پھر مہمان کو مخاطب کیا۔ "میم صاحب۔ جب سے سب لوگ مارا گیا مالا پاگل ہو گیا ہے۔ اور گونگا بھی ہو گیا ہے۔"

"کون۔۔۔۔ مارا گیا۔۔۔؟"

"سب جنے۔ میم صاحب۔ بڑے نواب صاحب۔ نیر میاں۔ اُن کا بی بی بچے۔ جہاں آرا بی بی اس کا بہو اور پوتا۔ سب مارا گیا۔ آدھی رات گے ٹائم۔ سب بندوق کا نشانہ بنا۔ یہی کوٹھی کے اندر۔ مالا نے سب کو مرتے دیکھا۔ جب سے یہ گونگا ہو گیا۔"

دیپالی کی آنکھوں کے سامنے ایک کوندا سا لپکا۔ وہ اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔ پھر کھڑے کھڑے زور سے لرزی۔ پھر اس کی ٹانگوں نے جواب دیا۔ دماغ سنسنایا۔ سارے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ آنکھوں کے سامنے سوخا اندھیرا تیرا۔ وہ دھم سے فرش پر بیٹھ گئی۔ کہہ دے اے نوجوان۔۔۔ جوانمرد میں جنت دوزخ دہلا کر۔ عرش سے ٹکرا کر سارے عالم کے لئے مجسمہ حیرت۔ اُس نے وحشیوں کی طرح چاروں طرف دیکھا۔

چند لمحے چپ رہی۔ پھر دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کیا۔ اس کے بال بکھر گئے۔ روتے روتے اس نے محسوس کیا کہ وہ انسان نہیں ہے۔ وہ درندوں سے بھرے جنگل کا ایک جانور ہے۔ جس کے بھٹ کے باقی جانوروں کو دوسرے زیادہ خونخوار حیوان آکر چیر پھاڑ گئے ہیں۔ اور ان کی لاشیں گدھ کھا چکے ہیں۔ اور سنسان صحرا کی ریت نے ان کے ڈھانچے بھی غائب کر دیئے ہیں اور وہ گیدڑ کی طرح پنجوں سے زمین کھرچتی ان کو یاد کر کے رو رہی ہے۔ پھر اس نے جنگلی بلی کی طرح رونا شروع کیا۔ اس کی آواز سن کر اجنبی شکلوں والے نوکر چاکر دروازوں میں نمودار ہوئے۔ مالا اور زور سے آ۔ آ۔ آ۔ کرنے لگی۔ جس طرح ایک ناسمجھ بچہ دوسرے بچے کو روتا دیکھ کر ہمدردی میں خود بھی رونے لگتا ہے۔ مالا نے دیپالی کو آنسو بہاتے دیکھ کر آنسوؤں کی جھڑی لگا دی۔

دفعتاً دیپالی چپ ہو گئی۔ آنکھیں خشک کیں۔ اور سپاٹ آواز میں کہا۔ "مجھے بڑے نواب صاحب کے پاس لے چلو۔ ان کو اطلاع کر دو۔ میں آگئی ہوں۔"

"وہ بھی مارا گیا میم صاحب۔" ملازم نے جواب دیا۔ دیپالی نے فرش پر مکّہ مارا۔ "اس بدمعاش چھوٹے کمینے ڈرائیور نے کہا نواب صاحب نے ایرپورٹ کار بھجوائی ہے۔ نواب صاحب نے۔"

"چھوٹے نواب صاحب نے۔۔۔ میں ان کو بلا کر لاتا ہوں۔ وہ ابھی آتے ہوں گے۔ باہر گئے تھے۔ ابھی آتے ہوں گے۔ میں ان کو خبر کرتا ہوں۔ دھیرج رکھئے میم صاحب۔ نیاز میاں میم صاحب کے لئے ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔۔۔ جلدی۔" دوسرے خدمت گار نے گھبرا کر کہا اور لپکا ہوا باہر گیا۔

دیپالی اب ایک نیم جان کو کرا سپینیل کی طرح فرش پر سرنگوں بیٹھی تھی۔ اس کے آنسو بوڑھی گنگا کے مانند پھر رواں ہو گئے۔ مالا اس کے نزدیک آکر اکڑوں بیٹھ گئی۔ دیپالی نے آنسوؤں کی چلمن میں سے اسے دیکھا۔ اور پہچانا۔ جہاں آرا کی پرانی وفادار خادمہ مالا۔ وہ اب اپنی دیوانگی میں بکھویے کی طرح ہنس رہی تھی۔ ان دونوں عورتوں نے زندگی کا، دنیا کا انجام دیکھ لیا تھا۔

چند منٹ بعد دیپالی نے سر اٹھایا۔ صدر دروازے پر آہٹ ہوئی۔ ہاتھ میں "فائیو فائیو فائیو" کا ٹن سنبھالے بڑھیا سوٹ پہنے ریحان الدین احمد دہلیز پر کھڑے تھے۔

نواب قمر الزماں چودھری کے بھانجے۔ ارجمند منزل کے نئے مالک۔ شہید نواب کے واحد قانونی وارث جو قتلِ عام میں زندہ بچے تھے۔ ارجمند منزل کے موجودہ نواب۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

دیپالی نے سر زور سے جھٹکا۔ اور آنکھیں ملیں اکا آی جگت کے چوراہے پر بیٹھی پتنگیں بناتی ہے۔ پتنگیں کاٹتی ہے۔ پتنگیں اڑاتی ہے[1]

لنچ کے بعد ریحان کار لے کر پاٹ کی فیکٹری چلے گئے جو نواب قمر الزماں اور ان کے فرزند تیر الزماں مرحومین کی فیکٹری تھی جس کے اب وہ مالک تھے۔ زہرہ دیپالی کو آرام کرانے اوپر بیڈ روم میں لے آئیں۔ یہ جہاں آراء مرحومہ کا بیڈ روم تھا۔ دیوار پر ایر فورس یونیفارم میں ملبوس متبسم اکمل مرشد زادہ اور اس کی دلہن کی تصویر لگی تھی۔ یہ پائلٹ آفیسر اکمل مرشد زادہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی خاطر لڑتے ہوئے مرا تھا۔ دیپالی کا سر گھومنے لگا۔ وہ دریچے کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ جس کے نیچے تالاب اور "وکرم آدتیہ کا راج سنگھاسن" نظر آ رہا تھا اور گلاب خاص کا درخت۔

دوسری مسہری پر بیٹھی زہرہ اوما دائے کی شکایتیں کر رہی تھی۔

"اوما دیدی نے میرا ناک میں دم کر رکھا تھا۔" پان بناتے ہوئے اس نے کہا۔ "وہ بالکل سٹھیا گئی ہیں۔ جس طرح وہ بلو یڈیر جا کر لاوارث بلیوں کتوں کو کھلاتی تھیں ان کا خیال تھا ریحان صاحب اور میں بھی ان کے پالتو جانور تھے۔"

"ریحان کے متعلق ساری عمر ان کا یہ رویہ رہا۔" دیپالی نے غیر شخصی انداز سے کہا۔ اب اس لمحے وہ محض ایک دور کی تماشائی تھی۔

"جی ہاں۔ ہمارے لڑکے فرقان کو بھی انہوں نے ہی میرے خلاف بھڑکایا۔ وہ DRUGS کھانے لگا۔ گھر سے نکل گیا۔ ہپی بن گیا۔ پھر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ڈھاکہ آ گیا ہے۔ ریحان صاحب بیٹے کو بہت چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا چلو ہم بھی کلکتہ کو خیرباد کہتے ہیں۔ ڈھاکہ واپس جا کر نئی زندگی شروع کریں گے۔ ساری عمر گزارنے کے بعد شاید اوما دائے ان کی سمجھ میں بھی آ گئی تھیں۔ ۱۹۶۲ء میں ہم لوگ ایسٹ پاکستان آ گئے۔ ریحان نے کھلنا میں بزنس شروع کر دیا۔ وہ بنیادی طور پر سیاسی آدمی ہیں۔ پھر پولیٹکس میں کود پڑے۔ عوامی لیگ۔ شیخ مجیب الرحمٰن۔ وہ سب چکر۔ لڑکا یونیورسٹی میں داخل ہو گیا۔ سدھر گیا۔ پھر

---

[1] اٹھارویں صدی کے بنگالی شاعر رام پرشاد سین کا ایک گیت۔

ریحان صاحب نے اسے آگے پڑھنے کے لئے لندن بھیج دیا۔ ہم لوگ اپنا سارا روپیہ کلکتہ سے کسی ترکیب سے یہاں لے آئے تھے۔

"اس کے بعد جو ہوا وہ آپ کو معلوم ہے۔ فرقان لندن میں تھا۔ زندہ بچ گیا۔ اب باپ کے ساتھ بزنس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

"جب ارجمند منزل پر حملہ ہوا ہم لوگ کھلنا کے ایک گاؤں میں چھپے ہوئے تھے۔ سارا ارجمند منزل کا یہ سارا گھرانا شیخ مجیب کا حامی بن چکا تھا اور جو کچھ ہوا کیوں اور کس طرح یہ لوگ مارے گئے وہ ریحان لنچ کے وقت آپ کو بتا چکے ہیں۔"

"ہاں۔ میں اس کی تفصیل نہیں سننا چاہتی۔" دیپالی نے مضبوطی سے جواب دیا۔ ریحان نے کس سپاٹ طریقے سے اس قتل عام کا تذکرہ کیا تھا۔ پھر اس نے خود کہا تھا "جب لاکھوں اکٹھے مارے جائیں دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ افراد کی موت کا اتنا شدید صدمہ ذہن پر نہیں رہتا۔ مرگ انبوہ واقعی ایک جشن ہے۔ یہ کسی بھی قتل عام کے پسماندگان کی نفسیات ہو سکتی ہے۔" لیکن اتنا کہنے کے بعد ریحان خود پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تھے۔

ریحان کی بہن رابعہ اور اس کا شوہر اور چھوٹے بچے ریفیوجی بن کر کلکتہ چلے گئے تھے اور واپس آ چکے تھے۔ رابعہ کی بڑی لڑکی ناصرہ نجم السحر کلکتہ جانے کے بجائے ایک گوریلا دستے میں شامل ہو گئی تھی اور بہت دنوں تک غائب رہی تھی۔ آزادی کے بعد بھی ہتھیار ڈالنے پر راضی نہیں تھی۔

"میں نے اس لڑکی کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ انتہا پسندوں سے جا ملی تھی بڑی آفت میں پھنستی۔ انتہا پسندوں کے گروہ سے الگ کروایا۔ اسکالرشپ دلوا کر اعلیٰ تعلیم کے لئے ماسکو بھجوایا۔ فرینڈشپ یونیورسٹی میں پڑھ کر آئی۔ مگر ماؤسٹ بن گئی۔ یہاں کالج میں لیکچرر ہو گئی۔ اب وہ مجھ سے نہیں ملتی۔ میرے خلاف پھبتی پھرتی ہے۔ نہ جانے یہ نوجوان کیا چاہتے ہیں۔ یہ بڑی احسان فراموش نئی نسل ہے۔"

ریحان نے نواب قمر الزماں کی آواز میں دیپالی سے کہا تھا۔ اسے ناصرہ نجم السحر کی تلخ گفتگو یاد تھی جب وہ آٹھ نو سال قبل اس سے یہیں ملی تھی۔ اب ریحان اپنی مرسیڈیز میں بیٹھ کر نرائن گنج جا چکے تھے۔ ان کا اسٹائلش موڈ شاعر بیٹا فرقان اپنا پروگرام تیار کرنے ٹیلی ویژن سنٹر چلا گیا تھا۔ نوکر چاکر شاگرد پیشے میں تھے۔ دوپہر قیلولے کا سیسٹا کا وقت۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

دیپالی دریچے سے ہٹ آئی۔ اور جہاں آرا کے چھپرکھٹ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ ریحان کی بیوی زہرہ بہت باتونی تھی متواتر بولتی تھی اور مسلسل پان کھاتی تھی۔ دیپالی نے ترشی سے کہا۔ "زہرہ اب چپ ہو جاؤ۔ مجھے سونے دو۔" کروٹ بدل کر اس نے زہرہ کے متعلق سوچا ——— یہ لوئر مڈل کلاس ان پڑھ کم رو کم حیثیت زہرہ ریحان کی بیوی ہے اس وجہ سے میں اس سے جلتی ہوں۔ مگر اب کی جلنا اور کیا سمجھنا۔ نون سنس۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ مالا پھر آکر بھوتنی کی طرح دروازے میں کھڑی ہو گئی۔

"اری منہ جلی دفان کیوں نہیں ہوتی" زہرہ نے غصے سے کہا۔

"رہنے دو زہرہ" دیپالی نے التجا کی۔

"دیدی یہ پاگل عورت حرام خور ہر وقت سر پر سوار رہتی ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔ مالا۔" دیپالی نے اس سے کہا۔ وہ چوکھٹ پر بیٹھ کر آ — آ — کرنے لگی۔ جانے وہ دیپالی کو کیا بتانا چاہتی تھی مگر اپنا مطلب سمجھانے سے قاصر تھی۔

زہرہ پاندان بند کر کے بولی — "آپ — آپ تو ریحان کی پرانی گرل فرینڈ ہیں۔ اُما دیدی نے مجھے بتایا۔ آپ ہی کی وجہ سے ریحان نے جہاں آرا آپا کو چھوڑا۔ مجھے اُما دیدی سب بتا چکی ہیں۔"

"تم جو بھی کہہ لو زہرہ اب مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" دیپالی نے سکون سے جواب دیا۔ "گو ریحان نے جہاں آرا کو میری وجہ سے نہیں چھوڑا۔ میں ان کی زندگی میں بعد میں آئی۔"

"آپ برا مانے گا میں نے یوں ہی کہہ دیا۔ میں بہت صاف دل عورت ہوں۔ دیکھیے۔ مجھے خود یقین نہیں آتا۔ میں اٹھائیس سال سے ریحان کی بیوی ہوں۔ یہ یقین نہیں آتا۔ میں ایک غریب زردوز کی لڑکی۔ کم علم اور کم عقل۔ اور ریحان الدین احمد جیسے آدمی کی شریک حیات۔ مگر ان کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ اور — میں ایک دفعہ منسٹر کی بیوی بھی رہ چکی ہوں۔ اور اب ارجمند منزل کی بیگم — اللہ کی قدرت ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ — ہم جس کو چاہتے ہیں عزت دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں ذلت —"

"آ — آ — آ —" مالا بولی۔

"ریحان بھی تو ایک غریب کسان کے بیٹے تھے" دیپالی نے کہا۔

"ہاں مگر نواب کے نواسے تو تھے۔ میری قسمت اچھی تھی جو اُن سے شادی ہوئی۔"

"ایک بات سنو زہرہ — گویا تمہاری خوش قسمتی تھی کہ تمہارے مفلس باپ زردوز والے کی موٹر کے نیچے آکر مرے اور بطور تلافی تم سے ریحان نے بیاہ کیا۔ اور یہاں قتل عام ہوا اور تم ارجمند منزل کی بیگم بنیں — زہرہ خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔ اور مجھے سونے دو —"

"آ — آ — آ —" مالا نے دہرایا۔

یہ ارجمند منزل ایک بھوت گھر ہے۔ کہتے ہیں جو لوگ اچانک اور بھیانک طریقے سے قتل کر دیے جاتے ہیں۔ ان کی آتمائیں ان ہی جگہوں پر منڈلاتی رہتی ہیں۔ کیا ان سب کی آتمائیں مجھے دیکھ رہی ہوں گی۔ ایک روز شام کے وقت وہ سیڑھیاں اتر کر پائیں باغ میں آگئی۔ اوپر جہاں آرا مرحومہ کے کمرے کا دریچہ روشن تھا جس میں اب زہرہ موجود تھی۔ اور اسی تخت پر بیٹھی مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی۔

جہاں آرا تم تو بھوساگر سے پار اتر گئیں مگر میں تم سے کتنی شرمندہ ہوں۔ اس فیکٹری کا مالک اور اس گھر کا خانہ داماد بننے کی خاطر ریحان نے تم کو ٹھکرا دیا تھا۔ تم نے ایک غلط آدمی کے ساتھ زندگی جہنم میں گزاری۔ اپنے بیٹے کی موت کا غم اٹھایا۔ پھر خود بیدردی سے بے قصور قتل کر دی گئیں۔ اور آج اسی گھر میں وہی ریحان اور ان کی بیوی نئے نواب اور بیگم کی حیثیت سے براجمان ہیں۔

مایا تیرے کھیل۔

وہ ٹہلتی ہوئی جلے گھر کی طرف چلی گئی۔ جس کا دروازہ باغ میں کھلتا تھا۔ کواڑ چوپٹ کھلے پڑے تھے۔ وہ اندر گئی۔ بتی جلائی۔ سامنے دیوار پر ایک بڑی سی تصویر روشن ہو گئی۔ پارسی تھیٹر۔ دھرم تلا اسٹریٹ۔ کلکتہ۔ چند اور مدھم فوٹوگراف۔ ماسٹر مصطفیٰ، سراج الدولہ ناٹک کا ہیرو۔ مس تنکوری داس وی پیکر۔ مس تارا داس "سیتا" ناٹک کی ہیروئن۔ ایک بڑی روغنی پورٹریٹ۔

نوابزادہ فخرالزماں چودھری۔ اسے یاد آیا۔ یہ ریحان کے نانا تھے۔ نواب قمرالزماں کے جوانمرگ چچا۔ جنہوں نے تھیٹر کے شوق میں اپنے حصے کی جائداد اڑا دی تھی۔ یہ ان کا جلا گھر تھا۔ اس میں نواب زادہ صاحب کہ دست، دیپالی کے ٹھاکر دادا بھی سنا ہے آکر گایا بجایا کرتے تھے۔ پرانے اسٹوکریٹک بنگال کے تھیٹر پرست زمیندار! ارجمند منزل کے اس جلے گھر میں سارا ساز و سامان اسی طرح موجود تھا۔ الماری میں "شاہجہاں" اور "سراج الدولہ" کے کرم خوردہ چوغے۔ نقلی تاج۔ تلواریں۔ بانسریاں۔ سینیریوں کے پردے لپٹے ہوئے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ایک طرف رکھے تھے۔ ہال کے چوبی فرش پر گرد جمی ہوئی تھی۔ کونے میں جالے۔ سرخ اور سفید کشادہ کے کام کا جھالردار پنکھا۔ چھت گیریاں نوابزادہ منیرالزماں کی شادی کے دنوں میں اسی کمرے سے نکال کر نوابزادہ فخرالزماں مرحوم کے تصنیف کردہ اوپیرا "راجہ بھوج" کا سنگھاسن تالاب کے کنارے رکھ دیا گیا تھا۔ جس پر راجہ چند منزل کی بیگمات اور صاحبزادیاں بیٹھ کر خوش گپیاں کرتی تھیں۔

دیپالی جلسہ گھر سے باہر آگئی۔ اندر بہت حبس تھا۔ اور دہشت۔ باہر پرفضا باغ میں "وکرم آدتیہ کا سنگھاسن" اب بھی موجود تھا۔ گو پینتیس[۳۵] برساتوں کی وجہ سے گل چکا تھا۔ اس کی مورتیوں کے رنگ اڑ گئے تھے۔ اس کے جنگلوں میں اٹھائیس[۲۸] چھوٹی چھوٹی چوبی مورتیاں لگی تھیں۔ چار بڑی چوبی مورتیوں کے سروں پر تخت کھڑا تھا۔ زیادہ تر مورتیاں بالکل شکستہ ہو چکی تھیں۔ سنگھاسن بتیسی کی دیو لوک سے جلا وطن اپسرائیں!

گلاب خاص کے نیچے پنچ کردہ تخت کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

ایک مرتبہ، گرمیوں کی ایک معطر شام جہاں آراء نے ذکر کیا تھا۔ "دیپالی۔ ہمارے چھوٹے دادا جان نوابزادہ فخرالزماں چودھری اللہ جنت نصیب کرے۔ انہوں نے "راجہ بھوج" کا اوپیرا خود کمپوز کیا تھا۔ راجہ بھوج کا پارٹ بھی خود ادا کرتے تھے۔ تمہارے ٹھاکر دادا راجہ آنند بنتے تھے۔۔۔ کلکتے کی ایکٹرسیں اکر رمبھا اور اروشی کے پارٹ گاتی تھیں۔"

اُس شام منہ چڑھی خادمہ ملّا حسب معمول تخت کے پاس گھاس پر بیٹھی تھی۔ یاسمین اور رودزی بھی آئی ہوئی تھیں۔ جہاں آراء نے حکم دیا۔ "ملّا۔ راجہ بھوج کا قصہ کر۔۔۔"

"ارے بی بی۔۔۔ ہندو لوگ بولتا ہے کہ دیو لوک میں بتیس[۳۲] تھو اپسرائیں تھیں۔ ایک روز انھوں نے شیو جی پر بری نظر ڈالی۔"

"گڈ گوڈ۔۔۔!" دیپالی اور سب لڑکیاں کھلکھلا کر ہنسیں۔

"ماؤنٹ کیلاش اور ماؤنٹ اولیمپس واقعی بہت دلچسپ جگہیں رہی ہوں گی۔" یاسمین نے کہا۔

"تو بی بی! پاروتی دیبی جل گئیں! انہوں نے شراپ دیا کہ اپسرائیں بے جان مورتیاں بن کر راجہ اندر کے تخت میں لگ جائیں۔"

"تو وہ جادو کے سیب کا کیا معاملہ تھا۔؟" اختر آراء نے پوچھا تھا۔

"عورت مرد کی بے وفائی۔ بی بی۔" ملّا نے پان چباتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا تھا۔

"اجین کا راجہ بھرتری ہری اپنی بیوی پر عاشق تھا۔ اسے ایک جوگی نے امر جیون پانے کا سیب دیا۔ اسے کھاؤ تو امر ہو جاؤ۔ وہ راجہ نے اپنی بی بی اننگ سینا کو دیا۔ اننگ سینا نے اسے اپنے عاشق سائیس کو دیدیا۔ سائیس مہارانی کو چکمہ دیتا تھا۔ اور اپنی پریمیکا الگ رکھتا تھا جو محل کی داسی تھی۔ وہ داسی بھی سائیس کو دھوکا دیتی تھی اس کا معشوق ایک گوالا تھا۔ داسی نے وہ سیب گوالے کو دیا۔ گوالا بھی داسی کو دھوکے میں رکھتا تھا اس نے اپنی معشوق کو وہ سیب دیا جو اُپلے بیچتی تھی۔ وہ سنہرا سیب ٹوکرے میں اُپلوں کے اوپر رکھے چلی جاتی تھی۔ راجہ بھرتری ہری جنگل میں شکار کھیلنے آیا اُس نے اسے دیکھ لیا۔ اپنی رانی اننگ سینا کی بے وفائی سے اس کا دل ٹوٹ گیا۔ تو وہ اپنے بھائی بکرم جیت کو راج پاٹ سونپ کر سنیاس لے لیا۔"

لڑکیاں مبہوت ہو کر یہ اسطوری داستان سن رہی تھیں۔ ملّا کہے گئی۔۔۔ "پھر راجہ بکرم جیت کو ایک تنترک جوگی شمشان گھاٹ لے گیا۔ وہاں بیتال درختوں سے الٹے لٹکے ہوئے تھے۔ اور ایک بیتال راجہ کے کندھے پر بیٹھ کر اسے کہانی سناتا تھا۔ پھر بکرم جیت جو تھے رمبھا اور اروشی کے ناچ کے مقابلے میں جج بنے ان کے فیصلے سے خوش ہو کر راجہ اندر نے اپنا تخت ان کو بخش دیا جس میں وہی بتیس مورتیاں لگی تھیں۔"

لڑکیوں نے غیر شعوری طور پر اس نقلی اسطوری تخت پر نظر ڈالی اور انھیں محسوس ہوا جیسے وہ خود اس دیومالائی راج سنگھاسن پر موجود تھیں۔

"اور بکرم جیت کے مرنے کے بعد اس جیسا لائق راجہ کوئی نہ ہوا۔ تو اس سنگھاسن کو دفن کر دیا گیا اور صدیوں بعد راجہ بھوج نے اسے کھیت میں سے کھود کر نکلوایا۔" جہاں آراء بولی۔۔۔ "اور جب وہ راجہ اس تخت پر بیٹھنے کے لئے بڑھا تو ایک مورتی نے آواز دی۔ اس تخت پر وہی بیٹھ سکتا ہے جو راجہ وکرم آدتیہ جیسا سخی اور فیاض ہو۔۔۔ اس طرح راجہ بھوج بتیس مرتبہ تخت کی طرف چڑھے اور ہر مرتبہ ایک ایک مورتی نے للکار کر ان کو وکرم آدتیہ کے اوصاف کے متعلق کوئی قصہ سنایا۔ وفاکیش۔ اصول پرست۔ راست باز۔ بہادر۔ رحمدل۔ یہ۔ وہ۔"

تب یاسمین نے کہا تھا۔ "آئیڈیا۔ آپ کے چھوٹے دادا نے اوپیرا بنایا تھا۔ میں اس کا بیلے بناؤں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

گی ۔ اور پتہ ہے اس راج سنگھاسن کی اصل معنویت کیا پیش کروں گی ۔؟ پھر اس نے بڑی ڈرامائی انداز میں کہا تھا "یہ سنگھاسن دراصل ہے ۔ عاقبت کا دل ۔۔!! اور آپ اس وقت یہ فرض کیجئے کہ ہم چاروں آپ ، روزی آپا ، دیپالی دی اور میں اس کی چاروں بڑی مورتیاں ہیں ۔ اور کوئی راجہ بھوج اس تخت پر بیٹھنے کے لئے آئے تو ہم اسے للکار سکتے ہیں ۔۔ ٹھہرو ۔۔ تمہارے اندر یہ ۔۔ یہ ۔ اوصاف ہیں ۔۔؟"

دیپالی نے آنکھیں ملیں ۔۔ جہاں آرا ، اور یاسمین کے بھوت غائب ہو گئے ۔ سامنے تالاب کی منڈیر پر گونگی ملا چُپ چاپ بیٹھی اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکے جا رہی تھی ۔ دیپالی نے غیر ارادی طور پر نظریں اوپر اٹھائیں ۔ گلاب خاص کی شاخوں سے کیا بیتال الٹے لٹکے ہوئے تھے ؟

دور ڈرائیو پر کار آ کر رکی ۔ ریحان کی آواز سنائی دی ۔ وہ کسی ملازم سے پوچھ رہے تھے "امریکہ والی میم صاحب کہاں ہیں ؟"

کسی نے جواب دیا "باگ میں ۔"

نور گشن باگ میں   بہار کی آگ میں
بھرے دل داگ سے   درد دل زور ۔ رنگیلا کو تور
آؤ ۔۔ آؤ ۔۔ پیارے ۔۔

گلاب خاص کے نیچے لڑکیاں نذرل کا گیت گا رہی ہیں ۔ یاسمین کٹھ پتلی کی طرح گردن ہلا ہلا کر منی پوری رقص میں مصروف ہے ۔ جہاں آرا اور دیپالی نوابزادہ نیر الزماں کی بری کے جوڑے بنوا رہی ہیں ۔

وہ گھاس کو قدموں سے روندتا آ کر ایک فضول خیال کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو گیا ۔ بن مالی ۔ بن مالی ۔ سندھیا کال آج تم کہاں سے آتے ہو ۔

"بیٹھ جاؤ ریحان ۔"

وہ اپنے نانا نوابزادہ فخر الزماں کے بنوائے ہوئے فرضی راجہ اندر کے نقلی تخت پر بیٹھ گیا ۔ اچانک دیپالی کا جی چاہا اسے للکارے ۔ ٹھہرو تم اس پر نہیں بیٹھ سکتے ۔ ریحان نے ایک سگریٹ سلگایا ۔ "معاف کرنا آج فیکٹری میں

بہت دیر ہو گئی ۔"

"بنگلہ دیش کی تعمیر نو میں مصروف ہو ؟"

وہ چیں بہ جبیں ہو کر دوسری جانب دیکھنے لگا ۔

دفعتاً دیپالی کو محسوس ہوا اوپر دریچے میں سے جہاں آرا جھانک رہی ہے ۔ اس نے غور سے دیکھا وہ زہرہ تھی ۔ بیگم زہرہ ریحان الدین احمد ۔ مجھے ہیلوسی نیشن نظر آنے لگے ہیں ۔ مجھے اس چھلاوا لوک سے جلد از جلد بھاگنا چاہئے ۔ محفوظ ۔ دور افتادہ پورٹ آف اسپین پر سکون ، غیر جذباتی شوہر ہر شرائط موہن سین ، خوش باش برازیلین بھاوج آریا روزینا ۔ ایسٹ انڈین فارمر مسز لسریا سرسوتی ، نیگرو شلر ایباسم ، وہی میری اصل ، راحت بخش آرام دہ دنیا ہے ۔ بیتالوں کے اس مرگھٹ سے اتنی مختلف ، یہاں ہر ہر قدم پر ایک بیتال ایک ایک پرانا قصہ دہرائے جا رہا ہے اور جنات کانوں میں مسلسل پوچھ رہے ہیں ۔ اور سناؤں ، اور سناؤں ۔۔؟ اور سناؤں ۔۔؟

ریحان نے بھی نظریں اٹھا کر جہاں آرا کے کمرے کے دریچے کو دیکھا ۔ دیپالی پر نظر ڈالی اور آنکھیں جھکا لیں ۔

"ملا ۔۔ ملا ، برابر آ ۔۔ آ ۔۔ آ کر کے مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی بات سمجھے بغیر یہاں سے چلی جاؤں گی ۔"

"ہاں ۔ کاش میں بھی اس کی بات سمجھ سکتا ۔ کاش ہم سب ایک دوسرے کی بات سمجھ سکتے ۔"

دیپالی ۔ جہاں آرا ۔ یاسمین مجید ۔۔ تین مورتیوں میں سے دو بڑی بری طرح ٹوٹیں ۔ دیپالی نے "وکرم آدتیہ کے سنگھاسن" کی ایک مورتی پر ہاتھ رکھ کر دل میں کہا ۔

پالکی چولے ۔ پالکی چولے ہو ہو ۔۔ وہ آہستہ سے گنگنانے لگی ۔

"دیپالی ۔ میں نے آج سے پچیس سال قبل تم سے آخری بار گانا سنا تھا ۔ جیند کنج کے پھاٹک پر ۔۔ اسی طرح گو دھولے کے وقت ۔۔"

"سنا ہو گا ۔ مجھے یاد نہیں ۔ ریحان تم نے ۔ تم نے اتنے شرمناک سمجھوتے کیسے کر لئے ۔۔ کلکتے میں بھی اور یہاں بھی ۔" وہ غم و غصے سے جھنجھلا کر رہ گئی ۔

"سمجھوتہ ! کیا تم نے نہیں کیا ؟ کیا تم نے پورٹ آف اسپین میں سمجھوتہ نہیں کیا ؟"

"میں نے اپنا ضمیر نہیں بیچا ۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"یہ بات تم کہہ سکتی ہو۔" وہ بھی جھنجھلا گیا۔ عمر رسیدہ لوگوں میں قوت برداشت کم ہو جاتی ہے۔

"اچھا، چلاؤ نہیں۔ لوگ سنیں گے تو کہیں گے دو خبطی بڈھے بڑھیا کیوں لڑ رہے ہیں؟"

ریحان نے تلملا کر سگریٹ اپنے بوٹ کے نیچے کچلا۔

"یہاں اتنی خونریزی ہوئی اور نتیجہ کیا نکلا؟ مغربی پاکستان سے آئی ہوئی بورژوازی کو نکال کر ایک نئی مقامی بورژوازی نے اس کی جگہ لے لی۔"

"شٹ اپ۔ یو آر اے سِلی اولڈ وومن۔ یہاں کے حالات سے واقف نہیں۔ آجاتی ہیں امریکہ سے یہاں نصیحتیں کرنے۔" ریحان نے جھلا کر جواب دیا۔

"تم کسی پاگل خانے گئے ہو؟" اس نے ذرا تیز آواز میں کہا۔ "میں ایک مرتبہ اپنے شوہر للت کے ساتھ ایک پاگل خانے گئی تھی۔ برازیل کے ایک شہر میں۔ وہاں ایک آدمی خود کو چارلس ڈارون سمجھتا تھا۔ دوسرا کہہ رہا تھا میں جیزس کرائسٹ ہوں۔ ایک عورت کا خیال تھا وہ مرگھچھ ہے۔ ایک عورت کو یقین تھا کہ وہ گرینڈ فادر کلاک بن چکی ہے۔ وہ مستقل ٹِک ٹِک ٹِک ٹِک کر رہی تھی۔ اسی طرح ___ رونو ___ ہم سب اپنے آپ کو وہ سمجھتے ہیں جو ہم نہیں ہیں۔"

"معلوم ہے۔ اب آپ بہت عقلمند ہو گئی ہیں۔ مجھے درس دے رہی ہیں۔"

"رونو ___ ایک قصہ سناؤں؟" دیپالی نے غیر ارادی طور پر سنگھاسن کے پایوں کی باقیماندہ سالم مورتی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "جب ہم لوگ نئے نئے پورٹ آف اسپین پہنچے، چھوٹا سا ایک مکان کرائے پر لیا گلی کے سرے پر ہمارے سامنے ایک خوبصورت دو منزلہ موُرش وضع کا مکان تھا۔ اس کے نچلے برآمدے میں لب سڑک دو نورانی صورت بڑھیاں برف جیسے سفید بال، روکنگ چیئرز پر بیٹھی نٹنگ کیا کرتی تھیں۔ محلے کے پادری اور ننزان کے ملنے آتی جاتی رہتیں۔ وہ پابندی سے چرچ جاتیں۔ پاس پڑوس کے غریبوں کی امداد کرتی رہتیں۔ بڑی دھرماتما سادھوی عورتیں تھیں۔

"دونوں بڑھیاں روز صبح دس بجے ٹیکسی پر بیٹھ کر بازار جاتیں۔ ان کا نیگرو باورچی ایک بڑا سا تھیلا لے کر ساتھ جاتا۔ واپسی پر اس کا تھیلا سامان سے بھرا ہوتا۔ ایک روز میں نے سوچا۔ میں اس جگہ اجنبی ہوں۔ میں بھی ان کے ساتھ سبزی ترکاری کی ان دکانوں پر جاؤں گی جہاں سے اچھی چیزیں مل سکیں۔ کئی دن نکل گئے۔ میں ان فرشتہ صفت بڑھیوں سے نہ مل سکی نہ ان کے ساتھ بازار جانے کے لئے طے کر پائی۔ ایک

صبح جب وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر روانہ ہوئی ہی تھیں۔ میں نے سوچا دوسری ٹیکسی لے کر میں بھی ان کے پیچھے چلی چلوں۔ بازار میں پہنچ کر ان کے ساتھ ہی خریداری کروں۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا اس دوسری گاڑی کے پیچھے پیچھے چلے۔

"میری ٹیکسی مارکیٹ سے گزر کر واٹر فرنٹ کی طرف چلی۔ اگلی ٹیکسی ایک ہوٹل کے سامنے جا رکی جس کے اندر سے جہازی ملاح نکل رہے تھے۔ ڈرائیور نے ذرا حیرت سے مجھے دیکھا۔ وہ دونوں بڑھیاں اپنی گاڑی سے اتر کر ہوٹل میں داخل ہوئیں۔ برآمدے میں دس بارہ ملاٹو لڑکیاں صوفوں پر ایک قطار میں بیٹھی سگریٹ پی رہی تھیں۔ میں تعجب سے ٹیکسی میں بیٹھی دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ بڑھیاں باہر آئیں۔ نیگرو باورچی تھیلا اٹھائے ساتھ۔ دونوں اپنی ٹیکسی میں بیٹھیں اور واپس چلی گئیں۔ ڈرائیور نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔ مِس آپ ابھی شاید یہاں نئی نئی آئی ہیں۔ آپ نہیں جانتیں۔ یہ دونوں بڑھیاں پچاس سال پہلے یہاں کی مشہور طوائفیں تھیں۔ یہ دونوں نیو اورلینز سے یہاں آئی تھیں۔ اب اس ہوٹل کی مالک ہیں۔ روز صبح آکر منیجر سے قحبہ خانہ کی آمدنی کا حساب کتاب کرتی ہیں اور رات کی آمدنی کے نوٹ اس تھیلے میں بھر کر لے جاتی ہیں۔ اور آمدنی کا زیادہ حصہ خدمت خلق پر خرچ کرتی ہیں۔ بڑا بڑا پادری لوگ جب یہاں آتا ہے ان کے یہاں ہی ٹھہرتا ہے۔

"جب میں گھر واپس پہنچی۔ وہ دونوں اطمینان سے روکنگ چیئرز پر بیٹھی بائبل پڑھ رہی تھیں۔

"تو رونو ___ اکثر لوگ دوغلی زندگیاں گزارتے ہیں۔ تم مادموزیل مارسیل اور مادموزیل ماری نہیں ہو۔ تم وہ نیگرو باورچی ہو جو وہ تھیلا اٹھا کر ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ تم بھی شامل ہو۔"

"کیا تم شامل نہیں ہو ___؟ کیا تم کو ویسٹ انڈیز ہجرت کے بعد ایک دولتمند بیرسٹر سے شادی کر کے برطانوی گورنر جنرل کے ڈنرز میں جانے کے بجائے پلانٹیشنز کے مزدوروں میں انقلابی تحریک کی تنظیم نہیں کرنی چاہئے تھی؟ تم نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ تم تھک چکی تھیں یا ڈزالوژن ہو چکی تھیں یا اب تم بھی آرام اور آسائش کی خواہاں تھیں۔ چراغ مسلسل جلائے رکھنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اب تم محض زبانی یا تخیلی ہمدردی کرتی ہو۔ لوگوں کی بے انصافی اور بے ایمانی پر خفا ہوتی ہو۔ مگر تم بھی شامل ہو چکی ہو۔ مسلسل علیحدہ رہنا بہت مشکل ہے۔ جو علیحدہ رہتے ہیں ان کو سنکی یا خبطی یا بے وقوف سمجھا جاتا ہے ___

"میں نے اخباروں میں تمہارے شوہر کا نام ایک دو بار دیکھا ہے۔ وہ اس جزیرے کی سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ وہ ایک دن وہاں کے وزیراعظم ہو جائیں۔ اور تم پرائم منسٹرز لیڈی۔ اس وقت دیپالی سین میں تم سے ملنے آؤں گا۔ اور تم سے پوچھوں گا تم کتنی 'آزاد' ہو ___ تم اور میں لیبوریٹری کی میز پر رکھے ہوئے

urdukutabkhanapk.blogspot.com

مینڈک میں جن پر زندگی نے اپنے تجربے کیے۔"

"لیکن ہماری طرح سب ہی تو بودے نہیں نکلے" ___ دیپالی نے دفعتاً بڑی کمزور آواز میں کہا۔ "بہت سے ہیں جنہوں نے اب تک چراغ جلائے رکھا ہے ___"

"آل لک ٹو دیم ___" ریحان نے سگریٹ تالاب میں پھینکتے ہوئے جواب دیا۔

۴۲

ناصرہ نجم السحر قادری

روش پر سے گذرتی ایک اداس صورت لڑکی آہستہ آہستہ چلتی آ کر تالاب کی منڈیر پر بیٹھ گئی۔

"آداب ماموں جان۔" اُس نے ریحان کو سلام کیا۔

"جیتی رہو۔"

"آداب دیپالی ماشی"

"جیتی رہو۔ آؤ۔ یہاں بیٹھو۔" دیپالی نے تخت کی طرف اسے بلایا۔

ریحان نے ذرا رکھائی سے دیپالی کو مخاطب کیا۔ "یہ میری بہن رابعہ کی بیٹی ہیں۔ مس ناصرہ قادری۔ تم سے ان کا ذکر کر چکا ہوں۔"

"ماموں جان پورا نام بتایئے۔ جہاں آرا خالہ مرحومہ نے میرا نام ناصرہ نجم السحر رکھا تھا۔ اور میں دیپالی ماشی سے مل چکی ہوں۔ جب یہ پچھلی بار یہاں آئی تھیں ___ سن چونسٹھ میں ___ اکمل کی شادی ___ اکمل کی ___" اس کی آواز ڈوب گئی۔

"مجھے خوب یاد ہے ___ کیسی ہو ناصرہ ___؟" دیپالی نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آج مجھے معلوم ہوا کہ آپ ویسٹ انڈیز سے آئی ہوئی ہیں۔ سو چلی آئی۔"

"بہت اچھا کیا۔ مجھے بہت خوشی ___ بہت خوشی ___ آج کل کیا کرتی ہو؟"

"پہلے جنگ آزادی میں لڑ رہی تھی۔ اب ایک گرلز کالج میں پولیٹیکل سائنس پڑھاتی ہوں۔ اسی کالج میں جہاں آپ نے اور جہاں آرا خالہ نے پڑھا تھا ___"

"تم جنگ آزادی میں لڑیں ___" دیپالی نے گویا خود ایک اسٹیٹمنٹ دیا۔

"جی ہاں۔ جب پچھلی مرتبہ آپ یہاں آئی تھیں۔ سن چونسٹھ میں۔ پاکستان ایرفورس کے پائلٹ آفیسر اکمل مرشدزادہ کی شادی میں شرکت کے لئے ___ اسی تخت پر اسی طرح ایک شام میں نے آپ سے کہا تھا ___ گو ہم مغربی پاکستان کی زیادتیوں کے خلاف ہیں مگر ہم کٹر پاکستانی ہیں اور پاکستان کی حفاظت کے لئے کٹ مریں گے۔" وہ تلخی سے ہنسی۔

"ناصرہ ___ تمہاری والدہ رابعہ کیسی ہیں؟" دیپالی نے تھکی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

"میرے والدین بخیریت ہیں۔ میرے ماموں جان بھی۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ کر سکتی ہیں۔ بخیر و عافیت ہیں۔" اس نے ریحان پر ایک تحقیر آمیز نظر ڈالی۔

یہ لڑکی ریحان سے کس حد تک متنفر ہے۔ اور وہ خاموش بیٹھا رہا۔ شاید وہ اس منہ پھٹ، منہ زور، تلخ مزاج، بدزبان نئی پیڑھی سے ہار مان چکا تھا۔ ان سے خائف تھا۔ یا اس کا ضمیر مجرم تھا۔ دیپالی کو وہ وقت بڑا ہی دہشت انگیز معلوم ہوا۔ مجھے یہاں سے بھاگنا چاہیئے۔ سیاسی گفتگو کو ٹال کر وہ کچھ دیر تک ناصرہ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔

اسکوٹر کی گڑگڑاہٹ۔ فرقان نے اسکوٹر لا کر سنگھاسن کے بالکل قریب روک دیا۔ "کیا اڈا ہو رہا ہے؟" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

"ہاں۔ تمہاری ہی کسر تھی۔ آؤ۔" ناصرہ بولی۔

فرقان، دیپالی نے پہلی بار غور سے دیکھا اپنے انداز اور چال ڈھال میں باپ سے بہت مختلف تھا۔

"یہ پہلے بھوکی پیڑھی کے ہمدرد شاعر تھے اب پیٹ بھری پیڑھی کے لیڈر بننے والے ہیں۔" ناصرہ نے کہا۔

فرقان نے اسکوٹر پر بیٹھے بیٹھے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ "شانتی! شانتی!!" اُس نے ہنس کر کہا۔

"شٹ اپ یو گس خوتی بیس فیسٹ ___" ناصرہ نے تلخی سے جواب دیا۔ "معاف کیجئے گا دیپالی دی۔ ہم لوگ ایک بہت بڑے آگ اور طوفان سے ہو کر گذرے ہیں جس کے مقابلے میں آپ لوگوں کی برطانیہ کے خلاف جدوجہد اور تقسیم ہند کی خونریزی ایک پکنک تھی۔"

"شاید یہ ہماری خوش نصیبی تھی۔" دیپالی نے عجز سے کہا۔ "ہم سمجھتے تھے نذرالاسلام کے وردی ہم ہی لوگ تھے۔"

"ہم نے بڑی تباہی دیکھی۔ PACIFIST کے بھیس میں کیا لوگ خود سے سمجھوتے نہیں کرتے؟ اس لیے ان کا ضمیر

urdukutabkhanapk.blogspot.com

کیا کہتا ہے؟" ناصرہ نے پوچھا۔ "انتخاب کیا ہونا چاہئے؟ امن پرستی یا فلسطینی مجاہد؟ امن یا آپ کے نکسلائیٹ؟"

"یہ ایک بنیادی سوال ہے۔ تم شاید اب بھی ہتھیار نہیں ڈالنا چاہتیں۔ تم شاید مائیگر صدیقی کو آئیڈیلائز کر رہی ہو۔ تم مسلسل پیہم انقلاب کی بات کرتی ہو۔ ناصرہ آپا تم بہت MIXED UP ہو۔" فرقان نے اطمینان سے کہا۔

"یہ ایک بنیادی سوال ہے فرقان احمد —" ناصرہ چمک کر بولی۔ "کسی دوسرے کو MIXED UP کہنا اوچھا ہتھیار ہے — دیپالی ماشی — یہ سارا خاندان —" اس نے ارجمند منزل کی طرف اشارہ کیا۔ "اور ہزاروں لاکھوں مارے گئے۔ میں نے مرگ انبوہ دیکھا۔ میں نے ملّا کے مذہب کا رول دیکھا۔ میں نے بنگالی پنجابی کی نفرت اور بنگالی بہاری کی نفرت کا سامنا کیا۔ سیاسی لیڈروں کا رول دیکھا۔ فرقان احمد! جس وقت ہم یہاں مشین گنوں کا سامنا کر رہے تھے تم اپنے باپ کے پیسے کی بدولت لندن میں مصروف عیش تھے۔" وہ ریحان کو اس طرح نظر انداز کر رہی تھی جیسے وہ اس جگہ موجود ہی نہ ہوں۔ چند منٹ بعد وہ اٹھ کر نزدیک روش پر ٹہلنے لگے۔ دیپالی نے ذرا بے آرامی سے پہلو بدلا۔ دیوانی مالا جو اس دوران میں کوٹھی کے اندر جا چکی تھی۔ دوبارہ کٹھ پتلی کی طرح سر ہلاتی آکر سنگھاسن کے قریب تالاب کی ایک سیڑھی پر بیٹھ گئی اور بھٹی بھٹی خالی خالی نظروں سے ان تینوں کو دیکھنے لگی۔

اب ناصرہ فرقان سے کہہ رہی تھی —— "ریوسزم اور QUIETISM اور امن پرستی بڑے خوبصورت الفاظ ہیں۔ لیکن تمہارے ونیتم پن اور سائی بیٹرا اور جرمی نیتھم آج تک ایک بندوق کی گولی نہ روک پائے۔ گاندھی نے جرمن یہودیوں سے کہا تھا ہٹلر کے مقابلے میں اہنسا استعمال کریں۔ ہا ہا ہا۔ جب یہاں ڈھاکہ گھِرا ہوا تھا اس وقت میں ولیم جیرز اور برٹرینڈ رسل کی دہائی دیتی؟ اور تمہارے جارج فاکس کی۔؟ اور تمہارے ٹالسٹائی کی؟"

"ایمرسن۔ جانتی ہو ناصرہ آپا ایمرسن نے کہا ہے کہ جنگ میں دلچسپی ایک کچے اور امیچور ذہن کی علامت ہے ایک آدمی کے قتل کی سزا پھانسی ہے مگر ہزاروں لاکھوں قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ ان کے قاتل قومی ہیرو اور جانباز سپاہی اور مادر وطن کے سپوت کہلاتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی قتل کو ناجائز قرار دینے کے لئے ایک اور اجتماعی قتل کیا جاتا ہے —— ہم بنگالیوں کو ایک کمزور رومینٹک شعر پرست بودی قوم سمجھا جاتا ہے مگر ٹیٹو میر سے لے کر تحریک موومنٹ تک اور جب سے مکتی باہنی اور نکسلائیٹ تحریک تک سب سے زیادہ تشدد یہیں ہوا ہے۔" فرقان نے کہا۔

"اچھا۔ تو میں تم سے ایک سوال کرتی ہوں۔" ناصرہ نے جوش سے بات کی۔ "آئین اسٹائن بڑے امن پرست تھے کیا اگر وہ اس وقت زندہ ہوتے تو اسرائیلی EXPANSIONISM کے موافقت نہ کرتے؟ ضرور کرتے

مغرب کے جتنے یہودی جتنے زیادہ عالم فاضل اور ہیومنسٹ ہیں اتنے ہی زیادہ وہ فلسطینیوں کے مخالف ہیں۔"

"مغرب میں تھوڑے سے یہودی انٹلکچوئیل اعتدال پسند بھی ہیں۔" دیپالی نے پہلی بار بحث میں حصہ لیا۔ وہ ایک مدت بعد اس مانوس خالص بنگالی "اڈے" میں شریک تھی۔ مگر اس زبردست جنریشن گیپ کا بھی اسے شدید احساس تھا جو اس وقت اس کے اور ان دونوں کے درمیان حائل تھا وہ ان سے بحث کرتے ہوئے ذرا جھجکتی تھی۔ غالباً آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکی تھی۔ ماضی کے "اڈّوں" کا پرانا ساتھی ریحان اپنے خیالات میں کھویا دور روش پر ٹہلنے میں مصروف تھا۔ اور وہ بھی اب اس کا ساتھی نہ رہا تھا۔

"ہر ذہنی رویّہ کلاس کی پیداوار ہے۔ امن پرستی سے بھی چند طبقوں کا فائدہ ہوگا۔ آپ پہلے فیکٹری اونر بن جائیے اور پھر امن کا پرچار کیجئے۔" ناصرہ نے اپنے ماموں اور ماموں زاد بھائی پر کھلی چوٹ کی۔ فرقان خوش دلی سے ہنستا رہا۔ "اور اب شاید تم مذہبی بھی ہوتے جا رہے ہو —" ناصرہ نے کہا۔

"مذہب میں امن کی اصل روح ہے۔" فرقان نے سنجیدگی سے جواب دیا

یقیناً! دیپالی آنٹی۔ آپ کو کچھ اندازہ ہے۔ سی۔ آئی۔ اے نے سوامیوں کے ذریعہ کتنا بڑا جال آدھی دنیا میں پھیلا دیا ہے؟"

"ناصرہ آپا۔ ڈونٹ بی ڈافٹ" فرقان نے برطانوی لہجے میں کہا۔ "کسی کو چھینک آئی اور تم نے کہا یہ سی۔ آئی۔ اے کی کارستانی ہے۔"

"اور وہ کتنے کامیاب ہیں:" ناصرہ کہتی رہی۔ "وہ ایک موٹا مسخرہ بال یوگی جو امریکہ میں ہے۔ ایک مشہور ولیسٹرن نوجوان انقلابی، نیو لفٹ کا لیڈر اس کا چیلا بن گیا کیا نام اس کا میں نام بھول رہی ہوں اور چیلا بننے کے بعد اس نے پریس کو بیان دیا۔ THE REVOLUTION IS OVER_BABY! —"

"ناصرہ آپا۔ بات یہ ہے کہ اب لیسوع بھی میرا ہیرو ہے اور حسینؑ بھی اور حسینؑ کی نسل کے آٹھوں امام۔ وہ اصل QUIETIST تھے اور چشتی صوفیاء۔"

"افیم کا تم پر پوری طرح اثر ہو چکا ہے —" ناصرہ نے بڑے دکھ سے کہا۔ "مذہب کی امن پرستی! مغرب میں دونوں طرف کی فوجوں کے ساتھ فوجی پادری جاتے ہیں۔ ایک ہی خدا سے فتح کی دعا مانگتے ہیں۔ جو دونوں طرف کے مرنے والوں کے لئے ایک ہی خدا اور اس کے بیٹے سے جنّت طلب کرتے ہیں۔ انڈیا پاکستان کی جنگوں میں ایک طرف کے جوان درگا کی تصویریں ساتھ لے جاتے ہیں۔ ست سری اکال کے نعرے لگاتے ہیں۔ دوسری طرف نعرۂ تکبیر اور نعرۂ حیدری مگر

urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور یہاں تو سن اکبتر میں دونوں طرف اسلام ہی اسلام تھا " ناصرہ چپ ہو گئی ۔ پلاش کے نیچے گلہریاں دوڑ رہی تھیں ۔ سامنے تالاب میں سرخ کنول کھلے تھے ۔ دیپالی کو خیال آیا البیر کامیو نے کہا تھا ۔ انسان کے مسلسل مبہم سوالات اور کائنات کی مکمل خاموشی ۔

ناصرہ پھر گرج کر بولی " کبھی چرچ آف انگلینڈ نے یا پوپ اور امریکہ کے قومی کلیساؤں نے ان جارحانہ لڑائیوں کو ڈی نا ونس کیا جو اُن کے لوگوں نے ساری دنیا میں لڑیں ؟ پچھلی جنگ میں پوپ نے نازیوں اور فسطائیوں کو ڈی ناؤنس کیا ۔ ؟ اور یہاں تو ـــ ہمارا یہ پورا دیس ہی مولویوں کا دیس ہے ۔ پاکستان کے علماء نے اس جنگ کو ڈی ناؤنس کیا ؟ دونوں طرف ایک سے ایک بڑے مولانا موجود تھے ـــ یاسمین خالہ مرحومہ کی مثال پیش کروں ـــ ؟ "

" کیا مثال ـــ ؟ " فرقان نے اب ذرا دھیان سے پوچھا ۔

" یاسمین خالہ ، شاید تمہاری پیدائش سے بھی پہلے ولایت چلی گئی تھیں ۔ سگن گنج کے مولانا مجید اللہ کی بیٹی ۔ پہلے انہوں نے رقص اپنا کیریر بنایا ۔ پھر انہوں نے ولایت میں ایک انگریز فیشن ڈیزائنر سے شادی کر لی ۔ مولانا مجید اللہ نے اُن کو عاق کر دیا ۔ حکم صادر کیا کہ کبھی ان کو اپنی شکل نہ دکھائیں ۔ یاسمین خالہ کے اپنے لاشعور میں مولویت رچی ہوئی تھی ان کو معلوم تھا کہ انگریز فیشن ڈیزائنر جیرالڈ ایڈورڈ بیلو نٹ سے ان کا نکاح قطعی بوگس تھا ایک FARCE ایک پاکستانی نقلی مولوی صاحب ، جو در اصل ایک دوست تھے اور گواہ لوگ سب نشے میں آؤٹ ۔ تو احساس جرم نے یاسمین خالہ کو ستانا شروع کیا ۔ پھر اپنی لڑکی کو اپنی اجازت سے مجبوراً انہوں نے عیسائی بنوا دیا ۔ پھر وہ لڑکی نیوڈ ماڈل بن گئی ۔ یاسمین خالہ کو ان کے احساس جرم نے مار ڈالا ۔ ان کا ضمیر ان کو کھا گیا ۔ ٹھیک ـــ ؟ مجھ کو یہ سب اس طرح معلوم ہے کہ جب ان کو دوسری بار ویسٹ جرمنی میں ہارٹ اٹیک ہوا انہوں نے امی کو بڑا اندوہناک خط لکھا تھا مفصل ۔ اور آخر میں لکھا تھا کہ رابعہ آپا اگر میں پردیس میں مر جاؤں یہاں نہ جانے میری لاش کا کیا حشر ہو ۔ میری موت کی اطلاع پر ڈھاکے کی کسی مسجد میں میری غائبانہ نماز جنازہ ادا کروا دیجئے گا ۔ اچھا تو مولویوں نے یاسمین خالہ کو معاف نہ کیا ۔ لیکن جب یہاں کی ہزارہا لڑکیاں ریپ ہوئیں ۔ سینکڑوں کو مجبوراً طوائف بننا پڑا تو عالم اسلام کے کسی مولوی نے کچھ نہ کہا ـــ " ناصرہ چپ ہو گئی ۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا ۔

یہ لڑکی اصل باغی ہے ۔ بد روحی ۔ ہم لوگ شاید اس حد تک باغی نہیں تھے ۔ دیپالی نے سوچا ۔ بد روحی ۔

" اور آپ کو معلوم ہے دیپالی ماشی ۔ لوگوں کو کس طرح مارا گیا ؟ ان کو اسپتال لے جاتے تھے وہاں کرسی سے باندھ کر ان کے جسم کا سارا خون نکال لیا جاتا تھا ـــ " دفعتاً وہ زار و قطار رونے لگی ۔

AND WOMEN MUST WEEP

AND WOMEN MUST WEEP

دیپالی نے دل میں دہرایا اور خود اپنے آنسو پونچھے ۔

" تو پھر کیا میں نہ مارتی ۔ ؟ میں نے بھی کومیلا میں اپنے پستول سے ایک پنجابی فوجی سپاہی کو گولی مار دی ـــ اور اس کا جانکنی کا کرب ، اس کا تڑپنا اور اس کا مرتا ہوا چہرہ ـــ مرتا ہوا چہرہ مجھے برابر خواب میں دکھائی دیتا ہے ۔ " وہ روتی رہی ۔ " کیا کرے ۔ انسان کہاں جائے ؟ کس طرف جائے ۔ ؟ " اس نے آنسو خشک کرتے ہوئے پوچھا ۔

" ناصرہ آپا ـــ " فرقان نے آہستہ سے کہا ۔ " میں نے لندن میں ایک بہت پرانی برطانوی فلم دیکھی تھی ۔ لرزہ خیز اینٹی وار فلم PATHS OF GLORY پہلی جنگ عظیم کے متعلق ! اس جنگ کے زمانے کا ایک گیت لِلی مارلین دونوں طرف مقبول تھا تو دیپالی آنٹی ۔ اتحادی سپاہی ایک جرمن لڑکی کو پکڑ لاتے ہیں اور اس سے لِلی مارلین گواتے ہیں ۔ اور گا کے گاتے وہ رونے لگتی ہے اور سپاہی خود بھی جذباتی ہو جاتے ہیں ۔ ادھر ـــ ایک ـــ شاید نو عمر برطانوی سپاہی ہے جو بہت خوفزدہ ہے ۔ اور وہ مورچہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے ۔ اور اُسے پکڑ کر واپس لاتے ہیں ۔ بھگوڑے کی سزا موت ہے ۔ وہ بیمار پڑتا ہے اسے فیلڈ ہسپتال میں داخل کرتے ہیں ۔ اس کا علاج کرتے ہیں ۔ جب وہ ذرا بہتر ہوتا ہے اسے اسٹریچر پر ڈال کر میدان میں لاتے ہیں اور پھر سمیت نوجوان کو ایک کھمبے سے باندھ دیتے ہیں ۔ اور پھر فوجی قانون کے مطابق اسے گولی مار دیتے ہیں ـــ "

ریحان واپس آ چکے تھے اور گلاب خاص کے نیچے کھڑے یہ قصہ سن رہے تھے ۔ انہوں نے آہستہ سے کہا ۔

" شاید میں بھی بھگوڑا ہوں ۔ ناصرہ ـــ تم ـــ اور دیپالی تم ـــ میرے لئے جو سزا چاہو تجویز کر لو ۔ "

بڑا دہشتناک سناٹا چھا گیا ۔ شام کی ہوائیں جھاؤ کی نازک ڈالیاں سرسراتی رہیں ۔

ناصرہ نے سر اٹھا کر پہلی بار ذرا نرمی سے اپنے مضمحل ماموں پر نظر ڈالی اور دھیرے سے کہا ۔ " لیکن ماموں جان ۔ کیا روسی افواج اور یورپ کے عوامی محاذ والوں کی سرفروشی کے بغیر فسطائیت کو ہرایا جا سکتا تھا ؟ کیا دفاعی جنگ بھی جرم ہے ؟ "

" یہ سلسلہ لامتناہی ہے " باپ کے بجائے فرقان نے جواب دیا ۔ " البیر کامیو نے جنگ کے فوراً بعد

urdukutabkhanapk.blogspot.com

لکھا تھا کہ میں کسی ایسی سچائی کو منظور کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں جس کی رو سے بالواسطہ یا براہ راست مجھے کسی کی زندگی کی قربانی کا مطالبہ کرنا پڑے ـــ کیونکہ اس وقت دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد دنیا نیوکلیر عہد میں داخل ہو چکی تھی ـــ"

اوپر جہاں آرا کے بیڈ روم کی کھڑکی کھلی۔ تیز روشنی کا راستہ سا تالاب تک بن گیا۔ زہرہ نے دریچے میں سے جھانکا۔ پھر اس نے آواز دی۔ "آؤ آؤ ختم کرو۔ کلب سے یاسمین یادگار کمیٹی والے کا فون آیا ہے۔ وہاں ہم لوگوں کا ڈنر پر انتظار کیا جا رہا ہے۔"

"آ ـــ آ ـــ آ ـــ" تالاب کی سیڑھی پر بیٹھی گونگی مالا آ آئی۔

۴۳

رچرڈ بارلو

ڈنر کی طویل میز پر بہت بڑھیا ولایتی کھانا سرد کیا جا رہا تھا۔ ہال کے ایک کونے میں پھولوں سے سجی یاسمین بلمونٹ مرحومہ کی تصویر رکھی تھی۔ شہر کے اہم انٹلکچوئیل اخبار نویس، ادیب، چند وزراء اور باقی نئی دولت مند بنگلہ دیشی اپر کلاس کے مرد اور عورتیں چھری کانٹوں سے کھانے کھاتے ہوئے مصروف گفتگو تھے "تاریخ کے اسباق سے انسان کی نصیحت حاصل نہ کرنے کا نام تاریخ ہے۔" بحری عقاب مچھلیوں پر اب بھی جھپٹا مار رہے ہیں۔

کھانے کے بعد وہ سب جا کر ایوان نشست میں بیٹھ گئے۔ ریحان الدین احمد شارک اسکن کی سفید شیروانی، چوڑی دار پاجامہ، سلیم شاہی جوتے، سلور گرے بال۔ پہلے سے زیادہ ہینڈسم نظر آ رہے تھے اور اس جگمگاتے مجمع میں اب بھی ہیرو بنے ہوئے تھے۔ اہم، کامیاب، دولتمند ـــ کل صبح ارجمند منزل میں بریکفاسٹ کی میز پر وہ صاف گوئی سے کہہ رہے تھے۔ میری مرحومہ امی کی روح خوش ہوگی۔ جن کے ساتھ ان کے تایا نے بے انصافی کی تھی۔ ان کی جائداد ہڑپ کر کے ان کو ایک غریب کسان سے بیاہ دیا تھا۔ مگر قدرت نے اب ان کے ساتھ انصاف کیا۔ وہ یہ سن کر بھونچکی رہ گئی۔ انسان کا ذہن، انسان کا دل و دماغ قطعی ناقابل فہم ہے۔ انھوں نے کہا تھا ـــ دیکھو میں نے مدتوں پہلے متحدہ بنگال میں جوتیاں چٹخائیں۔ جیل کاٹے۔ پھر مغربی بنگال میں۔ پھر جب مجھے وہاں اور یہاں چانس ملا میں اسے دونوں ہاتھوں سے قبول نہ کرتا؟

شام ناصرہ نے کہا تھا فرقان بھوکی پیڑھی کا شاعر بننے جا رہا تھا اب وہ اس پیٹ بھری پیڑھی کا ایڈیٹر ہوگا۔

کھانا نہایت لذیذ تھا۔ کلب کے چیف شیف نے بہترین فرانسیسی ڈشیں تیار کی تھیں۔ دیپالی نے دوبارہ سوچا۔ اس "جشن یاسمین بلمونٹ" پر کتنا بے تحاشا روپیہ خرچ کیا گیا ہوگا۔ جبکہ خود یاسمین نے برسوں دردر کی ٹھوکریں کھائیں اور کارخانوں میں مزدوری کی۔

سیاہ چاند پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ یاسمین تم کیتکی کا پھول تھیں جس نے سانپوں کو اپنی اور کھینچا۔ زندگی کے سانپ تمہیں ڈس گئے۔

اس کے قریب ایک گروپ پاکستان اور بنگلہ دیش کی سیاست پر تبادلۂ خیالات کر رہا تھا۔ "ہم نے یہ کیا۔ انھوں نے یہ کیا ـــ"

انگریز یا فرانسیسی یا جرمن کہتے ہیں۔ ہم نے یہ جنگ لڑی۔ ہم نے وہ فتح حاصل کی۔ ہم نے فلاں ایکٹ پاس کیا۔ اس سب کونٹینینٹ کی ہسٹری میں "ہم" کہیں نمودار نہیں ہوتا ـــ مغلوں نے یہ کیا۔ ہندوؤں نے یہ کیا۔ پہلے انڈیا اور پاکستان الگ الگ "ہم" تھے۔ اب بنگلہ دیش اور پاکستان الگ الگ "ہم" ہیں۔

اچانک اس نے خود کو کہتے پایا: "اگر جناح صاحب نے پاکستان نہ بنایا ہوتا تو آج بنگلہ دیش بھی نہ ہوتا۔" پھر وہ خاموش ہو گئی۔ اور وہ سوچنے لگی ـــ "مدر انڈیا" کا تصور بھی باقی ہندوستان کے قوم پرستوں کو دہشت پسند ہندو بنگالیوں نے دیا تھا۔ جو تخریب پسند کالی کے روپ میں شکتی کی پوجا کرتے تھے اور دیوی ماں کے قدیم دراوڑی تصور کے پرستار تھے۔ اور ان اولین دہشت پسندوں میں جن کو انگریزوں نے ٹیررسٹ کہا اور ہندوستانیوں نے انقلابی ـــ کافی اینٹی مسلم بھی تھے۔ اور بنکم چندر کا آنند مٹھ ان کا آدرش تھا۔ اور "بھدرا لوگ" کی سیاست اور "مسلم اشراف" کی سیاست کے CROSS - CURRENTS نے پاکستان بنایا۔ اور پاکستان کی سیاست نے بنگلہ دیش ـــ اور انفرادی طور پر مختلف لوگوں کی شخصیتوں اور کرداروں اور مزاجوں اور اعمال و افعال کے CROSS - CURRENTS کے اثر سے افراد کی اور قوموں کی زندگیاں بنتی اور بگڑتی ہیں۔

وہ جھنجھلا کر سامنے دیکھنے لگی جہاں آرکسٹرا بج رہا تھا۔ اور فلور پر ریحان الدین احمد کا کیمبرج پلٹ بیٹا فرقان برطانوی سفارت خانے کی ایک لڑکی کے ساتھ مصروف رقص تھا۔ اس لڑکے کی تازہ ترین ذہنی تبدیلیاں

urdukutabkhanapk.blogspot.com

جدید عصری مغرب کی نوجوان نسل کے ذہنی ردِ عمل کی تھی۔ وہ برطانیہ اور فرانس کے "نیولفٹ" اور طارق علی کے دور کے بعد کی پروڈکٹ تھا۔ کیا اس امن پرست انٹلکچوئیل فرقان احمد کو معلوم ہے کہ ایک زمانہ میں انقلابی نظمیں لکھنے کی سزا کالا پانی تھی؟ کیا ہم پر تاریخ کے دروازے بند کر دیے جائیں گے۔ میرے چچا دنیش چندر سرکار پھانسی کے تختے پر کیوں لٹک گئے؟ ان کا نام اب کسے یاد ہے؟ یا اشفاق اللہ کا؟ اور اس باغی ناصرہ نجم السحر کا کیا ہوگا؟ کیا بہت جلد وہ خود بھی اپنے موجودہ خیالات کو ترک نہیں کر دے گی؟ کیا کسی ایسے رویے کے BACKLASH کے طور پر پھر کوئی نیا رویہ نمودار نہیں ہوگا؟ ناصرہ کب تک باغی رہ پائے گی جب انقلابی مسلسل ایک دوسرے کو REVISIONIST کہہ رہے ہیں؟ جب خود انقلابی اعتدال پسندوں کو اسٹیبلشمنٹ پسند ESTABLISHMENT پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جب لیڈروں کے ذاتی کرداروں اور ان تعصبات، کمزوریوں اور ان کے مزاجوں اور اعصابی کیفیتوں کا اثر ان کی رہبری پر پڑتا ہے؟ پائلیٹ جو مسافر بردار طیارہ اڑاتا ہے اس کی صحت اور اعصاب کا برابر معائنہ کیا جاتا ہے۔ مگر لیڈر کی ذہنی اور اعصابی صحت کو بالکل نظرانداز کیا جاتا ہے۔

ہم لوگوں نے، ہماری جنریشن نے کیا کیا ـــ؟ اب ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگ بیچ ہائیکر تھے راستے کے کنارے کھڑے انگوٹھے دکھا رہے تھے۔ ایک کار رکی اس نے لفٹ دے کر ماسکو پہنچا دیا۔ دوسری کار رکی اس نے واشنگٹن۔ کچھ لوگ اونٹ پر بیٹھ کر مکہ مدینہ واپس گئے۔ کچھ بیل گاڑی پر بیٹھ کر بنارس۔

میرے لئے جو کار رکی وہ ذرا آگے جا کر ہی فیل ہو گئی۔

بنگال کی دلشٹومت میں ہر مرد کرشن اور ہر عورت رادھا کی تصویر ہے۔ گو اس کو یہ بات معلوم نہیں۔ تو کیا ریحان کرشن تھا، اور میں رادھا ـــ؟ لڑکپن میں یہی سمجھا کرتی تھی ـــ ابھی گرمیاں آئیں گی اور یہاں میرے اس پیارے حسین دیس میں کدم کے دل کی شکل والے پتوں میں زرد پھول کھلیں گے۔ لاکھ کے پیڑ پھولوں سے لد جائیں گے۔ سلطانہ چمپا مہکے گی۔ برسات آئے گی۔ ساگوان کے سفید پھول ـــ

"آپ۔ مجھے مسٹر ریحان الدین احمد نے بتایا کہ برطانوی راج کے خلاف بنگال کی انڈر گراونڈ انقلابی تحریک میں شامل رہ چکی ہیں۔" ایک صحافی نے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے اس کا سلسلۂ خیالات منقطع کر دیا۔ "کل صبح میں آپ کا انٹرویو لے سکتا ہوں۔ مع تصویر ـــ؟"

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں ـــ چلے جائیے میرے پاس سے۔" اس نے تقریباً چلا کر درشتی سے جواب دیا۔

لوگ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"آئی ایم سوری مسز سین ـــ" صحافی نے نرمی سے کہا اور وہاں سے ٹل گیا۔

"عجیب بد مزاج بڑھیا ہے۔" اس نے باہر جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

اب گلپوش ڈائس پر تقریریں شروع ہو چکی تھیں۔ مادام یاسمین بلمونٹ مرحومہ کو خراج عقیدت ان کا موضوع تھا۔ ان کے فن کی عظمت پر روشنی ڈالی جا رہی تھی۔ ابھی اس سے بھی تقریر کرنے کے لئے کہا جائے گا۔ آخر اسی مقصد کے لئے اسے اتنی دور ویسٹ انڈیز سے مدعو کیا گیا ہے۔ عجیب بات تھی۔ اس سے تشدنوں میں آج تک کسی نے گانے کے لئے نہیں کہا تھا۔ شاید لوگ یہاں کب کے بھول چکے تھے کہ وہ عباس الدین احمد کی شاگرد تھی۔ کہ ایک زمانے میں اس کے ریکارڈ گھر گھر بجتے تھے۔ کہ وہ آل انڈیا ریڈیو ڈھاکہ سے گاتی تھی۔ جو ریڈیو پاکستان ڈھاکہ بنا اور اب ریڈیو بنگلہ دیش ـــ آواز کی لہریں۔

ریحان تک نے یادگار کمیٹی والوں سے نہیں کہا تھا کہ وہ تقریبات میں کسی روز اس کے گانے کا پروگرام رکھوا دیں۔ ہر طرف عجیب کنفیوژن تھا۔ ریحان اب ہائی فنانس کی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے۔ ناقابلِ یقین!

وہ ہال کے ایک کونے کی نشست پر جا کر بیٹھ گئی۔ اب ایک اور نوجوان اس کی طرف آیا۔ جھک کر کہا۔ "ہم کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس مادام یاسمین بلمونٹ کی ڈائری ہے۔ کیا آپ اسے ہمیں عنایت کریں گی۔ ہم اسے بڑے شاندار طریقے سے کتابی صورت میں چھپوائیں گے۔ وہ ایک ادبی شاہکار ہوگا۔"

دیپالی کا چہرہ طیش سے سرخ ہو گیا۔ اُس نے زہریلی نظروں سے نوجوان کو گھورا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اُسے کوئی جواب نہ دیا اور تیز تیز چلتی ایوان نشست سے باہر نکل آئی۔ اور برآمدے کے آخری در میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ سامنے جامن کے درختوں پر پونم کا چاند نکل آیا تھا۔ وہ چاند بھی بہت پشیمان معلوم ہوتا تھا جس طرح وہ پشیمان تھی۔ اور اندر سے دل ہی دل میں ریحان نادم تھا۔ اور اور یاسمین تو اتنی پچھتائی تھی کہ اس دنیا ہی سے بھاگ نکلی تھی۔

در کے نزدیک بچھی چھوٹی میز پر ایک سفید فام نوجوان تنہا بیٹھا ڈنر کھا رہا تھا۔ ایک خاتون کو نزدیک کھڑا دیکھ کر مغربی تہذیب کے مطابق تعظیماً وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

"اندر اتنا ہجوم ہے کہ میں گھبرا کر باہر آ گئی۔" دیپالی نے کھوکھلی آواز میں کہا۔ "اس عمر میں انسان زیادہ بھیڑ بھڑکا برداشت نہیں کر سکتا۔ میں بہت دور سے آئی ہوں۔ ویسٹ انڈیز سے ـــ یہاں بیٹھ جاؤں؟"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"شیور۔ مَیم ۔"

وہ مقابل کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میں کرسٹفر ٹیگرٹ ہوں۔ میں یہاں سیر کے لئے آیا ہوں۔ اس وقت اپنے ایک دوست کا انتظار کر رہا ہوں۔ اب تک نہیں آیا۔ لے لیجئے وہ آرہا ہے۔"

ایک اور سفید فام سنہرے بالوں والا نوجوان لمبے لمبے ڈگ بھرتا اگر میز کے قریب کھڑا ہوگیا۔

"رچرڈ بارلو۔"

"مسز سین۔" "ہاؤ ڈو یو ڈو۔"

"ہلو۔" مسز سین نے کان کھڑے کیے۔

"یہ واقعی بہت مختصر دنیا ہے۔ میں تمہارے والد کو جانتی ہوں اور تمہارے بھتیجے سے چند روز قبل ایتھنز کے راستے میں ملی۔ تمہارا سوتیلا بھتیجا سوامی آتم انند شنکر پریمی۔"

"اوہ۔ آتم آنند۔ کریزی گائے ــ" ڈک بارلو نے شفقت سے مسکرا کر سر ہلایا۔

"وہ اگلے مہینے رشی کیش میں تمہارا انتظار کرے گا۔" مسز سین نے کہا۔

ڈک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ وہ اٹھائیس سال کی عمر میں کامیاب انٹیریر ڈیکوریٹر بن چکا تھا۔ مگر زندگی سے مطمئن نہ تھا۔ اس کے دوست کرسٹفر نے اس کے لئے بیرے کو ڈنر کا آرڈر دیا۔ ڈک نے کہا: "آرتھر کوئسلر نے کہیں پر لکھا ہے کہ اتفاقات کا سلسلہ عقل چکرا دیتا ہے۔ یہی دیکھئے مسز سین۔ آپ کی میرے بھتیجے سے اور مجھ سے ملاقات!"

"ساری زندگی اتفاقات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔" دوسرے انگریز نوجوان کرسٹفر ٹیگرٹ نے جو بہت زیادہ ذہین معلوم نہ ہوتا تھا فلسفیانہ انداز میں اظہار خیال کیا۔

بیرے نے مچھلی کی ڈش لا کر رچرڈ بارلو کے سامنے رکھی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں سبزی خور بن چکا ہوں۔ میرے لئے سلاد لے آؤ۔" یہ مچھلی ــ اس نے دیپالی کو مخاطب کیا ــ "کیا معلوم میری مرحومہ پھوپھی مس ایلس بارلو یہ مچھلی رہی ہوں۔ وہ گارو ہلز میں مشنری تھیں۔ اور ان کی بھی پھوپھیاں ــ میری گریٹ گریٹ آنٹ۔ مشنری تھیں بارلو سیتاپور میں ہیضے سے مریں۔ اور مس ماڈ بارلو چین میں مشن چلاتی تھیں۔ ان کو باکسر بغاوت کے دوران چینیوں نے مار ڈالا۔ آنٹ ایلس کو گارو ہلز میں کمیونسٹ قبائلیوں نے قتل کر دیا۔ ہاہا!

تینوں اپنے خیال میں شہید ہوئیں۔ اس وقت روپہلے پر لگائے نور کے ہالے پہنے یسوع مسیح کے سامنے کوائر میں گا رہی ہوں گی ــ میتھوڈسٹ حمد ــ

THERE IS A HAPPY LAND

FAR FAR AWAY

WHERE THE SAINTS IN GLORY

STAND BRIGHT BRIGHT AS THE DAY-"

وہ گنگنانے لگا۔ وہ متواتر شراب پی رہا تھا اور اس کا عرق آلود چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ "مسز سین بچپن میں آسٹریلیا میں میں بھی اسکول میں یہ حمد گایا کرتا تھا۔ لیکن ہیپی لینڈ کہیں نہیں ہے۔ یوروپ، امریکہ، انگلستان، بنگلہ دیش، انڈیا، پاکستان ــ کہیں نہیں۔ اور میرا سوتیلا بھتیجا سوامی آتم آنند شنکر پریمی کہتا ہے ہم سب اپنی اپنی کرموں کا پھل۔ کھا رہے ہیں ــ اور اپنے سنسکاروں کے مطابق میری بے چاری سوکھی چھوارا خشک مزاج مجرد مقدس آنٹ ایلس دوسرا جنم لے چکی ہوں گی۔ تو کیا پتہ وہ اس مچھلی کی جون میں اسی بنگال کے ایک دریا میں پیدا ہوئی ہوں۔ اور وہ مچھلی اب اس پلیٹ میں میرے سامنے تلی ہوئی رکھی ہو ــ تو میں بے چاری آنٹ ایلس بارلو کو کس طرح نوش کر سکتا ہوں۔ ہاہا۔"

اب اس نے کرسٹفر ٹیگرٹ کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے پچکارنے لگا۔ دیپالی دفعتاً شدید کراہیت کے ساتھ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ ڈک بارلو کہتا رہا۔ "مسز سین۔ میم۔ گو میں BI ہوں مگر مجھے کرسٹفر سے اتنی محبت ہے کہ شاید ہم دونوں شادی بھی کرلیں۔ آپ کو پتہ ہے GAY شادیاں اب کافی ہونے لگی ہیں۔"

کرس ٹیگرٹ نے شراب زیادہ نہیں پی تھی اور اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ وہ دیپالی سین کے سامنے جھینپ کر سرخ ہوگیا۔ اندر ہال میں یاسمین بلمونٹ مرحومہ کے متعلق تقریریں جاری تھیں۔ دیپالی نے کہا۔ "اچھا گڈ نائٹ۔ اب میں چلتی ہوں۔"

ڈک نے دہرایا۔ "کیا پتہ اس پلیٹ میں آنٹ ایلس بارلو تلی ہوئی رکھی ہوں یا گریٹ آنٹ میبل ان کو SIZZLER پر تلا گیا ہو۔ چھُن چھُن چھُن۔ ہم سب SIZZLER پر تلے جا رہے ہیں۔ آپ بھی میں بھی۔ ہم سب۔ میں۔ BI ہوں۔ اگر میرے بنگال سویلین امپیریلسٹ بارلو بزرگوں کو اور ناسور گریٹ گرینڈ فادر سر ایڈورڈ بارلو اور میرے چچا ونگ کمانڈر رچرڈ بارلو کو جن کے اسم گرامی پر میرا نام رچرڈ ایڈورڈ بارلو رکھا گیا۔

urdukutabkhanapk.blogspot.com

معلوم ہو جائے اور میرے خاندان کی ان نامور مرحوم مشرقی خواتین مثلاً ایڈا، بیتسی، میبل، ماڈی، ایلس کو معلوم ہو جائے کہ چارلس بارلو آئی۔ سی۔ ایس کا ایک پوتا ہندو سوامی بن گیا اور جیمز بارلو کا ایک پوتا، چارلس بارلو کا ایک بیٹا GAY۔ تو ان کی قبروں کے اندر۔ قبروں کے اندر بھونچال آجائے گا۔ مسز سین آپ اب بھی بہت دلکش ہیں۔ ہم NOW جنریشن والے صاف گو لوگ ہیں۔ ریاکاری آپ لوگوں کا اور آپ کے بزرگوں کا مسلک تھا۔ میرے بارلو بزرگ اور ان کے ساتھی جب MERRY انگلینڈ کے پبلک اسکولوں میں پڑھتے تھے وہ بھی GAY ہوا کرتے تھے۔ مگر وہ سکروائیلڈ کو پرسیکیوٹ کرتے تھے۔ لیڈی چیٹرلیز لور ممنوع تھی مگر معزز خواتین وہی سب کرتی تھیں۔ آپ بہت جاذب نظر خاتون ہیں۔ میں۔ BI ہوں۔ کیا آپ محض HETERO ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو صدمہ پہنچایا۔ آپ غالباً ایک CLOSET CASE ہیں ـــ"

وہ جلدی سے اٹھ کر تیز تیز قدم رکھتی واپس کلب کے اندر چلی گئی۔

۴۴

آتمار شانتی ـــ؟

بنگلہ دیش بمان سے ڈم ڈم پر اُتر کر وہ سیدھی ریلوے اسٹیشن گئی۔ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا۔ وہ آزادی کے تیس سال بعد کے ہندوستانی عوام کو قریب سے دیکھنا چاہتی تھی۔ ٹرین کلکتے سے نکلی۔ پرانے مٹھوں اور عہد ایسٹ انڈیا کمپنی کے کائی آلود دو منزلہ بنگلوں کے برابر سے گذرتی۔ بولپور روانہ ہوئی۔ مقابل کی سیٹ پر ایک بوڑھی بنگالی بیوہ بال منڈائے سفید موٹی دھوتی کے آنچل سے سر ڈھانپے اکڑوں بیٹھی بڑے انہماک سے کدو کے بیج نکال رہی تھی۔ نوکیلی مونچھوں والا ایک تنومند لمبا تڑنگا پوربی بھیا گلے میں تعویز پہنے اپنی چار سالہ بچی کو گود میں بٹھائے کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔ بچی کی مانگ میں گہرا سیندور رچا تھا۔ چائیلڈ میرج اب بھی موجود ہے۔ اسے یہ دیکھ کر دھکا سا لگا۔ کونے میں تین طالب علم ایک سیاسی بحث میں مصروف تھے۔ پھر انہوں نے اُکتا کر ایک ساتھ لمبی جمائی لی۔ دوسرے کونے میں ایک بدصورت مارواڑی عورت کار چوبی نائیلون کی گلابی ساری کے آنچل کا گھونگھٹ کاڑھے بیٹھی تھی۔ ایک اندھا دلیشتو بھکاری ایکتارہ بجاتا بھیک مانگتا کوریڈور میں سے گذرتا ڈبے میں آیا۔ اور مادھو آچاریہ کا مدھر اشٹک الاپنے لگا ـــ

ادھرم مدھرم وردنم مدھرم نینم مدھرم ہستم مدھرم ـــ دو مسافروں نے اسے پانچ پانچ پیسے دیے۔ وہ کچھ دیر متوقع کھڑا رہا۔ پھر ٹٹولتا ٹٹولتا باہر چلا گیا۔ ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی۔ دو مسلمان کسان ـــ بڑی سی پھندنے والی تنکے کی ٹوپیاں، چارخانہ تہمدیں، چھدری داڑھیاں، ایک کے باہر کو نکلے ہوئے دانت ـــ ایک بوری اٹھائے اندر آئے۔ ڈبہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ وہ دونوں فرش پر اکڑوں بیٹھ گئے۔ ٹرین پھر روانہ ہوئی۔

دونوں طرف دھان کے کھیتوں میں سارس کھڑے تھے۔ سپاٹ غیر دلچسپ لینڈ اسکیپ۔ بنگلہ دیش کے مسحور کن پکچر یسک مناظر سے اس قدر مختلف۔ وہ میرا وطن تھا۔ دیپالی نے سوچا اور اس کے دل پر ایک گھونسہ سا لگا۔ وہ میرا وطن تھا ـــ مشرقی بنگال۔ جس کا دنیا میں کوئی ثانی نہیں ـــ اور میں جلاوطن۔

بردوان اسٹیشن آیا اور نکل گیا۔ بولپور پر ٹرین رکی، بیگ اٹھا کر وہ پلیٹ فارم پر اتری۔ سامنے ہی شو کیس میں شانتی نکیتن کی مشہور ریشمی ساریاں رکھی تھیں۔ اور مرشد آباد میں اب بالوچر ساریاں دوبارہ بنائی جا رہی ہیں۔ روایتی بالوچر کاریگر استاد عبدالباسط خان کو راشٹرپتی کی طرف سے قومی انعام مل چکا ہے۔ کلکتہ میں گھوکھو کی بیوی نے اسے بتایا تھا جو کاٹیج انڈسٹریز کے محکمے میں ملازم تھی۔ اسٹیشن کے باہر سائیکل رکشاؤں کا ہجوم۔ مدقوق رکشاوالے۔ ایک لڑکا دانت نکوسے خالی رکشا چلاتا اس کی طرف آیا۔ سامنے چھوٹا سا بازار، اسلامیہ ہوٹل، بڑی مسجد، پرانا مانوس شانتی نکیتن۔ چند منچلی سے طلبا اٹیچی کیس سنبھالے رکشاؤں پر چڑھے اسٹیشن کی طرف آرہے تھے۔

"کہاں چلوں دیدی؟" لڑکے نے پوچھا۔

"تمہارا کیا نام ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آمار نام علی حسین۔"

"علی حسین!" اس نے دہرایا۔ یہ مدقوق رکشا والا علی حسین انڈیا میں بھی موجود تھا۔ بنگلہ دیش میں بھی پاکستان میں بھی۔ اس کے لئے کچھ نہیں بدلا تھا۔

گیسٹ ہاؤس پہنچ کر اس نے اپنے پرانے پروفیسروں کے متعلق دریافت کیا۔ چند مر چکے تھے۔ پروفیسر مرتضیٰ حسین بھی مر چکے تھے جن کے اصرار پر وہ یہاں داخلہ لینے آئی تھی۔ ایک کمرے میں جا کر وہ دھم سے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ باہر رات کا اندھیرا چھا رہا تھا۔ اور کمرے میں مچھر بھنبھنا رہے تھے۔ اجاڑ۔ اُجاڑ۔ اُجاڑ۔ جلد از جلد پورٹ آف اسپین اپنے گھر واپس پہنچنا چاہئے۔ اس نے اپنے نفیس شاندار بیڈروم کا تصور کیا۔ بلکہ اس وقت

urdukutabkhanapk.blogspot.com

نہ جانے کیا کر رہے ہوں گے۔ وہاں اس وقت نہ جانے کیا بجا ہوگا۔ اُف۔ اب یہ سوچنے میں کون سر کھپائے کہ اس وقت وہاں کیا بجا ہوگا ——

بے رونق ڈائننگ ہال میں جا کر اس نے بدمزہ کھانا کھایا۔ بدمزہ کھانا۔ بے تکے لوگ۔ پہلی بار اسے احساس ہوا جنوبی امریکہ میں اٹھائیس سال گذارنے کے بعد وہ اس جگہ کے لئے اجنبی ہے۔

صبح تیز دھوپ میں وہ اپنی پرانی مادر درسگاہ پہنچی۔ بے رنگ۔ بے رونق۔ معمولی نو عمری میں یہ جگہ خوابستان معلوم ہوتی تھی۔ شانتی نکیتن کا رومانس! علم و فن اور آدرشوں کا گہوارہ! وہ ادھر ادھر ٹہلی۔ ٹیگور کے مکان کا چکر لگایا۔ واپس گیسٹ ہاؤس جا کر کھانا کھایا۔ سوئی۔ شام کو پھر باہر نکلی۔ یہ جگہ اس کے لئے اجنبی تھی۔ تعجب! ابدیت کے ساتھ اس درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئی جہاں وہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں بیٹھا کرتی تھی۔ جہاں مہارشی دیبندرناتھ ٹیگور کو اچانک عرفان حاصل ہو گیا تھا۔

آمار پرانیر آرام
مونیر آنند
آتمار شانتی

غلط۔ بالکل غلط۔ سب فراڈ ہے۔ کیسا عرفان۔ اور کس چیز کا۔

تنے کی اوٹ میں چند لڑکیاں باتوں میں مصروف تھیں۔ وہ امیتابھ بچن اور دھرمیندر کا تذکرہ کر رہی تھیں۔ سامنے فلم فیئر، اسٹار ڈسٹ اور اسٹار اینڈ اسٹائل رکھے تھے اور ایک ٹرانزسٹر۔

یہ بڑھیا ایک ایسا خلا ہے جس میں خلق نوجوان ٹرانزسٹر پر فلمی گیت سن رہے ہیں۔ ناصرہ نجم السحر اور ان کے جیسے نوجوان شاید بہت جلد اب ان تینوں ملکوں میں انوکھے سمجھے جائیں گے۔ آؤٹ سائیڈرز۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ذرا دقت سے اٹھی۔ سبزے پر سے گذرتی پھاٹک کی سمت بڑھی۔ کلا بھون کے باغ میں مہاتما بدھ کا مجسمہ نظر آیا۔ سارا مجسمہ مٹی کا تھا۔ پاؤں بھی مٹی کے تھے۔

شام ہو گئی اور سارنگ بولو کے پرے سنتھال پرگنے کے کسان درانتی لئے اپنے گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔ کنول اور فصل اور دھنک کے دیوا! سوریہ درن پرتھوی! تو کر پچ ہے اور درانتی اور ہمارا ماتھا۔ اور ہمارا دل اور ہمارا گھر۔ تیری تقدیس ہم نے جھانجھ اور بانسری بجا کر کی۔ وہ جنگل کی طرف بڑھی۔

چاند نکل آیا۔ کنج کنج پھرے شام۔ کنج کنج پھرے —— دور ایک گول سفید سمادھی چاندنی میں

چمک رہی تھی۔ چاروں طرف سے بند کسی مٹھ کے تہ خانے کی طرح ہیبتناک گول سمادھی۔ سفید نیچا سا گنبد۔ پچھلے کسی زمانے میں ستی ہونے والی کسی مظلوم بےچاری کی خوفناک یادگار۔ دیپالی نے اپنی پیشانی پر سے پسینے کے قطرے پونچھے۔ دہشت زدہ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی کنج سے باہر نکلی اور سڑک پر چلنے لگی۔

بولپور کے ہینڈلوم کارخانے میں باریش مسلمان بنگالی جولاہے کرگھوں پر ساریاں بُن رہے تھے۔ اُن کے پُرکھوں نے ڈھاکے کی ململ اور مرشد آباد کا ریشم بُنا تھا۔ "صبح بھئے کر گھے پر بیٹھے، رات پڑے کر گھے پر بیٹھے۔ مور کے پروں ایسے رنگ والی ساریاں بُننے والے —— کسی مہاراجکماری کے بیاہ کے لئے ساریاں بُننے والے جولاہے —— او میاں جولاہے ——" سروجنی دیبی نے پوچھا تھا۔ "سرد چاندنی میں۔ اتنے سنجیدہ، گمبھیر بیٹھے کیا بُنتے ہو میاں جولاہے؟"

"شاعرہ! پروں جیسا، بادل جیسا سفید، کسی مرنے والے کا کفن بُنتے ہیں ہم —— دلہن کی سرخ ساری اور موت کا سفید کفن —— تانا بانا —— زندگی اور موت —— سُکھ اور دکھ —— نیکی اور بدی —— امن اور تشدد —— ریحان اور جہاں آرا —— یاسمین اور شہرزاد —— فرقان اور ناصرہ نجم السحر۔ چارلس بارلو اور سوامی آتم آنند۔ پادری بنرجی اور رادھیکا سانیال۔ ریحان اور زہرہ۔ ریحان اور دیپالی —— گوری۔ میں نے تمہارے لئے تالاب کھودا ہے اور سبزی باڑی بنائی ہے۔ میں تمہارے لئے سیندور کی ڈبیا اور ڈھاکے سے سینگ کی چوڑیاں لاؤں گا۔" یاسمین ایک بار کہہ رہی تھی وہ ایک روز اپنا ٹروپ بنائے گی۔ اور مولوی حشیم الدین کے نوکشتی کا استارہ ماتھ کا بیلے تخلیق کرے گی۔ "دیکھو ہم نے اس کتاب پر سروجنی دیبی کے دستخط لئے ہیں۔ اسے سنبھال کر رکھنا۔" "دیپالی دیدی میں نے ارجمند منزل کے جلسہ گھر میں سروجنی دیبی کے پالکی بردار کا بیلے پیش کیا۔ ہیج ہیج پالکی چلے —— پالکی چلے ہو —— ہو۔" "میری اُن کی پریت پرانی اُن بن۔ کل نہ پاؤں۔ جہاں بٹھا دے تاں ہی بیٹھوں۔ بیچے تو بک جاؤں —— ارے وہ تو دھنک کی طرح غائب۔ چاند بجھ گیا۔ چاندنی بجھ گئی۔

"آدھی رات کا جنگل جہاں ستیہ پرندوں کی آواز میں چہکا اور محبت ستاروں میں جھلملائی اور شانتی ندیوں کے روپ میں بھی ——" خواں نے گایا۔ الم کے دل پر برستی شفق بادلوں پر پھیلی۔ دھان کے کھیتوں کے سنہرے طوفان کو تیز آندھی نے بادل کی طرح اُڑا دیا۔ ہوا نے مجھے آواز دی۔ تم سب کے سارے خواب ان

urdukutabkhanapk.blogspot.com

پتوں کی طرح بکھر گئے ۔۔ "سانپ افیون کے پھولوں میں خوابیدہ اور جگنو خاموش چیتے کا راستہ روشن کر رہے ہیں ۔" بنگال کے ایک قدیم کوی نے کہا تھا ۔۔ "ہوائیں جنگل کے مندر میں رقصاں ہیں اور خاموش آوازیں دیوتاؤں کو عود لوبان چڑھا رہی ہیں ۔" شہزادی زیب النساء ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ بیگم جہاں آرا مرشد زادہ۔ پھول بن میں چیخیں کچھ کہہ رہی ہے۔ مگر اس کے الفاظ میری سمجھ میں نہیں آتے ۔ جہاں آرا اور یاسمین اور گوگی ما لاتینوں کائنات کے جلے گھر میں پردے کے پیچھے سے مسلسل چلاتے جا رہی ہیں ۔

OFF-STAGE ۔

اب صبح کا نارنجی وِشنو بیراگی سورج کا لوٹا ہاتھ میں لئے دریا کی اور بڑھ رہا ہے۔ وہ نیلوفر جو آنے والی بہاروں میں کھلیں گے ۔ وہ ستارے جو آنے والی راتوں میں جگمگائیں گے ۔ وہ یاتری جو مستقبل کے معبد کی سمت بڑھیں گے ۔ پتّوں کی مہک میں ساوتری کا الم اور سیتا کی وفا اور رادھا کا عشق اور شکنتلا کے آنسو اور دمینتی کا خوف پوشیدہ ہے ۔

شاعر نے کہا۔ اور زرد پھول جو بہار کے قدموں کے گھنگرو ہیں ۔ اس نیم تاریکی میں کسی پرانے خواب کے چمکیلے بھوت معلوم ہو رہے ہیں۔ آسمان کی منڈیر پر ستاروں کے دیئے جل رہے ہیں۔ بادل سنہری نوکاؤں کی طرح آسمان کے دریا پر سے گزرتے جا رہے ہیں۔

بولپور ریلوے اسٹیشن کے سامنے مسجد کے نیچے برگد تلے ایک مسلمان بوڑھی اندھی بھکارن اللہ اللہ پکار رہی ہے ۔

"زندگی کا میلہ جو ابدیت کے میلے کی سمت رواں ہے ۔ ایک بوڑھی فقیرنی مسلسل کلمہ پڑھتی رہتی ہے ۔ وہ بارش اور دھوپ میں بیٹھی افلاس اور بھوک اور دکھ سے مصروف گفتگو ہے بگر لشاش دنیا اس کی پکار سنے یا نہ سنے اس کا ایمان اس کی حاجت اور مصائب سے زیادہ صاف شفاف ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" سروجنی دیبی نے کہا۔

ریلوے اسٹیشن کے سامنے رکشاؤں کا ہجوم ۔ ہنس مکھ مدقوق علی حسین اسے اپنی رکشا پر گیسٹ ہاؤس سے لے آیا ہے۔ "دیدی اب کب آیئے گا ۔ ؟" وہ بشاشت سے پوچھتا ہے ۔

"معلوم نہیں ۔" وہ جواب دیتی ہے ۔

سامنے مسجد کے زیر سایہ برگد تلے، بوڑھی اندھی بھکارن لوگوں کے قدموں کی چاپ پر دھیان سے کان لگائے بیٹھی ہے ۔

۴۵

ونگالہ راگنی

علی پور روڈ کلکتہ اپنی کوٹھی کے برآمدے میں روکنگ چیر پر بیٹھی کماری ادما رائے بالکل اپنی مرحوم والدہ لیڈی پری توش رائے معلوم ہوئیں ۔ وہی غصیلا چہرہ ۔ وہی جھریاں ۔ بائیں ہاتھ میں بڑے سے زمرد کی وہی انگشتری ۔ سفید شال ۔ برف جیسے سفید بال ۔ بالکل کوئی بیوہ مہارانی ۔ راج ماتا ۔ پہلے جتنی موٹی تھیں بیماری کی وجہ سے اب اتنی ہی دبلی ہو گئی تھیں ۔

وہ اپنے پوڈلز کو ناشتہ کروا رہی تھیں ۔ باغ میں چند کالے کلوٹے ننگے پوربی بچے کھرپی لئے گھاس کھودنے میں مصروف تھے ۔ چالیس سال قبل وُوڈلینڈز ، رمنا ، ڈھاکہ میں بھی یہی منظر تھا ۔ کون کہتا ہے کہ دنیا بدل گئی ۔ یا "خاموش انقلاب" آ گیا ۔ یا نکسلائیٹ تحریک چلی ۔ اور وہی اوٹو کریٹک ارسٹوکریٹک ادما دیبی ۔ بے کالی کلکتہ والی ۔

"نومشکار اُدما دیدی ۔"

"نومشکار ۔ کیسے آئیں ۔" اب وہ زیادہ کرینکی ہو گئی تھیں ۔ دیپالی نے بنگلہ دیش اور انڈیا آنے کا مقصد بتایا ۔

"تم کو معلوم ہے ۔ میرا بھائی زملیندو شراب پی پی کر مر گیا ۔ ریحان مجھے چھوڑ کر بنگلہ دیش چلا گیا ۔ دغا باز ۔" ان کی جھرجھری آواز بھرا گئی ۔ ریحان کی وجہ سے ان کی زندگی کتنی بڑی ٹریجڈی رہی ۔ دیپالی نے محسوس کیا ۔ وہ خود کنارے پر کھڑی ہلکی پھلکی تماشائی ہے ۔

"ریحان اپنی رُوٹس میں واپس گیا اُوما دی ۔ ایک وقت آتا ہے جب انسان محسوس کرتا ہے کہ ایک مستقل موہوم تہذیبی تصادم اور بے آرامی سے بہتر ہے کہ انسان اپنی جڑوں میں واپس چلا جائے ۔"

"کیا وہ تم سے یا مجھ سے شادی کر لیتا تو کلچر CLASH کا سامنا کرتا ؟"

"شروع میں نہیں ۔ مگر آخر میں ۔۔ بڑھاپے کی طرف بڑھتے ہوئے انسان کو اپنے تہذیبی گہوارے کی ضرورت ہوتی ہے ۔۔۔ وہ اپنی ماں کی تہذیب کا متلاشی ہوتا ہے ۔۔"

urdukutabkhanapk.blogspot.com

"کیا ارجمند منزل اس کا گہوارہ ہے؟" اُوما دیبی نے آگ بگولا ہو کر پوچھا۔ اور غصّے سے ہانپ کر کھانسنے لگیں۔

"غالباً۔ ایک حد تک۔ ارجمند منزل بھی۔ اور زہرہ بھی۔" دیپالی نے اطمینان سے جواب دیا۔ میں لڑکپن سے ان سے ڈرتی آئی ہوں۔ اب میں کیوں ڈروں۔ اب یہ میرا کیا بگاڑ سکتی ہیں۔ اب یہ مجھے ہراساں نہیں کر سکتیں۔ اب میرے بال بھی سفید ہو چلے ہیں۔ اور اب ریحان الدین احمد بھی درمیان میں نہیں ہے ــــ ڈاکٹر بنوئے چندر سرکار ــــ اور ــــ اور ــــ یک لخت اسے ایک انتہائی کمینہ خیال آیا ــــ اب میں اوما رائے سے زیادہ دولتمند ہوں۔ پورٹ آف اسپین میں میرا کولونیل مینشن وُوڈ لینڈز سے کم شاندار نہیں ــــ تو رعب کس بات کا۔ کرسی پر آگے کو جھک کر کھانستی ہوئی کھجور کی طرح سوکھی چیمرخ اُوما رائے بے حد قابلِ رحم اور مضحکہ خیز معلوم ہوئیں۔ کیا ہمیں ان سب کو معاف کر دینا چاہیے جنہوں نے ہمیں اذیتیں پہنچائیں؟ کیا یاسمین نے بھی معاف کر دیا تھا؟ شوا ــــ شوا ــــ

"میں نے ریحان کو ہر حال میں دیکھا اور اس کا ساتھ دیا ــــ" اُوما کھانس کھانس کر کہہ رہی تھیں۔ "جنگ سے پہلے کے لندن میں طالبِ علم۔ ڈھاکے میں باؤل فقیر کے بھیس میں انڈر گراؤنڈ انقلابی۔ آدرش وادی۔ رومینٹک۔ پارٹیشن کے بعد کلکتے میں سرگرداں پریشاں حال۔ پھر کامیاب لیڈر۔ چند روزہ منسٹر۔ اور اب تم اسے بنگلہ دیش کا نیا ٹائی کون دیکھ کر آ رہی ہو ــــ اب وہ مجھے مدتوں خط بھی نہیں لکھتا۔ پچھلے دنوں اس کا امن پرست شاعر لڑکا کلکتہ آیا تھا۔ میں نے ٹیلی ویژن کے یُووَتھ پروگرام میں اسے دیکھا۔ مجھ سے ملنے تک نہ آیا۔" اچانک انہوں نے پینترا بدل کر کہا۔ "دیپالی۔ تم بہت خوش قسمت ہو۔ تم مجھ سے ٹمبیٹ بازی لے گئیں۔"

"آپ کا ایسا خیال ہے اُوما دیدی؟" اس نے سکون کے ساتھ کہا۔ معلوم ہوتا تھا محمد آن اسپورٹنگ اور موہن بگان کے فٹ بال میچ کے خاتمے پر دو خواتین کھیل کے متعلق تبادلۂ خیالات کر رہی ہیں۔

الم ایک مہیب سیاہ پرند کے مانند اڑتا ہوا آیا اور سر جھکا کر پر پھیلا کر ان کے نزدیک بیٹھ گیا۔

بیرہ حاضر ہوا۔ "مس صاحب۔ گاڑی تیار ہے۔"

"چلو۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔" اُوما رائے نے دیپالی سے کہا۔

وقت کا کپالک کھوپڑیوں کی مالا پہنے۔ عصا میں گھنٹیاں اور جھنڈیاں لگائے آگے آگے چل رہا ہے۔

"کلب ــــ؟"

"نہیں۔ مندر۔ ماں کے مندر۔"

اُوما رائے پہلے لامذہب تھیں۔ اب مذہبی ہو گئی تھیں۔ برہمو خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور ایک بھیانک۔ بے جان، گرد شکل مورتی کی پرستش کرنے کے لیے جا رہی تھیں۔ ان میں اور جاہل بھوتارنی دیبی میں زندگی نے کیا فرق باقی رکھا۔

وہ دونوں برآمدے کی مرمریں سیڑھیاں اتر کر کار میں بیٹھیں۔

"کالی گھاٹ ــــ؟" شوفر نے دریافت کیا۔

"نہیں۔ بیلور۔" مالکن نے جواب دیا۔

بیلور مٹھ کے ایک مرمریں ہال میں درگا کی بڑی مورتی کے سامنے سندھیا کی آرتی اتاری جا رہی تھی۔ باہر احاطے میں چند تلک دھاری یورپین اور امریکن سنیاسی ٹہلتے پھر رہے تھے۔ بھاٹک پر کالی کی خوفناک تصویریں بک رہی تھیں۔

پوجا کے بعد وہ دونوں باہر آئیں۔ ایک طرف درختوں کا جھنڈ تھا۔ ڈالیوں پر پرند جھول رہے تھے۔ ایک پیڑ کے نیچے گھنے سیاہ بالوں کا جوڑا گنیٹی پر بنائے ایک یوگنی دھیان میں محو آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔

بھیروی اور "بادلوں کو کھینچنے والی" میگھ رنجنی راگنی کے مانند دنگالی یا بنگالی بھیرو راگ کی ایک بہت قدیم پراچین بنگال کی راگنی ہے۔ سارے راگ راگنیوں کی طرح اس کے "نادما یا روپ" سے علیحدہ اس کے "دیوتا مایا روپ" یا سائیکلک پیکر کا بھی تصور کیا جاتا ہے یوں کہ بن گالی راگنی شِو کی ایک یوگنی ہے جو گھنے بن میں اپنی کٹی کے سامنے ایک مرگ چھالا پر بیٹھی ہے۔ درختوں پر پرندے اور مرگ چھالا کے پاس ایک شیر موجود ہے۔

بیلور مٹھ کے کنج میں بیٹھی یہ بنگالی بیراگن بنگالی راگنی نہیں تھی۔ کوئی معمولی کردار عورت تھی جس نے شاید اپنے گھریلو مسائل سے تنگ آ کر یا بیوہ ہونے کے بعد سنیاس لے لیا ہوگا۔ یا وہ بال ودھوا تھی یا کیا پتہ وہ سچ مچ کی عارفہ ہو۔ دیپالی نے حیرت سے سوچا۔ وہ اور اوما رائے کنج سے گزر کر ایک سنسان صحن میں داخل ہوئیں۔ وہاں بھی مکمل سناٹا تھا۔ وہ ایک منڈیر پر بیٹھ گئیں۔ اُوما رائے نے اپنا سینڈلز نیچے گرا دیں۔ پاؤں منڈیر پر رکھ لیے۔ مراقبے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔ دیپالی نے بھی اپنے سینڈلز نیچے گرائے پاؤں منڈیر پر سمیٹ لیے۔ ان

urdukutabkhanapk.blogspot.com

دونوں کے جوتے سنگی سپاٹ زمین پر ادھر اُدھر پڑے نہایت مضحکہ خیز اور قابل رحم معلوم ہوئے۔ دیپالی نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ایک لنگور درخت کی شاخ پر بیٹھا اُسے بڑے غور سے ملاحظہ کر رہا تھا۔

"کال راتری!" دیپالی نے ہنس کر کہا۔

"کون ــــ؟" اُوما دیوی نے چونک کر دریافت کیا۔

"کوئی نہیں۔" دیپالی نے ذرا کھسیانے پن سے کہا۔ "کال راتری۔ شو کے گھر کا ایک بھتنا۔ لنگور کے روپ میں۔ آپ سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ غائب ہو گیا۔"

اس دہشتناک بھورے کواڈرینگل میں چاروں طرف آنجہانی مٹھ دھاریوں کے خالی حجرے بہت پُر اسرار معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے خاکی پلنگوں کے اوپر ان کے کھڑاؤں رکھے تھے۔ ہم اپنے جوتے دنیا ہی میں چھوڑ جاتے ہیں۔

سامنے چوڑا دریا بہہ رہا تھا۔ دریا کالی اور بھیرو کے دس دس ہاتھوں کے مانند بانہیں پھیلائے کال کی سطح پر بہہ رہے ہیں۔ نروان کی کیا ضرورت ہے۔ کسی نے کہا تھا۔ پانی پانی میں مل گیا۔ میں شکر بننا نہیں چاہتا شکر کھانا چاہتا ہوں۔

اس کی یاد خوشبو کا بھیس بدل کر ہزاروں میل دور رین ٹری کے سائے میں ٹری ٹاپ ہاؤس کے نیچے بھی پہنچے گی۔

اور نگین ناؤ والے ماجھی۔ نو جوار کے ساتھ آیا بھاٹا کے ساتھ۔ شہد جیسے چیت مہینے میں کوئلیں کوکیں۔ پُوس کی چاندنی میں مچھیرے مچھلی پکڑنے گئے۔ تپش بن میں بھنورے گونجے۔

محبت کی باؤلی لو کا خشکی پر بھی چلتی ہے۔

غلط۔ بالکل غلط۔

ایک قتل کر دی گئی۔ ایک نے خودکشی کر لی۔ ایک جلاوطن ہے۔

اور اُوما رائے برگد تلے منڈیر پر بیٹھی سر جھکائے آہستہ آہستہ دھونکنی کی طرح کھانس رہی ہیں۔

قہرناک کالی ــــ قہرناک۔ رحیم۔ مادر عظیم "تیری قربان گاہ میں میں نے لہو دینے کی پتیوں اور زعفرانی چاول اور موت اور زندگی کے نذرانوں سے انجلی سجائی۔ اُوما بھاوتی۔ میں تیرے لئے کلیاں اور جنگل کی بیریاں لے کر آئی ہوں۔ امیکا پاروتی۔ سارے سکھ اور سارے دکھ تیرے لئے۔ گری جا تجھوی۔" درختوں نے سرسرا کر

دہرایا۔ ڈالیاں آدمیوں کے ہاتھوں کی طرح ہلنے لگیں۔ شیل پُتری۔ بھارتا۔ کامنی دُرگا۔ گیری ودہتر۔ دختر کوہ! جب رام پرشاد سین ماں ماں پکارتے پکارتے عاجز آ گئے تھے تو انہوں نے کہا تھا۔ ماں۔ ماں مت پکارو۔ پتہ نہیں وہ مر چکی ہے۔ ورنہ آتی کیوں نہیں۔

اُوما رائے اپنی دولت اور اپنے پوڈلز اور اپنے ملازموں کی دُوسرا ہٹ میں دنیا میں بالکل تنہا تھیں۔ اچانک انہوں نے سر اٹھا کر بڑے اضطراب سے کہا۔ "مجھے کوئی اچھی خبر سناؤ۔ میری زندگی میں اچھی خبریں بہت کم ہیں۔"

"اچھی خبریں میرے پاس بھی بہت زیادہ نہیں ہیں اُوما دیدی۔" دیپالی نے کھسیانے پن سے جواب دیا۔ وہ دو بوڑھی بلیاں تھیں جو ایک سنسان گلی میں برگد تلے اپنے اپنے پنجے تیز کئے ایک دوسرے کے مقابلے پر موجود تھیں۔ چند لمحوں بعد دیپالی نے کہا "جہاں آرا رحمٰن اپنے سارے خاندان کے گولی سے اڑا دی گئی۔"

"اور کوئی بُری خبر سناؤ۔"

"یاسمین مجید نے خودکشی کر لی۔"

"اور ــــ"

"اور اس سے پہلے جہاں آرا کی چھوٹی بہنیں ہوائی جہاز کے حادثے میں ہلاک ہوئیں۔ آلپس کے پہاڑوں پر جہاز گرا۔ اُن کی لاشوں کا پتہ تک نہ ملا۔" وہ ایک مردہ خانہ کے سوریڈ چوکیدار کی طرح اب ذرا تفصیل سے بیان کرنے لگی۔ "اور جہاں آرا۔ جب ماری گئی اس کے خون کے چھینٹوں سے سارا کمرہ لال ہو گیا اور اس کا بھیجا نکل کر دیوار سے چپک گیا۔ اور نواب قمر الزماں کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ــــ"

"اور کوئی بُری خبر سناؤ۔"

"میرے بابا۔ آپ کے سابق ہینڈسم منگیتر بنوئے چندر سرکار کینسر سے مرے۔ بہت سخت تکلیف سے جان نکلی۔ آخر وقت میں ان کی شکل دیکھی نہ جاتی تھی۔ اور ان سے دو سال پہلے میری پھوپھی بھوتارنی دیبی اندھی ہو کر مریں ــــ اور ان شدید بلڈ پریشر کر پاگلوں کی طرح چیختی تھیں۔"

"اور کوئی بُری خبر سناؤ۔"

ء اٹھارہویں صدی کا بنگالی شاعر اور کالی بھگت۔ جس سے ایک مرتبہ اس کے گیت شاہی بجرے میں سفر کرتے ہوئے نواب سراج الدولہ نے بھی سنے تھے۔

"اور — آپ سامنے دیکھ رہی ہیں — وہ اُدھر دیکھئے۔ پریتوں[۱] کے منہ سے آگ نکل رہی ہے۔ شوچی مکھ[۲] بھوت آپ کے تعاقب میں ہیں۔ اور میرے تعاقب میں۔ زمانہ مغرور انسانوں کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔"

"اب تم کالی کے روپ میں میرے سامنے ظاہر ہوئی ہو۔" اومارائے نے خائف ہو کر کہا۔

"ہم اپنی جُونوں میں اسی طرح بھٹکتا پھریں گے۔ کالی بھی مر چکی ہے۔ سورج ٹھنڈا پڑنے والا ہے۔" دیپالی نے سرد مہری سے جواب دیا۔ "میں اپنے باپ اور پھوپھی کی راکھ لے کر ہردوار جا رہی ہوں۔ راستے کا انت وہی ہے۔ سنئے اُداسی بیلور رام پرشاد[۳] کے سنیاسی کیا گاتے ہیں۔ میں آپ کو سناؤں — 'دنیا کے اس ہاٹ میں ماں بیٹھی اپنی پتنگ اڑا رہی ہے۔ لاکھوں ڈوروں میں سے وہ ایک ڈور کاٹ دیتی ہے۔ اور جب پتنگ کٹ کر بیکراں وسعت میں پہنچ جاتی ہے تو ماں ہنس کر تالی بجاتی ہے۔'"

۴۶

بھیرو راگ

آخر شب کی بیکراں تاریکی میں بوئنگ جٹ فضائے بسیط میں تیر کی طرح نکلتا چلا گیا۔ پھر اس کی جگ مگ کرتی روشنیوں کو گھُپ اندھیرے نے نگل لیا۔ تاریکی اور آسمان میں گھرے اس فولادی پنجرے میں کئی سو اجنبی آتماؤں کے ساتھ بھور غیر اہم بے معنی دیپالی سین نے غیر اہم بے معنی یاسمین بلمونٹ کی ڈائری ٹٹولی جو اس کے بیگ میں محفوظ تھی۔ اسے میں واپس لے آئی۔ کس کو دوں۔ کوئی اس کا وارث نہیں۔ خود میرا دیپالی سین کا کوئی وارث نہیں۔ ہر انسان اپنا آغاز اور انجام خود ہے۔ لیکن شاید یاسمین بلمونٹ کی ایک وارث موجود ہے — ناہرہ نجم السحر ذاکری۔ شاید۔

ٹوکیو۔ ہونولولو۔ سان فرانسسکو۔ پورٹ آف اسپین۔ بہت لمبا سفر ہے۔ وقت کا اندرونی سفر اور بیرونی۔ اور اس کے آگے ہڈیاں بہا کر لے جانے والے دریا کا سفر۔ اور قبر کے کیڑوں کی زمین دوز مسافت۔ دفعتاً اسے بڑی شدید طمانیت محسوس ہوئی۔ وہ ابھی زندہ ہے۔ زندگی بڑی نعمت ہے۔

---

۱ مردہ خور بھوت ۲ سوئی جیسے باریک منہ والے بھوت
۳ رام پرشاد سین کا ایک بھجن۔

یاسمین نے اپنی ڈائری میں ایک جگہ لکھا تھا۔ IT WAS GOOD KNOWING YOU, WORLD!

اس کے برابر بیٹھے ہوئے امریکن نوجوان نے پوچھا۔ "انڈین —؟"

"اوورسیز انڈین — ویسٹ انڈیز۔"

"اوہ — ! جمیکا — کنگزٹن ٹاؤن —؟"

"ٹری نیڈاڈ — پورٹ آف اسپین۔"

اچانک بڑی مسرت کے ساتھ اسے اپنے گھر کا خیال آیا۔ اسپیش کولونیل مینشن۔ وسیع باغ خانہ۔ وین ٹری کا جھرمٹ۔ کلپسو میوزک۔ مسٹر لیس سرسوتی۔ مسٹر لیس خیر النسا۔ قابل اعتبار غیر دلچسپ شوہر للت سین۔ اس کی اپنی آرام دہ خوبصورت متموّل دنیا۔ خوشگوار موسم۔ موسیقی۔ لذیذ کھانے سیر و سیاحت I SHOULD COUNT MY BLESSINGS اس نے یک لخت بے انتہا خوفزدہ ہو کر سوچا۔ ہوا میرے باپ۔ دھرتی میری ماں۔ اگنی میرے دوست۔ پانی میرے عزیز۔ آسمان میرے بھائی۔ تمہارے ساتھ رہ کر جنم ملتا ہے۔ انت سمے تم کو سلام بھیجتا ہوں۔ یہ گمبھو[۱] نے کہا تھا۔

اور بیسویں صدی کے نصف آخر کے بنگال کی رقاصہ یاسمین مجید نے لکھا تھا۔ مور بڈنگی نہیں۔ للت نہیں — ہنڈول۔ موسم بہار کا بھیلے۔ ساری کائنات کا بھیلے۔

کہ اپنی ساری بدی اور رذالت اور کمینگی کے باوجود دنیا بڑی سہانی جگہ ہے۔ قابلِ قدر۔

اس نے کھڑکی سے ناک چپکا کر باہر دیکھنا شروع کیا۔ گھُپ اندھیری رات۔ چند لمحوں میں صبح کا ذب[۲]۔ نیچے سیاہ سمندر اب نظر آنے لگا۔ اوپر سیاہ آسمان۔ تخلیق کی اوّلین رات — ہیبتناک، لرزہ خیز بھیرو کے سُر۔ آہستہ آہستہ — بہت مدّھم اُجالا — اب میں بھیرو راگ کا دھیان کرتی ہوں۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ شبھ۔ سپید پوشاک۔ ششی شیکھر۔ گلے میں مالا۔ حلق میں زہر۔ رکت نیترہ۔ خون سی سرخ آنکھیں۔ کانوں میں جگمگاتے کنڈل۔ بھور بھئے جیسے دیوتا گاتے ہیں — آنکھیں کھولیں۔ افق پر ہلکی سی سپیدی آچلی تھی۔ اپنا نرسنگھ پھونکتا شُدھ بھیرو ساری کائنات — اس نے بہت آہستہ آہستہ مختلف سُر گیں گنگنانی شروع کیں۔ رشو بھیرو۔ ونگاد بھیرو۔ آنند بھیرو — غنودگی سی آگئی۔ وہ راگ کے سُروں پر تیر گئی۔

---

۱ نویں صدی بنگال کا سنسکرت شاعر ۲ سر پر جلال

urdukutabkhanapk.blogspot.com

یاسمین نے اپنی ڈائری میں الگ جگہ لکھا تھا۔ IT WAS GOOD KNOWING YOU, WORLD!

اس کے برابر بیٹھے ہوئے امریکن نوجوان نے پوچھا۔ "انڈین ـــ؟"

"اور سیز انڈین ـــ ویسٹ انڈیز ـــ"

"اوہ ـــ! جمیکا ـــ کنگز ٹن ٹاؤن ـــ؟"

"ٹری نیڈاڈ ـــ پورٹ آف اسپین ـــ"

اچانک بڑی مسرت کے ساتھ اسے اپنے گھر کا خیال آیا۔ اسپیش کولونیل مینشن۔ وسیع باغ۔ خالہ۔ رین ٹری کا جھرمٹ۔ کلپسو میوزک۔ مسٹر لیس سرسوتی۔ مسٹر لیس خیر النساء۔ قابلِ اعتبار غیر دلچسپ شوہر للت سین۔ اس کی اپنی آرام دہ خوبصورت متموّل دنیا۔ خوشگوار موسم۔ موسیقی۔ لذیذ کھانے سیر و سیاحت I SHOULD COUNT MY BLESSINGS اُس نے یک لخت بے انتہا خوفزدہ ہو کر سوچا۔ ہوا میرے باپ۔ دھرتی میری ماں۔ اگنی میرے دوست۔ پانی میرے عزیز۔ آسمان میرے بھائی۔ تمہارے ساتھ رہ کر جنم ملتا ہے۔ ان سے تم کو سلام بھیجتا ہوں۔ یہ گھیشورؒ نے کہا تھا۔

اور بیسویں صدی کے نصف آخر کے بنگال کی رقاصہ یاسمین مجید نے لکھا تھا۔ موربڈ ٹی نہیں۔ للت نہیں ـــ ہنڈول۔ موسم بہار کا بھیلے۔ ساری کائنات کا بھیلے۔

کر اپنی ساری بدی اور رذالت اور کمینگی کے باوجود دنیا بڑی سہانی جگہ ہے۔ قابلِ قدر اس نے کھڑکی سے ناک چپکا کر باہر دیکھنا شروع کیا۔ گھُپ اندھیری رات۔ چند لمحوں میں بحر الکاہل نیچے سیاہ سمندر اب نظر آنے لگا۔ اوپر سیاہ آسمان۔ تخلیق کی اوّلین رات ـــ ہیبت ناک، لرزہ خیز بھیرو کے سُر۔ آہستہ آہستہ۔ بہت مدھم اُجالا ـــ اب میں بھیرو راگ کا دھیان کرتی ہوں۔ اُس نے آنکھیں بند کیں۔ شیو۔ سپید پوشاک۔ ششی دھر۔ گلے میں مالا۔ حلق میں زہر۔ رکت نیترہ۔ خون سی سرخ آنکھیں کانوں میں جگمگاتے کنڈل۔ بھور بھئے جیسے دیوتا گاتے ہیں ـــ آنکھیں کھولیں۔ افق پر ہلکی سی سپیدی آچلی تھی۔ اپنا نرسنگھ پھونکتا شُدھ بھیرو ساری کائنات ـــ اُس نے بہت آہستہ آہستہ مختلف سُرگیں گنگنانی شروع کیں۔ رشو بھیرو۔ ونگلا بھیرو۔ آنند بھیرو ـــ غنودگی سی آگئی۔ وہ راگ کے سُروں پر تیرا کی۔

ؒ نویں صدی بنگال کا سنسکرت شاعر ـــ سری جلال

پھر اس نے چونک کر باہر دیکھا۔ اب پو پھٹ رہی تھی۔ اب مجھے بھیرو راگ میں شو مہاکال کی تقدیس کرنی چاہیے۔ وہ اندر ہی اندر ایک بنگلہ بھجن گنگنانے لگی۔ پھر باہر نظر پڑی۔ بہت ہی خوبصورت منظر تھا۔ حدِ نگاہ تک شفّاف پانی اور شفّاف آسمان۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ کس کا خیال کروں؟ مہاکال اور مہاکالی پر تو دھیان نہیں جمتا۔ شو اور شکتی، دونوں فیل ہو گئے؟ اندر ہی اندر بہت سے گپت چتر ہیں۔ کس پر دھیان لگاؤں۔ اور کون سا راگ گاؤں۔ اندر ہی اندر بہت سے گپت راگ ـــ

نیچے بحیرۂ چین کی موجیں پگھلی چاندی معلوم ہو رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ اُجالا پھیلا۔ سوریہ ٹھاکر سنہرا نوہ ماسک پہنے جاپان کے اوپر نمودار ہو رہے تھے۔

لاکھوں برس سے سورج اسی طرح طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے۔ اور طلوع ہوتا ہے۔ اور غروب ہوتا ہے اور طلوع

ختم شد

تحریر:- عبدالکریم النصاری